العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ

فتاویٰ رضویہ

(۲۸)

امام اہلسنّت مجدّدِ دین و ملت اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا خان قادری رضی اللہ تعالٰی عنہ

رضا فاؤنڈیشن

لاہور، پاکستان

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
اٹھائیسویں ۲۸ جلد 9
ضروری بات 10
فہرست مضامین مفصّل 11
فہرست ضمنی مسائل 41
اذان ونماز ومساجد 51
رسالہ 53
رسالہ شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر 53
(منبر کے سامنے نداء کے بیان میں عنبر کے شمامے) 53
الشمامة الاولٰی من عنبر الحدیث 65
(عنبر حدیث کا شمامۂ اولٰی) 65
الشمامة الثانیہ من صندل الفقہ 113
(شمامۂ ثانیہ از صندل فقہ) 113
الشمامة الثالثة من مسک القران العظیم 156
(قران کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ) 156
الشمامة الرابعة من عود احراق الخلاف 174
(اختلاف کو خاکستر کر دینے والے عود و عنبر کا چوتھا شمامہ) 174
اضافات افاضات 335
فضائل ومناقب 361
رسالہ 367
طرد الافاعی عن حمی هادٍ رفع الرفاعی ۱۳۳۶ھ 367
(سانپوں (موذیوں) کو دور کرنا اس ہادی کی بارگاہ سے جس نے امام رفاعی کو رفعت بخشی) 367

رسالہ 403

فتاوٰی کرامات غوثیہ 403

خلاصۂ جواب تھانوی دیوبند 431

رسالہ 433

تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ ۱۳۱۲ھ 433

(زمانۂ جاہلیت کے عیب سے مقام حیدری کی پاکی کا بیان) 433

رسالہ 469

غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق ۱۳۳۱ھ 469

(تحقیق کی انتہاء حضرت علی مرتضٰی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں) 469

رسالہ 491

الزلال الانقٰی من بحر سبقۃ الاتقٰی 491

(سب (متیوں) سے بڑے پرہیز گار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی 491

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃُ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۸

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ــــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴، ۷۶۶۵۷۷۲

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ۲۸

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ________ ۶۸۴

اشاعت ________ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ/مارچ ۲۰۰۴ء

مطبع ________

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۷۶۶۵۷۷۲ ۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ۵
فہرست مفصل ۱۱
فہرست مسائل ضمیمہ ۴۱
اذان، نماز، مساجد ۵۱
فضائل و مناقب ۳۶۱

فہرست رسائل

شمائم العنبر ۵۳
طرد الافاعی ۳۶۷
فتاوٰی کرامات غوثیہ ۴۰۳
تنزیہ المکانۃ الحیدریہ ۴۳۳
غایۃ التحقیق ۴۶۹
الزلال النقی ۴۹۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد اللہ! اعلٰیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں :

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ (۱۳۲۶ھ)

(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ (۱۳۲۶ھ)

مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری (۱۳۲۸ھ)

(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینة لعلماء بکة والمدینة (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا چودہ سال کے مختصر عرصہ میں اٹھائیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس سے قبل شائع ہونے والی ستائیس جلدوں کی مشمولات کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلٰوۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصلٰوۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصلٰوۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصلٰوۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر	۳۳۹	۷	جمادی الاخرٰی ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

۱۵	کتاب السیر	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰__________اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولٰی ۱۴۰ھ__________ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰__________فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱__________جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید و الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر_____۱۴۲۲____مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر و لاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل_____۱۴۲۳_____مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر و لاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری____۱۴۲۳___اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر و لاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ_____۱۴۲۳______فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر و لاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ_____۱۴۲۳______فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرھن، باب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب____۱۴۲۴___ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸
۲۶	کتاب الفرائض، کتاب الشتی حصہ اوّل	۳۲۵	۸	محرم الحرام_____۱۴۲۵ مارچ_____۲۰۰۴	۶۱۶
۲۷	کتاب الشتی حصہ دوم	۳۵	۱۰	جمادی الاخری____۱۴۲۵___اگست ۲۰۰۴	۶۸۴

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف و متداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء و مشائخ سے استشارہ و استفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، نیز اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیق انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھا اور اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کی۔ عام طور پر فقہ و فتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں[۲۰] جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا تھا للٰہذا اکیسویں[۲۱] جلد سے مسائل حظر و اباحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظر والاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں[۲۵] چھبیسویں[۲۶] جلد بھی منصّہ شہود پر آچکی ہے۔ اب ابواب فقہیہ میں سے صرف کتاب الفرائض باقی تھی جس کو پیش نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ و دیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث و فتاوائے اعلیٰحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم و دوازدہم میں غیر مبوّب و غیر مترتّب طور پر مندرج ہیں، ان کی ترتیب و تبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلیٰحضرت اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے روحانی تصرف و کرامت سے راقم نے یہ گھاٹی بھی عُبور کرلی اور کتاب الحظر والاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پرو کر مرتبط و منضبط کر دیا ہے **وللہ الحمد**۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ و متفرقہ کو کتاب الشتی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال و استفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم و دوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(ھ) رسائل کی ابتداء و انتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلیٰحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں و مناسب جگہ پر شامل کر دیا ہے۔

(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے للٰہذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتّب کرنا پڑی۔

(ح) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل ومفصّل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

اٹھائیسویں ۲۸ جلد

یہ جلد ۲۲ سوالات کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے سوائے رسالہ الزلال الانقی، شمائم العنبر اور تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ کے کہ ان میں سے اول الذکر کا ترجمہ جانشین مفتی اعظم، فقیہ اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب بریلوی ازھری دامت برکاتہم العالیہ اور ثانی الذکر کا ترجمہ بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ اور آخر الذکر کا ترجمہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جبکہ فتاوی کرامات غوثیہ پر حواشی حضرت علامہ مولانا جلال الدین قادری کے تحریر کردہ ہیں۔

پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشتی حصہ سوم کے ابواب، اذان، نماز، مساجد اور فضائل و مناقب پر مشتمل ہے تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمنًا زیر بحث آئے ہیں لہٰذا مذکورہ بالا بنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی تیار کردی گئی ہے تاکہ قارئین کو تلاش مسائل میں سہولت رہے۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر (۱۳۳۳ھ)

مسجد کے اندر اذان خطبہ کے عدم جواز پر انتہائی محققانہ بحث

(۲) فتاوی کرامات غوثیہ

غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شب معراج بارگاہ رسالت میں حاضری سے متعلق تین سوالوں کے جواب

(۳) الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی (۱۳۰۰ھ)

افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بیان

(۴) طرد الافاعی من حمی ھاد رفع الرفاعی (۱۳۳۲ھ)

سیدنا امام احمد رفاعی اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عظمت کا بیان

(۵) تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ (۱۳۱۲ھ)
اس امر کا بیان کہ سیدنا حضرت صدیق اکبر اور سیدنا حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن ہمیشہ نجاست شرک سے پاک رہا۔
(۶) غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق (۱۳۳۱ھ)
حضرت صدیق اکبر وحضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کا بیان

ضروری بات

گو مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال پر ملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، مگر یہ اس سراپا کرامت وجود باجود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزندارجمند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی مدظلہ جو علوم دینیہ وعصریہ کے مستند فاضل اور حضرت مفتی اعظم کی علمی وتجرباتی وسعت وفراست کے وارث وامین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے جامعہ کے طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہونے کے باعث متعدد تجربہ کار مدرسین مقرر کئے ہیں اور فتاوٰی رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے نقوش جمیلہ پر گامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسب معمول سالانہ دو جلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہورہی ہے۔ بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہئے تاکہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں۔ فقط

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور، شیخوپورہ (پاکستان)

ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
جنوری ۲۰۰۵ء

فہرست مضامین مفصّل

اذان، نماز، مساجد		مقدمہ مصنف۔	۵۳
فاسق اگر معلن ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے ورنہ مکروہ تنزیہی، اور اس کا اعادہ بہتر ہے۔	۵۱	حمد و صلوۃ۔	۵۳
یہ روایت محض بے اصل ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یزید کو واسطے مغفرت کے کوئی نماز بتائی تھی۔	۵۲	کسی چیز کی خوبی اور خرابی کا معیار اللہ تعالٰی کا اسے خوب اور ناخوب فرمانا ہے آدمی کی پسند اور ناپسند کو اس میں دخل نہیں۔	۵۵
ولد الزنا اگر حاضرین سے علم میں زائد نہ ہو تو اسکی امامت مکروہ تنزیہی ہے ورنہ اس کی امامت اولی ہے۔	۵۲	ناپسندیدہ امور کی اشاعت کے اسباب۔	۵۵
ولد الزنا کی خلافت و بیعت کا حکم۔	۵۲	اشاعت منکر کے لیے حکومت کی جد و جہد اور اس کے رسوخ اثر کا استعمال۔	۵۵
رسالہ **شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر** (خطبہ جمعہ کے لئے اذان مسجد سے باہر سنت ہے اور اس کے صحیح موقع و محل کا مدلل بیان۔	۵۳	متمردین کا اس کو رواج دینے کے لیے آمادہ ہونا۔	۵۵

علمائے ربانیین کا لوگوں کے اتباع اور قبول حق سے مایوس ہونا۔	۵۵	اندرون مسجد اذان دربار الٰہی کی بیحرمتی ہے۔	۶۱
کسی امر کے نو پید ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا پتا نہ چلے بلکہ اس کے خلاف عمل درآمد ہوتا رہا ہو۔	۵۶	جوف مسجد میں اذان مشروعیت اذان کی مصلحت کے خلاف ہے۔	۶۱
اس کا موجد اور عہد ایجاد پردہ خفا میں ہوتا ہے۔	۵۶	اندرون مسجد اذان پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں۔	۶۱
وقت کے ساتھ برائی اچھائی اور اچھائی برائی بن جاتی ہے۔	۵۶	اذان اندرون مسجد آج کل بہت سے مقامات پر شائع وذائع ہے مگر اس سے نہ اجماع ہوا نہ توارث۔	۶۱
کسی وقت سنت پر عمل کرانا فطرت بدلنے یا پہاڑ منتقل کرنے یا اپنے پاس سے حکم گھڑنے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔	۵۷	متعدد حدیثوں سے احیاء سنت کا ثبوت اور اس کی فضیلت پر مختلف کتب حدیث سے ایسی حدیثوں کی تخریج۔ (حاشیہ)۔	۶۲
تخریج حدیث (حاشیہ)۔	۵۷	اس بات کا اشارہ کہ آئندہ صفحات میں بعنوان نفحات قرآن وحدیث وفقہ سے ہم اس اذان کا بیرون مسجد ہونا ثابت کرینگے۔	۶۴
عادت کے خلاف حق بات بھی لوگ تسلیم نہیں کرتے۔	۵۷	عنبر حدیث۔	۶۵
قبول حق کے لیے سبقت کرنیولوں کو بشارت۔	۵۸	شمامہ اولٰی ونفحہ نمبر اول۔	۶۵
انصاف اور قبول حق کی دعوت۔	۵۸	حدیث ابوداود کی متعدد سندیں۔	۶۵
مسئلہ دائرہ کا اجمالی بیان۔	۵۹	متن حدیث اور اس امر کی وضاحت کہ مدار حدیث محمد بن اسحٰق ہیں۔	۶۶
اذان جمعہ خطیب کے سامنے موضع صلوۃ سے باہر حدود مسجد میں ہونی چاہیے۔	۵۹	سفیان بن عیینہ اور ابومعاویہ سے ابن اسحٰق کی توثیق۔	۶۷
یہ حدیث ابوداؤد سے ثابت ہے۔	۵۹	ابن اسحٰق کے خلاف چند الزامات کی تردید (حاشیہ)۔	۶۷
ان چھ مفسرین کا نام جنھوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس حدیث پر اعتبار کیا۔	۶۰	امام ابواللیث امام شعبہ علی ابن مدینی امام زہری سے ابن اسحٰق کی تصدیق۔	۷۰
ان فقہاء کے نام جنہوں نے اپنی کتابوں میں منصوص طور پر یہ مسئلہ ذکر کیا۔	۶۰	عاصم بن عبداللہ بن قائد ابن حبان ابویعلی یحیٰی بن معین ابن البرقی اور امام بخاری کی توثیقات امام ابن ہمام اور امام بخاری وغیرہ کی تصحیح۔	۷۳
تائیدات مزید۔	۶۱		

درجات حسن میں روایت ابن اسحٰق اعلی درجہ پر فائز ہیں اور اسی کو ادنی درجہ کی صحیح کہا جاتا ہے۔	۷۴	اس روایت میں تدلیس نہیں بلکہ حدثنی زہری ہے۔	۷۹
بعض ائمہ نے ابن اسحٰق کی حدیث کو صحیح اور بعض نے حسن کہا۔	۷۵	راوی کسی شیخ سے کثیر الروایات ہو تو لفظ عن سے روایت میں بھی تدلیس نہیں۔	۸۰
ان ائمہ کا ذکر جن کے نزدیک ابن اسحٰق میں تدلیس کے علاوہ کوئی عیب نہیں۔	۷۶	روایت بطور نزول ابن اسحٰق کی عادت تھی۔	۸۰
ابن اسحٰق کی کچھ مرویات ائمہ حدیث نے جن کی تائید وتوثیق فرمائی (حاشیہ)۔	۷۶	مراسیل کے اعتبار اور عدم اعتبار کی تاریخ۔	۸۱
محمد ابن عبداللہ، یعقوب ابن ابی شیبہ، ابن حبان، مصعب زبیری کا ابن اسحٰق کی طرف سے دفاع۔	۷۶	امام زین العابدین اور امام زید کا واقعہ۔	۸۲
نفحہ ۲۔	۷۷	ایسے جلیل القدر ۳۸ ائمہ حدیث کا ذکر جن کی عادت ارسال حدیث کی تھی۔	۸۳
ابن اسحٰق پر تشیع کے الزام کی حقیقت۔	۷۷	صحابہ کے مراسیل مطلقاً مقبول دوسروں کے مراسیل بہ اتفاق امام اعظم وامام مالک وابن حنبل مقبول ہیں البتہ ظاہر یہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ھ کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے۔	۸۳
تشیع، غلو فی الشیعیۃ اور رفض کی تعریف۔	۷۷	ابن اسحٰق کی مروی حدیث کو ابوداود نے صحیح کہا۔	۸۴
ترتیب خلافت وفضیلت کی تشریح میں علامہ تفتازانی، ابن حجر مکی اور امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مسلک۔	۷۸	لیث ابن سلیم جو ثقہ مدلس ہیں امام منذری نے ان کی سند کو حسن کہا۔	۸۴
عثمان غنی اور مولی علی رضی اللہ تعالٰی عنہما کے درمیان افضیلت میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا قول۔	۷۸	ابوزبیر کی معنعن بروایت لیث ہو تو مقبول ہے۔	۸۵
لفظ شیعی اور رمی بالتشیع میں فرق ہے۔	۷۹	صحیح مسلم کی چند حدیثیں بروایت ابوزبیر عن لیث نہیں مگر امام مسلم نے انہیں بھی مقبول رکھا ہے۔	۸۵
روایت میں بدعتی کے قبول اور رد کا معیار۔	۷۹	زید بن ثابت سے شادی شدہ زانیوں کے رجم کی روایت ہے اسی روایت میں ہے کہ عمر نے فرمایا کہ میں آیت کے نزول کے وقت بارگاہ رسالت میں تھا۔	۸۵
نفحہ ۳۔	۷۹	اس حدیث کی کسی تخریج میں یہ روایت عن عمر عن رسول اللہ نہیں سوائے مذکور روایت کے اور اس میں حضرت قتادہ کو مدلس کہا گیا اس کے باوجود روایت مقبول ہے۔	۸۶

فتح مکہ کی دو روایتیں متعارض منقطع ہونے کے باوجود مقبول ہوئیں۔	۸۶	نفحہ ۷۔	۹۶
قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن دونوں ہی قسم کی روایتوں سے استدلال کیا اور علماء کے نزدیک مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کی تصحیح ہے۔	۸۸	ماولین کی اس تاویل کا رد جو خطیب کی پشت پر دروازہ ہونا بیان کرتے ہیں۔	۹۶
کتاب الخراج کی اہمیت۔	۸۸	جو دروازہ خطیب کی پشت پر تھا وہ سائب ابن یزید کی ولادت سے سال دو سال پہلے بند ہوچکا تھا۔	۹۶
نفحہ ۴۔	۸۹	مجاز در مجاز۔	۹۷
ابوداود میں اس حدیث کا ہونا اس کی صحت کی دلیل ہے۔	۸۹	نفحہ ۸۔	۹۷
ابوداود کی عظمت اور اس کی صحت پر چھ اماموں کے نصوص۔	۸۹	علی باب المسجد سے علی مقابل الباب یصیق المنبر مراد لینا رکیک تبدیلی ہے۔	۹۷
مزید آٹھ اماموں کی توثیق۔	۹۰	اس پر تین ایرادات۔	۹۸
نفحہ ۵۔	۹۳	نفحہ ۹۔	۹۹
حدیث مبحوثہ میں امام زہری کے اکثر شاگردوں میں صرف ابن اسحٰق نے ہی علی باب المسجد اور بین یدیہ کا اضافہ کیا مخالفین بین یدیہ کی زیادتی کو تسلیم کرتے ہیں اور علی باب المسجد کی زیادتی کو رد کرتے ہیں یہ بڑی زیادتی ہے۔	۹۳	اس حدیث میں مجاز بالحذف کی ایک اور رکیک تاویل کا رد۔	۹۹
اس قسم کے اختلاف کے اعتبار پر واقع ہونے والے عظیم اعتراض کا ذکر اس سے ان محدثین پر اعتراض ہوگا جو مختلف روایتیں ایک ہی سیاق میں ذکر کرتے ہیں۔	۹۳	ایک اور رکیک تاویل پر قاہر رد (حاشیہ)۔	۹۹
اس سے پیغمبر خدا کی ایک حدیث پر اعتراض خود قرآن عظیم میں ایک ہی واقعہ کمی بیشی کے ساتھ کئی جگہ مروی ہے اس کا کیا جواب ہوگا۔	۹۴	علی باب المسجد کو اعلان اور بین یدیہ کو اذان کہنا بھی نحیف ہے۔	۱۰۲
نفحہ ۶۔	۹۵	اس پر تین ایرادات۔	۱۰۳
"بین یدیہ" اور "علی باب المسجد" میں تعارض کے شبہہ کا جواب۔	۹۵		

نفحہ ۱۰۔	۱۰۴	در شفاف، نہر الماد، تقریب، کشاف سے استناد۔	۱۰۹
زمانہ رسالت میں منبر کے محاذی کسی دروازہ کے نہ ہونے کا قول اور اس کا رد۔	۱۰۴	تجرید، کشاف، تفسیر نیشاپوری، تفسیر خطیب فتوحات الٰہیہ اور کشف الغمہ کے حوالے۔	۱۱۰
مزید دروازوں کی تفصیل اور ان کا ذکر اور اس امر کی کہ دروازوں کے نام بعد میں رکھے گئے (حاشیہ)۔	۱۰۴	دوسرا شمامہ فقہیہ۔	۱۱۳
باب شمالی کے منبر کے سامنے ہونے کی بخاری میں تصریح۔	۱۰۵	نفحہ ا۔	۱۱۳
نفحہ ۱۱۔	۱۰۵	نصوص فقہاء اذان بیرون مسجد کی تصریح۔	۱۱۳
یہاں دو سنتیں ہیں، اذان کا مسجد کے باہر ہونا، یہ تمام اذانوں کو عام ہے اور اذان خطبہ کا خطیب کے سامنے ہونا یہ اذان خطبہ کے ساتھ خاص ہے روایت زید میں دونوں سنتوں کا بیان ہے۔	۱۰۵	دیوار اور کونا بیرون مسجد ہے (حاشیہ)۔	۱۱۴
اذان جمعہ کے لیے دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں حدود مسجد میں خطیب کے سامنے ہونے کی خصوصیت ہے۔	۱۰۶	اذان اور اقامت کے مقامات مختلف ہیں۔	۱۱۶
مخالف کے اعتراضوں کا جواب۔	۱۰۶	خطبہ جمعہ اور دونوں میں طہارت مسنون ہے علت جامع مسجد میں خدا کا ذکر ہونا ہے۔	۱۱۶
دروازہ کی خصوصیت نہ ہونے کی حدیث انور سے تصدیق۔	۱۰۷	مدخل کی عبارت۔	۱۱۷
اذان خطبہ کے باب جمعہ میں مذکور نہ ہونے کی وجہ۔	۱۰۷	نفحہ ۲۔	۱۱۷
نفحہ ۱۲۔	۱۰۷	یہ نصوص اپنے عموم واطلاق پر ہیں، نکرہ تحت النفی عموم ہے اور اطلاق عدم تقلید ہے۔	۱۱۷
اس حدیث کی عدم شہرت سے اس کے متروک العمل ہونے کا استدلال غلط ہے۔	۱۰۷	مئذنہ کا ذکر اذان حنفیّہ کے استثنا کے لیے ہے۔	۱۱۷
کتب تفاسیر میں اس حدیث کے چرچا کا ثبوت۔	۱۰۸	اذان مئذنہ یا صحن مسجد میں ہو اس کے عموم کے لیے ہر ہر فرد کا حکم میں داخل ہونا ضروری نہیں بلکہ دونوں فردوں میں کوئی ایک بھی حکم میں داخل ہوگیا تو عموم ثابت ہے۔	۱۱۸
خازن، تفسیر کبیر اور کشاف کا حوالہ۔	۱۰۸	اذان بیرون مسجد کا حکم پنجوقتہ نماز کے لئے ہونے کا جواب۔	۱۱۹

ائمہ کی عبارت فہمی کی قابل تعریف مثال اور اعلی حضرت کی دقیقہ رسی۔	۱۱۹	سنت بدلنے والوں کے لے شدید وعید حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تبدیل سنت کی نسبت سخت قبیح امر ہے۔	۱۳۱
نفحہ ۳۔	۱۲۰	نفحہ ۷۔	۱۳۲
فقہاء کی عبارت میں آنے والے لفظ "قالوا" کے مختلف معانی کی عمدہ تفصیل۔	۱۲۰	اذان خطبہ کو اسکات حاضرین کے لیے مانا جائے تب بھی اس کی اندرونی ہال کے بجائے بیرونی سایبان میں زیادہ ضرورت ہے تولازم کہ باہری سائبان میں ہو۔	۱۳۳
نفحہ ۴۔	۱۲۲	نفحہ ۸۔	۱۳۴
عام سے خاص پر استدلال کا حدیث سے ثبوت۔	۱۲۲	اس جواب پر اقامت سے معارضہ کا جواب۔	۱۳۴
ہر ہر جزئی کے لیے علیحدہ علیحدہ خاص نص ضروری ہے ورنہ شر یعت معطل ہو جائے گی۔	۱۲۲	اقامت کو بھی اذان کہا جاتا اس قیاس سے اذان کو بھی اندر ہونا چاہیے۔	۱۳۴
مسجد میں اذان جمعہ مکروہ ہونے کا ذکر۔	۱۲۳	اس قیاس کا تفصیلی جواب	۱۳۴
باب جمعہ میں نہ ہونے کا مزید تذکرہ۔	۱۲۴	ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین" کا تذکرہ۔	۱۳۵
نفحہ ۵۔	۱۲۴	اذان واقامہ میں مغایرت کے وجوہ۔	۱۳۵
امام قاضی خاں اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کی مرسل روایت بھی مسائل مذہب میں شمار ہوتی ہے۔	۱۲۴	نفحہ ۹۔	۱۳۶
مسئلہ دائرہ اذان کا بھی یہی حکم ہے ورنہ دو ثلث یا تین ربع مسا ئل مذہب اکارت ہو جائینگے۔	۱۲۵	مسجد کے اطلاقات کا بیان	۱۳۶
نفحہ ۶۔	۱۲۵	"انما یعمر مساجد اللہ" سے کیا مراد ہے۔	۱۳۷
مخالفین کا ایک اور حیلہ کہ اذان کے حکم سے خارج ہے۔	۱۲۵	قرآن شریف اور حدیث نبوی سے اس کی تائید۔	۱۳۷
ایک جاہل کا قول کہ عہد رسالت میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی اور دوسرے کا قول کہ عہد رسالت تک تو یہی اذان اذان خطبہ مگر عہد عثمان سے اعلان حاضرین ہے۔	۱۲۶	مسجد کا تیسرا اطلاق جس میں صحن اور منارہ بھی داخل ہیں۔	۱۳۸
مخالفین کی ان باتوں کا چارہ وجوہ سے تفصیلی رد	۱۲۸		

اذان کی مسجد کی طرف اضافت اسی اطلاق کے لحاظ سے ہے۔	۱۳۹	دوسری عبارتیں لفظ "لا ینبغی" سے خالی ہیں اور جہاں یہ لفظ "لا یؤذن" پر داخل نہیں۔	۱۵۰
مسجد کے اندر کنویں کی منڈیر، چبوترہ، منارہ، حوض کی گگر پر اذان اس وقت جائز ہے کہ ان کی بنا مسجدیت سے پہلے ہو۔	۱۴۰	لفظ "ینبغی" کے معنی مستحب قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے، متقدمین کے یہاں یہ لفظ عام ہے۔	۱۵۰
تمام مسجدیت کے بعد مسجد میں اس کی دیوار یا چھت پر کوئی اور تعمیر منع ہے۔	۱۴۱	استحباب میں سنت بھی داخل ہے اور سنت کا معاملہ آسان نہیں۔	۱۵۰
مسئلہ کی اور وضاحت اور قطع صف کا مسئلہ۔	۱۴۱	بسا اوقات "ینبغی" وجوب کے لیے ہی آتا ہے۔	۱۵۰
منحۃ الخالق اور مدخل کی عبارتیں۔	۱۴۳	وجوب کی دو تین مثالیں۔	۱۵۱
امام کافی کے قول کا محمل۔	۱۴۵	عبارات خانیہ اور خلاصہ سے وجوب اور غیر وجوب دونوں ظاہر ہیں اور ترجیح نفی کو ہوتی ہے۔	۱۵۲
ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کی توضیح۔	۱۴۵	ابن امیر الحاج، غنیہ، بحر الرائق اور منحۃ الخالق سے مسئلہ پر استدلال۔	۱۵۲
لفظ "قائم علی المسجد" کی تشریح۔	۱۴۶	علامہ طحطاوی سے تائید،	۱۵۳
خانیہ اور خلاصہ کی عبارت کا محمل۔	۱۴۷	ایک اور ظاہر موافق مصنف۔	۱۵۴
جامع الرموز اور جلابی عبارتوں میں تطبیق۔	۱۴۸	کراہت مطلقًا شوافع کے نزدیک تنزیہی اور احناف کے نزدیک تحریمی ہے	۱۵۴
قہستانی کی روایت کی حیثیت۔	۱۴۸	بیان جواز کے لیے افضل کا ترک حضور سے ثابت ہے جبکہ اذان کا مسجد میں ہونا ثابت نہیں	۱۵۴
قول مرجوح پر فتوی جہل اور خرق اجماع ہے۔	۱۴۹	جو امر کراہت تحریمی اور تنزیہی میں دائر ہو اس کا چھوڑنا ہی دانشمندی ہے	۱۵۵
نفحہ ۱۰۔	۱۴۹	قرآن شریف سے تیسرا شمامہ	۱۵۶
خانیہ اور خلاصہ کے لفظ "ینبغی" سے مخالفین کا سہارا۔	۱۴۹	نفحہ ا۔	۱۵۶
اور مصنف کے جوابات۔	۱۵۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا منع اور اسکے فعل پر وعیدیں۔	۱۵۶

یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت اور جلال کے لئے ہے	۱۵۷	محقق علی الاطلاق کی دو نظیریں اور حلیہ میں اس کی تعریف	۱۶۴
مسجد دربار الٰہی ہے تو اس کی ہیبت و جلال کے لیے اجازت یا فتوں کے علاوہ رفع صوت ممنوع ہوگا	۱۵۷	حدیث شریف سے اسکی تصدیق	۱۶۶
حدیث ابن ماجہ سے اس کی تائید	۱۵۹	اس حدیث اور حدیث ابن عمر کی تخریج اور مکمل تفصیل۔	۱۶۷
ابن عدی، ابن عبد الرزاق، عبد اللہ بن مبارک، امام مالک کی حدیثوں سے مسئلہ کی تائید	۱۵۹	نفحہ ۳۔	۱۶۷
امام مالک اور امام ابن مبارک کی مزید تصدیق	۱۶۰	دوسری دلیل کا پہلا مقدمہ، انسانوں کے گھر میں انس پیدا کرنے، سلام کرنے اور اجازت کے ساتھ داخلہ کا حکم قرآن کی آیت میں	۱۶۷
یہ حدیث ائمہ نے قبول کیا البتہ فقہاء کی دینی باتوں کا استثناء ہے	۱۶۱	دوسرا مقدمہ، زمین میں اللہ تعالٰی کا گھر مسجدیں ہیں	۱۶۸
مسجد میں بلند آواز سے جب ذکر الٰہی منع ہے تو اذان بھی منع ہونا چاہیئے کہ یہ خالص ذکر نہیں	۱۶۱	دو حدیثوں سے مقدمہ دوم کی تائید	۱۶۸
امام عینی کی شرح بنایہ سے اس کی تائید	۱۶۱	نتیجہ اور حاصل کہ مسجد میں داخلہ کے لئے اذن اجازت بدرجہ اولی ضروری	۱۶۸
بحر الرائق سے مزید تائید	۱۶۱	مقدمہ قیاس ثانی بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس کام کی اجازت ہے اس کے خلاف کام کیا جائے	۱۶۹
نفحہ ۲۔	۱۶۳	بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے مسجد میں گم شدہ چیزیں تلاش کی جائیں	۱۶۹
بادشاہوں کے دربار سے مسئلہ کی توضیح	۱۶۳	تین حدیثوں سے اس کا ثبوت	۱۶۹
موجود کچہریوں سے اس کی مثال	۱۶۳	بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسجد میں مصحف تلاش کرے، تلاوت کرنے کے لیے ہی کیوں نہ ہوں	۱۷۰
منکرین کو عملی تجربہ کی ہدایت	۱۶۴	بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کھوئی ہوئی امانت مسجد میں تلاش کرے پانے کا مقدمہ یا دینے کا ذریعہ	۱۷۰
اس قسم کے معاملہ مس حکم منصوص نہ ہو تو معاملہ مشاہدہ پر موقوف ہوتا ہے۔	۱۶۴	خلاصہ کلام یہ کہ امانت کی تلاش واجب اور کار آخرت مگر مسجد اس کار خیر کے لیے نہیں بنائی گئی	۱۷۱
بزرگوں کے کلام سے اس کی نظیریں	۱۶۴		

احادیث سے اس بات کا ثبوت کہ مسجد ذکر اللہ کے لیے بنائی گئی	۱۷۱	تمام عالم اسلام میں سب کا اس پر تعامل ہے یہ اجماع ہے	۱۷۶
اذان خالص ذکر اللہ نہیں تو مسجد کے اندر اس کی اجازت نہیں اور اس میں اذان دینا بے اجازت داخلہ میں داخل اور ممنوع ہے	۱۷۲	پہلے اعتراض کا جواب مؤذن کا خطیب کے سامنے ہونا سنت ہے لیکن لفظ بین یدیہ کی وجہ سے موذنوں کے متصل ہونا ضروری نہیں	۱۷۶
چوتھا شمامہ دفع اعتراض کے لیے	۱۷۴	لفظ بین یدیہ کا مفاد بے حائل مؤذن کا رخ خطیب کی طرف ہونا ہے اور بس	۱۷۶
اس مسئلہ پر مخالفین کے اعتراضات ڈوبنے والوں کے تنکے کے سہارے کی طرح ہے جن میں پانچ اعتراضات ہیں مصنف کی سب سے بحث	۱۷۴	لفظ بین یدیہ اندرون مسجد اور بیرون مسجد دونوں صورت کو شامل ہے، البتہ فقہاء نے اندرون مسجد کو منع کیا ہے۔	۱۷۶
پہلا اجتماعی اعتراض، فقہاء نے اذان خطبہ کے لئے عموماً بین یدیہ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے ظاہری معنی قریب خطیب اور ملاصق منبر ہیں	۱۷۵	لفظ بین یدیہ ترکیبی کے معنی حقیقی کا بیان	۱۷۶
دوسرا اعتراض، فقہاء نے اس کے لیے لفظ عند بھی استعمال کیا ہے اس کے معنی بھی قریب والصاق کے ہیں	۱۷۵	مسئلہ مبحوثہ میں لفظ بین یدیہ کے مجازی معنی مراد ہیں جو بلحاظ معنی حقیقی ہونگے	۱۷۷
تیسرا اعتراض، بعض فقہاء نے علی المنبر کا لفظ بھی استعمال کیا جو قریب سے بھی زائد پر دلالت کرتا ہے۔	۱۷۵	پس لفظ بین یدیہ قرب و بعد سے قطع نظر سامنے کے معنی میں ہے	۱۷۷
چوتھا اعتراض، اذان لصیق المنبر کا عمل متوارث ہے مخالفین کی تعبیریں مختلف ہیں۔	۱۷۵	اور قرب کالحاظ ہو تو حاضر اور مشاہد کے معنی میں ہے	۱۷۷
نفحہ ا۔	۱۷۶	چونکہ قرب امر اضافی کلی مشکک ہے اس لیے اس کی تعین موقع اور محل کے لحاظ سے بتقاضائے عقل ہوگی	۱۷۷
		لفظ بین یدیہ اصلا ظرف مکان تھا اب زمانہ کے لیے بھی اس کا استعمال ہونے لگا مجھ کو قرآن میں یہ لفظ (بین یدیہ) ۳۸ مقامات پر ملا	۱۷۸

۲۰مقامات میں قرب پر اس کی کوئی دلالت نہیں ایک مقام پر قرب حقیقی ترکیبی کے لیے ہے اور ۷ امقامات پر قرب کے لیے جس میں اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ تک پر اس کا اطلاق ہوا ہے	۱۷۸	قرب کے افراد مختلفہ کی آیات سے مثال	۱۹۱
ان مقامات کی قرآنی آیات کا تفصیلی بیان۔	۱۷۹	مزید مثالیں	۱۹۱
آیات مذکورہ کی دو قسمیں	۱۷۹	خطیب شربینی کی ایک عبارت سے دفع تعارض	۱۹۵
قسم اول	۱۷۹	تنبیہ	۱۹۶
بیس آیات کا بیان	۱۷۹	حاصل کلام، قرب کی آٹھ نو مذکورہ مثالوں سے ظاہر ہے کہ محض لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے	۱۹۸
قسم ثانی۔	۱۸۳	صور مسئولہ میں مؤذن کے قرب کی حد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے خارج مسجد متعین ہے کہ حدود مسجد میں ہو تو اس حد سے دور اور مسجد کے اندر دونوں افراط و تفریط ہے	۱۹۹
اٹھارہ آیات کا بیان	۱۸۳	نفحہ ۲۔	۱۹۹
اکیس ائمہ لغت و تفسیر کی شہادت	۱۸۸	بین یدیہ کے معنی قرب تسلیم کرنے پر بھی قرب معنی اضافی ہے تو ہر چیز کا قرب اسی کے حساب سے ہوگا	۱۹۱
تفصیل بالا سے ظاہر کہ لفظ بین یدی الخطیب کی دلالت اندرون مسجد پر نہیں منبر کے متصل تو دور کی بات ہے	۱۹۰	مفردات راغب کی عبارت سے قرب ملاصق پر استدلال کرنیوالے کارد وزیر درباری اور عوام کی مثال کہ سب اپنے کو دربار سے آنیوالے بتاتے ہیں	۱۹۹
لفظ بین یدیہ قرب کی دلالت کے لئے متعین نہیں	۱۹۰	راغب سے استدلال کرنیوالوں پر دوسری طرح قدح	۲۰۱
فقہاء کی غرض صرف خطیب کا سامنا بتانا ہے	۱۹۱	مفردات راغب اور امام قدوری کی عبارتوں میں دفع تعارض کی ایک صورت	۲۰۲
اذان مسجد میں ہو یا باہر یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جو باب الاذان میں مذکور ہے	۱۹۱	امام راغب نے قرآن مجید اور تورات شریف کے درمیان دو ہزار سال کی مدت کو بھی قریب ہی بتایا	۲۰۳
بین یدیہ کے معنی قرب تسلیم کرنے پر بھی قرب معنی اضافی ہے تو ہر چیز کا قرب اسی کے حساب سے ہوگا	۱۹۱		

مفردات راغب کی عبارت کے مزعومہ معنی پر ایک اور طرح سے رد	۲۰۳	مزید آیات اور احادیث سے معنی عند کی تفصیل	۲۱۳
مخالف کے اس اعتراض سے کہ بین یدیہ بعض مقام پر معنی قرب سے خالی بھی ہوتا ہے مخالف پر رد	۲۰۴	عند کے استعمال کے مواقع	۲۱۳
مستدل اور معترض کے مؤقف کا فرق	۲۰۵	کنز و ہدایہ، مجتبی، فتح القدیر، بحر الرائق اور در مختار سے عند کے معنی (بحیث یراہ) جہاں سے دیکھا جاسکے	۲۱۴
اسلوب بیان کی ایک خامی پر مخالف کو تنبیہ	۲۰۵	عند کے معنی بین یدیہ سے زیادہ قریب کے نہیں	۲۱۵
نفحہ ۳۔	۲۰۶	وہم کی بیماری ہرچہ پیدامی شود از دور پندارم توئی	۲۱۵
عند کے معنی کی تحقیق	۲۰۶	نفحہ ۴۔	۲۱۵
مختلف علمائے اصول کے بیان سے اس امر کا ثبوت کہ عند قرب حقیقی اور حکمی دونوں کے لیے آتا ہے	۲۰۶	عند کے معنی پر مفردات راغب او مبسوط سے مخالفین کا استدلال	۲۱۵
عند کا معنی قرب داخل ہے مگر اس کے لیے اتصال ضروری نہیں۔	۲۰۷	عند اور قریب دونوں کے معنی متعدد ہیں	۲۱۵
عند کا معنی قرب میں بین یدیہ سے زیادہ وسیع ہے	۲۰۷	محافظت کی حد	۲۱۵
عند اور لدی کا فرق	۲۰۸	نفحہ ۵۔	۲۱۸
عند بعد کے لیے اور لدی قرب کے لیے ہے	۲۰۸	عند ظرف ہے جو زمان اور مکان دونوں کے لیے آتا ہے	۲۱۸
رضی کے قول سے استدلال	۲۰۸	اذان عند المنبر سے مراد اذان وقت المنبر کیوں نہیں ہوسکتی	۲۱۹
ان الذی یغضون اصواتھم عند رسول اللہ کی تفسیر اور قرب و بعد کا نیرنگ	۲۰۸	نفحہ ۶۔	۲۱۹
لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ کی تفسیر اور عند کے قرب کی وسعت	۲۰۹	اذان علی المنبر کی بحث	۲۱۹
مختلف قرآنی آیات سے معنی عند کی وضاحت	۲۱۰	بعض مخالفین نے اذان علی المنبر کے معنی اذان عند المنبر بتایا اور خود عند کا حال معلوم ہوچکا	۲۱۹

بعضوں نے علی کو باء الصاق کے معنی میں بتایا	۲۱۹	جمعہ کے لیے سعی کا موجب اذان اول ہے یا اذان خطبہ، اس میں امام اعظم اور امام طحطاوی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے	۲۲۳
اولا یہاں علی کا معنی باء میں ہونا محل نظر ہے	۲۱۹	اس اختلاف کے بیان کی اصل عبارت یہ ہے "والامام علی المنبر" (شرح نقایہ اور مرقات ملا علی قاری)	۲۲۳
ثانیاخود الصاق کے معنی اتصال حقیقی نہیں جیسا کہ مررت بزید سے ظاہر ہے	۲۱۹	بعض متاخرین نے اس کو اپنے طور مختصر کیا اور "اذان علی المنبر" بنادیا پس اس موقع لفظ اذان علی المنبر سے استدلال وہم ہے	۲۲۴
اس مطلب پر تمرون علیہا سے استدلال	۲۲۰	اس امر کی تائید مزید	۲۲۴
بعض مخالفین نے علی المنبر کے معنی مجازی مبالغہ فی القرب بتایا	۲۲۰	اصل یہ ہے کہ لفظ عنداور علی سب تعبیر وں کا اختلاف ہے، معبر وہی علی باب المسجد ہے اور اسی کو سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان کیا	۲۲۴
جواب علی کے حقیقی معنی حسب تحریر کشف الاسرار وابن الہمام و رضی الزوم والتزام ہے	۲۲۰	نفحہ ۷۔	۲۲۵
علی کے اس معنی کا قرآن عظیم سے ثبوت	۲۲۱	مسئلہ کی وضاحت ایک اور طرح سے کہ ان تمام عبارتوں میں علی المنارہ یا منبر وغیرہ الفاظ بطور تعارف وعلامت مذکور ہیں اور جملہ "لایوذن" حکم ہے اعتبار حکم کا ہے علامت کا نہیں	۲۲۵
تو مخالفین کا معنی حقیقی درست ہوتے ہوئے معنی مجازی مراد لینا غلط ہوا	۲۲۱	علامت کے لیے تو جائز ہونا بھی ضروری نہیں ایک مثال سے مسئلہ کی وضاحت	۲۲۶
دوسرا جواب علی کے دوسرے معنی مجازی مصاحبت کے ہیں سیوطی، حدیث مبارک، قاموس اور فتوحات الٰہیہ سے اس کی تائید	۲۲۱	شریعت میں اعتبار حکم منطقی ضمنی کا نہیں حکم حقیقی اصلی کا ہے	۲۲۷
اذان خطبہ مصاحب جلوس علی المنبر ہے پس مخالف کا استدلال یا تو حقیقت مجاز کا تصادم یا مجازین کا احتمال ہے	۲۲۲	لفظ علیک السلام اور السلام علیک مسئلہ کی وضاحت	۲۲۷
علی وقت اور زمانیہ کے لیے بھی آتا ہے تو یہ عند زمانیہ کا ہم معنی ہے	۲۲۳	مخالفین کا استدلال معنی اشارہ النص ہے اور جملہ لایؤذن اپنے معنی پر عبارت النص ہے تو استدلال میں اعتبار اسی کا ہے	۲۲۷

کلمہ اذان علی المنبر جملہ محتملہ ہے اور لا یؤذن فی المسجد صراحۃ النص ہے اس حیثیت سے بھی اعتبار اسی کا ہے	۲۲۸	فتاوی خانیہ کی ایک عبارت	۲۳۳
اجماع اور تعامل	۲۲۸	ردالمحتار سے تعامل صحیح کی تعریف	۲۳۴
نفحہ ۸۔	۲۲۹	اجماع اکثری کے دلیل ہونے کے لیے شافعی مذہب کی ایک شرط	۲۳۴
اذان جمعہ کی تاریخ از روئے مذہب امام مالک مدخل، جواہر ذکیہ اور زرقانی کی عبارتیں	۲۲۹	اس باب مین مجدد الف ثانی کا ایک دردناک مکتوب	۲۳۴
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مذہبی روایات سے اندرون مسجد اذان متوارث ہونا تو بڑی بات ہے سنیت بھی ثابت نہیں	۲۳۱	حاشیہ شامی کتاب الاجارہ کا ایک حوالہ علامہ شامی کا قول ہے کہ یہ قدیم برائی ہے کہ لوگ حق بات کو بھی ناحق سمجھنے لگتے ہیں	۲۳۷
حنفیہ اس کو مکروہ، مالکیہ اس کو بدعت کہتے ہیں۔ اور دوسرے ائمہ سے خلاف ثابت نہیں تو کہیں اس اذان کی کراہت ہی اجماعی نہ ہوئی	۲۳۱	نفحہ ۱۰۔	۲۳۸
نفحہ ۹۔	۲۳۳	تورات کی بحث	۲۳۸
تعامل عام کی بحث	۲۳۳	تورات تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے اس مسئلہ میں عام قرنوں کا تعامل کیسے ثابت ہوگا جب موجودہ زمانہ کا تعامل بھی ثابت نہیں۔	۲۳۸
سکندری اور سقطی کی روایت ہے کہ اہل مغرب کا تعاون بیرون مسجد ہے۔	۲۳۳	فتح القدیر سے تورات کا بیان	۲۳۸
ہندوستان کے اکثر شہروں کی شاہی مساجد میں اس کام کے لیے چبوترے بنے ہوئے ہیں وہ مسجدوں کا حصہ نہیں۔	۲۳۳	مسئلہ تورات میں مصنف کی عظیم تحقیق	۲۳۹
ایک غلط فہمی کا ازالہ، ایسے چبوتروں کو جو درحقیقت مسجد سے مستثنیٰ ہیں مسجد سمجھ کر لوگوں نے عام مسجدوں میں بھی اذان دینی جائز سمجھ لی۔	۲۳۳	احوال کی چار قسم ہے (ا) جس کا حادث ہونا معلوم ہو (ب) جس کے حدوث کا علم نہ ہو (ج) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا (د) حدوث کا علم ہو مگر کب اور کیسے کی تفصیل معلوم نہ ہو۔	۲۳۹
خلاف سنت تعامل جواز کی سند نہیں	۲۳۳	ہر قسم کی مثال اور اس کا حکم، قسم رابع کا شرعی حکم معلوم کرنے کا قاعدہ کلیہ	۲۳۹

سنت ثابتہ کی مخالفت کی ایک استثنائی صورت	۲۴۱	نفحہ ۱۳۔	۲۴۹
مسئلہ اذان کی نوعیت کا تعین کہ اذان اندرون مسجد بدعت مردود ہے	۲۴۳	توارث بعض غیر معتبر ہے۔	۲۴۹
اس اذان کے زمانہ عثمان غنی کی ایجاد اور اسی وقت متوارث ہونے پر تھانوی کا سخیف استدلال اور اعلی حضرت کا رد بلیغ	۲۴۴	اذان فجر قبل فجر پر تعامل حرمین ہمارے ائمہ کے نزدیک غیر معتبر و نامقبول ہے	۲۴۹
امام عینی کی عبارت کی تھانوی نے تحریف معنوی کی	۲۴۴	حضرت اکمل الدین بابرتی کا ارشاد	۲۵۰
تھانوی کا ایک اور مغالطہ اور لصیق المنبر اذان کی ایجاد کا سہرا ہشام ابن عبدالملک کے سر۔	۲۴۵	نفحہ ۱۳۔	۲۵۱
اعلی حضرت کا اظہار حقیقت کہ ہشام نے اذان اول کو مقام زوراء منارہ کی طرف منتقل کیا اور دوسری اذان اپنے حال پر باقی رکھی جیسی عہد رسالت میں تھی	۲۴۵	حرم کے مؤذن کے فعل سے استدلال بھی غلط ہے	۲۵۱
امام زرقانی کے بیان سے اصل حقیقت پر استشہاد تھانوی کے قول سے لازم آتا ہے کہ ائمہ ہدی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت چھوڑ کر ہشام کی پیروی کی	۲۴۶	ملا علی قاری کی تصریح کہ آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور کے زمانہ میں ہوتی تھی۔	۲۵۱
نفحہ ۱۱۔	۲۴۷	توسیع حرم کی وجہ سے وہ جگہ احاطہ میں ہو گئی ہے	۲۵۱
مدعیان توارث کی عقلی و نقلی دلیل کا رد	۲۴۸	چاہ زمزم، مسجد نبوی میں اذان کے چبوترے سے تمثیل	۲۵۱
ہندیہ کی ایک عبارت سے مخالفین کا غلط سہارا	۲۴۸	مذکورہ بالا کا خلاصہ	۲۵۲
اذان بین یدی الخطیب میں عہد رسالت کے بعد کسی قسم کا تغیر تاریخ سے ثابت نہیں	۲۴۸	خطبہ جمعہ کے استماع کی خموشی کے حکم سے استشہاد	۲۵۲
عدم ثبوت کو دلیل عقلی قرار دینا بے عقلی ہے	۲۴۹	تبلیغ تکبیر چیخنے کی ممانعت سے استشہاد ایسے مکبّر کی نماز کے فاسد ہونے کا فتوی دینے والے علماء کے اسماء	۲۵۲
دلیل مذکور پر چھ سات اعتراضات	۲۴۹	علماء دیوبند کے دعوی اتباع علمائے حرم کی حقیقت	۲۵۳

نفحہ ۱۴۔	۲۵۳	اثر جو یبر کا بیان۔	۲۶۱
توارث باطل کے سلسلہ میں گزشتہ ابحاث کا اجمالی اعادہ	۲۵۳	اس اثر سے مخالفین کے استدلال کی تقریر	۲۶۱
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے سکوت کا شرعی عذر	۲۵۳	مسجد کے اطلاقات ثلثہ سے اس اثر کا پہلا جواب	۲۶۲
بادشاہوں کے افعال پر علمائے حق کی خاموشی بوجہ دفع فتنہ کی مثال۔	۲۵۶	ابوداود کی صحیح حدیث سے اس کے تعارض کا بیان	۲۶۲
مسجد نبوی کی آرائش پر ولید کے غیر معمولی مصارف کا بیان	۲۵۶	محمد بن اسحاق اور جو یبر کا تقابل	۲۶۳
علماء پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے	۲۵۷	کتب علل سے جو یبر پر پندرہ اماموں کی جرح	۲۶۳
عمر بن عبدالعزیز رحمۃاللہ علیہ کا احیاء سنت و اماتت بدعت قابل مدح ہے اور ان سے مقدمہ علماء سکوت میں معذور ہیں	۲۵۷	مخالف کی الٹی سمجھ کہ ابن اسحاق کی معنعن حدیث نامقبول، اور جو یبر اپنے ضعف اور اس کا اثر منقطع ہونے کے باوجود مقبول	۲۶۴
دونوں فریق کے طرز عمل سے ایک دوسرے پر الزام نہیں	۲۵۷	جو یبر کے اثر پر صاحب فتح کی تین جرحیں اثر جو یبر اپنے مدلول پر اشارۃ النص ہے مخالفین کا استدلال اثر جو یبر کے مفہوم سے ہے جو نامقبول ہے۔	۲۶۵
حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمات احیائے سنت کا ذکر جمیل اور دیگر علماء کا عذر	۲۵۸	نفحہ ۱۶۔	۲۶۶
انفرادی دلائل کی خبر گیری	۲۶۰	حضرت طلق بن علی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایات اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے یہی صاحب فتح اور صاحب غایہ البیان کی تقریر کا مفاد	۲۶۶
نفحہ ۱۵۔	۲۶۱	اثر عبداللہ بن عمر میں صلوۃ مسعودی کے غلط حوالہ سے لفظ فیہ کا اضافہ ہے ابن ماجہ کی ایک اور ضعیف روایت اور اس سے مخالفین کا غلط استدلال	۲۶۸

ایک دوسری روایت میں روایت بالا کی توضیح و تفسیر	۲۶۹	اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان کیا	۲۷۴
حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے اندرون مسجد پر استدلال کی بیوقوفی	۲۶۹	اعلان حج کے وقت وہ پتھر مطاف میں دیوار کعبہ کے پاس تھا یعنی مسجد حرام میں تھا تو اعلان اندرون مسجد ثابت ہوا	۲۷۵
اسی ضمن میں حدیث نوار کی وضاحت	۲۷۰	واقعہ کی مختلف روایتیں	۲۷۵
نفحہ ۱۷۔	۲۷۱	مخالفین کے اس استدلال پر اعلی حضرت کی تنقیدیں	۲۷۶
حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث کہ "مسجد کی طرف جاؤ" اس سے مخالفین کا غلط استدلال ان مدعیوں کو "مسجد میں جاؤ" اور "مسجد کی طرف جاؤ" کافرق نہیں نظر آتا	۲۷۱	(۱) پتھر ایک ادھر سے ادھر ہونے والی چیز ہے چھ ہزار سال سے برابر ایک جگہ پڑا رہنا بالکل خلاف قیاس ہے ظاہر معترض کو مفید ہے مستدل کو نہیں	۲۷۷
حضرت عبداللہ بن زید حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں رات میں یا قریب صبح پہنچے	۲۷۱	(۲) تاریخ قطبی میں اس پتھر کے تب سے اسی جگہ پڑا رہنے کی تصریح نہیں ہے تو روایت میں اس کا اضافہ غلط ہے	۲۷۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حجرہ شریفہ میں رہے ہوں یا مسجد میں بہر صورت حضرت عبداللہ اس وقت مسجد میں تھے ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "مسجد کی طرف جاؤ" کا مطلب "مسجد میں جاؤ" ہر گز نہیں ہو سکتا	۲۷۲	(۳) قطبی کی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس پتھر کا ٹھکانا کہیں اور تھا ضرورۃ یہاں لایا اور لازماً کام کے بعد اپنے ٹھکانے پر واپس کیا گیا	۲۷۷
مسجد کے مختلف اطلاقات میں بھی اس کا جواب ہے	۲۷۲	(۴) حرم شریف کے منبر اور سیڑھیوں سے اس کی تائید	۲۷۷
نفحہ ۱۸۔	۲۷۴	(۵) پتھر کے دیوار کعبہ کے پاس ہونے سے اعلان اسی پر ہونا ضروری نہیں	۲۷۸
اذان اندرون مسجد کو قرآن سے ثابت کرنے کی جدوجہد	۲۷۴	(۶) اس امر کی تصریح کہ اعلان حج کے وقت پتھر دوسری جگہ تھا	۲۷۸

(۷) پتھر پر کھڑے ہو کر اعلان کرنے کی روایت اسرائیلی ہے	۲۷۸	ذکر بالجہر کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے	۲۸۷
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے	۲۷۹	مسجد میں ذکر بالجہر کی ممانعت درر مسلک متقسط وغیرہ سے ثبوت	۲۸۷
سدرۃ المنتہی کے متعلق اسرائیلی روایت حضرت مولا علی سے اس امر کی تفصیلی روایت کہ اعلان ثبیر کی پہاڑی سے ہوا	۲۸۰	مخالفین ذکرنے ممانعت کی جو وعیدیں ذکر کیں مذکورہ بالا علماء پر صادق نہیں	۲۸۷
یہ روایت اس کے لیے راجح ہے کہ مولا علی اسرائیلیوں سے روایت نہیں کرتے تھے اور واقعہ غیر قیاسی ہے اس لیے لازما اس کو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا	۲۸۱	ذکر بالجہر کی مخالفت میں عبد اللہ بن مسعود کے ایک اثر کی بحث	۲۸۸
(۸) ابن عباس کی روایت کہ اعلان جبل ابو قبیس سے ہوا	۲۸۱	نفحہ ۲۰۔	۲۸۹
(۹) ایک روایت میں کوہ صفاہ کا بھی ذکر ہے	۲۸۲	امام مالک بھی اذان کو مسجد میں منع فرماتے ہیں تو کیاان پر بھی وہ وعیدیں صادق ہیں۔	۲۸۹
حضرت ابن عباس کی روایت میں تین یا دو اضطراب ہیں	۲۸۳	اذان خطبہ میں اصحاب مالک کے اختلاف کا بیان۔	۲۹۰
بر تقدیر اعلان فی المسجد الحرام یہ حکم گزشتہ شریعت کا ہے جو ہم پر حجت نہیں	۲۸۳	ملا علی قاری کی تاویلات بعیدہ کا ذکر۔	۲۹۱
(۱۰) مقام ابراہیم کا کتاب کی تصنیف کے وقت مطاف میں ہونا خلاف مشاہدہ ہے	۲۸۵	ملا علی قاری کی تاویلات بعیدہ پر تنقید۔	۲۹۲
(۱۱) مطاف کی غلط تعریف	۲۸۵	نفحہ ۲۱۔	۳۰۳
نفحہ ۱۹۔	۲۸۶	اذان خطبہ سے متعلق قہستانی کا بیان اور اس کے حل سے مخالفین کی درماندگی	۳۰۳
اندرون مسجد اذان پر مخالفین کا قرآن سے ایک اور غلط استدلال	۲۸۶	چند توضیحی مقدمات	۳۰۴
مسجد میں ذکر الٰہی کو روکنا ازروئے قرآن و حدیث منع ہے اور اذان ذکر الٰہی ہے	۲۸۶	مقدمہ اولی	۳۰۴
جواب: (۱) اذان محض ذکر الٰہی نہیں ہے	۲۸۶	فقہاء بین یدی المنبر کہتے ہیں لیکن اس موقع پر مراد ان کی خطیب ہوتی ہے	۳۰۴
(۲) اذان روکنے کا مطلب ذکر الٰہی کو روکنا نہیں بلکہ مسجد میں آواز بلند کرنے کو روکنا ہے	۲۸۷		

بحر الرائق سے اس بات کی تصدیق اور عقل سے اسکی تائید	۳۰۵	دونوں قسم کے ملتقی پر تینوں زاویہ کے پیدا ہونے کا امکان	۳۱۷
مقدمہ ثانیہ	۳۰۶	توضیحات بالا کی روشنی میں مقام مؤذن کی توضیح	۳۱۷
مقدمہ لغویہ وسط اور وسط کا اطلاق وسط بالسکون سے دائرہ کے اندر کا کوئی بھی مقام اور وسَط بتحریک سین سے مراد ٹھیک وسط ہوتا ہے	۳۰۶	قہستانی کے لفظ قریبًا منہ کی وضاحت۔	۳۱۸
آیات قرآنیہ، محاورہ اور صحاح سے اس کی تائید	۳۰۶	مؤذن کے بین یدی الخطیب ہونے کا مطلب	۳۱۸
مقدمہ ثالثہ	۳۰۷	عبارت قہستانی کی تقریر مخالف کی تغلیط	۳۱۸
زاویہ قائمہ، منفرجہ اور حادہ کا مقام حدوث	۳۰۷	مقام موذن کی صیح تعیین	۳۱۹
اصولیہ ہندسیہ توضیح دعوی	۳۰۸	قہستانی عبارت کا اشارہ	۳۲۰
ثبوت دعوی کی تقریر	۳۰۹	شکل ہندسی سے مقام موذن کی تصویر	۳۲۰
زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس کے قاعدے پر نازل ہونے والا عمود قاعدہ کا نصف ہوگا جب مثلث کی دونوں ساقیں مساوی ہوں	۳۱۰	ایک اعتراض	۳۲۳
دعوی کی توضیح اور ثبوت	۳۱۱	اعتراض کا جواب	۳۲۳
زاویہ مختلف الساقین کے عمود کی مقدار کا بیان۔	۳۱۲	متعدد قرائن سے موذن کے روبقبلہ ہونے کی وضاحت	۳۲۳
زاویہ منفرجہ کے عمود کی مقدار کا بیان	۳۱۳	ایک دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	۳۲۳
توضیح اور ثبوت	۳۱۴	مخالفین کے بیان کے مطابق مقام موذن کا ہندسی تصویر اور اس کا رد	۳۲۴
مقدمہ خامسہ	۳۱۴	قہستانی کی عبارت سے پانچ استدلالیوں کی غلط بیانیوں کی تفصیل	۳۲۶
مثلث دوشاخوں کے مختلف ملتقی پر پیدا ہونے والے زاویوں کا بیان	۳۱۴	ایک نام نہاد طالبعلم کی تحریف کی تفصیل	۳۲۷
توضیح اور ثبوت	۳۱۵	قہستانی کے بیان کی ہندسی تشریحات کرنیوالوں کی غلط بیانیوں کی تشریح۔	۳۲۸

غلط بیانیوں پر چار تنقیدیں	۳۲۹	**فضائل ومناقب**	۳۶۱
مقدمہ عمود کی حقیقی نسبت کا بیان	۳۳۰	رسالہ **طرد الافاعی حمی ھاد رفع الرفاعی** (سیدنا امام احمد رفاعی اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عظمت کا بیان)	۳۶۷
زاویہ قائمہ اور منفرجہ کے عمود کے فاصلے کا بیان	۳۳۰	مقبولان بارگاہ احدیت میں ایک کو افضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے	۳۶۸
ہندسی شکل	۳۳۱	حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سرداران اولیاء میں سے ہیں	۳۶۹
دو مزید تنقیدیں	۳۳۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک روضہ انور سے بوسہ کے لئے نکالنا	۳۷۰
اختتام کتاب	۳۳۳	حضور سرکار غوثیت کا سب سے پہلا حج۔	۳۷۰
اضافات اضافات	۳۳۵	سرکار غوث پاک نے حضرت احمد رفاعی کے ہاتھ پر بیعت کی، غلط ہے۔	۳۷۱
نفحہ ۲۲۔	۳۳۵	سرکار غوثیت کی عطا سے سید احمد رفاعی قطبیت پر فائز ہوئے	۳۷۱
ایک عذر لنگ	۳۳۶	ہر غوث اپنے دور میں سب اقطاب کا افسر ہے۔	۳۷۳
عرف کی بحث، مخالفین کا دعوی کہ ہم نے بین یدیہ کے جو معنی بتائے یہ عرف عوام ہے اس لیے اس کو کسی اصطلاحی اور فنی تحریر سے رد نہیں کیا جاسکتا	۳۳۶	سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد سے غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی تا ظہور امام مہدی غوث الکل ہیں	۳۷۳
اعلی حضرت کی تنقیدیں	۳۳۶	حضور غوث پاک کی کرامات بے شمار ہیں	۳۷۵
معنی قرب کا بیان اور مثالیں	۳۴۳	سیدنا غوث پاک کی کرامت مردے جلانا بھی ہے	۳۷۶
قرب کی اقسام	۳۴۳	بہجۃ الاسرار مستند ومعتبر کتاب ہے	۳۸۰
قرب مطلق کی تفسیر میں گیارہ فقہی عبارتیں	۳۴۴	حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فرمانا کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے	۳۸۱
مزید دو ۲ تنقیدیں	۳۵۲	تمام جہان کے اولیاء نے گردنیں جھکادیں	۳۸۴
میزان فہم کا بیان اور ختم کتاب	۳۵۳		

حضور غوث پاک نے فرمایا کہ میں جن و ملک و انسان سب کا پیر ہوں	۳۸۶	مسئلہ اولیٰ	۴۰۳
اللہ تعالیٰ نے اولیاء میں حضور غوث پاک کا مثل نہ پیدا کیا نہ کبھی پیدا کرے	۳۸۷	نظم	۴۰۳
حضرت احمد رفاعی نے فرمایا کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی تمام اولیاء کے سردار ہیں	۳۸۸	شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا، جبرئیل علیہ السلام کا اسے تنبیہ فرمانا، براق کا شرمندگی سے پسینہ پسینہ ہونا ثابت ہے	۴۰۵
حضور غوث پاک شریعت و طریقت و حقیقت کے امام ہیں	۳۹۰	دلائل و حوالہ جات	۴۰۵
اللہ تعالیٰ نے حضور غوث پاک کے مخالف سے لڑائی کا اعلان فرمادیا	۳۹۱	نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میرا اقدم تیری گردن پر اور تیرا اقدم اولیاء اللہ کی گردنوں پر	۴۰۷
تذییل	۳۹۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواح انبیاء علیہم السلام، جنت میں بلال، مقعد صدق میں اویس قرنی اور بہشت میں زوجہ ابو طلحہ وغیرہ کو دیکھا	۴۰۸
امام ابن حجر مکی اور ملا علی قاری کی گیارہ عبارات	۳۹۲	روح غزالی کا جناب کلیم اللہ سے کلام کرنا	۴۱۰
حضور غوث پاک اور تمام مخلوقات میں زمین وآسمان کا فرق ہے	۳۹۳	شیخ گنجوی کی غاشیہ برداری	۴۱۰
آپ کی مشہور کرامت کہ جب چاہیں ظاہر ہوں جب چاہیں نظروں سے چھپ جائیں	۳۹۴	سدرۃ المنتہی پر جلوہ گری۔	۴۱۰
فرمان غوث پاک ہے بیشک میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں ہے	۳۹۶	نور عرش میں چھپا ہوا شخص	۴۱۱
حضرت سید احمد رفاعی نے قدمی الخ ارشاد پر سر جھکالیا	۳۹۷	مطالب چند قسم ہیں، ہر قسم کا مرتبہ جدا ہے	۴۱۱
اولیاء متقدمین نے غوثیت مآب کی ولادت کی خبر تقریباً سو برس پہلے دی تھی	۳۹۸	اور ہر مرتبہ کا پایہ ثبوت علیحدہ ہے	۴۱۱
ابن السقا کا انجام اور اس کا سبب	۳۹۹	بعض مطالب کا احادیث میں ظہور نہ ہونا مضر نہیں بلکہ کلمات علماء و مشائخ کا ذکر کافی ہے۔	۴۱۱
رسالہ **فتاوٰی کرامات غوثیہ** (غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شب معراج بارگاہ رسالت میں حاضری سے متعلق تین سوالوں کے جواب)	۴۰۳		

دو روایتوں میں ظاہر تنافی کا جواب	۴۱۲	امور خارق للعادۃ اسباب ظاہر پر موقوف نہیں	۴۱۷
مسئلہ دوم	۴۱۳	روح فی نفسہا مادیہ نہ سہی تاہم مادے سے اس کا تعلق بدیہی ہے۔	۴۱۷
ایک رسالہ کے مندرجات کے بارے میں پانچ سوالات اور ان کا جواب	۴۱۳	جسم جسم شہادت میں منحصر نہیں جسم مثالی بھی کوئی چیز ہے	۴۱۷
کیا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھا دیا	۴۱۳	شک نہیں کہ روح مفارق کی طرف نصوص متواترہ میں نزول وصعود وضع وتمکن وغیرہ اعراض جسم وجسمانیات قطعاً منسوب ہیں	۴۱۷
کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا تو وہ پیران پیر ہوتے	۴۱۴	ارواح شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت ہے	۴۱۷
کیا ارواح کی زنبیل غوث اعظم نے عزرائیل علیہ السلام سے چھینی تھی۔	۴۱۴	حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں مدت رضاعت پوری کرنا	۴۱۸
کیا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے روح غوث اعظم کو دودھ پلایا	۴۱۴	جواب سوال نمبر ۳۔	۴۱۸
عوام کے عقیدہ میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ غوث پاک کا مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی زیادہ ہے اس کی کیا حثییت ہے	۴۱۴	زنبیل ارواح چھین لینا خرافات مخترعہ جہال سے ہے	۴۱۸
جواب سوال نمبر ۲۔	۴۱۴	رسل ملائکہ، اولیا، بشر سے بالاجماع افضل ہیں	۴۱۸
اقدام نبوت میں غیر نبی کا حصہ نہیں	۴۱۵	جواب سوال نمبر ۵۔	۴۱۹
میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا	۴۱۵	وقت رکوب براق یا صعود عرش غوث پاک کا پائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے گردن رکھنا نہ شرعا محال ہے نہ عقلا	۴۲۰
اگر ابراہیم جیتے تو صدیق و پیغمبر ہوتے	۴۱۵	سدرۃ المنتہی باعتبار اجسام کے منتہائے عروج ہے نہ کہ باعتبار ارواح کے	۴۲۰
ابو محمد جوینی کا مقام	۴۱۶	اکابر اولیاء کا عروج روحانی	۴۲۰
جواب سوال نمبر ۴۔	۴۱۶		

بندگان خدا کا حضور روحانی	۴۲۱	انا شیخ الکل	۳۶۴
شان بلال وام سلیم رضی اللہ تعالٰی عنہما	۴۲۱	سرکار غوث اعظم کے دو ہمعصر ولیوں کا خراج تحسین	۳۶۴
تذکرہ وعظمت حارثہ بن نعمان ونعیم بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما	۴۲۳	سیدنا خضر علیہ السلام کا اظہار تعظیم	۳۶۴
نور عرش میں غائب مرد	۴۲۴	اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں	۳۶۵
غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے مریدین سمیت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے شب اسری بیت المعمور میں نماز پڑھی	۴۲۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بکثرت ہیں، مصنف علیہ الرحمہ نے تقریبا چودہ سو پائے ہیں	۳۶۵
مرثیہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ "بابی انت وامی یا رسول	"۴۲۶	کثرت اسماء شرف مسمّٰی سے ناشی ہے	۳۶۵
حضرات مشائخ کرام کے علوم سند ظاہری حدثنا فلاں عن فلاں میں منحصر نہیں	۴۲۶		
بہجۃ الاسرار اور اس کے مصنف کے خلاف ایک بحرینی کے رسالے کا ذکر	۴۲۶	الصراط المستقیم کیا ہے	۳۶۶
خلاصہ کلام (بالجملہ)	۴۲۷	انعمت علیہم کے چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں	۳۶۶
مسئلہ ثالثہ	۴۲۷	انبیاء کے سردار محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۶۶
تحفہ قادریہ شریف اعلی درجہ کی مستند کتاب ہے	۴۲۹	ایک تفسیر کے مطابق ہر آیت نعت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔	۳۶۶
خلاصہ جواب تھانوی ودیوبند	۴۳۱	اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو	۳۶۶
خاتون جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا انسانی شکل میں حور ہیں اور حیض ونفاس سے پاک ہیں	۳۶۱	مولائے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لال کافر کو مارنے والا قصہ بے اصل ہے	۳۶۶
عقیدہ کیا چیز ہے	۳۶۲	استن حنانہ کو جنت کا درخت بنایا جائیگا	۳۶۶
حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کون کون سے اولیاء سے افضل ہیں	۳۶۲	رسالہ **تنزیه المکانة الحیدریه عن وصمه عهد الجاهلیه** (حضرت علی رضی اللہ تعالٰی اللہ تعالٰی عنہ کے کبھی بھی شرک کا ارتکاب نہ کرنے کا عمدہ مدلل بیان)	۴۳۳
مناقب غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ	۳۶۲		

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتنی عمر میں ایمان لائے	۴۳۴	آیت کریمہ "ذلك ان لم یکن ربك مهلك القری بظلم و اهلها غفلون" میں کون سے عذاب کی نفی ہے اور غفلت سے کیا مراد ہے	۴۴۲
جو عاقل بچہ اسلام لائے حکم اسلام میں وہ مستقل بالذات ہے	۴۳۴	قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں	۴۴۴
بچہ قبل بلوغ دین میں اپنے والدین کا تابع ہے جبکہ خود مسلمان نہ ہوا ہو	۴۳۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کفر سے منزہ ہیں	۴۴۵
حضرت حیدر کرار رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پرورش سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے کنار اقدس میں ہوئی	۴۳۶	زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ تھیں	۴۵۰
بتوں کی نجاست سے آپ کا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا	۴۳۶	باجماع ائمہ اشاعرہ حسن وقبح مطلقاً شرعی ہیں	۴۵۱
لقب "کرم اللہ تعالٰی وجہہ" کا سبب صدق مشتق قیام مبدا کو مستلزم ہے	۴۳۷	حسن وقبح کے بارے میں بعض ائمہ ماتریدیہ کا موقف	۴۵۱
کفر تکذیب بے ادراک وتمییز نامتصور	۴۳۷	حسن وقبح کے بارے میں تین اقوال ہیں	۴۵۲
ثبوت کافی کے محتاج دو امر	۴۳۸	کفر اخبث معاصی ہے	۴۵۳
امر اول	۴۳۸	انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص ہے	۴۵۳
امر دوم	۴۳۸	ناسمجھ بچے کو تبعیت والدین" یا دار کافر" کہنے کا کیا معنی ہے	۴۵۳
اہل فترت تین قسم پر ہیں، موحد، مشرک، اور غافل	۴۳۸	مسئلہ مذکورہ میں عبارات علماء۔	۴۵۴
قُس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل کا تذکرہ (حاشیہ)	۴۳۸	تکمیل۔	۴۵۶
علامہ زرقانی اور دیگر ائمہ (اہل فترت کے بارے میں) عبارات	۴۳۹	مناقب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۴۵۶
آیت کریمہ "وماکنامعذبین حتی نبعث رسولا" کی تفسیر	۴۴۱	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کبھی بت پرستی نہیں کی بلکہ بچپن میں پتھر مار کر بت کو منہ کے بل گرا دیا۔	۴۵۶
غیر قطعی الدلالۃ نص سے احادیث صحیحہ کے رد کا ارتکاب نہیں کیا جاسکتا	۴۴۲		

بوقت ولادت صدیق اکبر آپ کی والدہ ماجدہ کو ہاتف غیبی کی بشارت۔	۴۵۶	مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق انیق	۴۶۲
سولہ برس کی عمر سے لے کر آخر دم تک صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالٰی عنہ وسلم کی معیت وخوشنودی میں رہے اور قیامت تک رہیں گے بلکہ حضور پرنور کے ساتھ خلد بریں میں داخل ہوں گے۔	۴۵۷	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی افضلیت	۴۶۲
اس سوال کا جواب کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ اگر ہمیشہ مسلمان تھے تو پھر تیرہ یا دس یا نو یا آٹھ برس کی عمر میں اسلام لانے کا کیا معنی ہے۔	۴۵۸	عبارات علماء سے تائید	۴۶۳
حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیشہ سے مسلمان ہیں اور ابدالآباد تک رہیں گے۔	۴۵۹	امیر المومنین فاروق اعظم وامیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مقام ومرتبہ	۴۶۵
مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کا عالم ذریت سے روز ولادت اسلام میثاقی، سن ولادت سے سن تمییز تک اسلام فطری اور سن تمییز سے روز بعثت تک اسلام توحیدی تھا	۴۵۹	فضل جزئی اور فضل کلی میں فرق	۴۶۴
حکم بے تصور محکوم علیہ محال قطعی ہے	۴۶۰	فضل جزئی مفضول کو بھی افضل پر مل سکتا ہے	۴۶۴
جس چیز سے ذہن اصلا خالی ہو اس کی تصدیق وتکذیب دونوں ممتنع عقلی ہے	۴۶۰	حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قدیم الاسلام ہونے کے بارے میں ایک سوال کا جواب	۴۶۵
زمان فترت میں صرف توحید مدار اسلام مناط نجات ونافی کفر تھی	۴۶۰	آیت کریمہ "ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان ولکن جعلنٰہ نورا" کی تفسیر	۴۶۶
صدیق ومرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ فلاں دن مسلمان ہوئے اس روز اسلام لائے ان کے اسلام سابق کے مخالف نہیں	۴۶۱	صفات الٰہی کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جن کی معرفت عقلی دلیلوں سے ہو سکتی ہے (۲) وہ جن کی معرفت سمعی دلیلوں کے بغیر ممکن نہیں	۴۶۶
مصنف علیہ الرحمہ کی تقریر سے روافض کا نفی خلافت صدیقی پر ایک سفیہانہ استدلال اور یونہی تفضیلیہ کا قدم اسلام کو خاصہ حضرت مرتضوی قرار دینے کا باطل خیال مدفوع ومقہور ہوگیا	۴۶۲		

رسالہ غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی و الصدیق (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کابیان)	۴۶۹	اشارہ نمبر ۸ تا نمبر ۹۔	۴۷۶
دو مسئلوں پر مشتمل استفتاء۔	۴۶۹	اشارہ نمبر ۱۰۔	۴۷۷
مسئلہ اول	۴۶۹	مسئلہ دوم	۴۷۸
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت رحلت یا کسی اور وقت اپنے بعد اپنا جانشین کس کو مقرر کیا۔	۴۶۹	خلفاء ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے آیا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل تھے یا کم	۴۷۸
جانشینی اور نیابت دو قسم پر ہے۔	۴۶۹	افضلیت خلفاء اربعہ	۴۷۸
قسم اول جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لیے دوسرے کو اپنا نائب کرے۔	۴۶۹	خلفاء میں باہم ترتیب فضیلت	۴۷۸
بعض جزئی مقید نائبین کے اسماء گرامی۔	۴۷۰	فضیلت شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر چند ارشاد ائمہ اہلبیت	۴۸۰
قسم دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہو سکتی۔	۴۷۱	چند حدیث مرتضوی	۴۸۰
جانشین کلی مطلق کے بارے میں علی الاعلان بتصحیح نام کسی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نص صریح نہیں فرمائی۔	۴۷۱	حدیث اول، دوم، سوم	۴۸۰
مسئلہ مذکورہ کی تائید احادیث مبارکہ سے خلفاء ثلثہ کی خلافت کے بارے میں ارشاد۔	۴۷۱	حدیث چہارم	۴۸۱
خلفاء ثلثہ کی خلافت کے بارے میں ارشاد علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہم	۴۷۲	حدیث پنجم و ششم	۴۸۲
نیابت کلی مطلق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشادات جلیلہ واضحہ	۴۷۳	حدیث ہفتم، ہشتم، نہم	۴۸۳
خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۴۷۳	حدیث دہم	۴۸۴
اشارہ نمبر ۱۔	۴۷۴	کتاب مستطاب "سبع سنابل" بارگاہ رسالتمآب میں قبول عظیم پر واقع ہوئی	۴۸۵
اشارہ نمبر ۲۔	۴۷۴	میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کے فضائل و کمالات	۴۸۵
اشارہ نمبر ۳۔	۴۷۴	مسئلہ تفضیل کے بارے میں کتاب "کاشف الاستار" کے چند اقتباسات	۴۸۶
اشارہ نمبر ۴ تا نمبر ۷۔	۴۷۵		

کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔	۴۸۷	سات ان صحابہ کرام کے نام جن کو صدیق اکبر نے آزاد فرمایا (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۰۹
رسالہ الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی (افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۴۹۱	شان نزول امامن اعطی واتقی	۵۱۰
خطبہ کتاب	۴۹۱	صدیق اکبر نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کتنے میں خریدا	۵۱۱
عربی اشعار درمدح علامہ مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمہ	۴۹۲	حضرت عمار بن یاسر کے اشعار صدیق اکبر و بلال کے بارے میں (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۱۱
عربی اشعار درمدح مولانا شاہ رضا علی نقشبندی علیہ الرحمہ	۴۹۶	الاتقی سے کون مراد ہیں (تفاسیر کی روشنی میں)	۵۱۲
سبب تصنیف کتاب	۴۹۶	اتقی سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مراد لینے پر دلیل عقلی	۵۱۲
تاریخ تصنیف	۴۹۹	حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کا آغوش رسالت میں پرورش پانا	۵۱۴
یہ کتاب مصنف کی پندرھویں تصنیف ہے	۵۰۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "مجھے کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہ دیا جتنا ابوبکر کے مال نے"	۵۱۸
تفسیر آیت کریمہ یاایھا الناس انا خلقنکم الخ	۵۰۰	حضور ابوبکر کے مال سے قرض ادا فرماتے جس طرح اپنے مال سے	۵۱۹
فضیلت مدار تقوی پر ہے	۵۰۱	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا چالیس ہزار دینار خرچ کرنا	۵۱۹
شان نزول ان اکرمکم عنداللہ اتقکم	۵۰۲	فضیلت صدیق اکبر میں ایک ایمان افروز حدیث (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۵۲۰
شان نزول اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس الخ	۵۰۲	ابوبکر پر کسی کا ایسا احسان نہ تھا جس کا بدلہ دیا جائے (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۵۲۲
نسب پر فخر اور اموال پر گھمنڈ کی ممانعت (حدیث سے)	۵۰۳	حدیث میں تو بانٹتا ہوں اللہ دیتا ہے	۵۲۳
شان نزول وسیجنبھا الاتقی الخ۔	۵۰۵	والدین کے احسان اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احسان کا فرق	۵۲۴
حضرت بلال کی آزمائش اور صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۵۰۶	غلام کو آزاد کرنا ایسا ہے جیسے اسے زندہ کرنا	۵۲۵
حضرت عامر اور دیگر چھ صحابہ کو صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۰۹		

شکر نعمت پر بمعنی براءت ذمہ از شکر عقلا محال ہے	۵۲۶	چوتھا مقدمہ: اتقی کی تفسیر تقی کرنے والا صرف ابو عبیدہ خارجی ہے	۵۵۶
فضیلت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ	۵۲۶	ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی توثیق	۵۵۶
فرقہ تفضیلیہ کارد بلیغ	۵۲۷	پانچواں مقدمہ: اشقی کی تفسیر شقی سے مخالف کے استدلال کا جواب	۵۵۹
فضیلت سیدنا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور انہیں افضل کہنے والوں کارد	۵۲۷	عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی تھا	۵۶۲
صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مراد لینا آیت اتقی میں اجماعی ہے	۵۳۰	صیغہ افعل التفضیل کا معنی	۵۶۳
تفضیلیہ کے تین شبہات کارد	۵۳۰	تفسیر نارا تلظی اور انھا تلظی	۵۶۶
پہلا مقدمہ کہ الفاظ کو اپنے ظاہر سے پھیرنا منع مگر بہ حاجت شدیدہ	۵۳۱	شان نزول ان الشرک لظلم عظیم	۵۶۹
دوسرا مقدمہ کہ تفاسیر میں جو کچھ ہے سب واجب القبول نہیں	۵۳۲	قاضی بیضاوی اور قاضی ابو بکر شافعی پر ایراد	۵۷۶
تفسیر مرفوع بہت تھوڑی ہے اور علم تفسیر کی اہمیت	۵۳۲	ابو عبیدہ کا اتقی کی تفسیر تقی سے کرنے پر رد۔	۵۷۸
تفسیر کے چار اصول اور موضوعات کی بحث	۵۳۳	ابو طالب کا نعتیہ قصیدہ اور عذاب میں تخفیف کا بیان	۵۷۹
تفسیر ابن عباس کی بحث	۵۳۹	امام رازی کے قول کی تضعیف	۵۸۵
موضوع اور ضعیف اقوال کے نقصانات	۵۴۲	تقوی کے درجات میں پہلا درجہ کفر سے بچنا ہے	۵۸۶
حدیث دین کا نظام ہے۔ مگر فقیر کے سواسب کو گمراہی کا اندیشہ ہے۔	۵۴۶	اتقی کے معانی پر مزید بحث	۵۸۶
فقہ اثبات شبہات اور نادان عقل کو حاکم بنا کر نہیں حاصل ہوتا	۵۴۶	علماء نے استخدام اور توریہ کو بدیع کی عمدہ قسم شمار کیا ہے	۵۸۹
ضروری تنبیہ بابت تفاسیر قرآن	۵۴۶	تفسیر عزیزی کے ایک قول پر کلام	۵۹۳
مقتضائے لغت کے مطابق تفسیر کرنے کا بیان	۵۴۹	ابو طالب کے عذاب میں تخفیف سے متعلق صحیحین کی حدیث	۵۹۵
تیسرا مقدمہ وجوہ تاویل کے بیان میں	۵۴۹	کفر و ایمان کا کم زیادہ ہونا اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے	۵۹۹
وجوہ تاویل کی مثالیں	۵۵۲		

شبہات کا جواب چند وجوہ سے	۶۰۱	اتقی اور اکرم (بمعنی افضل) میں فرق	۶۲۰
تفسیر عزیزی میں منقول ایک شبہہ کا جواب	۶۰۲	تقوی کی تعریف آیات واحادیث کی روشنی میں	۶۲۰
اسم تفضیل کی تفصیل و تشریح	۶۰۲	وجہ ثالث (۳)	۶۲۴
علامہ جامی علیہ الرحمہ کے قول سے استدلال	۶۰۶	بطرز دیگر اثبات مدعی پر منطقی دلیل	۶۲۵
رضی استرابادی کے قول سے استدلال	۶۰۷	وجہ رابعہ (۴)	۶۲۷
حضرت عیسی علیہ السلام کی حیات سے معارضہ کا جواب	۶۰۸	حدیث کہ تم میں افضل وہ ہے جو تم میں اتقی ہے	۶۲۸
حدیث "خاتمہ کا اعتبار ہے" سے معارضہ کا جواب	۶۰۸	خطبہ فتح مکہ	۶۳۰
شاہ عبدالعزیز کے ایک ارشاد پر کلام	۶۰۹	آدمی کی دو قسمیں ہیں بر و تقی اور فاجر و شقی	۶۳۱
راجح مذہب پر سیدنا عیسی علیہ السلام دنیا میں زندہ ہیں	۶۱۰	حدیث من سرہ ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ	۶۳۲
معتمد و مختار یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں	۶۱۰	وجہ خامس (۵)	۶۳۲
صفت کا اطلاق کسی پر آئندہ کے لحاظ سے مجاز ہے	۶۱۰	ایک اعتراض کا جواب	۶۳۳
تحقیق رضوی بابت افعل التفضیل	۶۱۱	وجہ سادس (۶)	۶۳۳
مجمل آیت کا اگر بیان نہ ہو تو وہ متشابہات میں شمار ہو گی	۶۱۲	حدیث الکرم التقوی والشرف التواضع	۶۳۴
صدیق اکبر کا پہلے اسلام لانا اشعار حسان کی روشنی میں	۶۱۳	حدیث الحیاء زینۃ والتقوی کرم	۶۳۴
شان صدیق اکبر اشعار حسان کی روشنی میں رضی اللہ تعالٰی عنہما	۶۱۳	حدیث مروءتہ عقلہ	۶۳۴
افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۱۶	حدیث حسبہ خلقہ والشرف التواضع	۶۳۵
تفضیلیہ کی ایک منطقی دلیل کا رد بوجوہ چند	۶۱۷	حدیث الکرم التقوی وکرم المرء دینہ۔	۶۳۵
وجہ اول (۱)	۶۱۷	موضوع و محمول اور معرفہ و نکرہ سے متعلق ایک ضابطے کا افادہ	۶۳۵
اہل جاہلیت کا نسب پر فخر کرنا	۶۱۸	لام جب عہد کے لیے نہ ہو استغراق کے لیے ہوگا (ضابطہ نحویہ)	۶۳۷
وجہ ثانی (۲)	۶۲۰		

وجہ سابع (۷)	۶۳۷	حدیث ان اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرھم علی الصلوۃ	۶۴۶
حدیث احب الاعمال الی اللہ الصلوۃ الخ	۶۳۸	علمائے حدیث کی فضیلت پر استدلال	۶۴۷
احادیث فضائل اعمال میں ترتیب کا معنی اور زعم عجیب کارد	۶۳۸	حدیث اکثروامن الصلوۃ علی فی کل یوم جمعہ الخ	۶۴۷
تذئیل اس بارے میں کہ کلام میں خبر کو مقدم یا مؤخر کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے	۶۳۹	تکمیل، مبتدا کو خبر پر مقدم کرنے کی بحث	۶۴۹
خبر کو مقدم کرنا کلام فصیح میں نادر نہیں	۶۳۹	متون بسااوقات اطلاق کی راہ چلتے ہیں اور ضروری قیدیں چھوڑ دیتے ہیں	۶۴۹
تقدم خبر پر بعض احادیث سے استدلال	۶۳۹	علم فقہ کثرت مراجعت، عبارات فقہا کی تلاش کے بغیر حاصل نہیں ہوتا	۶۵۰
حدیث خیر کم لاھلیہ الخ	۶۴۱	چند غلط فتووں کی نشان دہی جو ناقص مفتیوں نے صادر کئے	۶۵۰
حدیث خیر نساء رکبن الابل الخ	۶۴۲	خبر کو مقدم کرنے کے نکات و حکم	۶۵۲
حدیث خیر الاصحاب عنداللہ خیرھم لصاحبہ الخ	۶۴۲	آیت ان اکرمکم سے متعلق ایک اعتراض کا شافی جواب (منطقی بحث)	۶۵۳
حدیث خیر الذکر الخفی	۶۴۳	تنبیہ، سفہاء کے ایک اور اعتراض کا جواب بوجوہ ثلثہ	۶۶۰
حدیث افضل الصدقۃ سر الی فقیر	۶۴۳	حدیث لیس لاحد فضل علی احد الا بالدین الخ (کسی کی کسی پر فضیلت نہیں مگر دین سے)	۶۶۱
آیت وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم	۶۴۳	حدیث فانک لست بخیر من اسود واحمر الخ (سیاہ فام اور سرخ سے تم کو فضیلت نہیں مگر تقوی سے)	۶۶۳
حدیث ان افضل الضحایا اغلاھا واسنھا	۶۴۴	حدیث خطبہ الوداع	۶۶۳
حدیث افضل العمال الایمان باللہ ثم الجھاد الخ	۶۴۴	کل اکرم اتقی کے معنی کی تحلیل تین قضیوں سے اشعار: قدر اللہ فلا تنکر الخ (از اعلی حضرت قدس سرہ)	۶۶۵
حدیث ان اشد الناس تصدیقا للناس الخ	۶۴۵	خاتمہ، افضلیت صدیق اکبر کی قطعیت پر بحث	۶۶۶
حدیث اکثر الناس ذنوبا یوم القیامۃ اکثرھم کلاما فیما لایعنیہ۔	۶۴۵		

علم یقین کا منکر کافر اور علم طمانیت کا منکر گمراہ و بدمذہب ہے	۶۶۷	مالک بن انس اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۶
وزن اعمال، رؤیت وجہ کریم، مسئلہ اسراء سماوات وغیرہ قطعی بعلم طمانیت ہیں	۶۶۷	امام اعظم ابوحنیفہ اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۷
معتزلہ اور اگلے روافض کی عدم تکفیر	۶۶۷	امام شافعی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۷
تفضیلیہ کی عدم تکفیر، لیکن ابتداع (بدمذہب ہونا) ثابت ہے	۶۶۹	امام ابوالحسن اشعری اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۸
افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اجماع صحابہ	۶۶۹	امام حجۃ الاسلام غزالی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۸
ذکر مطلع القمرین کا	۶۷۰	حافظ ابن حجر عسقلانی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۸
تعارض نصوص کا معنی اور اس کی قسمیں	۶۷۰	امام احمد بن محمد قسطلانی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۶۷۸
مسئلہ افضیلت میں کلمات علماء کے درمیان تطبیق و توفیق	۶۷۱	امام عبدالباقی زرقانی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۶۷۸
مسئلہ ظنی میں آزادی اختیار کرنے والوں کو تنبیہ و تہدید	۶۷۲	حضرت ملا علی قاری اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۶۷۸
بعض کو خاطی جاننا بہتر اس سے کہ ائمہ دین میں کسی فریق کو خاطی ٹھہرایا جائے	۶۷۳	شاہ عبدالعزیز اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۶۷۸
فرمان علی: جو مجھ کو ابوبکر و عمر پر فضیلت دے گا اس کو مفتری کی حد لگاؤں گا	۶۷۴	لطیفہ: مفاتیح امام رازی سے سورہ والضحٰی اور واللیل کے یکجا ہونے پر نکات عجیبہ۔	۶۷۹
حدیث ادرؤا الحدود (حدود کو رفع کرو)	۶۷۵	سورہ والضحٰی واللیل کے سلسلے میں افادات امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ۔	۶۸۰
حدیث فان الامام الخ (امام کا درگزر میں خطا کرنا عقوبت میں خطا سے بہتر ہے)	۶۷۵	لطیفہ: آیات کریمہ سے تفضیل صدیق اکبر بر مولا علی پر ایک نکتہ عجیبہ	۶۸۲
میمون بن مہران تابعی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۶	تمام اجلہ صحابہ مقام فنا و بقا میں تمام اکابر اولیاء سے بلند و بالا ہیں	۶۸۳

فہرست ضمنی مسائل

عقائد وکلام		جو عاقل بچہ اسلام لائے حکم اسلام میں وہ مستقل بالذات ہے	۴۳۴
تشیع، غلوالشیعہ اور رفض کی تعریف	۷۷	بچہ قبل بلوغ دین اپنے والدین کا تابع ہے جبکہ خود مسلمان نہ ہو اہو	۴۳۶
ترتیب خلافت وفضیلت کی تشریح میں علامہ تفتازانی، ابن حجر مکی اور امام مالک کامسلک	۷۸	کفر تکذیب ہے	۴۳۷
عثمان غنی اور مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما کے درمیان افضیلت میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا قول	۷۸	قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں	۴۴۴
کفر وایمان کا کم زیادہ نہ ہونا اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے	۲۹۹	باجماع ائمہ اشاعرہ حسن وقبح مطلقاً شرعی ہیں	۴۵۱
اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں	۳۶۵	حسن وقبح کے بارے میں بعض ائمہ ماتریدیہ کا مؤقف	۴۵۱
اقدام نبوت میں غیر نبی کا حصہ نہیں	۴۱۵	کفر اخبث معاصی ہے	۴۵۳
ارواح شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت ہے	۴۱۷	ناسمجھ بچے کو "تبعیت والدین" یا "دارکافر" کہنے کا کیا معنی ہے	۴۵۳
رسل ملائکہ، اولیاء بشر سے بالاجماع افضل ہیں	۴۱۸		

زمان فترت میں صرف توحید مدار اسلام و مناط نجات و نافی کفر تھی	۴۶۰	**سیرت وفضائل سید المرسلین**	
فضل جزئی اور فضل کلی میں فرق	۴۶۴	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام بکثرت ہیں، مصنف علیہ الرحمہ نے تقریباً چودہ سو پائے ہیں	۳۶۵
فضل جزئی مفضول کا بھی افضل پر مل سکتا ہے	۴۶۴	سورہ فاتحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح مدح ہے	۳۶۶
فرقہ تفضیلیہ کارد بلیغ	۴۶۷	انبیاء کے سردار محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں	۳۶۶
راجح مذہب پر سیدنا عیسٰی علیہ السلام دنیا میں زندہ ہیں	۶۱۰	ایک تفسیر کے مطابق ہر آیت نعت مصطفٰی ہے صلی اللہ علیہ وسلم	۳۶۶
معتمد و مختار یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں	۶۱۰	شب معراج حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا جبرئیل علیہ السلام کا اسے تنبیہ فرمانا براق کا شرمندگی سے پسینہ پسینہ ہونا اور تھرا کر زمین سے پیوست ہونا ثابت ہے	۴۰۵
علم یقین کا منکر کافر اور علم طمانیت کا منکر گمراہ و بدمذہب ہے	۶۶۷	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواح انبیاء علیہم السلام جنت میں بلال مقعد صدق میں اویس قرنی اور بہشت میں زوجہ ابوطلحہ وغیرہ کو دیکھا	۴۰۸
وزن اعمال، رویئت وجہ کریم، مسئلہ اسراء سماوات وغیرہ قطعی بعلم طمانیت ہیں	۶۶۷	رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے والدین کریمین کفر سے منزہ ہیں	۴۴۵
معتزلہ اور اگلے روافض کی عدم تکفیر	۶۶۸	والدین کے احسان اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا فرق	۵۲۴
تفضیلیہ کی عدم تکفیر، لیکن ابتداع (بدمذہب ہونا) ثابت ہے	۶۶۹	**فوائد تفسیریہ**	
افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اجماع صحابہ	۶۶۹	"انما یعمر مساجد اللہ" سے کیا مراد ہے	۱۳۷
تمام اجلہ صحابہ مقام فنا وبقا میں تمام اکابر اولیاء سے بلند و بالا ہیں	۶۸۳	قرآن شریف اور حدیث نبوی سے اسکی تائید	۱۳۷

مجھ کو قرآن میں یہ لفظ (بین یدیہ) ۳۸ مقامات پر ملا	۱۷۸	تفسیر مرفوع بہت تھوڑی ہے اور علم تفسیر کی اہمیت	۵۳۲
ان مقامات کی قرآنی آیات کا تفصیلی بیان	۱۷۹	تفسیر کے چار اصول اور موضوعات کی بحث	۵۳۳
مختلف آیات قرآنی سے معنی عند کی وضاحت	۲۱۰	تفسیر ابن عباس کی بحث	۵۳۹
الصراط المستقیم کیا ہے	۳۲۲	ضروری تنبیہ بابت تفاسیر قرآن	۵۴۶
انعمت علیھم کے چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں	۳۲۲	مقتضائے لغت کے مطابق تفسیر کرنے کا بیان	۵۴۸
آیت کریمہ "وماکنامعذبین حتی نبعث رسولا" کی تفسیر۔	۴۴۱	تفسیر نارا تلظی اور انہا تلظی	۵۶۶
آیت کریمہ "ذلك ان لم یکن ربك مھلك القری بظلم واھلھا غفلون" میں کون سے عذاب کی نفی ہے اور غفلت سے کیا مراد ہے	۴۴۲	شان نزول ان الشرك لظلم عظیم	۵۶۹
آیت کریمہ "ماکنت تدری ما الکتب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورا" کی تفسیر	۴۴۶	مجمل آیت کا اگر بیان نہ ہوا تو وہ متشابہات میں شمار ہوگی	۶۱۲
یہ کتاب مصنف کی پندرھویں تصنیف ہے	۵۰۰	آیت ان اکرمکم سے متعلق ایک اور اعتراض کا شافی جواب (منطقی بحث)	۶۵۳
تفسیر آیت کریمہ یاایھاالناس اناخلقنکم الخ	۵۰۰	لطیفہ: مفاتیح امام رازی سے سورہ والضحی اور واللیل کے یکجا ہونے پر نکات عجیبہ۔	۶۷۹
شان نزول ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔	۵۰۲	سورہ والضحی اور واللیل کے سلسلے میں افادات امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ	۶۸۰
شان نزول اذاقیل لکم تفسحوا فی المجالس الخ	۵۰۲	لطیفہ: آیات کریمہ سے تفضیل صدیق بر مولا علی پر ایک نکتہ عجیبہ	۶۸۲
شان نزول وسیجنبھا الاتقی الخ	۵۰۵	**فوائد حدیثیہ**	
شان نزول امامن اعطی واتقی الخ	۵۱۰	متعدد حدیثوں سے احیاء سنت کا ثبوت اور اس کی فضیلت پر مختلف کتب حدیث سے ایسی حدیثوں کی تخریج (حاشیہ)	۶۲
الاتقی سے کون مراد ہے (تفاسیر کی روشنی میں)	۵۱۲	حدیث ابوداود کی متعدد سندیں	۶۵

متن حدیث اور اس امر کی وضاحت کہ مدار حدیث محمد بن اسحٰق ہیں	۶۶	ابن اسحٰق کی مروی حدیث کو ابوداود نے صحیح کہا۔	۸۴
درجات حسن میں روایت ابن اسحٰق اعلی درجہ پر فائز ہیں اور اسی کو ادنی درجہ کی صحیح کہا جاتا ہے۔	۷۴	لیث ابن سلیم جو ثقہ مدلس ہیں امام منذری نے ان کی سند کو حسن کہا	۸۴
بعض ائمہ نے ابن اسحاق کی حدیث کو صحیح اور بعض نے حسن کہا	۷۵	ابوزبیر کی معنعن بروایت لیث ہو تو مقبول ہے	۸۵
ابن اسحٰق کی کچھ مرویات ائمہ حدیث نے جن کی تائید و توثیق فرمائی (حاشیہ)	۷۶	صحیح مسلم کی چند حدیثیں بروایت ابوزبیر عن لیث نہیں مگر امام مسلم نے انہیں بھی مقبول رکھا	۸۵
محمد ابن عبداللہ یعقوب ابن شیبہ ابن حبان مصعب زبیری کا ابن اسحٰق کی طرف سے دفاع	۷۶	زید بن ثابت سے شادی شدہ زانیوں کے رجم کی روایت ہے اسی روایت میں ہے کہ عمر نے فرمایا کہ میں آیت کے نزول کے وقت بارگاہ رسالت میں تھا	۸۵
روایت میں بدعتی کے قبول اور رد کا معیار	۷۹	اس حدیث کی کسی تخریج میں یہ روایت عن عمر عن رسول اللہ نہیں سوائے مذکورہ روایت کے اور اس میں حضرت قتادہ کو مدلس کہا گیا اس کے باوجود روایت مقبول ہے	۸۶
اس روایت میں تدلیس نہیں بلکہ حدثنی زہری ہے	۷۹	فتح مکہ کی دو روایتیں متعارض منقطع ہونے کے باوجود مقبول ہوئیں۔	۸۶
راوی کسی شیخ سے کثیر الروایات ہو تو لفظ عن سے روایت میں بھی تدلیس نہیں	۸۰	قاضی ابویوسف علیہ الرحمہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن دونوں ہی قسم کی روایتوں سے استدلال کیا اور علماء کے نزدیک مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اسکی تصحیح ہے	۸۸
روایت بطور نزول ابن اسحٰق کی عادت تھی	۸۰	ابوداود کی عظمت اور اس کی صحت پر چھ اماموں کے نصوص۔	۸۹
مراسیل کے اعتبار اور عدم اعتبار کی تاریخ۔	۸۱	حدیث مبحوثہ میں امام زہری کے اکثر شاگردوں میں صرف ابن اسحٰق نے ہی علی باب المسجد اور بین یدیہ کا اضافہ کیا، مخالفین بین یدیہ کی زیادتی کو تسلیم کرتے ہیں اور علی باب المسجد کی زیادتی کر رد کرتے ہیں یہ بڑی زیادتی ہے	۹۳
صحابہ کے مراسیل مطلقًا مقبول دوسروں کے مراسیل بہ اتفاق امام اعظم و امام مالک و ابن حنبل مقبول ہیں البتہ ظاہر یہ اور جمہور محدثین جو سن ۲۰۰ کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے	۸۳	اس حدیث کی عدم شہرت سے اسکے متروک العمل ہونے کا استدلال غلط ہے	۱۰۷

ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین" کا تذکرہ	۱۳۵	لفظ "ینبغی" کے معنی مستحب قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے متقدمین کے یہاں یہ لفظ عام ہے	۱۵۰
اثر جویبر کا بیان۔	۲۶۱	استحباب میں سنت بھی داخل ہے اور سنت کا معاملہ آسان نہیں	۱۵۰
ابوداود کی صحیح حدیث سے اس کے تعارض کا بیان	۲۶۲	بسا اوقات "ینبغی" وجوب کے لیے ہی آتا ہے	۱۵۰
حضرت طلق بن علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایات اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے کہ ان الفاظ میں لفظ فی کی ظرفیت مجازی ہے یہی صاحب فتح اور صاحب غایۃ البیان کی تقریر کا مفاد ہے	۲۶۶	کراہت مطلقًا شوافع کے نزدیک تنزیہی اور احناف کے نزدیک تحریمی ہے	۱۵۴
اثر عبداللہ بن عمر میں صلوۃ مسعودی کے غلط حوالہ سے لفظ فیہ کا اضافہ ہے	۲۶۸	جو امر کراہت تحریمی اور تنزیہی میں دائر ہو اس کا چھوڑنا ہی دانشمندی ہے	۱۵۵
ذکر بالجسر کی مخالفت میں عبداللہ بن مسعود کے ایک اثر کی بحث	۲۸۸	ردالمحتار سے تعامل صحیح کی تعریف	۲۳۴
فوائد فقہیہ		اذان فجر قبل فجر پر تعامل حرمین ہمارے ائمہ کے نزدیک غیر معتبر و نامقبول ہے	۲۴۹
"بین یدیہ" اور "علی باب المسجد" میں تعارض کے شبہہ کا جواب	۹۵	قرب مطلق کی تفسیر میں گیارہ فقہی عبارتیں۔	۳۴۴
دیواریں اور کونا بیرون مسجد ہے (حاشیہ)	۱۱۴	علم فقہ کثرت مراجعت، عبارات فقہاء کی تلاش کے بغیر حاصل نہیں ہوتا	۶۵۰
اذان اور اقامت کے مقامات مختلف ہیں	۱۱۶	**افتاء**	
فقہا کی عبارت میں آنیوالے لفظ قالوا کے مختلف معانی کی عمدہ تفصیل	۱۲۰	قول مرجوح پر فتوی جہل اور خرق اجماع ہے	۱۴۹
اذان واقامت میں مغایرت کے وجوہ	۱۳۵	چند غلط فتووں کی نشان دہی جو ناقص مفتیوں نے صادر کئے	۶۵۰
مسجد کے اطلاقات کا بیان	۱۳۶	**فوائد اصولیہ**	
		عام سے خاص پر استدلال کا حدیث سے ثبوت	۱۲۲

ہر ہر جزئی کے لیے علیحدہ علیحدہ خاص نص ضروری ہے ورنہ شریعت معطل ہو جائے گی	۱۲۲	غیر قطعی الدلالہ نص سے احادیث صحیحہ کے رد کا انکار نہیں کیا جاسکتا	۴۴۲
امام قاضی خاں اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کی مرسل روایت بھی مسائل مذہب میں شمار ہوتی ہے	۱۲۴	جس چیز سے ذہن اصلا خالی ہو اس کی تصدیق و تکذیب دونوں ممتنع عقلی ہے	۴۶۰
مختلف علمائے اصول کے بیان سے اس امر کا ثبوت کہ عند قرب حقیقی اور حکمی دونوں کے لیے آتا ہے	۲۰۶	تعارض نصوص کا معنی اور اس کی قسمیں	۶۷۰
عند کا معنی قرب داخل ہے مگر اس کے لیے اتصال ضروریہ نہیں	۲۰۷	**اسماء الرجال**	
شریعت میں اعتبار حکم منطقی ضمنی کا نہیں حکم حقیقی اصل کا ہے	۲۲۷	سفیان بن عیینہ اور ابو معاویہ سے ابن اسحٰق کی توثیق	۶۷
کلمہ اذان علی المنبر جملہ محتملہ ہے اور لا یؤذن فی المسجد صراحۃ النص ہے اس حثیت سے بھی اعتبار اسی کا ہے	۲۲۸	ابن اسحٰق کے خلاف چند الزامات کی تردید (حاشیہ)	۶۷
اجماع اور تعامل	۲۲۸	امام ابو اللیث امام شعبہ علی ابن مدینی امام زہری سے ابن اسحٰق کی تصدیق	۷۰
تعامل عام کی بحث	۲۳۳	عاصم بن عبد اللہ بن قائد ابن حبان ابو یعلی یحیٰی بن معین ابن البرقی اور امام بخاری کی توثیقات	۷۰
خلاف سنت تعامل جواز کی سند نہیں	۲۳۳	امام ابن ہمام، امام بخاری وغیرہ کی تصحیح	۷۱
توارث کی بحث	۲۳۸	ان ائمہ کا ذکر جن کے نزدیک ابن اسحٰق میں تدلیس کے علاوہ کوئی عیب نہیں	۷۶
توارث تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے	۲۳۸	ابن اسحٰق پر تشیع کے الزام کی حقیقت۔	۷۷
عدم ثبوت کی دلیل عقلی قرار دینا بے عقلی ہے	۲۴۹	محمد بن اسحٰق اور جویبر کا تقابل	۲۶۳
توارث غیر معتبر ہے	۲۴۹	ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی توثیق	۵۵۶
کثرت اسماء شرف مسمّٰی سے ناشی ہے	۳۶۵	**جرح و تعدیل**	
صدق مشتق قیام مبدا کو مستلزم ہے	۴۳۷	کتب علل سے جویبر پر پندرہ اماموں کی جرح	۲۶۳
تکذیب بے ادراک و تمیز نا متصور	۴۳۷	جویبر کے اثر پر صاحب فتح کی تین جرحیں	۲۶۴

بلاغت		عند کے معنی کی تحقیق	۲۰۶
لفظ بین یدیہ ترکیبی کے معنی حقیقی کا بیان	۱۷۶	عند اور لدی کا فرق	۲۰۸
مسئلہ مبحوثہ میں لفظ بین یدیہ کے مجازی معنی مراد ہیں جو بلحاظ استعمال معنی حقیقی ہوں گے	۱۷۷	عند بعد کے لئے اور لدی قرب کے لیے ہے	۲۰۸
پس لفظ بین یدیہ قرب و بعد سے قطع نظر "سامنے" کے معنی میں ہے	۱۷۷	عند کے استعمال کے مواقع	۲۱۳
اور قرب کا لحاظ ہو تو حاضر اور مشاہد کے معنی میں ہے	۱۷۷	عند ظرف ہے جو زمان اور مکان دونوں کے لیے آتا ہے	۲۱۸
لفظ بین یدیہ اصلا ظرف مکان تھا اب زمانہ کے لیے بھی اس کا استعمال ہونے لگا	۱۷۸	علی وقت اور زمانیہ کے لیے بھی آتا ہے تو یہ عند زمانیہ کا ہم معنی ہے	۲۲۳
عند معنی قرب میں بین یدیہ سے زیادہ وسیع ہے	۲۰۷	مقدمہ لغویہ وسط اور وسط کا اطلاق وسط بالسکون سے دائرہ کے اندر کا کوئی بھی مقام اور وسط بتحریک سین مراد ٹھیک وسط ہوتا ہے	۳۰۶
علماء نے استخدام اور توریہ کو بدیع کی عمدہ قسم شمار کیا ہے	۵۸۹	معنی قرب کا بیان اور مثالیں	۳۴۳
صفت کا اطلاق کسی پر آئندہ کے لحاظ سے مجاز ہے	۶۱۰	قرب کی اقسام	۳۴۳
تذئیل اس بارے میں کہ کلام میں خبر کو مقدم یا مؤخر کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے	۶۳۹	صیغہ افعل التفضیل کا معنی	۵۶۳
خبر کو مقدم کرنا کلام فصیح میں نادر نہیں	۶۳۹	اتقی کے معانی پر مزید بحث	۵۸۳
تقدیم خبر پر بعض احادیث سے استدلال	۶۳۹	**نحو**	
تکمیل، مبتدا کو خبر پر مقدم کرنے کی بحث	۶۴۹	اسم تفضیل کی تفصیل و تشریح	۶۰۲
خبر کو مقدم کرنے کے نکات و حکم	۶۵۲	علامہ جامی علیہ الرحمہ کے قول سے استدلال	۶۰۶
لغت		رضی استرابادی کے قول سے استدلال	۶۰۷
لفظ شیعی اور رمی بالتشیع میں فرق ہے	۷۹	تحقیق رضوی بابت افعل التفضیل	۶۱۱

موضوع ومحمول اور معرفہ ونکرہ سے متعلق ایک ضابطے کاافادہ	۶۳۵	اصولیہ ہندسیہ توضیح دعوی	۳۰۸
لام جب عہد کے لیے نہ ہو استغراق کے لیے ہوگا (ضابطہ نحویہ)	۶۳۷	ثبوت دعوی کی تقریر	۳۰۹
منطق		زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس کے قاعدے پر نازل ہونے والا عمود قاعدہ کانصف ہوگاجب مثلث کی دونوں ساقین مساوی ہوں	۳۱۰
چونکہ قرب امر اضافی کلی مشکک ہے اس لیے اس کی تعیین موقع اور محل کے لحاظ سے بتقاضائے عقل ہوگی	۱۷۸	دعوی کی توضیح اور ثبوت	۳۱۱
انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص ہے	۴۵۳	زاویہ مختلف الساقین کے عمود کی مقدار کا بیان	۳۱۲
حکم بے تصور محکوم علیہ محال قطعی ہے	۴۶۰	زاویہ منفرجہ کے عمود کی مقدار کابیان	۳۱۳
تفضیلیہ کی ایک منطقی دلیل کارد بوجوہ چند	۶۱۷	مثلث کی دوشاخوں کے مختلف ملتقی پر پیدا ہونے والے زاویوں کابیان	۳۱۴
بطرز دیگر اثبات مدعی پر منطقی دلیل	۶۲۵	دونوں قسم کے ملتقی پر تینوں زاویہ کے پیدا ہونے کاامکان	۳۱۷
ترغیب وترہیب		شکل ہندسی سے مقام موذن کی تصویر	۳۲۰
سنت بدلنے والوں کے لیے شدید وعیدیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تبدیل سنت کی نسبت سخت قبیح امر ہے	۱۳۱	مقدار عمود کی حقیقی نسبت کابیان	۳۳۰
نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا منع اور اس فعل پر وعیدیں	۱۵۶	زاویہ قائمہ اور منفرجہ کے عمود کے فاصلے کابیان	۳۳۰
مسئلہ ظنی میں آزادی اختیار کرنے والوں کو تنبیہ وتہدید	۶۷۲	**تاریخ وتذکرہ**	
ہندسہ		یہ روایت محض بے اصل ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یزید کو واسطے مغفرت کے کوئی نماز بتائی تھی	۵۲
زاویہ قائمہ، منفرجہ اور حادہ کامقام حدوث	۳۰۶	ان چھ مفسرین کے نام جنھوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس حدیث پر اعتبار کیا	۶۰
بیان مذکور کی تعبیرات مختلفہ	۳۰۷	ان فقہاء کے نام جنھوں نے اپنی کتابوں میں منصوص طور پر یہ مسئلہ ذکر کیا	۶۰

امام زین العابدین اور امام زید کا واقعہ	۸۲	حضور سرکار غوثیت کا سب سے پہلا حج	۳۷۰
ایسے جلیل القدر ۳۸ ائمہ حدیث کا ذکر جن کی عادت ارسال حدیث کی تھی	۸۳	ابن سقا کا انجام اور اس کا سبب	۳۹۹
جو دروازہ خطیب کی پشت پر تھا وہ سائب ابن یزید کی ولادت سے پہلے سال دو سال بند ہو چکا تھا	۹۲	روح غزالی کا جناب کلیم اللہ سے کلام کرنا،	۴۱۰
ایک نام نہاد طالب العلم کی تحریف	۲۲۷	تذکرہ و عظمت حارثہ بن نعمان و نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما	۴۲۳
اذان جمعہ کی تاریخ ازروئے مذہب امام مالک۔	۲۲۹	تحفہ قادریہ شریف اعلی درجہ کی مستند کتاب ہے	۴۲۹
اس باب میں مجدد الف ثانی کا ایک دردناک مکتوب	۲۳۴	حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتنی عمر میں ایمان لائے	۴۳۴
اذان بین یدی الخطیب میں عہد رسالت کے بعد کسی قسم کا تغیر تاریخ سے ثابت نہیں	۲۴۸	حضرت حیدر کرار رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پرورش سید الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کنار اقدس میں ہوئی	۴۳۶
مسجد نبوی کی آرائش پر ولید کے غیر معمولی مصارف کا بیان	۲۵۶	بتوں کی نجاست سے آپ کا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا	۴۳۶
اللہ تعالٰی نے ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان کیا	۲۷۴	لقب "کرم اللہ تعالٰی وجہہ" کا سبب	۴۳۶
اعلان حج کے وقت وہ پتھر مطاف میں دیوار کعبہ کے پاس تھا یعنی مسجد حرام میں تھا تو اعلان اندرون مسجد ثابت ہوا	۲۷۵	قُس بن ساعدہ اور زید بن نفیل کا تذکرہ (حاشیہ)	۴۳۸
مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لال کافر کو مارنے والا قصہ بے اصل ہے	۳۶۶	زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ تھیں	۴۵۰
حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سرداران اولیاء میں سے ہیں	۳۶۹	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کبھی بت پرستی نہیں کی بلکہ بچپن میں پتھر مار کر بت کو منہ کے بل گرادیا	۴۵۶
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دست مبارک روضہ انور سے بوسہ کے لیے نکالنا	۳۷۰	بعض جزئی مقید نائبین کے اسماء گرامی۔	۴۷۰
		کتاب مستطاب "سبع سنابل" بارگاہ رسالتمآب میں قبول عظیم پر واقع ہوئی	۴۸۵

میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات	۴۸۵	ولدالزنا کی خلافت و بیع کا حکم	۵۲
حضرت بلال کی آزمائش اور صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنہما)	۵۰۶	جانشینی و نیابت دو قسم پر ہے	۴۶۹
حضرت عامر اور دیگر چھ صحابہ کو صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۰۹	قسم اول جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لیے دوسرے کو اپنا نائب کرے	۴۶۹
سات ان صحابہ کرام کا نام جن کو صدیق اکبر نے آزاد فرمایا (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۰۹	قسم دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہوسکتی	۴۷۱
حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا آغوش رسالت میں پرورش پانا	۵۱۴	خلفائے ثلثہ کی خلافت کے بارے میں ارشاد علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہم	۴۷۲
صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا چالیس ہزار دینار خرچ کرنا	۵۱۹	خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۴۷۳
عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی تھا	۵۶۲	**خواب**	
خلافت وبیعت		اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو	۳۶۶

اذان ونماز ومساجد

مسئلہ ۱: از جھونا مارکیٹ کراچی بندر مرسلہ حضرت سید پیر ابراہیم صاحب مدظلہ الاقدس ۱۵ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر غیر منکوحہ عورت سے لڑکا تولد ہوا اور قضائے الٰہی سے فوت ہوا اس کی قبر پر خانقاہیں بنانااور واسطے مرادوں کے دعامانگنااور صاحب القبر کو اولیا قبول کر ناشر عادرست ہے یا نہیں ؟اگر ایسا شخص صفت بالامیں متصف ہے اور مسجد میں امام ہے تو ہزاروں مقتدیوں کو تحقیق واقعات بالاکے نماز قبل از تحقیقات کااعادہ کرناافضل ہے یانہیں؟

الجواب:

جو شخص فاسق وفاجر ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے پھر اگر فاسق معلن ہے تو کراہت تحریمی ہے اور اعادہ واجب ہے ورنہ تنزیہی اور اور اعادہ بہتر **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲: از موضع چانڈپور ڈاکخانہ بمنوئی تحصیل سکندرہ راؤ ضلع علیگڑھ مسئولہ مرزااحسان بیگ صاحب زمیندار ۱۷جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ بعد سلام مسنون معروض خدمت ہوں کہ نماز غفیرا کی بابت میں ذکر الشادتین دیکھا ہے کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالٰی نے یزید کو واسطے مغفرت کے بتائی تھی مجھے اس نماز کہ تلاش ہے میں پڑھنا چاہتا ہوں.براہ مہربانی اس مسئلہ پر التفات مبذول فرماکر ترتیب نماز سے

اطلاع دیجئے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ۔ یہ روایت محض بے اصل ہے حضرت نے کوئی نماز اس پلید کی مغفرت کے لیے اس کو تعلیم نہ فرمائی۔

مسئلہ ۳: از اسپتال دھام نگر ضلع بالسیر اوڑیسہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ یہاں ایک شاہ صاحب نے اپنے ایک مرید کو خلیفہ بنایا ہے وہ مرید بظاہر پابند شریعت ہے ذکر واذکار کا پابند ہے آپ کے عقیدہ ہے اور آپ کا مداح علم انگریزی میں اچھی دخل ہے مسائل شریعت سے بھی اقفیت ہے سب باتیں صحیح ہین لیکن وہ ولد الزنا ہے اب حضور والا سے عرض ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہ؟ اور بیعت جو ہو گا وہ عند الطریقت صحیح ہے یا نہ؟ اور جو ولد الزنا کو خلیفہ بنادے وہ شاہ صاحب کیسے ہیں؟ اب خلیفہ سے جر مرید ہو ایا شاہ صاحب دونون مرید صحیح ہیں یا نہ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ولد الزنا کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولی ہے جبکہ وہ حاضرین سے علم میں زائد نہ ہو ورنہ اسی کی امامت اولی ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الاختیار ولو عدمت ای علۃ الکراھۃ بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر وولد الزنا من ولد الرشدۃ والاعمی من البصیر فالحکم بالضد اھ ونحوہ فی شرح الملتقی للبھنسی وشرح درر البحار [1]۔	اختیار میں ہے کہ جب کراہت کی علت معدوم ہو جائے یعنی دیہاتی شہری سے، غلام آزاد سے، ولد الزنا ثابت النسب سے اور اندھا بینا سے افضل ہو جائے اور درر البحار بھی ایسا ہے۔ (ت)

یونہی اگر وہ لائق خلافت ہے اسے خلافت دینی اور عقیدت کے ساتھ اسکے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کوئی حرج نہیں نہ اس پر نہ اس کے شیخ پر اس میں کچھ الزام **قال تعالیٰ** "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" [2] کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الامامۃ دار التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

رسالہ

رسالہ شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

(منبر کے سامنے نداء کے بیان میں عنبر کے شمامے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ط

اذان من اللہ الحق المبین ان الحمد للہ رب العلمین و افضل الصلوات و اعلی التسلیمات علی من اذن باسمہ الکریم فی اطباق السموات والارضین و سیؤذن بحمدہ العظیم ووصفہ الفخیم علی رؤس الاولین و الاٰخرین یوم الدین وعلی الہ وصحبہ و ابنہ الکریم الغوث الاعظم وسائر حزبہ اجمین۔ امین!	حمد اس وجہ کریم کو جس کا یہ اعلان ہے کہ سب تعریفیں میری ذات کے لیے ہیں اور افضل ترین درود و سلام اس ذات گرامی پر جس کے نام نامی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی بُلندیوں اور زمینوں کی پستیوں مین فرمایا اور روز قیامت کی بھڑ میں اولین و آخرین سے منتخب فرما کر آپ کو اپنی مخصوص حمد و ثنا کی اجازت اور اذن دے گا۔ اور آپ کی آل و اصحاب اور آپ کے فرزند غوث اعظم پر، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ساری امت پر آمین !

وبعد: فهذه سطور ان عدت يسيرة و بيزة، و فيها علوم ان شاء الله عزيزة عزيزة في بيان ما هو السنة في اذان الخطبة يوم الجمعة سميتها "شمائم العنبر في ادب النداء امام المنبر" و الغرض بيان ما ظهر من حقائق زبر الحديث الجلي و الفقه الحنفي معروضة على ساداتنا علماء اهل السنة في بلاد الاسلام للاستعانة بهم في احياء سنة نبينا الكريم عليه و على اله افضل الصلوة و التسليم۔	حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ چند سطریں ہیں بظاہر تھوڑی اور مختصر، مگر ان میں اذان خطبہ سے متعلق علوم وفنون کا سمندر سمٹا ہوا ہے ہم نے جس کا نام "ندائے منبر کے آداب میں عنبر کے شمامے" رکھا جس سے ہمارا مقصد حدیث رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور فقہ حنفی سے روشن ہونے والے تابناک حقائق کو جملہ علمائے اہل سنت عموماً اور خصوصاً علمائے حرمین شریفین کی خدمات عالیہ میں پیش کرنا ہے (اللہ تعالٰی انہیں توفیق خیر عطا فرمائے، اور قیامت تک ان سے مذہب حق کی حفاظت وحمایت کا کام لے) تاکہ ہم رسول انام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک مردہ سنت کی احیاء میں ان سے مدد حاصل کریں۔
والعبد الذليل عائذ بجلال وجه ربه الجليل، و جمال محيا حبيبه الجميل، عليه و على اله الصلوت بالتبجيل من كل عين لا تنظر بالانصاف و تقوم بالخلاف على قدم الاعتساف فضلا عمن يخلد في ارض اتباع الرواج، و تقدمه على سنة صاحب التاج و المعراج صلى الله تعالى عليه وسلم، و على اله و صحبه و شرف و كرم۔	یہ بندہ عاجز اپنے جلیل وبزرگ پروردگار کے وجہ کریم کے جلال اور اس کے حبیب لبیب کے چہرہ جمیل کی پناہ ڈھونڈتا ہے ایسی آنکھوں سے جو انصاف کو نہ دیکھ سکیں اور ظلم واختلاف کا ارادہ رکھیں نہ دیکھ سکیں اور ظلم واختلاف کا ارادہ رکھیں نہ کہ وہ جو رسم ورواج کی پابندی میں ثابت قدم ہوں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کریم پر اس کو ترجیح دیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم ط

ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم ط

يقول العبد المستعين بربه العظيم وهو نعم المعين ثم بحبيبه الكريم وهو	بندہ اپنے رب عظیم سے مدد مانگتے ہوئے (کہ وہی اچھا مددگار ہے) پھر اپنے حبیب رؤف وامین

نعم الامین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی الہ و صحبہ اجمعین حامداو مسلماو مشھداو مصلیا۔

قد علمتم یاسادتی و اخوتی رحمنااللہ تعالٰی و ایاکم وبالسلامۃ حیاناوحیاکم ان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھاوان المعروف معروف وان صارمنکراوالمنکر منکر و ان صار معروفافلا بمایحدث حدث و یشیع و ینکر علیہ بدء فیضیع امالامر الامارۃاو نفوس امارۃ۔

والعالم یقول الھوی متبع و القول لایسمع و قد قضیت ماعلی فان سکت فلاعلی فیدع،فلایدعو، فالمنکر یربو ویفشو،وتنشؤ الصغار فتقتفی الکبار فیظن متوارثاوماکان الاحادثا،وآیۃ ذلک کونہ علی خلاف السنۃ المرویۃ ومناواۃ الخصلۃ المرضیۃ ومع ذلک اذافتشتہ فی الصدرالاول، و القرون الاول لم ترلہ اثرا۔وان سألت

صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین کی حمایت چاہتے ہوئے حمد وصلاۃ سلام وتشہد پڑھتے ہوئے عرض پرداز ہے۔

اے ہمارے سردارو اور بھائیو! اللہ تعالٰی ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے اور ہم سب کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے آپ خوب جانتے ہیں کہ تمام باتوں سے بہتر خدا کی کتاب ہے اور تمام سیرتوں سے برتر سیرت رسول ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور سب چیزوں سے برے وہ نوایجاد ہیں (جن کی دلیل قرآن و حدیث نہ ہو) پسندیدہ چیز پسندیدہ ہی رہے گی چاہے لوگ اسے ناپسند کریں اور ناپسندیدہ چیز ناپسندیدہ ہی رہے گی چاہے سب لوگ اس میں مبتلا ہوں۔

بہت ساری ناپسندیدہ باتوں کی سرگزشت یہ ہے کہ پیدا ہو کر پھیل جاتی ہیں اہل حق اس پر نکیر بھی کرتے ہیں لیکن یہ ردو قدح ضائع ہو جاتی ہے جس کے چند اسباب ہوتے ہیں (۱) ان نوایجاد امور کی اشاعت کے لیے حکومت اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتی ہے۔ (۲) سرکش نفوس اسے رواج دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ (۳) علماء جو انہیں روک سکتے تھے ان کا خیال ہوتا ہے لوگ اتباع نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو تیار نہیں اور ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا حق ادا کر چکے ہیں اب خاموش میں رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ عالم یہ سوچ کر رشد وہدایت

متی حدث، ومن احدث لم تجد به خبر افیجعل الناس لعدم العلم بمبدئه علما بعدمه و علما علی قدمه، وما الیه سبیل، مع خلاف الدلیل، وانما تحکیم الحال عند الاحتمال و الا فالحادث لاقرب اوقاته ولغفلة الناس عن هذا البناية تفوه الالسنة انه السنة، وتصیر النفوس الیه مطمئنة و عند ذلك یکون المعروف منکر او المنکر معروفا[1]۔ کما فی حدیث عــہ۱ عن المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ویکذب الصادق ویصدق الکاذب [2] کما قد صح عــہ۲	چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہی پھیلتی رہتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے چھوٹے لوگ اسے بڑھاوا دیتے ہیں بڑے لوگ ان کے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور لوگ انہیں متوارث سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک نوپید بات ہوتی اس کے نوزائیدہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ سنت مرویہ کے خلاف اور خصائص حمیدہ کی ضد ہوتی ہے اور اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا کہیں پتاہی نہیں ہوتا اسکی ایجاد کے وقت اور موجد کا پتا پوچھا جائے تو کچھ پتاہی نہیں چلتا لوگ اس لاعلمی کو اس بات کا ثبوت مان لیتے ہیں کہ یہ شروع سے ہی ایسے ہی ہو رہی ہے حالانکہ نہ تو تاریخ اس کی تائید میں ہوتی نہ دلیل سوائے اس امر کے پتا نہیں کب سے ایسا ہی ہو رہا ہے لوگوں کی طبیعتیں اس درجہ خود فراموش واقع ہوئی ہیں کہ بہت سے قریب العہد نوپید امور کی تاریخ بھی ان لوگوں کو معلوم نہیں رہتی اور لوگ اسی کو سنت سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اس وقت برائی اچھائی بن جاتی ہے اور اچھائی برائی حدیث شریف میں ہے سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگتا ہے

عــہ۱: رواہ ابن عساکر عن محمد بن الحنفیة و المسعودی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم ۱۲منه۔

ابن عساکر نے محمد بن حنفیہ اور مسعودی سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا (ت)

عــہ۲: رواہ ابن ابی الدنیا و الطبرانی فی الکبیر و ابو نصر السجزی فی الابانة و

ابن ابی الدنیا اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام ابو نصر سجزی نے کتاب الابانۃ میں، امام (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] فیض القدیر تحت الحدیث ۶۹۸۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵ / ۲۶۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۲۹۳، ۸۶۳۸

عن سید الاطائب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمن القی علیھم السنة فکانمایحول جبلة او یحاول جبلااو یبتدع حکمامن عندہ قبلا۔ و ان القلب اذ امتلاء بشیئ لم یکد یقبل غیرہ لداب مستمر ،فان	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ صحیح حدیث بھی مروی ہے "توجو انہیں کسی سنت پر ابھارے گویاان کو فطرت بدل رہاہے یاپہاڑ منتقل کرنے کاقصد کر رہاہے یااپنے پاس سے کوئی حکم گھڑرہاہے۔" اور دل مین جب کوئی بات سماجاتی ہے توآدمی اپنی عادت جاریہ کے خلاف کچھ قبول ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابن عساکر فی تاریخ دمشق عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند لاباس بہ،والطبر نی فیہ والحاکم فی الکنی ابن عساکر عن عوف بن مالك الاشجعی والطبرانی فیہ والبیھقی فی البعث وابن النجار عن ابن مسعو دو الطبر انی فیہ عن ام المو منین ام سلمہ ونعیم ابن حماد فی الفتن عن ابی ھر یرہ رضی اللہ تعالٰی عنھم و لفظة حد یث ام المو منین لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق و یصد ق فیہ الکاذب [1] الحدیث وھو قطعة احادیث عند ھم جمیعا ۱۲منہ۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لاباس بہ سند کے ساتھ اس کوروایت کیاطبرانی نے کبیر میں حاکم نے کنی میں اور ابن عساکر نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاطبرانی نے کبیر میں اور امام بیہقی نے بعث میں اور ابن نجار نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاطبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے،اور نعیم بن حماد نے "فتن" میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے (اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی) ام المؤمنین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق و یصدق فیہ الکاذب الحدیث۔اور یہ سب کے نزدیک حدیث کاایک ٹکڑا ہے ۱۲منہ

[1] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۹/ ۲۹۳

قراء لم یجاوز التراقی اوسمع لم یجاوز الاذن وما بھذا امر وانما قال له ربه وقول الحق ووعده الصدق "فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾"[1]
فالسبیل الاستماع ثم الانتفاء ثم الاتباع،لاان یقنع ولایسمع،او یکو ن من الذین سمعو اوھم لا یسمعو ن فھم بالقرآن لاینتفعو ن۔
وانما النفع لمن کان له قلب مرید أو القی السمع وھو شھید۔
فعلیك یااخی القاء السمع وانقاء القلب عن الجزم او لابایجاب اوسلب رجاء ان تجد حقافتذ عن فان الحکمة ضالة المؤمن فتدخل او ذاك فی بشارة مولاك واللہ یتولی ھدای وھداك۔
ولنجمل اولاماوجدہ الفقیر فی ھذہ المسألة من الحدیث الکریم

نہیں کرتا۔اگر کوئی بات اس کے خلاف پڑھتا ہے تو حلق کے نیچے نہیں اترتی اور سنتا ہے تو کان سے آگے نہیں بڑھتی جبکہ لوگوں کو اس ہٹ دھرمی کا حکم نہیں دیا گیا ہے وہ تو یوں فرماتا ہے "ہمارے ان بندوں کو بشارت دو جو اچھی بات سن کر اس کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالٰی نے انہیں ہدایت دی اور وہی اہل عقل وبصیرت ہیں۔"
توراستہ تو سن کر انتفاع اور اتباع کا تھا نہ کہ قناعت کرکے بیٹھ رہنے اور نہ سننے کا۔یا سن کر ان سنی کر دینے کا ایسے لوگ قرآن سے کچھ مستفید نہیں ہوتے۔
نفع تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو ارادہ قلبی اور سماع حضور کے ساتھ سنتے ہیں۔
پس اے برادران محترم!غایت توجہ اور عنایت قلب کے ساتھ قبل از مطالعہ یک طرفہ فیصلہ کئے بغیر اس ارادہ سے کہ حق ہوگا تو قبول کروں گا۔ہمارے معروضات سنیں کہ حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے،اور اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے، ہماری اور آپ دونوں کی ہدایت فرمائے۔
پہلے تو ہم احادیث کریمہ،فقہ مستقیمہ،بلکہ قرآن عظیم میں ایک فقیہ مسئلہ دائرہ میں جو کچھ

[1] القرآن الکریم ۳۹/۱۷و۱۸

والفقه القویمِ بل ومن القرآن العظیم ،ثم نفصله تفصیلاباذن الفتاح العلیم۔لان التفصیل بعد الاجمال اوقع فی النفس و اقمع للتکمین والحدث و لا ارید کل التفصیل لمابد فان المسئلة تحتمل مجلد او لکن ماقل وکفی خیر مما کثر و الھی[1] قاله عـــہ النبی المصطفی صلی الله تعالٰی علیه وعلی اله افضل الصلوۃ والثنا۔	پا سکتاہے اسے اجمالا بیان کرتے ہیں پھر ان شاء اللہ تعالٰی مسئلہ کی ضروری تفصیل بیان کرینگے کہ اجمال کے بعد تفصیل نفس میں زیادہ جاگزیں اور ظن و تخمین کو زائل کرنے والی ہوتی ہے پوری تفصیل کے لیے تو صحیفے درکار ہیں مگر جب واجبی بیان سے کام چل جائے تو مکمل تفصیل کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔حدیث شریف میں ہے"جو کلام مختصر اور کفایت کرنے والا ہو طویل اور الجھادینے والے بیان سے اچھاہے۔
فاقول:وبه استعین:ارشدناالحدیث الصحیح الذی رواه ابو دواد فی سننه وامام الائمةابن خزیمه فی صحیحه،امام ابو قاسم الطبرانی فی معجمه الکبیر ان السنة فی هذاالاذان ان یکون بین یدیه الامام اذاجلس علی المنبر فی حدود المسجد لافی جو فه هکذاکان یفعل علی عهدرسول الله تعالٰی علیه وسلم وعهدصاحبیه ابی بکر وعمر	پس میں اس کی مدد کے ساتھ **کہتاہوں** سنن ابی دواد، صحیح امام ابن خزیمہ، معجم کبیر امام ابولقاسم الطبرانی کی حدیث سے پتا چلتاہے کہ اذان خطبہ میں سنت یہ ہے امام مبنر پر بیٹھے تو اس کے سامنے حدود مسجد کے اندر(نہ کہ خاص مسجد میں) اذان دی جائے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے عہد ہائے مبارک و مسعود میں اور دیگر خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ کرام وزمانہ تابعین و ائمہ مجتہدین میں ایساہی ہوتارہا،

عـــہ:رواه ابو یعلی او الضیاء المقدسی فی المختارۃ عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه ۱۲منه

ابو یعلی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ۱۲منہ (ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۶۱۲۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳۷۵/۶

رضی اللہ تعالٰی عنہما[1] ولم یاتناعن احد من الخلفاء الر اشدین و غیرھم من الصحابة و التابعین و الائمة المجتھدین رضوان اللہ تعالٰی علیھم اجمعین تصریح قط بخلاف ذلك وماكان لھم ان یقولو اوالعیاذ باللہ ترك ماھنالك۔

وقداعتمد ھذاالحدیث كبار المفسرین فی تفسیر الكریمة "اِذَانُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ"[2] كالزمخشری فی الكشاف،والامام الرازی فی مفاتیح الغیب والخازن فی لباب التاویل، والنیسابوری فی رغائب الفرقان،والخطیب والجمل و غیرھم و اوردہ الامام الشعرانی فی كشف الغمة عن جمیع الامة،كما سیاتیك نصوصھم ان شاء اللہ تعالٰی۔

ثم تظافرت كلمات علمائنافی الكتب المعتمد ۃ علی النھی عن الاذان فی المسجدو انہ مكروہ،نص علیہ الامام فقیہ النفس فی الخانیة،والامام البخاری فی الخلاصة،والامام الاسبیجابی فی شرح الطحاوی، والامام الاتقانی فی غایة البیان

کسی سے اس کاخلاف مروی نہیں اور معاذ اللہ رب العالمین وہ اس کے خلاف کہہ بھی کیسے سکتے تھے۔

اس حدیث پر بے شمار ائمہ مفسرین نے آیت مبارکہ "اِذَانُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ" کی تفسیر میں اعتماد کیا چنانچہ کشاف میں زمخشری مفاتیح الغیب میں امام رازی، لباب التاویل میں امام خازن،رغائب الفرقان میں امام نیشاپوری خطیب و جمل وغیرہ نے اسے ذکر کیاامام شعرانی رحمۃاللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامۃ میں اس پر اعتماد کیاعبارتیں سب کی آگے آرہی ہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔

ہمارے ائمہ فقہ نے کثرت کے ساتھ فقہ کی کتب معتمدہ میں مسجد کے اندر اذان کی ممانعت فرمائی کہ مکروہ ہے [۱]فقیہ النفس امام قاضیخاں نے خانیہ میں [۲]امام بخاری نے خلاصہ میں امام [۳]اسبیجابی نے شرح طحاوی میں [۴]امام اتقانی نے غایۃ البیان میں [۵]امام عینی نے بنایہ میں

---

[1] سنن ابی دواد کتاب الصلوۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہو ۱/۱۵۵، المعجم الکبیر حدیث ۶۶۴۴ المکتبة الفیصیلة بیروت ۷/۱۴۶
[2] القرآن الکریم ۹/۶۲

والامام العینی فی البنایة،والامام المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر،والامام الزندوستی فی النظم،والامام السمعانی فی خزانة المفتین و مختار الزاهدی فی المجتبی،والمحقق زین بن نجیم فی البحر الرائق،والمحقق ابراہیم الحلبی فی الغنیة والبرجندی فی شرح النقایة والقهستانی فی جامع الرموز،والسید الطحطاوی فی الحواشی علی مراقی الفلاح واصحاب الفتاوی العالمگیریة،والفتاوی التاتار خانیة و مجمع البرکات،ولم یستثنوا منه فصلا۔ ویلموا بتخصیص اصلا،والهجوم علی تخصیص النصوص من دون خصوص فهم مخصوص بل و هم مرصوص۔ ثم ولنا القراٰن العظیم والاحادیث و الشاهد المطبق علیه فی القدیم والحدیث ان التأذین فی جوف المسجد اساءة ادب بالحضرة الالهیة۔ ثم هو خلاف ماشرع له الاذان۔ ثم لیس علیه من حدیث ولافقه دلیل ولابرہان ولا یعارض العلامة الحکم ولاالاشارة العبارة ولا المحتمل الصریح ولا المجاز علی الحقیقة۔ ثم هو علی حاله هذاوان شاع فی زماننافی بعض الاصقاع لم ینعقد قط علیه الاجماع و لاعلیه تعامل فی جمیع البقاع۔ ولاهو متوارث من الصدر الاول،	[6] امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں [7] امام زندوستی نے نظم میں [8] امام سمعانی نے خزانۃ المفتین میں [9] مختار زاہدی نے مجتبٰی میں، [10] محقق زین ابن نجیم نے بحر الرائق میں، [11] محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، [12] برجندی نے شرح نقایہ میں، [13] قہستانی نے جامع الرموز میں، [14] سید طحطاوی نے حواشی مراقی الفلاح میں، نیز اصحاب [15] فتاوٰی عالمگیریہ، [16] فتاوٰی تاتارخانیہ اور مجمع البرکات نے اس کی تصریح فرمائی۔ ان حضرات نے نہ تو کسی جزء کا استثناء کیانہ تخصیص کی طرف اشارہ فرمایاتو غیر مخصوص کی تخصیص کاارادہ ایک ناقص رائے اور وہمی قیاس آرائی ہے۔ اس مسئلہ میں مزید چند امور قابل غور ہیں (۱) جوف مسجد میں اذان دینادربار الٰہی کی بے ادبی ہے اس پر قرآن و حدیث اور عہد قدیم سے آج تک کاعرف شاہد ہے۔ (۲) جوف مسجد میں اذان، مشروعیت اذان کے مقصد کے خلاف ہے۔ (۳) جوف مسجد میں اذان کے جواز پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں اگر کہیں علامت یااشارۃ النص یااحتمال و مجاز کے طور پر اس کاتذکرہ ہو بھی تو یہ اسی باب میں علی الترتیب حکم، عبارۃ النص اور صریح و حقیقت کے معارض نہیں ہوسکتے (۴) اندرون مسجد اذان گواجکل بعض مقامات میں شائع و ذائع ہو مگر پورے عالم اسلام میں نہ تواس پر اجماع ہوا ہے نہ عہد رسالت سے اس کاتوارث ثابت ہے پس ایسے امر کاجواز

فمثل ھذالایحتمل ولایقبل والمنکر لایصیر معروفاوان فشا۔ولاالحادث قدیماوان لم نعلم متی نشاء۔ ویاسادتناعلماء السنۃ انتم المدخرون لاحیاء السنۃ وقد ندبکم الی ذلك نبیکم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی غیر عـــہ۱ ماحدیث ووعدتم عـــہ۲ علیہ اجر مائۃ	نہ تو محتمل ہے نہ قابل قبول اور جو فعل شرعاناپسندیدہ ہو گو لاکھ معروف و مشہور ہو گو ہم اس کے ایجاد کازمانہ متعین نہ کرسکیں مقبول و معروف شرعی نہیں ہوسکتا۔ اے سرداران امت علمائے اہلسنت اللہ تعالٰی نے آپ لوگوں کو احیائے سنت کے لیے تیار کررکھا ہے اورآپ کے رسول گرامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں آپ کو اس کی دعوت دی ہے اس پر سو شہیدوں

عـــہ۱:الترمذی عن بلال وابن ماجہ عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہماعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:من احیاسنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجر من عمل بہامن غیر ان ینقص من اجورھم شیئا[1]۔۱۲منہ

ترمذی نے حضرت بلال وابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضوان اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کی جس مے میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیااسے تمام عمل کرنے والوں کے اجر کے برابر ملے گاان کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

عـــہ۲:والبیہقی فی الزھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہماقال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم"من تمسك بسنتی عند فسادامتی فلہ اجر مائۃ شہید[2]"

امام بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس سے انہوں نے رسول اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کی"جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنتوں پر مضبوطی سے عمل کیااسے سو شہیدوں کاثواب ملے گا"

---

[1] جامع الترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنۃالخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۲،سنن ابن ماجہ باب من احیاء سنۃ قد امیتت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۹

[2] کتاب الزہد الکبیر للبیہقی حدیث ۲۰۹ دارالقلم الکویت ص۱۵۱

شھید۔وان عـــہ تکونوا بہ مع نبیکم فی دار المزید۔ وانما تحی اذا امیتت وانما تموت اذا ترك الناس العمل بھا وسکت عنھا علماؤ ھم لما قد مر او شبہ لھم فلمن احیا لا حقا اجرہ ولمن سکت سابقا عذرہ علی ذلك مضی امر احیاء السنن وتجدید الدین من سالف الزمن الی ھذا الحین فالاستناد فی مثلہ بعمل الناس و عادتھم او سکوت من سلف قریب من سادتھم او زعم انہ یلحقھم بذلك شین	کے اجر اور دار اخرت میں اپنی ہم نشینی کا وعدہ فرمایا ہے۔ سنت کا احیا جبھی ہوگا کہ لوگوں نے اسے مردہ کر ڈالا اور موت اسی صورت میں ہوگی کہ لوگ اس پر عملدر امد ترک دیں اور اس وقت کے علماء مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر ان کی اس حرکت پر خموش رہے ہوں پس جو ایسی سنت زندہ کرے اسے اس کا اجر ملے گا اور جس نے خاموشی اختیار کی وہ معذور سمجھا جائے گا اسی نہج پر احیائے سنت کا معاملہ عہد قدیم سے آج تک چلتا رہا ہے اس لیے لوگوں کے عمل یا عادت یا کسی عمل پر ماضی قریب کے علماء کی خموشی سے استدلال اور یہ خیال کہ اگر مسئلہ دائرہ خلاف شرع ہوتا

عـــہ: السجزی فی الابانۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ: من احیا سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ[1]

امام سجزی نے کتاب الابانۃ میں حضرت انس اور انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔"جس نے میری سنت زندہ کی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا"

رواہ الترمذی بلفظ من احب اللھم ارزقنا، امین! ۱۲منہ

اور امام ترمذی نے لفظ احب کے ساتھ روایت فرمایا ہے یااللہ! ہم سب کو آپ کی محبت عطا فرما! ۱۲منہ

[1] کنز العمال بحوالہ السجزی عن انس حدیث ۹۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۸۴

مع جلالتھم۔ کل ذلك جھل واضح و و ھم فاضح وسد لباب احیاً السنة مع انه مفتوح بید المصطفی سید الانس و الجن صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و موعود علیه عظیم المنة۔ واماتفصیل کل مع اجملت ھنافھی شمائم زاکیات، فی کل شمائمة نفحات طیبات وعلی حبیبناواله اطیب الصلوۃوانمی التحیات۔	تو اس پر ان علماء کی خموشی ان کے لیے باعث عار ہوتی۔ یہ سب خیال کھلی جہالت اور واضح وہم پرستی ہے اور احیائے سنت کا سد باب ہے حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے احیائے سنت کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور اس پر عظیم انعام واکرام کا وعدہ فرمایا ہے۔ اب ہم مہکتے شاموں اور لپکتے نفحات میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اللہ تعالٰی ہمارے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب پر مقدس درود اور مبارک تسلیمات نازل فرمائے۔آمین

الشمامة الاولٰی من عنبر الحدیث

(عنبر حدیث کا شمامۂ اولٰی)

نفحہ۱: أنبأنا شیخنا العلامۃ الامام شیخ العلماء بالبلد الکرام السید احمد بن زین بن دحلان المکی قدس سرہ الملکی بمکۃ مکرمۃ ۱۲۹۶ھ عن الشیخ عثمان بن حسن الدمیاطی الازہری عن الشیخ محمد الامیر المالکی والشیخ عبد اللہ الشرقاوی الشافعی الازہریین ح، وانبأنا المولی المفتی العلامۃ عبد الرحمن السراج مفتی البلد الحرام فی ذی الحجۃ ۱۲۹۵ھ عن مفتیہا المولی جمال بن عبد اللہ بن عمر ح وانبأنا عالیا بدرجۃ السید حسین بن صالح جمل اللیل المکی	**نفحہ۱:** ہمارے شیخ، شیخ علمائے حرم سید احمد ابن زین ابن دحلان مکی قدس سرہ نے مکہ مکرمہ میں ۱۲۹۶ھ میں ہم سے بیان کیا، ان سے شیخ عثمان بن حسن دمیاطی ازہری نے، ان سے شیخ محمد امیر مالکی نے اور شیخ عبداللہ شرقاوی شافعی ازہری نے ح، ہم سے علامہ مولانا مفتی عبدالرحمٰن بن سراج مکی نے ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں مولانا مفتی مکہ جمال ابن عبداللہ ابن عمر کے واسطہ سے بیان کیا ح ہمیں حسین ابن صالح جمل اللیل مکی نے باب صفا کے پاس اپنے گھر ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں بیان کیا اور احمد ابن زید جمل اللیل نے بھی۔ دونوں حضرات

ببیته عند باب الصفا فی ذی الحجة ۱۲۹۵ کلاھما عن الشیخ عابد السندی المدنی عن الشیخ صالح الغلانی والسید عبدالرحمٰن بن سلیمان الاھدل و یوسف بن محمد المزجاجی والسید بن احمد و قاسم ابنی سلیمن وعمه محمد حسین الانصاری ح، و انبانا شیخنا السید الامام العارف باللہ الشاہ آل الرسول الاحمدی فی جمادی الاولٰی ۱۲۹۴ھ عن الشاہ عبد العزیز الدھلوی عن ابیه الشاہ ولی اللہ الدھلوی عن الشیخ ابی طاھر بن ابراھیم الکردی المدنی ح، وغیرھم من مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی جمیعا باسانیدھم المعروفة الٰی ابی داؤد فی سننه قال حدثنا النفیلی، نامحمد بن سلمة عن محمد بن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنھما قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علٰی باب المسجد وابی بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما[1] ھذا حدیث حسن صحیح، محمد بن اسحٰق ثقة صدوق امام قال شعبة وابو زرعة والذھبی وابن حجر صدوق و قال الامام ابن المبارك	نے شیخ عابد سندھی اور انھوں نے شیخ صالح غلانی اور سید عبد الرحمٰن اہدل اور یوسف ابن محمد مزجاجی اور سید احمد و قاسم ابنائے سلیمان اور اپنے چچا محمد حسین انصاری سے ح، ہمارے شیخ سید امام عارف باللہ شاہ آل رسول احمدی نے جمادی الاولٰی ۱۲۹۴ھ میں ہم کو خبر دی، انھیں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اور انھیں ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے اور انھیں شیخ ابو طاہر بن ابراہیم کردی مدنی نے ح ان سب لوگوں نے اپنے مشائخ کرام سے جن کی معروف و مشہور سندیں امام ابو داود تک متصل ہیں انھوں نے اپنی سنن میں نفیلی، محمد بن مسلمہ، محمد اسحٰق زہری عن سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا:—"حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے جاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان دیتے۔ ایسا ہی ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں ہوتا رہا۔" یہ حدیث حسن و صحیح ہے اسکے راوی محمد بن اسحٰق قابل بھروسہ، نہایت سچے امام ہیں۔ ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابو زرعہ اور ابن حجر نے فرمایا یہ بہت سچے ہیں۔ امام عبداللہ

[1] سنن ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ باب وقت الجمعة آفتاب پریس لاہور ۱/۱۵۵

انا وجدناه صدوقا، انا وجدناه صدوقا، انا وجدناه صدوقا[1]۔ تلمیذ له ائمة اجلاء کابن المبارك وشعبة وسفٰین الثوری وابن عیینة والامام ابی یوسف واکثر عنه فی کتاب الخراج له۔	ابن مبارک فرماتے ہیں: "ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا۔" امام عبداللہ بن مبارک، امام شعبہ اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کیں اور ان کی شاگردی اختیار کی۔
و قال ابو زرعة الدمشقی اجمع الکبراء من اهل العلم علی الاخذ عنه قال و قد اختبره اهل الحدیث فرؤه صدقا و خیرا۔[2]	امام ابو زرعہ دمشقی نے فرمایا: "اجلہ علماء کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے، اور اپ کو اہل علم نے آزمایا تو اہل صدق و خیر پایا۔"
و قال ابن عدی لم یتخلف فی الروایة عنه الثقات و الائمة ولا بأس به[3]	ابن عدی نے کہا: "آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں، اور اپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"
و قال علی بن المدینی ما رأیت احدا یتهم ابن اسحق[4]	امام علی ابن المدینی نے کہا "کسی امام یا محدث کو ابن اسحٰق پر جرح کرتے نہیں دیکھا"
وقال سفیان عــه بن عیینه جالست	امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں میں

عــه: وبه ظهر کذب من زعم الان ان قد جرحه سفٰین	سفیان ابن عیینہ کے اس قول سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہو گیا جو یہ کہتا ہے کہ حضرت سفیان (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷، کتاب الثقات لابن حبان ترجمه محمد بن اسحق دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۲۳۶

[2] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۵

[3] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دار المعرفه بیروت ۳/ ۴۷۴

[4] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۵

ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت کرتا رہا	ابن اسحق منذ بضع سنین وسبعین سنة

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بن عیینه، حاشاه بل قدتلمذ و ذب عنه وقال رایت الزهری قال لمحمدبن اسحق این کنت؟ فقال هل یصل الیك أحد؟ فدعاحاجبه وقال لاتحجبه اذاجاء[1] وقال ایضاقال ابن شهاب وسئل عن مغازیه فقال هذاأعلم الناس بها[2] وقال ابن المدینی قلت لسفیان کان ابن اسحق جالس فاطمة بنت منذر فقال اخبرنی ابن اسحق انهاحدثته وانه دخل علیها[3] وقال ابن عیینة ایضا

ابن عیینہ نے ابن اسحٰق پر جرح کی ہے خدا کی پناہ انہوں نے تو ابن اسحٰق کی شاگردی اختیار کی ہے ان کی طرف سے مدافعت کی ہے اور فرماتے ہیں کہ امام زہری کو دیکھا کہ ابن اسحٰق سے پوچھا آپ کہاں تھے؟ انہوں نے جواب دیا کوئی آپ کے یہاں باریابی بھی تو پائے (یعنی دربان روکے ہوئے تھا) تو امام زہری نے اپنے دربان کو بلا کر فرمایا آئندہ ابن اسحٰق کو اندر آنے سے کبھی بھی مت روکنا۔ حضرت ابن عیینہ کی ہی روایت ہے کہ کسی نے امام زہری سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غزوات کے بارے میں پوچھا انہوں نے ابن اسحٰق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ اس کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں حضرت علی بن مدینی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سفیان سے پوچھا کہ ابن اسحاق فاطمہ منذر کے پاس بیٹھے تھے؟ تو حضرت سفیان نے کہا کہ مجھ سے خود محمد بن اسحاق نے کہ

---

[1] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

[2] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

[3] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

ومایتھمه احد من اھل المدینة ولایقول فیه شیئا[1] وقال ابومعاویة کان اسحاق	اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھانہ ان پر کچھ تنقید کی۔ امام ابومعاویہ نے فرمایا: "ابن اسحاق سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمعت شعبة یقول محمد بن اسحق امیرالمو منین فی الحدیث[2] فھذاماجر حه به سفیان نعم ذکران الناس اتھموه بالقدر[3] ولو کان ھذاجر حافماا کثر المجرو حین فی الصحیحین، الاتری انه کان یسمع ھذا ثم لایترك مجالسة ابن اسحاق ولاالاخذ منه ھل لیس منه مایدل علی تصدیقه الناس فی ھذافکم من تھمة لااصل لھا، وسیاتیك کلام ابن منیر ۱۲منه۔

کہ مجھ سے فاطمہ نے حدیث بیان کی اور انکے پاس گیا(تو پاس بیٹھنے کی حقیقت صرف یہ تھی کہ ان سے حدیث سنی)ابن عیینہ نے توابن اسحٰق کی تعدیل میں امام شعبہ کاوہ شاندار قول نقل کیاکہ یہ امیرالمومنین فی الحدیث ہیں(کیاجرح ایسی ہی ہوتی ہے؟)ہاں آپ نے ابن اسحاق کے بارے میں یہ بھی فرمایاہے کہ لوگوں نے ان پر قدری ہونے کاالزام لگایاہے لیکن کیایہ جرح ہے، اگر جرح ہوتو بخاری ومسلم ایسے مجروح راویوں سے بھری پڑی ہیں ان کے بہت سے راویوں پر قدرکاالزام ہے اگریہ جرح ہوتی توابن عیینہ کاابن اسحاق سے حدیث روایت کرناتوبڑی بات ہے ان کاساتھ بھی چھوڑ دیتے لیکن انہوں نے نہ توان کاساتھ چھوڑانہ ان کی شاگردی ترک کی نہ ہی عوام کے الزام کی تصدیق کی یہ تہمتیں بے اصل ہیں مزید ابن منیر کاکلام آرہاہے ۱۲منہ۔

---

[1] تھذیب التھذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۵

[2] تھذیب التھذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۵۰۶/۳، میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دارالمعرفه بیروت ۴۶۹/۳

[3] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دارالمعرفه بیروت ۴۶۹/۳

من احفظ الناس [1] وقال الامام ابن معین اللیث بن سعد اثبت فی یزید بن ابی حبیب من محمد بن اسحق [2]۔

لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے" اور امام ابن معین نے فرمایا "یزید بن ابی حبیب سے روایت کرنے والوں میں لیث بن سعد ابن اسحٰق سے زیادہ ثبت ہے"

قلت و یزید ھذا کما قال ابن یونس روی عنه الاکابر من اھل مصر قلت کعمرو بن الحارث وحیوۃ بن شریح وسعید بن ابی ایوب واللیث بن سعد نفسه کلھم ثقات، اثبات، اجلا، و یحیی بن ایوب الغافقی صدوق خمستھم من رجال الشیخین و عبداللہ بن لھیعة صدوق حسن الحدیث علی مااستقر الامر علیه و عبد اللہ بن عیاش کلاھما من رجال مسلم و من غیر ھم سلیمن التیمی البصری و زید بن ابی انیسة ثقتان من رجال الصحیحین و عبد الحمید بن جعفر المدنی الصدوق من رجال مسلم وآخرون کثیرون ففی ھذا تفضیل لابن اسحق علیھما جمیعا۔

ابن یونس فرماتے ہیں کہ ان یزید بن حبیب سے اکابر علمائے مصر نے روایت کی جیسے عمرو بن حارث، حیوۃ ابن شریح سعید بن ابی ایوب اور خود لیث بن سعد، یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں اور پانچویں یحیٰی ابن ایوب غافقی صدوق ہیں اور یہ پانچوں رجال شیخین میں سے ہیں عبد اللہ ابن لہیعہ صدوق اور حسن الحدیث ہے ان کے بارے میں اسی امر پر ائمہ رجال کی رائے مستقر ہوئی اور عبد اللہ بن عیاش یہ دونوں مسلم کے روایوں میں سے ہیں انکے علاوہ سلیمان تیمی بصری، زید بن ابی انیسہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین میں سے ہیں اور عبد الحمید بن جعفر مدنی صدوق رجال مسلم سے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق ان سب سے افضل ہیں۔

وقال الامام شعبة لو کان لی سلطان لامرت ابن اسحق علی المحدثین [3] وقال ایضا محمد بن اسحاق امیر المومنین فی

امام شعبہ نے فرمایا "میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحٰق کو محدثین پر حاکم بناتا یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں" ایک روایت میں ہے کہ

---

[1] تھذیب التھذیب ترجمه محمد بن اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۴

[2] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعروفه بیروت ۳/ ۴۷۳

[3] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعروفه بیروت ۳/ ۴۷۳

الحدیث [1] وفی روایة عنه قیل له لماقال لحفظه وفی اخری عنه لوسو د احد فی الحد ث لسو د محمد بن اسحق [2] وقال علی بن المدینی مدار حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم علی ستة فذکر هم ثم قال فصارعلم الستة عند اثنی عشر فذکر ابن سحق فیهم [3] وقال الامام الزهری لایزال بالمدینة علم جم ما کان فیهاابن اسحاق [4] وقد کان یتلقف المغازی من ابن اسحق [5] مع انه شیخه وشیخ الدنیافی الحدیث و قال شیخ الاخرعاصم بن عمر بن قتادہ لایز ال فی الناس علم مابقی محمد ابن اسحق [6] وقال عبد الله بن فائد کنانجلس الی ابن اسحق فاذا	کسی نے ان سے پوچھاآپ ایسا کیوں کہتے ہیں ؟تو حضرت شعبہ نے فرمایاان کے حفظ کی وجہ سے دوسری روایت میں ہے حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہوسکتاہے تو وہ محمد ابن اسحٰق ہیں۔ علی بن المدینی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں پھران سب کے نام گنوائے اور فرمایااس کے بعد بارہ آدمیوں میں دائرہ ہو ئیں اورابن اسحاق ان بارہ ۱۲میں ہیں۔ امام زہری فرماتے ہیں مدینہ مجمع العلوم رہے گاجب تک یہاں محمد بن اسحاق قیام پذیر رہیں گے آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحٰق پرہی بھروسا کرتے تھے ہر چند کہ آپ حدیث میں ان کے استاد تھے بلکہ دنیابھرکے شیخ تھے ابن اسحٰق کے دوسرے استاذ عاصم ابن عمر بن قتادہ نے فرمایاجب تک ابن اسحاق زندہ ہیں دنیامیں تمام علوم باقی رہیں گے عبد اللہ ابن فائد نے کہا: ہم لوگ ابن اسحاق کی مجلس میں

[1] تهذیب التهذیب ترجمه محمد اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۶
[2] تهذیب التهذیب ترجمه محمد اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۶
[3] تهذیب التهذیب ترجمه محمد اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۴
[4] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار الفکر بیروت ۱۶/ ۷۴
[5] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت۳/۵۰۵
[6] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق دار الفکر بیروت ۱۶/ ۷۴

اخذ فی فن من العلم ذهب المجلس بذلك الفن[1]۔
وقال ابن حبان لم یکن احد بالمدینة یقارب ابن اسحق فی علمه ولایوازیه فی جمعه وهو من احسن الناس سیاقاللاخبار[2]
وقال ابو یعلی الخلیلی محمد بن اسحق عالم کبیر واسع الرواة والعلم ثقة[3]
وکذلك قال یحیی بن معین و یحیی بن یحیی وعلی بن عبد الله (هوابن المدینی شیخ البخاری)واحمد العجلی ومحمد بن سعد وغیر هم ان محمد بن اسحاق ثقه[4]
وقال ابن البرقی لم ار اهل الحدیث یختلفون فی ثقته و حسن حدیثه[5]وقال الحاکم عن البوشنجی شیخ البخاری هو عندناثقة[6]۔

ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی۔
ابن حبان نے کہامدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہو یادیگرعلوم و فنون کی ابن اسحٰق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی اور خبروں کی حسن ترتیب میں یہ اور لوگوں سے آگے تھے۔
ابو یعلی خلیلی نے فرمایا محمد بن اسحٰق بہت بڑے عالم حدیث تھے روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے۔
یحیٰی ابن معین یحیٰی ابن یحیٰی وعلی ابن عبداللہ المدینی استاد امام بخاری، احمد عجلی، محمد بن سعد وغیرہ نے کہا محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔
حضرت ابن البرقی نے فرمایا علم حدیث والوں میں محمد ابن اسحٰق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ان کی حدیث حسن ہے اور حاکم نے بوشنجی شیخ بخاری سے روایت کی کہ ابن اسحٰق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔

---

[1] میزان اعتدال ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۶۸
[2] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ مؤسسه الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷، کتاب الثقات لابن حبان ترجمه محمد بن اسحق دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۲۳۶
[3] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷
[4] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۷۵، تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار المعرفة بیروت ۱۶/ ۸۰و۸۱
[5] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷
[6] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷

وقال المحقق فی فتح القدیر امّا ابن اسحق فثقة لاشبهه عند نافی ذلك ولاعند محققی المحدثین [1] وقال ایضاتوثیق محمد بن اسحق و هو الحق الابلج و مانقل عن کلام مالك فیه لایثبت ولوصح لم یقبله اهل العلم [2] الخ وقد اطال الامام البخاری فی تو ثیقه فی جزء القراءة ولم یورده فی الضعفاء له وانکر صحة مایذکر فیه من کلام مالك ومانقل عن علی مایشعر بانکار صحته ماعن هشام۔ وقد بینّاوجهه فی تحریراتنا الحدیثیة واوردہ ولدی المولوی مصطفٰی رضاخاں حفظه الله تعالٰی فی کتابه "وقایة اهل السنة عن مکر دیو بند والفتنة "صنفه فی الرد علی وهابیه دیو بند اذخالفوافی هذه المسالة وهم الذین حکم ساداتناعلماء الحرمین الشریفین جمیعابکفرهم وارتدادهم وان من شك فی کفرهم وعذابهم فقد کفر [3] لسبهم الله	محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایاابن اسحٰق ثقہ ہیں ثقہ ہیں اس میں نہ ہمیں شبہہ ہے نہ محققین محدثین کوشبہہ ہے محمد ابن اسحٰق کی توثیق حق صریح ہے اور امام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وہ صحیح نہیں اور بر تقدیر صحت روایت ان کے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیااور امام بخاری نے توجزء القراءة میں ان کی توثیق میں طویل کلام فرمایااور ان کاتذکرہ اپنی کتاب "ضعفاء" میں بھی نہیں کیااور ان کی جرح میں امام مالک کاجو کلام نقل کیاگیاہے اس کی صحت سے انکار کیاہے اور حضرت علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) سے ان کے بارے میں ہشام سے جو مروی ہے اس کا بھی انکار کیاہے۔ ان سب باتوں پر ہم نے اپنی تحریروں میں جو علم حدیث سے متعلق ہیں روشنی ڈالی ہے اوران سب کو میرے عزیز فرزند مولوی مصطفٰی رضاخاں (سلمہ اللہ تعالی) نے اپنی کتاب "وقایہ اہل السنہ عن مکر دیوبند والفتنہ" میں جو وھابیہ دیوبندیہ کے رد میں ہے بیان کیاہے کہ انہوں نے بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی تھی اور اہل دیوبند پر توہمارے علمائے حرمین طیبین نے کفر کافتوی دیاہے اوران کے کفر میں شک کرنیوالوں کی بھی تکفیر فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الوتر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۰

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ ۱/۲۰۰ وتحفة الاحوذی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۳۹

[3] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

رب العلمین و محمداسیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی جمیع النبیین۔	پروردگار عالم اور سید المرسلین محمد مصطفٰی کو گالی دی ہے اللہ تعالٰی آپ پر اور تمام نبیوں پر درود وسلام نازل فرمائے۔
ثم اجاب عنہ البخاری فاجادواصاب وقدقال فیما قال ولم ینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیھم نحو مایذکرعن ابراھیم من کلامہ فی الشعبی و کلام الشعبی فی عکرمۃ ولم یلتفت اہل العلم فی ھذاالنحوالاببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتھم الاببرھان وحجۃ اھ[1]	امام بخاری رحمۃ اللہ تعالٰی عنہ نے بے سند تنقیدوں کا کیاخوب رد فرمایاہے آپ فرماتے ہیں ایسی تنقیدوں سے کم لوگ ہی کامیاب ہوئے جیسے امام شعبی کے بارے میں امام ابرہیم کاکلام حضرت عکرمہ کے بارے میں امام شعبی کاکلام اہل علم میں سے کسی نے اس قسم کی تنقیدوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب تک طرح صریح اورمدلل نہ ہواورایسی تنقیدوں سے کسی کی عدالت پراثر نہیں پڑتا۔
وحسن الامام احمدو یحیی بن معین و محمد بن عبداللہ بن نمیرو محمد بن یحیی کلھم شیوخ البخاری وابو داؤد والمنذری والذھبی حدیثہ و عدہ الامام الذھبی ثم السیوطی فی اعلی مراتب الحسن، قال فی التدریب الحسن ایضااعلی مراتب کالصحیح، قال الذھبی فاعلی مراتبہ بھزبن حکیم عن ابیہ عن جدہ و عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ وابن اسحاق عن التیمی وامثال ذلك	امام احمد، امام یحیٰی بن معین اور محمد بن عبداللہ بن نمیرو محمد ابن یحیٰی یہ سب امام بخاری کے استاذ ہیں اورابو داود، منذری اور ذہبی ان سب لوگوں نے محمد بن اسحاق کی حدیث کو حسن قرار دیاہے اورامام ذہبی اور سیوطی نے ان کو حسن کے اعلی مدارج میں گردانا ہے تدریب میں ہے" صحیح کی طرح حسن کے بھی چند درجے ہیں" امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اعلی درجہ کی حسن بہز ابن حکیم عن ابیہ عن جدہ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور ابن اسحٰق عن تیمی اوران کے امثال ہیں اور اسی کو

[1] تہذیب الکمال بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دارالفکر بیروت ۷۶/۱۲ و۷۷، تہذیب التہذیب بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسہ الرسالہ بیروت ۵۰۵/۳

مماقیل انہ صحیح و ھوادنی مراتب الصحیح[1] اھ صححہ ابن المدینی والترمذی وابن خزیمۃ و الامام الطحاوی وقد حسن الدار قطنی بعض ماتفرد بہ ابن اسحق وصححہ الحاکم [عــــہ] وقد تبعھما علیہ	ادنی درجہ کی صحیح بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن مدینی، ترمذی ابن خزیمہ اور امام طحاوی نے اس کو صحیح کہا اور بعض وہ حدیثیں جن کے تنہا محمد بن اسحٰق راوی ہیں انہیں دار قطنی نے حسن کہا، اور حاکم نے صحیح فرمایا اور ان دونوں

عــــہ: اورد فی السنن حدیث احمد بن خالد عن ابن اسحق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی القراءۃ خلف الامام وقال، قال علی بن عمر ھذا اسناد حسن[2] واقرہ البیہقی، وروی فی باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی: ان رجلا قال: یارسول اللہ ! اما السلام علیك فقد عرفناہ، فکیف نصلی علیك اذا نحن صلینا فی صلوتنا، وقال: قال الدارقطنی: حسن متصل[3]، واقرہ البیہقی وقال ابن الترکمانی لااعلم احدا روی ھذا الحدیث بھذا اللفظ الامحمد بن اسحاق[4] واوردہ ایضا فی باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التشھد ثم حکی الحاکم تصحیحہ، ثم عن الدارقطنی تحسینہ واقرھما۔ ۱۲منہ

سنن میں حدیث احمد بن خالد، ابن اسحاق، مکحول، محمود بن ربیع، عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ باب قراءۃ خلف الامام میں نقل کرکے فرمایا علی بن عمر نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے، اور امام بیہقی نے اس کو ثابت رکھا ہے اور باب وجوب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث کو نقل کیا: ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم ! سلام کو تو ہم نے خوب سمجھ لیا ہے کہ نماز میں کیسے پڑھنا چاہئے اب یہ فرمایئے کہ جب ہم آپ پر درود پڑھیں اپنی نمازوں میں تو کیسے پڑھیں۔ اور فرمایا کہ دار قطنی اس کو حسن متصل قرار دیتے ہیں اور بیہقی اس کو برقرار رکھتے ہیں، ابن ترکمانی کہتے ہیں یہ حدیث ان الفاظ میں ہمارے علم میں ابن اسحاق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی، پھر بھی حدیث باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التشہد میں نقل کرکے کہا حاکم نے اس کی تصحیح کی اور دار قطنی نے تحسین، اور خود اس کو برقرار رکھا، ۱۲منہ

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی النوع الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

[2] الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹

[3] السنن الکبرٰی کتاب الصلوۃ ۲/ ۱۶۴ و ۲/ ۳۷۸ دار صادر بیروت

[4] الجوھر النقی بذیل السنن الکبرٰی باب وجود الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۲/ ۳۷۹، ۳۷۸

البیھقی، ووصفه المنذری والذھبی باحد الائمة الاعلام وانه صالح الحدیث ماله ذنب الا ماحشا فی السیرة من مناکیر[1]	حضرات کی امام بیہقی نے اتباع کی امام منذری اور امام ذہبی نے محمد بن اسحاق کو ائمہ اعلام میں شمار کیا اور صالح الحدیث قرار دیا اور فرمایا کہ ان کا اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے سیرت میں منکر حدیثیں درج کیں۔
واوردہ الحافظ العسقلانی فی طبقات المدلسین فیمن لم یضعف بشیئ لاعیب علیه الا التدلیس۔	حافظ ابن حجر نے انہیں مدلسین کے طبقات میں ذکر کیا جن میں تدلیس کے علاوہ کوئی ضعف ہے نہ علت۔
وقال امام النووی لیس فیه الا التدلیس وقال محمد بن عبدالله بن نمیر رمی بالقدر وکان ابعد الناس منه[2]	امام نووی بھی فرماتے ہیں کہ ان میں تدلیس کے علاوہ کوئی کمی نہیں محمد بن عبداللہ نمیری نے فرمایا ان پہ قدریہ ہونے کا الزام ہے لیکن وہ اس سے کوسوں دور ہیں۔
وقال یعقوب بن شیبه سالت ابن المدینی عن ابن اسحق قال حدیثه عندی صحیح قلت فکلام مالك فیه قال مالك لم یجالسه ولم یعرفه[3]	یعقوب ابن شیبہ فرماتے ہیں میں نے ان کے بارے میں علی ابن المدینی سے سوال کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک ان کی حدیثیں صحیح ہیں میں نے امام مالک کی تنقیدوں کا ذکر کیا تو فرمایا وہ نہ ان کے ساتھ رہے نہ انہیں پہچانا۔
وذکرہ ابن حبان فی ثقاته وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحق واصطلح معه وبعث الیه ھدیة[4]	ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا اور فرمایا امام مالک نے ابن اسحٰق کی جرح سے رجوع فرمایا اور ان سے صلح کر لی اور انہیں تحفہ بھیجا۔

---

[1] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۴۶۹/۳، تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۵۰۵/۳

[2] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۴۶۹/۳، تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۵۰۵/۳

[3] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحاق دار المعرفة بیروت ۴۷۵/۳

[4] فتح القدیر کتاب الصلوة مکتبہ نوریہ سکھر ۲۰۰/۱ وتحفة الاحوذی کتاب الصلوة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۳۹/۲

وقال مصعب الزبیری و دھیم وابن حبان لم یکن یقدح فیہ من اجل الحدیث [1] وقد تکفل بالجواب عنہ الائمۃ احمد وابن المدینی والبخاری وابن حبان والمزی والذھبی والعسقلانی والمحقق حیث اطلق کماھو مفصل مع زیادات کثیرۃ فی کتاب ولدی المحفوظ بکرم اللہ تعالٰی "وقایۃ اھل السنۃ" وللہ الحمد والمنۃ۔	مصعب زبیری، دہیم اور ابن حبان نے کہا ان پر حدیث کی وجہ سے جرح نہیں کی گئی اور ائمہ میں احمد، ابن مدینی، بخاری، ابن حبان مزی، ذہبی اور محقق علی الاطلاق نے ان کی طرف سے دفاع کیا۔ یہ اور مزید اضافے میرے فرزند سلمہ کی کتاب "وقایہ اہل سنۃ" میں ہیں والحمد للہ والمنۃ۔
نفحہ۲: من الجھل الوخیم رمیہ بالرفض اغترارا بقول التقریب رمی بالتشیع [2] ومابین التشیع و الرفض کمابین السماء والارض فربما اطلقوا التشیع علی تفضیل علی علی عثمان رضی اللہ تعالٰی عنھما وھو مذھب جماعۃ من ائمۃ اھل السنۃ لاسیما ائمۃ الکوفۃ قال صاحب التقریب نفسہ فی ھدی الساری التشیع محبۃ علی وتقدیمہ علی الصحابۃ فمن قدمہ علی ابی بکر و عمر فھو غال فی تشیعہ و یطلق علیہ رافضی والا فشیعی فان انضاف الی ذلک السب او	**نفحہ ۲:** تقریب کے قول "ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی ہے" سے دھوکا کھا کر ان پر رفض کا عیب لگانا بدبودار جہالت ہے رفض و تشیع میں زمین و آسمان کا فرق ہے بسا اوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے جبکہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے صاحب تقریب نے خود بھی "ہدی الساری" میں فرمایا تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے تو اگر کوئی آپ کو ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے اور اس کے ساتھ گالی اور بغض کا اظہار کرے تو غالی رافضی ہے۔

[1] تھذیب التھذیب بحوالہ ابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسہ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۷، کتاب الثقات لابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق ۴۰۶۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۶

[2] تقریب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحاق ۵۷۴۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۴

التصریح بالبغض فغال فی الرفض[1] اھو تمام تحقیقه فی تحریرا تناالحدیثیة۔	اور اس کی پوری تحقیق ہماری تحریرات حدیثیہ میں ہے۔
وفی المقاصد للعلامة التفتازانی الافضلیة عندنا بترتیب الخلافة مع تردد فیمابین عثمان وعلی رضی الله تعالٰی عنهما[2]	مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے ہمارے نزدیک خلفائے اربعہ میں فضیلت خلافت ترتیب پر ہے حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہما میں تردد کے ساتھ۔
وفی شرحها له قال اهل السنة الافضل ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی و قد مال بعض منهم الی تفضیل علیّ علی عثمان رضی الله تعالٰی عنهما والبعض الی التوقف فیما بینهما[3] اھ	شرح مقاصد للتفتازانی میں ہے اہل سنت نے کہا کہ سب سے افضل ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی اور بعض حضرت علی کو عثمان سے افضل مانتے ہیں رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اور بعض ان دونوں کے درمیان توقف کے قائل ہیں۔
وفی الصواعق لامام ابن حجر جزم الکو فیون و منهم سفیان الثوری بتفضیل علیٍّ علی عثمان و قیل بالوقف عن التفاضل بینهما وهو روایة عن مالك[4]،	امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی صواعق محرقہ میں ہے ائمہ کوفہ (انہیں میں سفیان ثوری ہیں) نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر بالیقین افضل گردانا اور امام مالک وغیرہ سے توقف مروی ہے۔
اھ۔وفی تهذیب التهذیب فی ترجمة الامام الاعمش کان فیه تشیع[5]،	تہذیب التہذیب میں حضرت امام اعمش کے حالات میں تحریر ہے کہ ان میں تشیع تھا۔
اھ وفی شرح الفقه الاکبر لعلی قاری روی عن	فقہ اکبر ملا علی قاری میں امام صاحب کے بارے

[1] ھدی الساری مقدمه فتح الباری فصل فی تمییز اسباب الطعن فی المذکورین مصطفی البابی مصر ۲/۲۳۱

[2] المقاصد علی ہامش شرح المقاصد البحث السادس الافضلیة بترتیب الخلافة دار المعارف النعمانیه لاہور ۲/۲۹۸

[3] شرح المقاصد البحث السادس الافضلیة بترتیب الخلافة دار المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۲۹۸

[4] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الاول مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۵۷

[5] تهذیب التهذیب ترجمه سلیمان بن مهران المعروف بالاعمش موسسة الرساله بیروت ۲/۱۱۰

ابی حنیفة تفضیل علی علیٰ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنهما الصحیح ما علیه جمهور اهل السنة و هو ظاهر من قبول ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه علی ما رتبه هنا وفق مراتب الخلافة[1]۔اھ ثم لایذهب عنك الفرق بین شیعی ورمی بالتشیع و کم فی الصحیحین ممن رمی به وقد عد فی هدی الساری عشرین منهم فی مسانید صحیح البخاری فضلا عن تعلیقاته، بل فیه مثل عباد بن یعقوب رافضی جلد ثم الشبهة لاقیمه لها راسا فکم فی الصحیحین ممن رمی بانواع البدع وقد تقرر عندهم ان المبتدع تقبل روایة اذا لم یکن داعیة۔	میں لکھا ہے حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عثمان غنی پر حضرت علی کی فضیلت مروی ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لیکن صحیح وہی ہے جس پر جمہور اہلسنت ہیں اور فقہ اکبر میں اس کو ترتیب خلافت کے موافق رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی آپ کا قول بھی ہے۔ پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کافرق بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔ بخاری کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کاالزام ہے۔ "ہدی الساری" میں ایسی بیس سندوں کی تفصیل ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں تعلیقات کاتو ذکر ہی الگ رہابلکہ رواۃ بخاری میں عباد بن یعقوب جیسارافضی ہے جس پر کوڑے کی حد جاری گئی تھی اور جرح میں شبہہ کی تو کوئی اہمیت نہیں خود بخاری و مسلم میں بہت سے روای ہیں جن پر انواع واقسام کی بدعت کاشبہہ کیا گیااور اصول محدثین کی روسے خود بدعتی بھی اپنے مذہب نامہذب کاداعی و مبلغ نہ ہو تواس کی روایت مقبول ہے۔
نفحه۳:اصل الحدیث رویناه فی المسند حدثنا یعقوب حدثنا ابی عن ابی اسحق قال حدثنی محمد بن مسلم بن عبیداللہ الزهری عن السائب	**نفحہ ۳**:اصل حدیث جسے ہم نے روایت کیامسنداحمدابن حنبل میں اس سند کے ساتھ ہے یعقوب،ابی،ابن اسحٰق حدثنی محمد بن مسلم عبیداللہ الزہری سائب بن یزید یہاں یہ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افضل الناس بعدہ الخ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ص ۱۸۷

بن یزید ابن اخت نمر[1] فقد صرح بالسماع فلا علیك من عنعنة ھنا ھذا وجه۔ **وثانیاً** ابن اسحق کثیرالروایة عن الزھری و العنعنه عن مثل الشیخ تحمل علی السماع قال الذھبی فی مثله متی قال "نا" فلا کلام و متی قال "عن" تطرق الیه احتمال التدلیس الا فی شیوخ له اکثرعنھم فان روایته عن ھذا الصنف محمولة علی الاتصال[2]۔اھ لاسیما ابن اسحق فقد عرف منه النزول فی اشیاخ اکثرعنھم قال ابن المدینی حدیث ابن اسحق لیتبین فیه الصدق وھو من اروی الناس عن سالم بن ابی النضروروی عن رجل عنه وھو من اروی الناس عن عمرو بن شعیب وروی عن رجل عن ایوب	حدیث لفظ حدثنی سے مروی ہے تواب اس روایت پر نہ تدلیس کااعتراض ہوسکتا ہے نہ ارسال کاایک جواب تو یہ ہوا۔ دوسرا یہ ہے کہ امام محمد بن اسحٰق امام زہری سے کثیرالروایت ہیں اور ایسے راوی کاعنعنہ بھی سماع پر محمول ہوتا ہے امام ذہبی فرماتے ہیں راوی جب روایت میں لفظ عن سے کسی بات کااضافہ کرے تو تدلیس کااحتمال ہوتا ہے مگرجب روای ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے وہ کثیرالروایت ہو تو یہ روایت متصل ہوگی۔ اورابن اسحٰق کے بارے میں معروف مشہور ہے کہ وہ ایسے اساتذہ کی حدیثوں کو بطور نزول بھی روایت کرتے جن سے وہ اکثر روایت کرتے ہیں علی بن المدینی فرماتے ہیں محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں صدق ظاہر ہے وہ سالم بن ابی نضر سے بنسبت ان کے دوسرے شاگردوں کے کثیرالروایت ہیں پھر بھی ان کی روایت عن رجل عن سالم (یعنی اپنے سے کم درجہ کے آدمی کے واسطہ سے بھی سالم سے ان کی روایت ہے) اسی طرح وہ عمرو بن شعیب کے شاگردوں میں بھی اروی الناس عنہ ہیں اورانکی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث السائب بن یزید المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۴۹

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۳۵۱۷ سلیمان بن مہران دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۲۴

عنہ [1].اھ **قلت** و کذا ھو من اروی الناس عن ابن شہاب وقد رو ینا فی کتاب الخراج للامام ابی یوسف حدثنی محمد بن اسحق عن عبدالسلام عن الزھری [2]	روایت عن رجل عن ایوب عن عمرو بن شعیب بھی ہے۔ **میں کہتاہوں** ابن اسحاق امام زہری کے بھی اروی الناس شاگرد ہیں مگر قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ "کتاب الخراج" میں فرماتے ہیں مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیاکہ ان سے عبدالسلام نے روایت کی اوران سے امام زہری نے (توابن اسحاق کی یہ روایتیں لفظ عن سے ہونے کے باوجود تدلیس نہیں ہے روایت متصل ہے)
و **ثالثًا** ھذا کلہ علی طریقۃ ھٰؤلاء المحدثین اما علی اصولنامعشر الحنفیۃ والمالکیۃ والحنبلیۃ الجمھور فسؤال العنعنۃ ساقط عن راسہ فان مبناہ علی شبھۃ الارسال و حقیقتہ مقبولۃ عندنا و عندالجمھور فکیف بشبھتہ۔	**تیسراجواب:** محمدابن اسحاق کی تدلیس اورعنعنہ کے بارے میں اب تک جو بحث تھی وہ ان محدثین کے مسلک کی بنیاد تھی جو حدیث کی جرح میں عنعنہ اورتدلیس کالحاظ کرتے ہیں لیکن ہم حنفیوں،مالکیوں،حنبلیوں جمہور علماء کے اصول پر عنعنہ کالحاظ ہی اصلاساقط ہے کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہہ ہے کہ تدلیس حدیث کے مرسل ہونے کاڈر ہے اور ہمارے اور جمہورکے نزدیک تو خودارسال بھی سند کاعیب نہیں اور حدیث مرسل بھی مقبول ہے تو پھر شبہ ارسال سے حدیث پر کیااثر پڑے گا۔
قال الامام الجلیل السیوطی فی التدریب فی عنعنۃ	امام جلال الدین سیوطی نے تدریب میں فرمایاجمہور علمائے کرام جو مراسیل قبول کرتے ہیں

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ بن اسحاق موسسۃ الرسالہ بیروت ۵۰۶/۳

[2] کتاب الخراج احادیث ترغیب وتحضیض دارالمعرفۃ بیروت ص۹

المدلس،قال جمهور من یقبل المراسیل تقبل مطلقًا[1]۔اھ

و فیه عن الامام ابن جریر الطبری اجمع التابعون باسرهم علی قبول المرسل ولم یات عنهم انکاره و لاعن احد من الائمه بعدهم الی راس المائتین[2]

و فی صحیح مسلم و جامع الترمذی عن محمد بن سیرین التابعی قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم[3]۔اھ

قلت و هذا زید بن اسلم الامام مولی امیر المومنین الفاروق الذی کان الامام الاجل زین العابدین یجلس الیه و یتخطی مجالس قومه فقال له نافع ابن جبیر بن مطعم تخطی مجالس قومك الی عبد عمر بن الخطاب؟فقال رضی الله تعالٰی عنه انما یجلس الرجل الی من ینفعه فی دینه رواه البخاری فی تاریخ[4]،زید

وہ عنعنہ کو بھی قبول کرتے ہیں اسی میں امام جریر طبری سے منقول ہے کہ جملہ تابعین نے بالکلیہ مراسیل قبول کرنے پر اجماع کیاہے نہ توتابعین نے مراسیل کاانکارکیانہ ان کے بعد ۲۰۰ ہجری تک کسی اورنے۔

صحیح مسلم اورجامع میں محمد بن سیرین تابعی سے ہے کہ لوگ احادیث کی سند کے بارے میں کسی سے سوال ہی نہیں کرتے تھے جب فتنہ واقع ہواتوسوال کیاجانے لگاکہ اپنے راویوں کو ہم سے بیان کرو۔

میں کہتاہوں کہ امام زید بن اسلم جوامیرالمومنین عمرفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہماکے آزاد کردہ غلام تھے ان کے پاس امام جلیل زین العابدین بیٹھا کرتے تھے اوراپنی قوم کی مجلس چھوڑ دیتے تھے نافع بن جبیر بن مطعم نے آپ سے کہاآپ اپنے لوگوں کی مجلس چھوڑ کر عمر بن خطاب(رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے غلام کی محفل میں بیٹھتے ہیں؟ آپ نے فرمایاآدمی وہیں بیٹھتاہے کہ جہاں اس کے دین کافائدہ ہوتاہے(تاریخ بخاری) انہیں زید نے ایک

---

[1] تدریب الراوای فی شرح تقریب النووی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۰

[2] تدریب الراوای فی شرح تقریب النووی النوع التاسع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۳

[3] صحیح مسلم باب بیان ان الاسناد من الدین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱

[4] تاریخ البخاری باب الالف ترجمہ زین بن اسلم ۱۲۸۷ دارالباز للنشر والتوزیع مکۃ المکرمۃ ۳/۳۸۷

هذا احد ث بحديث فقال له رجل يا ابا اسامة عمن هذا فقال يا ابن اخى ما كنا نجالس السفهاء[1]. قال له العطاف بن خالد۔	حدیث بیان کی ایک آدمی نے ان سے کہا ابا اسامہ یہ کس سے اپ بیان کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اے بھتیجے! ہم سفہاء کے ساتھ نہیں بیٹھتے یہ اسے عطاف بن خالد نے کہا۔
قلت و قد اکثر الارسال ائمة التابعين سعيد بن المسيب والقاسم وسالم والحسن وابو العالية و ابراهيم النخعى و عطاء بن ابى رباح و مجاهد و سعيد بن جبير و طاؤس والشعبى والاعمش و الزهرى و قتادة و مكحول و ابو سحق السبيعى و ابراهيم التيمى و يحيى بن الكثير واسماعيل بن ابى خالد وعمرو بن دينار و معٰوية بن قرة و زيد بن اسلم وسليمان التيمى ثم الائمة مالك ومحمد والسفيانان افتراهم فعلوه لترد احاديثهم وفى مسلم الثبوت و شرحه فواتح الرحموت مرسل الصحابى يقبل مطلقًا اتفاقا وان من غيره فالاكثر و منهم الائمة الثلثة ابو حنيفة و مالك و احمد رضى الله تعالٰى عنهم يقبل مطلقًا والظاهرية و جمهور المحدثين الحادثين بعد المائتين لا[2]. اھ۔و فى فصول البدائع للعلامة	**میں کہتا ہوں** علمائے تابعین مثلاً سعید بن مسیب، قاسم، سالم، حسن، ابو العالیہ، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ، مکحول، ابو اسحٰق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحیٰی بن کثیر، اسمٰعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمن تیمی، امام مالک و محمد اور سفیانین، کیا یہ سب حضرات اس لیے ارسال کرتے تھے کہ ان کی حدیثیں رد کر دی جائیں مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں صحابہ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقًا مقبول ہیں اور دوسروں کے مراسیل باتفاق ائمہ جن میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں یہ سب لوگ اسے مطلقًا مقبول رکھتے ہیں ہاں ظاہریہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے۔ فصول البدائع مولی خسرو میں ہے

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ زید بن اسلم مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۶۵۸

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۷۴

مولی خسرو طعن المحدثین بمالایصلح جرحالا یقبل کالطعن بالتدلیس فی العنعنة فانهاوهم شبهة الارسال وحقیقة لیست بجرح [1]،اھ	اور محدثین کاایساطعن جو جرح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جیسے عنعنہ میں تدلیس کاطعن کہ اس میں شبہہ ارسال ہے حالانکہ خود ارسال اسباب طعن سے نہیں ہے۔
قلت:وروی ابو داود عن عبدالله بن حنظلة بن ابی عامران رسول الله امر بالوضوء عند کل صلوة فلماشق ذلك علیه امر بالسواك لکل صلوة [2] فیه ایضاابن اسحق وقد عنعن و مع ذلك قال الشامی فی سیرت اسنادہ جیدوفیه اختلاف لایضر [3]،اھ۔	**چوتھاجواب**:ابوداود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر سے روایت کی کہ رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوہر وقت وضوکاحکم دیاگیاتھالیکن یہ جب آپ پر مشقت ڈالنے لگا تو ہر نماز کے وقت آپ کو مسواک کرنے کاحکم ہوااس حدیث میں بھی ابن اسحٰق نے لفظ عن سے روایت کی اس کے باوجود امام شافعی اپنی سیرت میں کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اس میں اختلاف ہے جس سے کوئی ضرر نہیں۔
وروی احمد عن واثلة بن الاسقع رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله تعالٰی علیه وسلم امرت بالسواك حتی خشیت ان یکتب علی [4]نقل الزرقانی علی المواهب عن المنذری وغیرہ فیه لیث بن ابی سلیم ثقة مدلس	**پانچواں جواب**:امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث روایت کی مجھے مسواک کے لیے اتنی بار حکم دیاگیاکہ مجھے ڈرہواکہ کہیں یہ فرض نہ کردی جائے۔امام زرقانی نے یہ حدیث مواہب کی شرح میں منذری وغیرہ سے روایت کی،اس روایت میں لیث بن ابی سلیم جو ثقہ مدلس ہیں،

[1] فصول البدائع

[2] سنن ابی داود کتاب الطھارۃ باب السواك آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷

[3]

[4] مسند احمد بن حنبل حدیث واثلۃ بن الاسقع المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۹۰

وقدرواه بالعنعنة [1]،اھ ومع ذلك قال عن المنذری اسناده حسن [2]،اھ	اور حدیث کو لفظ عن سے روایت کرتے ہیں منذری کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔
وقال الحافظ العسقلانی فی نظم اللالی معنعن ابی الزبیر غیر محمول علی الاتصال الااذاکان من روایة اللیث عنه الخ [3] وھذاامر مقررعند ھؤلامحد ثین ونجد فی صحیح مسلم احادیث عن ابی الزبیرعن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه لیست من روایة اللیث عنه قال الذھبی فی المیزان فی صحیح مسلم عدة احادیث ممالم یو ضح فیھاابوالزبیرالسماع عن جابروھی من غیر طریق اللیث عنه ففی القلب منھا [4]،اھ	**چھٹاجواب:** حافظ ابن حجر عسقلانی نے نظم اللالی میں کہا "ابو زبیر کی معنعن مقبول نہیں اور اتصال پر محمول نہیں ہاں لیث سے ہوتو مقبول ہے" محدثین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے لیکن امام مسلم کی صحیح میں چند حدیثیں ابوزبیر بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی ہیں جن میں ابوزبیر حضرت لیث سے روایت نہیں کرتے چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ "صحیح مسلم میں چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں ابوزبیر جابر رضی اللہ تعالٰی سے بواسطہ لیث کی تصریح نہیں کی ہے جس سے دل میں کچھ شبہہ ہوتا ہے۔"
قلت: ولکن لم یکن منھافی قلب مسلم شیئ فادرجھا فی صحیحه الذی جعله حجة بینه وبین ربه عز وجل۔	**میں کہتاہوں** کہ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے دل میں توان حدیثوں کے بارے میں کوئی شبہہ نہیں تھا جبھی توانہوں نے یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج کیں جس کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجت قرار دیا۔
وروی ابن جریرعن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنه سمعت	**ساتواں جواب:** ابن جریر نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی میں نے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصدالتاسع دارالمعرفۃ بیروت ۷/۲۴۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصدالتاسع دارالمعرفۃ بیروت ۷/۲۴۸

[3] نظم اللآلی

[4] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن مسلم ابوالزبیرالمکی ۸۱۶۹ دارالمعرفۃ بیروت ۴/۳۹

رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول الشیخ والشیخة اذازنیافارجموهماالبتة فقال عمر رضی الله تعالٰی عنه لمانزلت اتیت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم[1] الحدیث۔	اپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بڑھیابوڑھے زنا کریں توانہیں ضرور سنگسار کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تومیں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ (الحدیث)
قال ابن جریر هذاحدیث لایعرف له مخرج عن عمرعن رسول الله تعالٰی علیه وسلم بهذااللفظ الامن هذاالوجه وهو عندناصحیح سنده لاعلة فیه توهنه ولاسبب یضعفه لعدالة نقلته وقدیعل بان قتادةمدلس ولم یصرح بالسماع والتحدیث[2]۔اھ	ابن جریر نے کہاکہ اس حدیث کی کوئی تخریج عمرعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعنی بایں الفاظ سوائے اس روایت کے نہیں پھر بھی یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح اور مستند ہے اس میں کوئی ایساعیب نہیں جواس حدیث کو کمزور کرے تواس کے ضعیف ہونے کاکوئی راستہ نہیں کہ یہ عادل راویوں سے مروی البتہ اس میں ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ایک راوی حضرت قتادہ مدلس ہیں اورانہوں نے نہ توسماع کی بات کی نہ لفظاحدثنا کہا۔
وهذاامام الحنفیة امام الفقهاء المحدثین الحافظ الناقدالبصیر بعلل الحدیث الامام ابوجعفراحمد الطحاوی رحمة الله تعالٰی علیه روی فی کتاب الحجة فی فتح رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مکة حدیثین احدهما	**آٹھواں جواب:** امام الحنیفہ،امام الفقہاء والمحدثین،حافظ،ناقدو بصیر،امام ابوجعفراحمد طحاوی نے شرح معانی الآثار "کتاب الحجة فی فتح رسول الله مكة عنوة"میں دو حدیثیں روایت کیں ایک حضرت عکرمہ سے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب اہل مکہ سے رخصت ہوئے اور دوسری

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ موسسة الرسالہ بیروت ۴۱۸/۵

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ موسسة الرسالہ بیروت ۴۱۸/۵و۴۱۹

عن عکرمة قال لما وادع رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل مکة، والاخر حدیث الزھری وغیرہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد صالح قریشا، الحدیثین بطولھما، قال بعدہ فان قلتم ان حدیثی الزھری وعکرمة الذین ذکرنا منقطعان قیل لکم وقد روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما حدیث یدل علی ما رویناہ حدثنا فھد بن سلیمن بن یحیی ثنا یوسف بن بھلول ثنا عبداللہ بن ادریس حدثنی محمد بن اسحق قال قال الزھری حدثنی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبة عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما الحدیث فی نحو ورقة کبیرة قال فی اٰخرہ فھذا حدیث متصل الاسناد صحیح[1] و معلوم ان "قال فلان" کعن فلان لعدم بیان السماع فیھما۔ قال الامام النووی فی التقریب تدلیس الاسناد بان یروی عمن عاصرہ مالم یسمعہ منہ موھما سماعہ قائلا: قال فلان او عن فلان ونحوہ[2]، الا فی ماعنعنة ابن اسحق ان حکم ھذا	حدیث امام زہری وغیرہ سے جس میں ہے کہ "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اہل مکہ سے مصالحت فرمائی" یہ دونوں حدیثیں مکمل نقل فرماکرارشاد فرمایاکہ "اگرکوئی اعتراض کرے کہ زہری وعکرمہ کی مذکور منقطع ہیں،" فہد بن سلیمن، یوسف بن بہلول، عبداللہ بن ادریس، محمد بن اسحٰق قال قال الزہری عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث بیان کی یہ حدیث حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بڑی طویل ایک بڑے ورق کی مقدار میں روایت کرکے فرمایایہ حدیث متصل الاسناد صحیح ہے حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اصطلاح میں قال کاحکم لفظ عن کاہے کیونکہ دونوں میں سماع کی تصریح نہیں۔ اورامام نووی نے تقریب میں فرمایاکہ "تدلیس اسنادیہ نہیں کہ راوی اس سے روایت کرے جس کامعاصر ہوجب تک اس سے خود نہ سنے اور لفظ ایسے بولے جس سے وہم ہوکہ راوی نے خوداس سے سناہے جیسے قال فلاں یاعن فلان مگران روایتوں میں جن کو

[1] شرح معانی الاثار کتاب الحجہ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکة عنوة ایچ ایم کمپنی کراچی ۲/ ۲۰۳تا۲۰۸
[2] التقریب للنووی مع تدریب الراوی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۶

قیل الامام الحجه انه متصل الاسنادوانه صحیح فقدرفع مکحول وابواسحق السبیعی کلتاالشبهتین الکلام فی ابن اسحق وعدالته والاتیان من قبل عنعنة بلفظ الکریم الصریح، وللّٰه الحمد۔ وھذااماماثانی ائمه مذھبناالامام ابو یوسف رضی اللّٰه تعالٰی عنهم قداکثر فی کتاب الخراج الاحتجاج باحادیث محمد بن اسحق معنعنة و غیر معنعنة و قدقالوا کمافی ردالمحتارو غیرہ ان المجتهداذا استدل بحدیث کان تصحیحاله فقد صحح الامام ابو یوسف احادیث ابن اسحق و عنعنة کیف ؟ وقد ادرجهافیمااوجب العمل به اذقال فی مبدء کتابه ان امیرالمو منین ایدہ اللّٰه تعالٰی سالنی ان اضع له کتابا جامعایعمل به فی جبایة الخراج والعشورو الصدقات و الجوالی وغیرہ ذالك ممایجب العمل به و قد فسرت ذلك و	محمد بن اسحاق نے لفظ عن سے روایت کیاہو بیشک ان کی ایسی روایت کا بھی حکم یہی ہے کہ وہ متصل الاسناداور صحیح ہیں، وہ امام حجۃ ہیں مکحول اورابواسحٰق سبیعی نے ان سے دونوں شبہوں کو دفع کیاہے۔" ہمارے امام مذہب ثانی الائمہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کثرت کے ساتھ کتاب الخراج میں ان حدیثوں سے استدلال فرمایاجوحضرت محمد بن اسحاق سے بصیغہ عن وبغیر عن مروی تھیں اور علمائے حدیث نے تصریح کی ہے (جیسا کہ ردالمحتاروغیرہ صحیفوں میں ہے) کہ مجتہد کاکسی حدیث سے استدلال کرنااس حدیث کی تصحیح شمار ہوتاہے تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن حدیثوں کواپنی کتاب میں داخل فرماکران کی تصحیح کی اوراستدلال بھی ایسی کتاب میں کیاجس کے واجب العمل ہونے کی تصریح خوداس کتاب کے مقدمہ میں فرمائی آپ لکھتے ہیں بے شک امیرالمومنین نے (خدااان کی مدد فرمائے) مجھ سے ایک ایسی جامع کتاب کی فرمائش کی جس پروہ اپنی زندگی بھرجبایاخراج عشر صدقات اورجوالی وغیرہ میں عملدرآمد کریں اوروہ احکام واجب العمل ہوں تومیں نے

شرحتہ[1]،اھ	ان کی تعبیر اور توضیح کردی
نفحہ ۴: کفانا المولی سبحانہ وتعالٰی النظر فی توثیق ابن اسحٰق و حجیۃ حدیثہ بان الذی الین لہ الحدیث کما الین لداؤد علیہ الصلوۃ والسلام الحدید رواہ فی کتابہ الذی قالوا فیہ من کان فی بیتہ فکانما فی بیتہ نبی یتکلم وسکت علیہ۔[2]	**نفحہ ۴:** روایت ابن اسحٰق کی تائید وتوثیق اوران کی طرف سے دفاع کی مشقت سے اللہ تعالٰی نے ہماری یوں کفایت کی کہ ان کی محولہ بالاحدیث کواس امام نے اپنی مسند میں روایت کیا جن کے ہاتھ میں علم حدیث اس طرح نرم وملائم ہوگیا تھا جیسے حضرت داود علیہ السلام کے دست کریم میں لوہا نرم کردیا گیاتھا جن کے مجموعہ حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ شہادت ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہواس گھر میں گویا نبی ہے جو کلام کررہاہے، ایسے امام میں یہ حدیث اپنی کتاب میں درج فرماکر سکوت کیااوراس پر کوئی جرح نہیں کی۔
○ وقد قال کما فی مقدمۃ الامام ابن الصلاح ذکرت فیہ الصحیح ومایشبہہ ویقاربہ[3]	○ مقدمہ ابن صلاح میں حضرت ابوداود رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا یہ قول اس کتاب کے بارے میں منقول ہوا: "میں نے اپنی کتاب میں صحاح کو جمع کیا یا جواس کے مشابہ اور قریب ہو۔"
○ وفی فتح المغیث عن الامام ابن کثیر روی عنہ ماسکت عنہ فھو حسن[4]،اھ	○ فتح المغیث میں امام ابن کثیر سے انہیں کا یہ قول منقول ہوا "اس کتاب میں میں جس حدیث پر سکوت کروں تو وہ حسن ہے۔"
○ وفی رسالۃ الی اھل مکۃ	○ ابوداود نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا "اس

[1] کتاب الخراج خطاب من المؤلف الی امیر المومنین ہارون الرشید دار المعرفۃ بیروت ص ۳

[2] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۸۷ و معالم السنن للخطابی ۱/ ۵

[3] مقدمہ ابن صلاح الثانی معرفۃ الحسن من الحدیث فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

[4] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۹۰، تدریب الراوی بحوالہ ابن کثیر النوع الثانی الحسن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۵

ماکان فیه حدیث منکر نبینه بما انه منکر [1]	کتاب میں اگر کوئی منکر حدیث ذکر کروں گا تو اس کا سبب بھی بیان کروں گا کہ کیونکر منکر ہے"
O وقال ابو عمر بن عبدالبر کل ماسکت علیه فهو صحیح عنده [2]	O ابو عمر بن عبدالبر نے کہا "جس حدیث کو ذکر کرکے ابوداؤد نے سکوت کیا، تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔
O وقال المنذری: کل حدیث عزوته الی ابی داود سکت عنه فهو کماذکر ابو داود ولاینزل عن درجه الحسن وقد یکون علی شرط الصحیحین [3]	O امام منذری نے فرمایا "جس حدیث کی نسبت ابو داود کی طرف کروں اور ابو داود نے اس پر سکوت کیا ہو تو وہ ابو داود کے قول کے مطابق ہے یعنی درجہ حسن سے تو کم نہ ہوگی بسا اوقات صحیحین کے اصول پر ہوتی ہے"
O وقال ابن الصلاح ثم الامام النووی فی التقریب ماوجدناہ فی کتابه مطلقا فهو حسن عند ابی داود [4]	O ابن صلاح اور نووی دونوں اماموں نے فرمایا "امام داود کی کتاب میں جو حدیث مطلق مروی ہو وہ ان کے نزدیک حسن ہے۔"
O وقال العلامة ابن الترکمانی فی الجوهر النقی اخرجه ابو داودوسکت عنه فاقل احواله ان یکون حسنا عنده علی ماعرف [5]	O امام ترکمانی جوہر النقی میں فرماتے ہیں "ابو داود نے جس حدیث کی تخریج فرما کر سکوت کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی تو اس حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہوگا جیسا کہ یہ بات مشہور و معروف ہے۔"
O وقال الزیلعی فی نصب الرایة	O نصب الرایہ میں امام زیلعی فرماتے ہیں:

[1] مقدمه سنن ابی داود مع سنن ابی داود آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴، فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۸۸و۹۸

[2] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۹۱

[3] الترغیب الترہیب مقدمة الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱

[4] تقریب النووی مع تدریب الراوی النوع الثانی قدیمی کتب خان کراچی ۱/ ۱۳۴

[5] الجوہر النقی علی هامش السنن الکبری کتاب الدعوی والبینات حیدر اباد دکن ۱۰/ ۲۷۱

ان اباداودروی حدیث القلتین وسکت عنه فهو صحیح عندہ علی عادته فی ذلك[1]	"ابو داود نے حدیث قلتین روایت کیااور اس پر سکوت فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے"
O وقال الحافظ العراقی ثم الشمس السخاوی فی المقاصدالحسنة یکفیناسکوت ابی داود علیه فهو حسن[2]	O حضرت عراقی اور شمس الدین سخاوی نے "مقاصد حسنہ" میں فرمایا "اس حدیث پر ابو داود کا سکوت ہی ہمارے لیے کافی ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔"
O وقال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر سکت ابو داؤد فهو حجة[3]	O محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں لکھتے ہیں "ابو داؤد نے اس حدیث پر سکوت کیاتو یہ حدیث حجت ہے"
O وقال العلامة محمد بن امیرالحاج رواہ ابو داود وسکت علیه فیکون حجة علی ماهو مقتضی شرطه[4]	O علامہ محمدابن امیرالحاج فرماتے ہیں "ابو داود نے اس پر سکوت کیاتو یہ ان کی شرط کے موافق حجت ہے"
O وقال العلامة ابراهیم الحلبی فی الغنیة سکت علیه ابوداود المنذری بعدہ فی مختصرہ وهو تصحیح منهما[5]، اھ	O علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں فرمایاابو داو داور ان کے بعدامام منذری نے اپنی مختصر میں اس پر سکوت فرمایاتو یہ ان دونوں کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔
O وقال الخطابی فی معالم السنن کتاب ابی داؤد جامع لهذین النوعین	O علامہ خطابی نے معالم السنن میں تحریر کیا "ابو داود کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی

[1] نصب الرایہ کتاب الطهارۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاہور ۱/ ۱۶۳

[2] المقاصدالحسنہ تحت حدیث ۳۸۱ دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۱۶

[3] فتح القدیر کتاب الطهارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

[4] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

[5] غنیہ المستملی شرح منیة المصلی فصل فی النوافل سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۶

من الحدیث والحسن اماالسقیم فعلی طبقات شرھاالموضوع ثم المقلوب ثم المجھول، وکتاب ابی داود خلی منھابری من جملۃ وجوھھا[1]	احادیث پر مشتمل ہے اور حدیث سقیم کی تو کئی قسمیں ہیں سب سے بے حیثیت موضوع پھر مقلوب پھر مجہول اورابو داود کی کتاب سقیم کی تمام قسموں سے خالی اور بری ہے۔"
وقال الامام بخاری فی جزء القرۃ قال علی بن عبداللہ نظرت فی کتاب ابن اسحق فماوجدت علیہ الافی حدیثین ویمکن ان یکون صحیحین[2] اھ	امام بخاری نے اپنی اکتاب "جزء القرۃ" میں لکھا علی ابن عبداللہ نے کہا کہ میں نے ابن سحٰق کی کتابیں دیکھیں تو سوائے دو حدیثوں کے اور کسی میں کوئی عیب نہیں پایااور ممکن ہے کہ وہ دونوں بھی صحیح ہوں،"
و بیّنھماالقسوی عن علی لیس حدیثناھذابحمد اللہ تعالٰی منھمااحدھماعن ابن عمرعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذانعس احدکم یوم الجمعۃ[3] والاخرعن زید بن خالداذامس احدکم فرجہ فلیتوضا[4]	ان دونوں حدیثوں کو قسوی نے حضرت علی بن عبداللہ سے روایت کیا۔ بحمداللہ ہماری ذکر کردہ حدیث ان میں نہیں ہے دونوں میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سے روایت کی کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز اونگھے اور دوسری حدیث زید بن خالد سے کہ تم میں سے کوئی جب اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔
و علی ھذاھوابن المدینی شیخ البخاری الذی کان یقول فیہ البخاری مااستصغرت	یہ علی ابن المدینی اس پائے کے محدث ہیں کہ ان کے شاگرد امام بخاری کہتے ہیں کہ سوائے علی بن المدینی کے اور کسی کے

[1] معالم السنن مع مختصر سنن ابی داود للمنذری مقدمہ الکتاب المکتبہ الاثریۃ سانگلہ ۱/ ۱۱

[2] جزء القراءۃ خلف الامام للبخاری باب لادلیل علی ان القران رکن فی الصلوۃ ۱/ ۶۰

[3] جامع الترمذی ابواب الجمعۃ باب فی من ینعس یوم الجمعۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۹

[4] موارد الظمان کتاب الطھارۃ باب ماجاء فی مس الفرج حدیث ۲۱۴ المطبعۃ السلفیہ ص۷۸

نفسی الاعندہ[1] فثبت بحمد الله تعالٰی ان ابن اسحٰق ثقة وان الحدیث حسن صحیح۔

نفحه ۵: اکثر اصحاب لزھری لم یذکروا فی الحدیث "علی باب المسجد" ولا "بین یدیه" وھما زیادۃ ثقة فوجب قبولھما، ومن الظلم قبوله فی ھذا الا فی ذالك فلیس مستند کونه "بین یدیه" من الحدیث الا زیادۃ ابن اسحٰق ومن اشد الجھل زعم ان ذکرہ مالم یذکروا مخالفة لھم والا لاضطربت الاحادیث عن اخرھا الا افرادا عدیدۃ فما من حدیث اتی بطریقین او اکثر الا وفی بعضھا مالیس فی الاخر، الا نادرا، ولا عبرۃ بالنادر، ھذا وجه۔

وثانیًا: کثیرا ما تری الائمه المحدثین یجمعون الطرق فیقول احدھم حدثنا فلان، و فلان عن فلان یزید بعضھم علی بعض ثم

سامنے میں نے اپنے کو چھوٹا نہیں محسوس کیاتو مذکورہ بالا تفصیلات سے بحمد اللہ ثابت ہوگیا کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں اوراذان خطبہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔

نفحہ ۵: امام زہری کے اکثر شاگردوں نے حدیث میں "علی باب المسجد" اور "بین یدیہ" کاذکر نہیں کیاہے ان دونوں ٹکڑوں کاذکر صرف ابن اسحٰق نے کیاہے جوایک ثقہ روای کااضافہ ہے اوراس کاقبول کرناواجب ہے تو یہ کتنابڑاظلم ہے کہ "بین یدیہ" کوتسلیم کیاجائے اور "علی باب المسجد" کوترک کردیاجائے اوراس سے بڑاظلم یہ ہے کہ ابن اسحٰق کے اس اضافہ کواس وجہ سے ترک کیاجائے کہ صرف ابن اسحاق اس کے راوی ہیں اوروں نے اس کاذکر نہیں کیاہے اوراسی بناپراس اضافہ کوان کی ثقہ راویوں کی مخالفت قرار دیاجائے اور حدیث کو مضطرب قرار دیاجائے اگر یہ ظلم روار کھاجائے تو چند معدودو اور مختصر روایتیں ہی اضطراب سے محفوظ رہیں گی کیونکہ کون حدیث ہے جو دو یادوسے زائد طریقوں سے مروی نہیں اورہر طریقہ روایت کے متن میں کچھ ایساحصہ بھی ضرورہے جو دوسرے میں نہیں شاید ہی ایساہوگاکہ دونوں روایتوں کے الفاظ بالکلیہ یکساں اور برابر ہوں اور نادر کاکیا اعتبار۔

ثانیًا: اکثر دیکھاگیاہے کہ ائمہ محدثین چندسندوں کوایک ساتھ جمع کرتے ہیں مثلاوہ کہتے ہیں فلاں فلاں

---

[1] میزان الاعتدال ترجمه علی بن عبدالله ۵۸۷۴ دارالمعرفة بیروت ۳/ ۱۴۰

یسو ق الحدیث سیاقاواحداافتراھم یجمعون بین الضب والنون [1]۔ و **ثالثًا**:مفسروالقران العظیم من الصحابة و التابعین وھلم جراکلمافسروا واقعة ذکرت فی القران المجید زادواالشیاء لیست فی القران العظیم فاذن کلھم یخالفون القران الکریم حاشم ھم۔ **رابعًا**:فی الصحیحین عن ابی ھریر ۃ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم الااحد ثکم حدیثاعن الد جال ماحدث به نبی قو مه انه اعور الحدیث فاذن یکون صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و العیاذباللہ تعالٰی قد خالف جمیع الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام فی بیان واقعة وھذالایتفوہ به مسلم۔ و **خامسًا**: السورالقرانیة تذکر قصة موسی و غیرھا یزید	اور فلاں نے فلاں سے روایت کی جس میں بعض نے بعض سے زائد بیان کیااور پھر پوری حدیث ایک ہی سیاق میں بیان کرتے ہیں تو کیاوہ لوگ مچھلی اور گوہ دونوں کوایک ساتھ ہی ملادیتے ہیں۔ **ثالثًا**قرآن عظیم کے مفسروں میں، صحابہ ہوں یاتابعین(بعد کے لوگوں کابھی یہی حال ہے)کہ کسی ایسے واقعہ کی تفسیر کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں مذکورہے تواس واقعہ میں کچھ ایسااضافہ بھی کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں نہیں ہے، تو کیاسب کے سب نے قران عظیم کی مخالفت کی پناہ بخدا! **رابعًا**: صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں"میں تم سے دجال کے بارے میں وہ بات نہ بیان کروں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہ کیا"تو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اورانبیاء سے زائد بتاکران سب انبیاکی مخالفت کی کون مسلم یہ کہے گا؟ **خامسًا**: قران شریف میں حضرت موسی وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے مختلف

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ ولقدارسلنانو حاالی قو مه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰، صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکرالد جال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۰۰

بعضھا علی بعض و حاشا القران ان یتخالف **نفحہ۶**: ما اجھل من زعم ان الحدیث متناقض بنفسہ فان قولہ بین یدی رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعارض قولہ علی باب المسجد فلو کان علی الباب کیف یکون بین یدیہ و ھذا فھم لایتصور الامن وھم اذا جلست علی المنبر فتجاہ وجھك باب فالقائم علیہ ھل یکون بین یدیك ام خلفك والصفوف الجلوس بینکما لاتحجبہ عن نظرك الاترٰی ان اللہ تعالٰی سمی السماء بین ایدینا اذقال و قولہ الحق "اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ"[1] وکم من جبال بینھما و بیننا و سیاتیك زیادۃ وافیۃ فی تحقیق معنی "بین یدیہ" ان شاء اللہ تعالٰی۔	جگہ بیان کئے گئے ہیں کہیں کم کہیں کچھ زیادہ تو کیا قران شریف نے اپنے بیان کی خود مخالفت کی؟ **نفحہ۶**: وہ شخص بھی کیا خوب جاہل ہے جو یہ کہتا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث خود ہی متناقض ہے اس لیے کہ حدیث کے الفاظ خطیب کے سامنے اور مسجد کے دروازہ پر میں تناقض ہے۔ تو اگر باب مسجد پر ہوگی تو خطیب کے سامنے کیسے ہوگی؟ یہ شبہہ سراسر وہم کی پیداوار ہے کیونکہ جب تم منبر پر بیٹھو اور تمھارے منہ کے سامنے مسجد کا دروازہ ہو تو دروازے پر کھڑا ہونیوالا کیوں تمہارے سامنے نہ ہوگا؟ کیا اس کو تمہارے پیچھے کھڑا ہونیوالا کہا جائیگا؟ شاید یہ سوچتے ہوں گے کہ اس صورت میں امام اور مؤذن کے بیچ میں صفیں حائل ہیں پھر سامنے کیسے ہوا! صفیں بیچ میں ضرور ہیں لیکن وہ مؤذن اور امام میں حائل نہیں ہیں اللہ تعالٰی نے قران عظیم میں ارشاد فرمایا "کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان و زمین تمھارے آگے پیچھے ہیں" حالانکہ کتنے پہاڑ اس کے اور ہمارے درمیان میں حائل ہیں۔ "بین یدیہ" کی زیادہ تفصیل آگے آرہی ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

[1] القران الکریم ۳۴/ ۹

نفحه ۷: اذا بطل زعمة التناقض انتقض ما بنی علیه من وجوب تاویل الحدیث فان الشجرة تنبئی عن الثمرة ولکن ان تعجب فعجب قوله وان المراد بالباب الباب الذی کان فی جدار القبلة قبل تحویلها الی الکعبة المشرفة فیا للانصاف باب کان و بان وصار جدارا والباب الحقیقی موجود الان فاذا ذکر باب المسجد هل یذهب ذهن احد الی ان القائل لم یرد الباب بل الجدار فمثل هذا یکون تحویلا تعطیلا وتبدیلا لا تاویلا ولا سیما والحاکی لهذا اعنی سیدالسائب بن یزید رضی اللّٰه تعالٰی عنه لم یشاهد ذلك الباب الکائن البائن قط۔

فانه کان ابن سبع عند وفاة المصطفٰی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فولادته سنة ثلاث

نفحہ ۷: اور جب "بین یدیہ" اور "علی الباب" کا تناقض ختم ہو گیا تو اس پر حدیث کی جو تاویل مبنی تھی وہ بھی ختم ہو گئی کہ درخت بیج کے بغیر نہیں اگ سکتا لیکن اس تاویل میں حیرتناک بات یہ ہے کہ مؤول کے نزدیک سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں دروازہ سے مراد وہ دروازہ ہے جو دیوار قبلہ میں منبر کی پشت پر تھا تو خطیب کے سامنے منبر کے بالکل متصل کھڑے ہونے والے مؤذن کو مسجد کے دروازہ پر کہہ دیا اگرچہ مؤذن اور دروازہ کے بیچ میں خود خطیب اور منبر حائل تھا مگر کھڑے ہونے والے مؤذن کے سامنے ہی دروازہ تھا۔

یاللعجب! مؤول جس دروازہ کی بات کر رہا ہے وہ اب نہیں ہے اسے بند کرکے اب دیوار کر دیا گیا ہے وہ تو مراد ہو سکتا ہے اور حقیقی دروازہ جو فی الوقت موجود ہے اور خطیب کے سامنے ہے وہ مراد نہیں ہو سکتا کیا ایسی صورت میں کوئی باب المسجد کہے تو کسی کا ذہن اس باب کی طرف منتقل ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد موجود اور مشاہد دروازہ موجود نہیں بلکہ یہ دیوار مراد ہے اس کو تاویل نہیں کہتے یہ تو تحویل ہے تعطیل ہے اور تبدیل ہے خصوصا اس صورت میں کہ سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس بند شدہ دروازہ کو دیکھا بھی نہیں اس لیے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

اواربع من الهجرة الشريفة وتحويل القبلة فی السنة الثانية فهو يحكی ماشاهده فكيف يريد بابالم يشاهده ثم انك تحتاج فيه الی مجاز فی مجاز فان ذلك الباب كان فی الجدار القبلی والمنبر دونه بينهما ممر شاة والمؤذن دون المنبر فكيف يكون حقيقة علی الباب افتری انه كان يؤذن متقدما الی جدار القبلة مستدبر اللنبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم او متوجها الی ظهره الشريف متدبر اللقبلة بل لو فرض هذا لم يكن ايضا حقيقة علی الباب المفقود ای محله الموجود لانه الان مسدود۔	وصال کے وقت سات سال کے تھے اس حساب سے ان کی ولادت ۳ ھجری میں ہوئی جب کہ تحویل قبلہ کاواقعہ ۲ ھ کا ہے توجب وہ اپنے مشاہدہ کی بات کر رہے ہیں تو یہ کیسے سوچا جاسکتاہے کہ وہ اس ان دیکھے دروازہ کی گواہی دیں گے پھر اس تاویل میں مجاز در مجازماننا پڑے گا کیونکہ یہ دروازہ قبلہ کی دیوار میں تھااور اسی کے پاس منبر تھااس دروازہ اور منبر کے درمیان بکری کے گزرنے بھر جگہ تھی اور منبر کے پاس مؤذن کھڑا ہوتا تھاایسی صورت میں مؤذن حقیقی معنی میں دروازہ پر کس طرح کھڑا ہوسکتا ہے کیونکہ حقیقی معنی میں دروازہ پر ماننے کی صورت تو یہ ہوگی مؤذن منبر سے آگے بڑھ کر قبلہ کی دیوار کے اندر والے دروازہ پر کھڑا ہو کر حضور کی پشت اقدس کے پیچھے قبلہ کی طرف پشت اوراپ کے پشت کی طرف رخ کرے بلکہ سچ پوچھو تو یہ اذان بھی دروازہ پر نہ ہوگی کہ دروازہ تو بند ہو کر اس جگہ دیوار بنادی گئی تھی۔
نفحه۸: ارادة الباب الشمالی الموجود اذ ذاك وتاويل علی بالمحاذات ای كان يقوم المؤذن متصلا بالمنبر بين يدی النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم لكونه اذذاك علی محاذات الباب الشمالی قيل له علی باب المسجد كلام	**نفحہ ۸**: اور دروازہ سے مسجد کا باب شمالی مراد لیناجو منبر کے سامنے واقع تھااور "علی باب المسجد" کے علی کو محاذات پر محمول کرنا اور مطلب یہ بتانا کہ مؤذن تو منبر سے متصل ہی کھڑا ہوتا تھا لیکن لفظ "علی باب المسجد" سے اس کی تعبیر اس لیے کی گئی کہ دروازہ منبر کے سامنے تھامؤذن اور دروازہ میں آمنا سامنا

مفسول مزدول۔	تھا یہ بے وزن اور حقیر کلام ہے۔
فاولًا: تجوز بعید من دون قرینة والتکلم بمثله تغلیط للسامع وتلبیس للسنة فلا یظن بالصحابی۔	**اوّلًا** بلاقرینہ معنی بعید مراد لینااور ایساکلام بولناسامع کو غلط فہمی میں ڈالنااور تلبیس سنت ہے صحابی رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔
ثانیًا:فیه تضییع قوله علی باب المسجد لان الباب لماکان محاذیاللامام فالقائم بین یدی الامام قائم علی محاذاة الباب قطعاًاینماکان فذکرہ بعد ذکرہ لیس فیه تخصیص ولاتوضیح ولاافادة شیئ مقصوداذلم یکن القصد شرعاًالاالی مواجهة الامام لاالی محاذاةالباب فبقی لغواعبثالاطائل تحته۔	**ثانیًا**:اس تاویل کی روسے "علی باب المسجد "کالفظ بے سود ہے کیونکہ دروازہ جب امام کے سامنے ہے تو جوامام کے سامنے کھڑاہے وہ دروازہ کے سامنے بھی کھڑاہے تولفظ "بین یدیہ" کے ذکرکے بعد لفظ "علی باب المسجد "نہ تواس پہلے معنی کی توضیح ہوئی نہ تخصیص اور نہ ہی اس لفظ سے کسی معنی کاافادہ مقصود کیونکہ بقول مؤول مقصد توامام کے سامنے کھڑاہونا ہے دروازہ پر کھڑاہونانہیں ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد لغواور بیکار ہواجس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔
وثالثًا:ان من اخنع الاباطیل مایقضی وجودہ علیه بالرحیل و ذلك ان التاویل انمایحتاج الیه اذالم یستقم المعنی الظاہر وانمااحلت الظاہرةلمنافاته بزعمك قوله بین یدیه الالمحاذاة بلاحائل کمااعترفه به ابن اخت خالتك فالذی قام لصیق الامام اذاکان علی محاذاة	**ثالثًا**:اولایہ تاویل خوداپنے وجودکے ابطال کی دلیل ہے کیونکہ تاویل کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ کلام کے معنی ظاہر درست نہ ہوں اور مخالف نے علی باب المسجد کو محاذات پراس لیے محمول کیاکہ اس کے نزدیک بین یدیہ اور علی باب المسجد میں تضاد تھااور بین یدیہ کے معنی محاذات بلاحائل ہیں جیساکہ تمہاری خالہ کے ابن اخت نے اس کااعتراف کیااوراب تمہاری تاویل سے جب امام کے پاس کھڑاہونے والادروازہ

الباب کما اعترف الان، کیف لایکون الذی علی الباب محاذیاللامام ولاحائل ثمه یحجبه من النظر فصدق بین یدیه فتاویلك باطل باستقامة المعنی الظاهر، واستقامته تقتضی لبطلان التاویل فکان وجودحاکم بعدمه وهذاهواشنع الاباطیل۔ **نفحه۹:** اشنع منه زعم ان عـــه العاطف	کے سامنے اور محاذی ہے تو دروازہ پر کھڑا ہونیوالا امام کے محاذی و مقابل کیوں نہ ہوگا جب کہ دونوں کے درمیان حائل نہیں تو جب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی تو جب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی ظاہر کی تائید کرتی ہے تو اس تاویل کی کیا ضرورت ہے اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ آپ کی تاویل اپنی تخریب کاسامان اپنے ساتھ ہی لائی ہے اور یہ بد ترین بات ہے۔ **نفحہ۹:** اس سے بری تاویل یہ ہے کہ

عـــه: ومثله بل ابعد منه قول اعجاز الحق ان فی روایة محمد بن اسحق تقدیرا یعنی اذجلس النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی المبنر اذن بین یدیه (بعد ماکان) علی باب المسجد فالنداء لابالفاظ مخصوصة علی باب المسجد کان فی زمن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم والشیخین، ثم جعل عثمٰن هذاالنداء اذانا ای بالفاظ مخصوصة علی مقام عال هوالزوراء علی ماصرح به فی المرقاة[1] فهذاهوالتحقیق الحقیق بالقبول

عـــه اوراس سے بھی زیادہ بعید اعجاز الحق کا قول ہے کہ محمد بن اسحق کی روایت میں پورا ایک جملہ مقدر ہے یعنی عبارت یوں ہے "حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو دروازہ پر ہونے کے بعد اذان آپ کے سامنے ہوتی" یعنی وہ ندا جو دروازہ پر ہوتی اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتی تھی ایسا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں ہوتا رہا پھر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ میں اس کو اذان ہی کے الفاظ میں مقام زوراء پر کہلانا شروع کیا جو مسجد سے دور ایک بلند جگہ تھی ایسا ہی ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تحریر فرمایا یہ تحقیق لائق قبول ہے، (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] مرقاة المفاتیح باب الخطبة والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبه الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

محذوف قبل قولہ "علی باب المسجد"	یہ کہا جائے کہ الفاظ حدیث میں لفظ "علی الباب"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وبہ ارتفع التعارض فی الروایات، وزین القول بالفاظہ الفصیحۃ فھذا اشد ۃ [شفاھتہ لا رزانتہ] لم یقنع بحذف حرف واحد ولتوھمہ ان "یؤذن" فی الحدیث علی۔۔۔۔ ولعمر اللہ لو جوز امثال ھذہ الحذفات فی الکلام لھان تحویل کل نص الی ماتھوی الانفس للئام فیقول من یبیح الزنا للاعزب الحق ان فی قولہ تعالٰی "وَلَاتَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی"[1] تقدیرا یعنی بعد ماتزوجتم لان المتاھل عندہ ما یغنیہ من الزنا المحرم علیہ بخلاف الاعزب فانہ محتاج الیہ و یقول من یبیح قتل الشبان الحق ان فی قولہ تعالٰی "وَلَاتَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ

اور اس سے تمام روایتوں کا تعارض بھی اٹھ جاتا ہے مسمّٰی اعجاز الحق نے اپنی اسی بات کو فصیح الفاظ سے آراستہ کیا ہے لیکن اس کی یہ تاویل بھی سخت گندی ہے کہ اس نے ایک لفظ کے مقدر ماننے پر قناعت نہ کی پورا مرکب غیر مفید کر ڈالا اور یہ سوچ کر کہ حدیث شریف میں یؤذن کا مطلب چونکہ اذان معروف ہے اس لیے باب مسجد والا اعلان ہوگا اور اس کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف منسوب کردیا واللہ العظیم اگر اس طرح کی خرافات کلام میں جائز ہوں تو ہر شخص کو اپنی ہوائے نفس کے مطابق قران عظیم کی آیتیں پھیرنا آسان ہوگا مثلاً جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو زنا جائز ہے وہ یہ کہنے لگیں گے کہ آیت شریفہ "وَلَاتَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی" (زنا کے قریب مت جاؤ) میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد تتزوجتم یعنی جس کی شادی ہوچکی ہو وہ زنا کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ شادی کرلینے والے کو زنا کی حاجت نہیں بخلاف غیر شادی شدہ کے اس کے پاس بیوی نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القران الکریم ۱۷/ ۳۲

والمعنی کان الاذان تارۃ بین	سے پہلے واو یااو محذوف ہے اور مطلب یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حَرَّمَ اللّٰہُ"[1] تقدیرا یعنی بعد ما تحرم لان القتل لدفع الایذاء والھرم اضعف من ان یوذی احدا بخلاف الشباب فانہ ان لم یوذ حالافیستطیع ان یو ذی وقتل المو ذی قبل الایذاء ثم ھو بنفسہ لم لایستدل علی مزعومہ بایۃ الجمعۃ قائلا: الحق ان فی کلامہ تعالٰی اذا نو دی للصلوۃ من یوم الجمعۃ تقدیرا یعنی "اِذَانُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ"[2] داخل المسجد لصیق المنبر یوم الجمعۃ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وما نسب التصریح بہ الی القاری فلم یصرح

تو کس طرح اپنی شہوت پوری کرے گا اسی طرح جو لوگ جوانوں کا قتل جائز رکھتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے فرمان "وَلَاتَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ" میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ما تحرم اور مطلب بجائے اس کے کہ اللہ تعالٰی نے قتل نفس حرام کیا ہے یہ ہے کہ بوڑھے ہونے کے بعد انسانوں کا قتل حرام ہے کیونکہ کسی کو قتل اس لیے کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کی ایذا سے نجات ملے اور بوڑھا ایذا پہنچانے کے لائق نہیں تو اس کا قتل حرام ہونا چاہیے بخلاف جوانوں کے کہ یہ فی الوقت ایذا نہ دیں ایذا دے تو سکتے ہیں اور موذی کو ایذا سے پہلے قتل کر دینا چاہیے اس طرح آیت میں صرف بڈھوں کے قتل کی ممانعت ہے جوانوں کے قتل کی نہیں بلکہ خود یہ مولوی اسی مسئلہ میں قران کی آیت کو بھی اپنے مقصد کے موافق بنا سکتا ہے مثلاً قران شریف کی آیت مقدسہ اذا نو دی للصلوۃ من یوم الجمعۃ (جمعہ کے دن جب اذان پکاری جائے) میں یہ مقدر مان لے (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القران الکریم ۱۷/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۶۲/ ۹

یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وتارۃ علی باب المسجداو کان یکون فی المحلین غیران الذی علی الباب کان اعلامابغیر لفظ الاذان و هذابحکایته یعنی عن نکایته فمامثله الا کمن یقول فی قوله تعالٰی "فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا"[1] ان الواو بمعنی او محذوف قبل من"من قبل"والمعنی اما	کہ اذان کبھی حضور کے سامنے منبر کے پاس ہوتی اور کبھی دروازہ پر یامطلب یہ ہے کہ موذن بانگ دونوں جگہ دیتا منبر کے پاس والی تواذان ہوئی اور دروازے کے پاس والااعلان تھاجواذان کے الفاظ میں نہیں ہوتا تھا یہ بات خود ہی اپنابطلان کر رہی ہے کیونکہ یہ توایسے ہی ہے جیسے کوئی کفارہ ظہار کی آیت صیام شهرین متتابعین من قبل ان یتماسا (صحبت سے قبل مسلسل دو مہینے روزہ رکھنا ہے) میں یہ کہے کہ آیت میں لفظ من قبل کے پہلے حرف واو جو بمعنی او ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

به ولم یکن وانماابدی من عندنفسه عدۃ احتمالات شتی لماسبق الی وهمه فاحتمال هو بعده للتوفیق کمایاتی بعونه تعالٰی بیانه الشافی فی نفحة عشرین من الشمامة الرابعه ۱۲منه۔

اذانو دی للصلوۃ داخل المسجد لصیق المنبر من یوم الجمعة (جب مسجد کے اندر منبر سے متصل جمعہ کے دن اذان دی جائے)لاحول ولاقوۃ الاباللّٰه العلی العظیم۔۔۔رہ گئی اس قدر نامعقول کی نسبت ملاعلی قاری کی طرف تو یہ قطعاًغلط ہے انھوں نے اس امر کی طرف نہ کنایہ کیانہ تصریح بلکہ انہوں نے ایک وہم کی بناپر حدیث کے الفاظ میں اختلاف تصور کرتے ہوئے اپنی طرف سے چنداحتمالات کاذکر کیاکہ ان مخالف الفاظ میں توفیق ہو جائے لیکن اختلاف ان کاواہمہ تھاتو یہ ساری توفیقیں اسی کی پید وارمانی جائیں گی اس کی پوری تفصیل ان شاء اللّٰہ تعالٰی شمامہ چہارم نفحہ بستم میں آرہی ہے ۱۲منہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۴

متتابعین او قبل ان یتماسا۔ **ثم اولا** لیس مبناہ الاعلی زعم المقابلۃ بین "بین یدیہ" و"علی الباب" وماھو الاوھم فی تباب فلو وجد العاطف لم یدل علی التوزیع بل علی جمع جمیع و ھو مرادنا۔ **ثم ثانیا** یلزم علی الثانی وجود التثویب فی الجمعۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو خلاف ماصرحوا بہ بل السائب نفسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول لم یکن للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن غیر واحد و کان التاذین یوم الجمعۃ حین یجلس الامام یعنی علی المنبر رواہ البخاری[1] **ثم ثالثا:** ھذا الاذان ھو المحکوم علیہ فی الحدیث بکونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبکونہ علی الباب فکیف تفصیل بینھما بان ما علی	مقدر ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل دو مہینے روزہ رکھے یا عورت سے صحبت سے پہلے روزہ رکھے۔ **پھر اولاً:** اس کی تاویل کی بنا اس واہمہ پر ہے کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب میں تقابل ہے دونوں ایک مصداق پر صادق نہیں آسکتے اور چونکہ یہ وہم باطل ہے اس لیے او بھی یہاں تقسیم کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اس بات کے اظہار کے لیے ہوگا کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب دونوں ایک ہی ہیں یعنی جمع کے لیے ہوگا۔ **ثانیا** "علی الباب" اور "بین یدیہ" دو الگ الگ نداؤں سے متعلق ماننے پر یہ لازم آئیگا کہ عہد رسالت میں نماز جمعہ کے لیے تثویب ہوتی تھی اور یہ تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے بلکہ خود سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ یہی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد مسعود میں ایک ہی مؤذن ہوتا تھا جو امام کے منبر پر بیٹھتے ہی اذان دیتا یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔ **ثالثا:** حدیث شریف میں تو ایک ہی اذان کے بین یدیہ اور علی الباب ہونے کی تنصیص ہے اس تفصیل کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے کہ دروازہ پر اذان سے مختلف

[1] صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب المؤذن الواحد یوم الجمعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۴

الباب اعلام غیرالاذان الاان تقدر مع العاطف معطوفاًوهوالاعلام اوتحمل الاذان علی عموم المجاز فترتکب مجاز اعلی مجاز وترك الحقیقة من دون ضرورة ملجئة وثیقة اشنع مسلك واخنع طریقة و بالجملة امثال الهوسات لایرتکبهاالامن یکید النصوص بالتعطیل ویریدالتغیر باسم التاویل۔	کلمات میں اعلان ہوتا تھاہاں حرف عطف کے ساتھ معطوف کو بھی مقدر ماناجائے یعنی و بعد ماکان الاعلام علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر اعلان ہونے کے بعد سامنے اذان ہوتی یالفظ یؤذن کو ہی عموم مجاز پر محمول کیاجاتاجس سے ڈبل مجاز بلکہ بلاکسی قرینہ ملجئہ کے ترک حقیقت مانالازم آئے تو یہ سب مخالفین کی ہوس ہے جس سے وہ حدیث کی تفسیر کے نام پر تغیر و تبدیل حدیث کرنا چاہتے ہیں)
نفحه ۱۰:وبعض من تعیرنابه الجهل ارادان یبدی فی الحدیث علة تهدمه عن اصله فزعم ان لم یکن فی زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم للمسجدالکریم باب تجاه المنبرانماکان له ثلثة ابواب،باب جبریل عـــه فی الشرق وباب السلام وباب الرحمة فی الغرب و هذاهجوم علی ردالحدیث بالجهل الخبیث کان للمسجدالکریم ثلثةابواب باب جبریل	**نفحہ ۱۰**:اور مخالفین میں سے بعض جن کو ہم نے جہالت پر عار دلایا تھااس نے حدیث پاک میں ایک ایسی علت پیداکرنی چاہی جو سرے سے اس حدیث سے استدلال کو ہی ختم کردے وہ کہتاہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد پاک میں کوئی دروازہ منبر کے سامنے تھاہی نہیں پوری مسجد نبوی شریف میں صرف تین دروازے تھے پوربی رخ پر باب جبریل اور پچھم طرف باب السلام اور باب الرحمہ (شمال و جنوب میں کوئی دروازہ تھاہی نہیں) یہ خبیث جہالت سے حدیث کو رد کرنا ہے مسجد شریف میں یہ تین دروازے ضرور تھے

عـــه:هذاالاسامی حادثة ولایقیت الابواب فی محل الابواب بل احدثت علی محاذاتهابعدالزیادات ۱۲منه۔	ابواب کے نام بعد میں رکھے گئے ہیں اور موجودہ دروازے بھی ٹھیک انہیں مقامات پر نہیں جہاں تھے بلکہ مسجد کی توسیع کے بعد انہیں دروازوں کی محاذات میں رکھے گئے منہ ۱۲غفرلہ

فی الشرق ثم زاد امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باب النساء وباب الرحمۃ فی الغرب ثم زاد امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باب السلام وباب ابی بکر فی الشمال ثم زاد امیر المومنین بابا اٰخر کما فصلہ عالم المدینۃ السید السمہودی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی خلاصۃ الوفاء[1] و حسبك حدیث البخاری فی ابواب الاستسقاء عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رجلا دخل یوم الجمعۃ من باب کان وجاہ منبر رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یخطب[2] الحدیث۔ **نفحہ ۱۱:** لایذھبن عنك ان ھھنا سنتین، سنۃ خاصۃ باذان الخطبۃ و ھو کونہ بین یدیہ الخطیب حین جلوسہ علی المنبر، وسنۃ عامۃ لکل اذان و ھو کونہ فی حد ود المسجد او فنائہ، لافی حدود المسجد او فنائہ لافی جوفہ کما ستسمع نصوص	مگر اور دروازے بھی تھے جن کی تفصیل یوں ہے پوربی جانب باب جبریل پھر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی سمت باب النساء قائم فرمایا پچھم طرف باب الرحمۃ پھر اسی طرف امیر المومنین نے باب السلام قائم فرمایا شمالی جانب باب ابی بکر پھر اسی طرف امیر المومنین نے ایک دروازے کا اور اضافہ فرمایا عالم مدینہ حضرت سید سمہودی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے خلاصۃ الوفاء میں اس کی تصریح فرمائی پھر باب شمال کے لیے کسی دوسرے حوالہ کی ضرورت نہیں بخاری شریف باب الاستسقاء کی یہ حدیث کافی ہے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اس دروازہ سے جو منبر کے سامنے تھا ایک جمعہ کو آیا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرمارہے تھے (الحدیث) **نفحہ ۱۱:** یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہاں دو سنتیں ہیں جن میں ایک کا تعلق خاص اذان خطبہ سے ہے یہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان کا اس کے سامنے ہونا ہے اور ایک عام سنت ہے جو ہر اذان کو عام ہے اور اذان کا حدود مسجد کے اندر اس کے صحن میں ہونا ہے نہ کہ خاص مسجد کے اندر اسکی تصریح

[1] وفاء الوفاء الفصل الثالث عشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۴ تا ۴۹۶

[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب الاستسقاء فی المسجد الجامع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

الفقهاء علیه و قدسردنالك اسماء هم و قدارشد حدیث السائب رضی الله تعالٰی عنه الیهما معا۔ فالاولی قوله بین یدی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذاجلس علی المنبر، والاخری قوله علی باب المسجد فان باب المسجد فی حدوده لافی جوفه و خصوصیة الباب ملغاة قطعاوانمالایکون علیه لکونه وجاه المنبر لولاذالك لم یکن علی الباب بل علی حافة المسجداو فی فنائه بین یدی الامام فانکشف به سوالان کثیراماتوردهماجهلة الهنودالاول ان العلماء لم یذکروامن سنن هذاالاذان کونه علی الباب قل لهم لم یذکرونه مع انه غیر مقصود فی هذا الباب و مامثله الا کمثل من یری حدیث ان بلال رضی الله تعالٰی عنه کان یؤ ذن علی سطح بیت ستنا نوارام زید بن ثابت رضی الله تعالٰی عنهما فیحسب ان السنة فیه کونه من سطح بین الجیران حتی لو کان علی منارة او علی جدار المسجد کان مخالفاللسنة وهذااجهل منه بان القصد کان علی محل عال لاالی خصوص

ان فقہاء کے نصوص میں ہے جن کا نام ہم بیان کرچکے ہیں اور سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی اس حدیث میں ان دونوں ہی سنتوں کا بیان کیا ہے کہ اذان خطبہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے ہوئی اور یہ کہ اذان مسجد کے دروازہ پر ہوئی اور دروازہ مسجد مسجد کی حد پر ہوتا ہے مسجد کے اندر نہیں لیکن اذان کی سنت میں دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں اہمیت صرف منبر کے سامنے ہونے کو ہے اگر کسی مسجد میں منبر کے سامنے دروازہ نہ ہو تو ایسا نہیں ہے کہ دروازہ ڈھونڈ کرو ہیں اذان دی جائے بلکہ خطیب کے سامنے حدود مسجد اور صحن مسجد میں ہوگی اس سے دو سوالوں کا جواب ہوگیا جو اکثر کیا جاتا ہے اول یہ کہ علماء نے اس اذان کی سنتوں میں اس کا دروازہ پر ہونا ذکر نہ کیا جواب یہ ہے کہ اس لیے اس کا ذکر نہ کیا کہ دروازہ اس باب میں غیر مقصود ہے اس حدیث میں اس کا ذکر ایسے ہی ہے جیسے دوسری حدیث میں سطح بیت نوارام زید کا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نوارام زید پر اذان دیتے تھے تو اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اذان میں یہ سنت ہے کہ پڑوسیوں کے گھر کی چھت پر ہو اور کوئی شخص منارہ یا مسجد کے دروازہ کے اوپر کھڑا ہو کر دے تو سنت کے مخالف ہے تو غلط ہے کیونکہ اس گھر کی چھت کے ذکر سے مقصد تو یہ ہے کہ بلند جگہ پر اذان ہو نہ یہ کہ پڑوسی کے گھر کی چھت پر

سقف جار، کذاھھنا، والثانی ان الفقھاء لایذکرونہ فی باب الجمعۃ سنیۃ اذان الخطبۃ خارج المسجد فی حدودہ انمایذکرون استنان کونہ بین یدی الامام قل لھم ولم یذکرونہ ثمہ فانہ لایختص بہ بل ھو حکم مطلق الاذان الشرعی فمحل ذکرہ ھوباب الاذان لاباب الجمعۃ وقد ذکروہ فیہ نعم کونہ بین یدیہ کان من خصوصیات اذان الخطبۃ فذکروہ فی باب الجمعۃ اشتمل الحدیث علی حکمین خاص وعام وکان من حقھماان یذکرالخاص فی باب الخاص و العام فی باب العام و کذالك فعلواولکن العوام لا یفقھون ھذاعلی تسلیم زعمھم والافعلماؤ نالم یخلواباب الجمعۃ ایضاعن افادۃ ھذاالحکم کما ستری بعون العلی الاعلی۔

نفحہ۱۲: اذاعجز وامن کل جھۃ قالواھذاحدیث لم یعرج علیہ الناس فکان مھجوراعندھم و ھذا کما تری قول من لم یترعرع عن العامیۃ شیئا الحدیث وکل شیئ انمایطلب فی معدنہ ولایضرہ عدم

دوسرا سوال یہ کہ فقہاء اس اذان کے لیے خارج مسجد ہونے کی شرط باب جمعہ میں ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام کے سامنے ہو جواب یہ ہے کہ خاص باب جمعہ ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنت صرف اذان جمعہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام اذانوں کی سنت ہے اس لیے علماء نے اس کو مطلق اذان کے باب میں ذکر کیاہاں خطیب کے سامنے ہونااذان جمعہ کے ساتھ خاص تھاتواس کو باب جمعہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیاخلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کے دو خاص و عام حکم کوشامل تھی اصولااس کو دو علیحدہ علیحدہ ابواب میں ذکر کرنا چاہیے تھافقہائے امت نے ایسا ہی کیایہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل کے قول کو تسلیم کیاجائے ورنہ ہمارے علماء کرام نے ابواب جمعہ کو بھی اس بیان سے خالی نہیں رکھاان شاء اللہ آئندہ ہم اس کی شہادتیں پیش کریں گے۔

نفحہ ۱۲: اور جب ہر طرف سے عاجز آگئے تو کہاکہ لوگوں نے اس حدیث کاچرچا ہی نہیں کیاتو یہ متروک العمل رہی مگر یہ بات ایسے شخص کی ہو سکتی ہے جو عوام کے درجہ سے بالشت بھر بھی بلند نہ ہو سکا کیونکہ ہر چیز کو وہیں تلاش کرنا چاہیے جہاں اس کاٹھکانہ ہواور دوسری جگہ

و جدانه فی غیرہ مع ھذاماھی الاشھادۃ نفی ولا سیمامن قوم عمی ولوابصروالنظرواان العلماء لم یز الوایوردونه و یعتمدونه ففی تفسیرالخازن (اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ)اراد بھذاالاذان عند قعودالامام علی المنبر لانه لم یکن فی عھد رسول اللہ تعالٰی علیه وسلم نداء سواہ ولابی داؤدقال کان یؤذن بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبریوم الجمعۃعلی باب المسجد [1]، اھ مختصرا۔	نہ ملنے کی کوئی شکایت نہیں اور یہ بات اسی قبیل سے ہے کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اندھوں کی گواہی پیش کی جائے ورنہ علماء تواس حدیث کا مسلسل ذکر کرتے رہے اوراس پر اعتماد کرتے رہے تفسیر خازن میں ہے: (جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے) اس سے وہ اذان مراد ہے جوامام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اسکے علاوہ اوراذان نہیں تھی۔ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر بیٹھتے توان کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی تھی اھ مختصراً
وفی تفسیرالکبیر:قوله تعالٰی "اذا نودی"یعنی النداء اذاجلس الامام علی المنبریوم الجمعۃ وھو قول مقاتل وانه کماقال لانه لم یکن فی عھدرسول اللہ تعالٰی علیه وسلم نداء سواہ کان اذاجلس علیه الصلوۃ والسلام علی المنبراذن بلال علی باب المسجدو کذا	تفسیر کبیر میں ہے: اللہ تعالٰی کا قول "جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے" یعنی نداجو جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے یہی مقاتل کا قول ہے اور ایسا ہی بیان کیا گیاہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی کے زمانہ میں اس اذان کے علاوہ کوئی اذان نہیں دی جاتی تھی جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ مسجد کے دروازہ پر اذان

[1] لباب التاویل فی معالم التنزیل(تفسیر الخازن)تحت آیۃ ۶۲ / ۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۲۹۰

علی عھد ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما [1]۔اھ وفی الکشاف:النداء الاذان وقالوالمراد بہ الاذان عندقعودالامام علی المنبر۔وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذاجلس علی المنبراذن علی باب المسجد فاذانزل اقام للصلوۃ ثم کان ابو بکروعمر رضی اللہ تعالٰی عنھماعلی ذلک حتی اذاکان عثمان و کثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذناًاٰخر فامر بالتاذین الاول علی دارہ التی تسمی "زوراء"فاذاجلس علی المنبراذن المو ذن الثانی فاذا نزل اقام للصلوۃ [2]۔اھ	دیتے ایساہی ابو بکر و عمر رضوان اللہ علیھماکے زمانے میں بھی تھا۔ تفسیر کشاف میں ہے(سورہ جمعہ کی آیت میں)نداء سے مراداذان ہے کہتے ہیں کہ اس اذان کی طرف اشارہ ہے جوامام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی تھی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک ہی مؤذن آپ کے منبر پر بیٹھتے ہی مسجد کے دروازہ پراذان دیتاخطبہ کے بعداپ مبنر سے اتر کر نماز قائم فرماتے ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھماکے زمانہ میں بھی ایساہی ہوتارہاحضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی تعداد میں بڑااضافہ ہوااور دور دورتک مکانات ہوگئے تواپ نے ایک موذن کااوراضافہ فرمایااوراسے پہلی اذان کاحکم دیاجواپ کے گھر سے موسوم بہ زواء پر دی جاتی (یہ مکان مسجد سے دور بازار میں تھا)اوراپ جب منبر پر بیٹھتے تو دوسرے موذن اذان دیتے پھراپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔
وفی الدر الشفاف لعبداللہ بن الھادی:کان لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحد	در شفاف لعبداللہ بن الہادی میں ہے:آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے

[1] مفاتیح الغیب(التفسیرالکبیر)تحت الآیۃ ۹/۶۲ میدان الجامع الازھر مصر ۸/۳۰

[2] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل تحت الآیہ ۶۲/ ۹ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۵۳۲

فکان اذاجلس علی المنبر اذّن علٰی باب المسجد فاذا نزل اقام الصّلوۃ[1] اھ وکذافی النھر الماد من البحر لابی حیان: کذالك کان فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذ اصعد علی المنبراذن علی باب المسجد فاذا نزل بعدالخطبۃ اقیمت الصلوۃ وکذاکان فی زمن ابی بکرو عمرالی زمن عثمان کثرالناس وتباعدت المنازل فزاد موذناآخر علی دارہ التی تسمی الزوراء فاذاجلس علی المنبراذن الثانی فاذانزل من المنبراقیمت الصلوۃ ولم یعب احد ذلك[2] وفی تقریب الکشاف(لابی الفتح محمد بن مسعود) کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم کذالشیخین بعدہ مؤذن واحدیو ذن عندالجلوس علی المنبرعلی باب المسجد[3]۔اھ	جواب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دروازہ مسجد پر اذان دیتے پھرآپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ نہرالماد من البحر لابی حیان میں بھی اسی طرح ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی، اورجب خطبہ کے بعد اپ اترتے تو نماز قائم ہوتی ایسے ہی صاحبین کے عہد تاابتداء عہد عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوتا رہا پھر عثمان کے زمانہ میں مدینہ شریف کی آبادی بڑھ گئی لوگ زیادہ ہوگئے اور مکانات دور تک پھیل گئے تواپ نے ایک مؤذن کااضافہ فرمایااورانہیں حکم فرمایاکہ پہلی اذان آپ کے مکان زوراء پر دیں پھرجب آپ منبر پر بیٹھتے تومؤذن دوسری اذان دیتاپھراپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے اس اضافہ پر کسی نے آپ پراعتراض نہیں کیا۔ تقریب کشاف لابی الفتح محمد بن مسعود میں حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم اوراپ کے بعد شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہماکے عہد میں ایک ہی مؤذن تھاجوامام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازے پراذان دیتاتھا۔

---

[1] الدرالشفاف

[2] النھرالماد من البحر علی ھامش البحر المحیط تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ دارالفکر بیروت ۸/ ۲۶۵

[3] تقریب الکشاف محمد بن مسعود

وفی تجرید الکشاف لابی الحسن علی بن القاسم: کان له صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوۃ[1] اھ۔

اور جب آپ منبر پر سے اترتے نماز قائم فرماتے۔
اور تجرید کشاف لابی الحسن علی بن القاسم میں ہے: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاایک مؤذن تھاجب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پراذان دیتا تھااوراپ جب منبر سے اترتے تو نماز قائم فرماتے۔

وفی تفسیر النیسابوری: النداء الاذان فی اول وقت الظهر وقد کان لرسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد[2] الخ مثل مافی الکشاف۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے نداء اول وقت ظہر میں اذان ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاایک مؤذن تھاجب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پراذان دیتا تھاالخ (موافق تفسیر کشاف)

وفی تفسیر الخطیب ثم الفتوحات الالهیة: قوله تعالٰی "اذا نودی للصلوۃ" المراد بهذا النداء الاذان عند قعود الخطیب علی المنبر لانه لم یکن فی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم نداء سواه فکان له مؤذن واحد اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوۃ ثم کان ابو بکر و عمرو علی بالکوفة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم علی ذلك حتی کان عثمان رضی اللّٰه تعالٰی عنه وکثر الناس و

تفسیر خطیب وفتوحات الٰہیہ میں ہے اللہ تعالٰی کافرمان "جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے "اس ندا سے وہ اذان مراد ہے جوامام کے منبر پر بیٹھنے پر دی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم کے عہد میں اس اذان کے علاوہ تھی ہی نہیں ایک ہی مؤذن تھاجب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ دروازہ پراذان دیتا جب آپ منبر سے اترتے تو نماز قائم ہوتی پھرابوبکر وعمرو علی (رضی اللہ تعالٰی عنہم) کوفہ میں اسی پر عامل رہےمدینہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں آبادی

[1] تجرید الکشاف
[2] غرائب القران (تفسیر نیشاپوری) تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۲۸/ ۵۲

تباعدت المنازل زادا ذانا آخر[1] الخ وفی کشف الغمۃ للامام الشعرانی کان الاذان الاول علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما اذا جلس الخطیب علی المنبر الی قوله وکان الاذان علی باب المسجد[2] اھ	بڑھی اور مکانات دور دور تک پھیل گئے تو انھوں نے ایک اذان اور زائد کی۔ کشف الغمہ للامام شعرانی میں ہے اذان اول حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں جب خطیب منبر پر بیٹھتا اور اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی۔

---

[1] الفتوحات الالھیہ (الشھیر بالجمل) تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۴۳

[2] کشف الغمہ باب صلوۃ الجمعہ فی الاذان والخطبۃ وغیرھا دار الفکر بیروت ۱/ ۱۸۵

الشمامة الثانیہ من صندل الفقه

(شمامۂ ثانیہ از صندل فقہ)

نفحه۱: الحمدلله تظافرت النصوص علی کراهة الاذان فی المسجد والنهی عنه بصیغة النفی الاکد من صیغة النهی ففی [1] الخانیة و[2] الخلاصة و[3] خزانة المفتین و[4] شرح النقایة للعلامة عبدالعلی و[5] الفتاوی الهندیة و[6] التاتارخانیة و[7] مجمع البرکات ینبغی ان یوذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد[1]۔ اھ و[8] فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق وفی الخلاصة:	**نفحہ۱:** اللہ تعالٰی کے لیے بے شمار حمد ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے پر کثیر التعداد فقہی نصوص ہیں وہ بھی صیغہ نفی کے ساتھ جو ممانعت میں نہی سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔[1] خانیہ [2] خلاصہ، [3] خزانۃ المفتین، [4] شرح نقایہ للعلامہ عبد العلی فتاوی [5] ہندیہ، [6] تاتارخانیہ، [7] مجمع البرکات میں ہے مئذنہ پر اذان دینا چاہیے یا مسجد کے باہر؟ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ [8] بحر الرائق شرح کنز الدقائق اور خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

[1] الفتاوی الهندیہ کتاب الصلوۃ الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵، فتاوی قاضی خان مسائل الاذان ۱/ ۳۷ وخلاصة الفتاوی الفصل الاول فی الاذان ۱/ ۴۹، خزانة المفتین فصل فی الاذان ۱/۱۹ وشرح النقایة للبرجندی باب الاذان ۱/ ۸۴

ولا یؤذن فی المسجد[1] اھ وفی [٩] شرح مختصر الامام الطحاوی للامام الاسبیجابی ثم [١٠] المجتبی شرح مختصر الامام القدوری لایؤذن الافی فناء المسجد او علی المئذنۃ[2] و[١١] فی البنایۃ شرح الھدایۃ للامام العینی: لایؤذن الافی فناء المسجد اوناحیتہ [عــہ][3]۔	مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ [٩] شرح مختصر الامام طحاوی للامام اسبیجابی اور [١٠] المجتبی شرح مختصر للامام قدوری میں ہے اذان نہ دی جائے مگر صحن متعلقہ مسجد میں منارہ پر۔ [١١] بنایہ شرح ہدایہ لامام عینی میں ہے: اذان نہ دی جائے مگر صحن مسجد میں یا مسجد کے کنارے۔

عــہ: الناحیۃ الرکن، والجانب کلھا بمعنی فی القاموس الناحیۃ الجانب[4] اھ وفی المصباح الجانب[5] الناحیۃ وفی تاج العروس رکن الجبل والقصر جانبہ وارکان کل شیئ جوانبہ التی یستند الیھا ویقوم بھا[6] اھ واللفظ مبنی من التنحی والاعتزال

ناحیہ رکن اور جانب سب کے معنی ایک ہیں قاموس میں ہے ناحیہ جانب اور کنارے کو کہتے ہیں مصباح میں ہے الجانب الناحیۃ جانب اور کنارہ ہی ناحیہ ہے۔ تاج العروس میں ہے پہاڑ اور محل کا رکن اس کا کونہ ہوتا ہے اور ہر شیئ کا رکن اس کا کنارہ ہی ہوتا ہے۔ جس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے یا اس کے ساتھ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۵، خلاصۃ الفتاوی الفصل الاول فی الاذان مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۴۹

[2]

[3]

[4] القاموس المحیط باب الواو والیاء فصل النون مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۹۷

[5] المصباح المنیر تحت اللفظ "جنب" منشورات دارالھجرۃ قم ایران ۱/ ۱۱۰

[6] تاج العروس باب النون فصل الراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۱۹

فی ۲الغنیۃ شرح المنیۃ الاذان انما یکون فی المئذنۃ اوخارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ [1] وفی ۳نظم الامام الزندویستی ثم ۴شرح النقایۃ للشمس القھستانی ثم ۵حاشیۃ مراقی الفلاح للعلامۃ السید احمد الطحطاوی ویکرہ ان یؤذن فی المسجد [2] وفی ۶غایۃ البیان شرح الھدایۃ للعلامۃ الاتقانی وفی ۷فتح القدیر شرح الھدایۃ	۲غنیہ شرح منیہ میں اذان مئذنہ پر یا خارج مسجد ہو اور اقامت مسجد کے اندر۔ ۳نظم امام زندویستی ۴شرح نقایہ لشمّس قہستانی ۵حاشیہ مراقی الفلاح میں للعلامۃ سید احمد طحطاوی میں ہے مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ ۶غایۃ البیان شرح ہدایہ للعلامہ اتقانی ۷فتح القدیر شرح ہدایہ لمحقق علی الاطلاق میں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کالجانب من المجانبۃ والانفصال وتری رکنی الکعبہ الکریمۃ الاسود والیمانی خارجۃ منھا۔

وذکر فی خلاصۃ الوفاء ان عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ جعل للمسجد اربع منارات فی زوایات الاربع ثم قال کل ذلک من الھلال الی الارض خارج عن المسجد [3] منہ غفرلہ۔

قائم ہوتا ہے یہ لفظ علیحدگی اور جدائی کے معنی دیتا ہے جیسے جانب دوری اور انفصال کے معنی دیتا ہے اور کعبہ شریف کے دونوں رکن اسود اور یمانی کو دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ دونوں کعبہ سے خارج ہیں اور خلاصۃ الوفاء میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد نبوی شریف کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے اور فرمایا کہ یہ چاروں مینار زمین سے لے کر چاند تک خارج مسجد ہیں (منہ غفرلہ)۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی سنن الصلوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷۷

[2] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷

[3] وفاء الوفاء الفصل السابع عشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۶ و ۵۲۷

للمحقق علی الاطلاق: قولہ (ای الامام برھان الدین صاحب الھدایہ) والمکان فی مسالتنا مختلف یفید کون المعھود اختلاف مکانھما وھو کذلك شرعا فالاقامة فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنة فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد [1]. اھ وقالا فی الکتابین فی مسئلة سنیة الطھارۃ لخطبة الجمعة قیاسا علی الاذان مانصہ: الاولی ما عینہ فی الکافی جامعا وھو ذکر اللہ تعالٰی فی المسجد ای فی حدودہ لکراھة الاذان فی داخلہ [2]. اھ	مصنف امام برہان الدین صاحب ہدایہ کا قول کہ (مکان ہمارے مسئلہ میں مختلف ہے) اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اذان واقامت کے مقامات کا اختلاف ہی معہود ومعروف نیز حکم شرعی ہے کہ اقامت مسجد میں ہو ناضروری ہے اور اذان مئذنہ پر اور مئذنہ نہ ہو تو مسجد کے صحن میں ائمہ نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔ اور دونوں شارحین نے اپنی دونوں کتابوں میں جمعہ کے لیے طہارت مسنون ہونے کے مسئلہ میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا "کافی میں دونوں مسئلہ میں علت جامعہ یہ بتائی کہ خطبہ اوراذان دونوں ہی مسجد کے اندر خدا کاذکر ہے جن کے لیے طہارت سنت ہے، مسجد کے اندر کا مطلب حدود مسجد ہے کیونکہ اذان داخل مسجد مکروہ ہے۔"
فھذہ تسعة عشر نصا وختم العشرین بکلام الامام ابن الحاج المکی مالکی فانہ رحمہ اللہ تعالٰی عقد فی المدخل فصلا للنھی عنہ وفی نفی فعلہ من السلف الصالح مطلقًا فدخل فیھم ائمة المذاھب الاربعة جمیعا ومن قبلھم من الصحابة والتابعین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وھذا مانصہ۔	یہ انیس نصوص ہیں اور بیسویں نص امام ابن الحاج مکی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدخل میں ایک فصل تحریر فرمائی جس میں مسجد کے اندر اذان کی کراہت بیان فرمائی اور بتایا کہ مطلقًا سلف صالحین نے اس فعل کی نفی کی ہے تو اس عموم میں ائمہ اربعہ داخل ہوگئے اور ان سے پہلے کے صحابہ و تابعین بھی۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۵

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۹

فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد وقد تقدم ان للاذان ثلثۃ مواضع ،المنارہ، وعلی سطح المسجد ،وعلی بابہ ، واذا کان ذلك كذلك فیمنع من الاذان فی جوف المسجد لوجوہ احدھا انہ لم یکن من فعل من مضی[1] الی اخرہ۔

نفحہ ۲: بمرأی منك ھذہ النصوص بعمومھا واطلاقھا فان الفعل كما عرف فی الاصول فی قوۃ النکرۃ و قدوقع فی حیز النفی فقولھم لایؤذن فی المسجد عام و الباقی مطلق ولا اثر فیھا للتخصیص والتقیید فوجب امرارھا کما ھی والتی فیھاذکر المئذنۃ فاقول: اولا لا تؤذن بخروج اذان الخطبۃ فان الناس بعد الصدرالاول احدثوا اعلاء المنابر دکا بحذائھا لاذان الخطبۃ کما ھو مشھور ھھنا فی الجوامع السلطانیۃ ستعلم جواز ذلك بشرطہ فیصدق وعلی ھذاالاذان

مدخل کی عبارت یہ ہے "مسجد میں اذان کی ممانعت کے بیان میں یہ گزر چکا کہ اذان کے لیے تین جگہیں ہیں مسجد کی چھت، مسجد کادروازہ اور منارہ،اور جب ایسا ہے تومسجد کے اندر اذان کی ممانعت کئی وجہ سے ثابت ہے اول یہ کہ گزشتہ بزرگان دین مسجد کے اندراذان نہیں دیتے تھے "الخ یہ کل بیس نصوص ہوئے۔

نفحہ ۲: یہ نصوص اپنے عموم واطلاق کے ساتھ سب کے سامنے ہیں اوراصول فقہ سے یہ ظاہر ہے کہ فعل نکرہ کے حکم میں ہےاور نفی کے تحت ہو تو عام ہے پس فقہاء کا قول لایوذن فی المسجد عام ہے اور باقی اقوال مطلق ہیں جن میں تخصیص و تقیید کا کوئی اثر نہیں توان کو اپنے عموم پر ہی جاری رکھنا ہوگا۔ اور جن کی عبارتوں میں مئذنہ کاذکر ہے تو وہ خطبہ کی اذان کواس حکم سے نکالنے کے لئے نہیں اولااس لیے کہ صدراول کے بعد ہی لوگوں نے بلند منبر اوران کے سامنے اذان جمعہ کے لیے چبوترے بنائے جیسا کہ شاہی مسجدوں میں اب بھی دیکھا جاسکتا ہے (اوران کی بنا مخصوص شرائط کے ساتھ جائز بھی ہے) تواذان جمعہ کے لیے یہی مئذنہ ہوئے اور

---

[1] المدخل فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

ایضاً انه علی المئذنة وان لم تکن فی الفناء۔

وثانیًا الحکم علی مطلق او عام بمفھوم مردد انما یقتضی ان لا یخلو شیئ من افراده عن کلا الوجھین اما کون کل فرد یجری فیه الوجھان فلا، وھذا ظاھر جدا۔ عبارۃ نسختی الفتح والعنایة۔ واما الاذان فعلی المئذنة فان لم یکن بیاء تحتیة ای الاذان علیھا ففی فناء المسجد[1]، وعدم کونه علیھا یشمل الترك والکف فیدخل فیه کل اذان، وکذا علی نسخة تکن بتاء فوقانیة والضمیر للمنارۃ فان المراد الکون الشرعی والوجود حسیاً غیر الوجود للشیئ شرعاً وعلی التنزل فزیادتھا لفظة قالوا قطعت ھذا الحکم عن سنن السابق و ذلك لان لا یوذن بمعنی لا یفعل الاذان وھو بعمومه

ان پر اذان، اذان علی المئذنہ نہ ہوئی تو اس حکم میں کہ مئذنہ پر اذان نہ ہو تو صحن مسجد میں ہو اذان جمعہ بھی داخل رہی۔

ثانیًا: (یہ جملہ اذان مئذنہ پر ہونی چاہیے نہ ہو تو صحن مسجد میں دی جائے) مطلق یا عام (اذان) کے لیے ایک حکم مردد ہے اور ایسے تردیدی حکم کا یہ تقاضا نہیں ہوتا کہ مطلق یا عام کا ہر ہر فرد حکم کے دونوں پہلوؤں سے متصف ہو بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کو کوئی فرد بھی حکم کے دونوں پہلوؤں سے یکسر خالی نہ ہو کوئی فرد حکم کے ایک پہلو سے متصف ہو اور کوئی دوسرے پہلو سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اس تشریح کی رو سے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اذان خواہ پنجوقتہ ہو یا اذان خطبہ سب کو مئذنہ پر ہونا چاہیے (لائق اذان) مئذنہ ہی نہ ہو یا اس پر اذان نہ ہو سکی تو صحن مسجد میں ہو پس مذکورہ بالا حکم اذان جمعہ کو بھی شامل ہوا)

(اعتراض) فتح القدیر اور غایۃ البیان کی مذکورہ بالا عبارت کا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حکم صرف نماز پنجوقتہ کے ساتھ ہی خاص ہو کہ مئذنہ کی ضرورت اسی کے لیے ہے۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۵

کان یشمل کل اذان لکن ھذا التنزل الاخیر لما کان الکلام فی مابین العبار تین فی اذان المنائر خاصۃ فلولم یاتیابقالوا لاشمل الظرف الحکم الی العھد ومقصودھمارحمھما اللہ تعالٰی مع الاستبدال بہ علی المسألۃ الخاصۃ افادۃ الحکم العام فزادا قالوا فصار حکمامنقولاولا عھد فی المنقول عنہ فلم یسر الیہ عھد سیاقہ وبقی علی محوضۃ اطلاقہ و لعمری لا یو قف علی اشارا تھم الابتو فیق من برکا تھم واللہ الموفق لارب سواہ۔

اذان جمعہ تو عدم محاذات کی وجہ سے متعارف مئذنوں پر منع ہے)

(جواب) ان دونوں کتابوں کی اصل عبارت یہ ہے :اما الاذن فعلی المئذنۃ وان لم یکن (ایک نسخہ) وان لم تکن (دوسرا نسخہ) ففی فناء المسجد، پہلے نسخہ کی تقدیر پر ترجمہ یہ ہوا" اگر مئذنہ پر اذان نہ ہوئی "اذان نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں : اول اذان کا مئذنہ پر ہونا تو ممکن تھا مگر مؤذن نے سستی وغیرہ کی وجہ سے اذان مئذنہ پر نہ دی یا عدم اذان علی المئذنہ بوجہ ترک مؤذن ہے اور دوسری صورت یہ کہ مؤذن مئذنہ پر اذان دینا چاہتا تھا لیکن وہ مئذنہ پر اذان اس لیے نہ دے سکا کہ شریعت نے اسے روک دیا کہ یہ مئذنہ خطیب کی محاذاۃ میں نہیں اس لیے اس پر اذان منع ہے یہ عدم اذان موذن کو اذان سے کف و منع کی وجہ سے ہے ان میں پہلی صورت اذان پنجوقتہ میں ہے اور دوسری جمعہ کی اذانوں میں اور عدم اذان کی ان دونوں صورتوں کے لیے حکم یہی ہے اذان صحن مسجد میں ہو تو جمعہ کی اذان کو بھی یہ حکم شامل ہوا اور دوسرے نسخہ کی رو سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر مئذنہ نہ ہو تو اذان صحن مسجد میں ہوگی مئذنہ نہ ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں عدم حسی اور عدم شرعی، مسجد میں سرے سے کوئی مئذنہ ہی نہ ہو یہ عدم حسی ہے اور مئذنہ تو ہو مگر خطیب کی محاذات کی وجہ سے خطبہ کی اذان کے لیے شرعًا معدوم ہیں تو حکم مذکور اذان جمعہ کے لیے بھی ہوا کہ صحن مسجد میں ہو تو بہر تقدیر اس حکم سے خطبہ کی اذان خارج نہ ہوئی، وللہ الحمد ،اور کسی کو ضد ہی ہو کہ اس حکم میں جمعہ کے خطبہ کی اذان شامل نہیں تو بر سبیل تنزل گزارش ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کا بھی خیال رکھا ہے چنانچہ اپنی اسی عبارت میں مذکورہ بالا ٹکڑے کے بعد اسلوب بدل کر لفظ قالوا کے اضافہ کے ساتھ ایک عام اور تام حکم دیا۔فرماتے ہیں :قالوا لا یوذن فی المسجد فقہاء کا قول ہے کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی اور یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ لایوذن فی المسجد کا حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام اذانوں کو شامل ہے لیکن بطور تنزل جب ہم نے سابقہ

	جملہ کو پنج وقتہ اذان کے لیے مخصوص مان لیا۔ تو یہ حضرات اگر عبارت کا اسلوب بدلے اور لفظ قالوا کا اضافہ کئے بغیر لایؤذن فی المسجد کہہ دیتے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ حکم بھی اسی معہود اذان (پنجوقتہ) کے لیے ہے جس کا ذکر جملہ سابقہ میں ہے لیکن جب عبارت کا سیاق بدل گیا اور قالوا کے اضافہ نے اسے ایک علیحدہ جملہ کر دیا تو وہ وہم بالکلیہ ختم ہوگیا اور یہ امر بالکل واضح ہوگیا کہ یہ ایک علیحدہ حکم جملہ اذانوں کے لیے مطلق اور عام ہے جس میں خطبہ کی اذان بھی شامل ہے۔ بزرگوں کے کلام میں ان دقائق کی طرف رہنمائی صرف توفیق الٰہی کا کرشمہ ہے اللہ تعالٰی اس کے علاوہ آداب کی بھی توفیق بخشے۔ آمین!
نفحہ ۳: بتوفیقہ تعالٰی ظہرت فائدۃ لفظۃ "قالوا" فی ھاتین العبارتین ولیست فی غیرھما ولیس کلما قالوا "قالوا" ارادوا تبرأ۔ اوافادۃ خلاف کما یشھد بہ التتبع ولا ھو ^{عـــہ} مصطلح کل احد بل قال السید العلامۃ فی حاشیہ الدر المختار۔۔۔[1]۔	**نفحہ ۳**: اللہ تعالٰی کی توفیق سے ان دونوں اماموں کی عبارت میں لفظ قالو انہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جب لفظ قالوا کہیں تو ماسبق سے تبری اور افادہ خلاف کا ہی فائدہ مراد لیں نہ یہ سب کی تسلیم شدہ اصطلاح ہے جیسا کہ کلام علماء کے تتبع وتلاش سے ظاہر ہوا۔
وفی رد المحتار فی مسئلۃ مس المحدث کتب الاحادیث والفقہ قال فی الخلاصۃ یکرہ عندھما والاصح انہ لایکرہ عندہ ومشی فی الفتح علی الکراھۃ فقال قالوا یکرہ مس کتب التفسیر والفقہ والسنن لانہا لاتخلو عن	ردالمحتار میں بے وضو آدمی کے حدیث وفقہ کی کتابوں کے چھونے کے بارے میں فرمایا "خلاصہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک چھونا مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک چھونا مکروہ نہیں ہے اور فتح القدیر میں اس کی کراہت کا حکم فرمایا اور کہا کہ لوگوں نے کہا کہ مکروہ ہے بے وضو کا تفسیر فقہ اور سنت کی

عـــہ: ومن نسب فی مسئلتنا ھذہ زیادۃ لفظۃ "قالوا" الی الامام فقیہ النفس قاضی خاں فقد کذب وافتری کما تری منہ حفظہ ربہ۔

اور جس نے اس مسئلہ میں لفظ قالوا کی زیادتی کی نسبت امام قاضیخاں کی طرف کی غلط کیا جیسا کہ ان کی عبارت سے پتہ چلا۔ منہ حفظہ ربہ۔

[1] یہاں اعلیحضرت نے غالباً طحطاوی کی بھی کوئی عبارت نقل کی تھی جو پڑھی نہ گئی عبدالمنان۔

اٰیات القران و هذا التعلیل یمنع من شروح النحو [1] اهفجعله مشیاعلیه۔

وفی نهر الفائق فی مسئلة ما اذا زوج البالغة غیر کفؤ فبلغها فسکتت لایکون رضا عندهما وقیل فی قول الامام یکون رضا ان المزوج ابا اوجدا اجزم فی الدرایة بالاول بلفظ قالوا [2].اهـ

فجعله جزمابه کذا ههنا جزم الامامین بوجهین: الاول مقصودهما ههنا تعلیل القول المعتمد وهو قول الامام ان لا فصل بین اذان المغرب واقامته بجلسة،راجع الهدایة وانظر الی قولهما یفید کذاوهو کذلك شرعافهمابصدد اثباته وتحقیقه لا التبری عنه وتزئیقه۔

والاخر مانقلنامنهمامن قولهما الآخر حیث اولا فیه کلام الکافی۔وجزمابکراهته داخل المسجد فوضح الحق

کتابوں کو چھونا تو اس عبارت میں لفظ قالوا کہہ کر سابقہ حکم کی تائید ہی کی"

نہرالفائق میں ایک مسئلہ بیان کیا" بالغہ کی شادی غیر کفو میں کردی گئی اسے خبر ہوئی تو چپ رہی۔یہ خموشی صاحبین کے نزدیک رضامندی نہیں۔اور امام صاحب کے قول پر رضا مندی ہے بشرطیکہ شادی باپ دادانے کی ہو درایہ میں اول کو لفظ قالوا سے بیان کیا ہے۔"

اسی طرح ان دونوں اماموں نے یہاں دونوں ہی طرح اثبات مدعا کیا ہے کہ پہلے قول میں وہ امام کے قول معتمد کی علت بیان کرنا چاہتے ہیں (مغرب میں اذان اور اقامت کے بیچ میں جلسہ سے فصل جائز نہیں) اور قالوا لا یوذن فی المسجد سے اسکی تائید کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کی مخالفت اور تبری کے درپے رہیں (تصدیق کے لیے ہدایہ کا یہ مقام اور اس کی وضاحت میں ان دونوں اماموں کا قول یفید کذاو ھم کذلک شرعا دیکھا جائے)

اور دوسرے قول میں کافی کے قول ھو ذکراللہ تعالٰی فی المسجد کی تاویل میں فرمایا ای فی حدودہ اور بغیر قالوا کے یہ جزم فرمایا کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے تو یہاں

---

[1] ردالمحتار کتاب الطهارة داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱۸

[2] النهر الفائق کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۳

وللہ الحمد۔ **نفحہ ۴**: لیس بخاف علی کل من لہ حظ من علم او عقل علی ان الاستدلال علی الخاص بالعام صحیح نجیح تام وقد فعلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ تلا اٰیۃ "فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝" [1] الایۃ۔ والصحابۃ بعدہ والائمۃ ولو کلفنا اثبات کل خاص بما یخصہ لبطلت الشرائع و ترك الانسان سدی، فان الشریعۃ لا تاتی الا باحکام عامۃ تشتمل الناس کافۃ فلولم یکن الاحتجاج بالعام یطلب کل واحد حکما اتی لہ بالخصوص فما اجھل الوھابیۃ العنود ومن تابعھم من جھلۃ الھنود اذ یقولون ایتونا للنھی فیہ ذکر اذان الخطبۃ خاصۃ ویدانیہ قول من یقول منھم ان الفقھاء انما ذکروا ھذا الحکم فی باب الاذان ومن لم یذکرہ فی باب الجمعۃ وقد مر کشف ھذہ الجھالۃ فی النفحۃ ۱۱ من	بے قالوا کے تبری اور اظہار خلاف کے لیے یہ جملہ ہوا تو حق واضح ہوا۔ اور حمد اللہ تعالٰی کے لیے ہی ثابت ہے۔ **نفحہ ۴**: یہ بات کسی علم و عقل والے سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عام سے خاص پر استدلال صحیح اور درست ہے خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آیت مبارکہ "فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝" (جس نے ذرہ بھر بھلائی کی اس کابدلہ پائے گا) میں برتا اور اپ کے بعد صحابہ و ائمہ اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اپنا دستور العمل بنایا اگر ہر خاص کے ثبوت کے لیے خاص اسی کے بارے میں آیت اور حدیث کو ضروری قرار دیا جائے تو شریعت معطل ہوجائے گی اور انسان بے مقصد بھٹکتا پھرے گا حالانکہ شریعت میں احکام تو عام ہی ہوتے ہیں کہ سب لوگ اس پر عمل کریں اگر نصوص عامہ سے استدلال صحیح نہ ہو تو ہر شخص مطالبہ کرے گا خاص میرے نام حکم لاو تو یہ جاہل وہابیہ اور مسئلہ اذان میں انکی اتباع کرنے والے سنی جہلا کس درجہ ناسمجھ ہیں جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم کو ممانعت اذان کی کوئی حدیث دکھاؤ جس سے خاص طور سے اذان خطبہ کا ذکر ہو۔ اسی کے قریب ان لوگوں کی یہ بات بھی ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دینے کا حکم اذان کے باب

[1] القرآن الکریم ۹۹ / ۷

النفحات الحدیثیة أتزعم الجھلة ان اذان الخطبة لیس له من الحکم اما ماذکر فی باب الجمعة من کونه بین یدی الخطیب مثلا کلابل یعتبر به سائرالاحکام المذکورة لمطلق الاذان فی باب الاذان فلولم یکفه البیان ثمه من این تاتی تلك الاحکام لھذا الاذان وھذا شیئ لایخفی حتی علی الصبیان ولکن الوھابیة واتباعھم قوم لایفقھون۔	میں ہے جمعہ کے باب میں نہیں اس لیے یہ حکم اذان جمعہ کے لیے نہیں ہوگا۔اس کا تفصیلی جواب تو نفحات حدیثیہ کے گیارہویں نفحہ میں گزرا اس نفحہ فقہیہ میں بھی مزید گزارش ہے کہ شاید یہ نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ اذان جمعہ کے ساتھ وہی احکام خاص ہیں جو باب جمعہ میں مذکور ہیں مثلا اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا ایسا ہرگز نہیں ہے وہ سارے ہی عمومی احکام جو اذان سے متعلق ہیں گو صرف باب اذان میں ہی ان کا ذکر کیوں نہ ہو سب کے سب اذان جمعہ پر بھی عائد ضرور ہوں گے تو اگر صرف باب اذان کا بیان ہی اذان جمعہ کے لیے کافی نہ ہو تو جمعہ کی اذان میں ان پر عملدرامد کی کیا سبیل ہو گی؟ یہ بات تو بچوں پر بھی واضح ہے مگر نادان وہابیہ نادانی سے باز نہیں آتے۔
ھذا ما کان طریق العلم رحمہ اللہ الامامین الاتقان والمحقق علی الاطلاق واجذل قربھما یوم الطلاق حیث داویا جھل ھولاء بوجه لم یبق لھم عذرًاولا حیلة و ذلك ان الامام صاحب الھدایة فی مسئلة ندب الطھارة لخطبة الجمعة قاسرھا علی الاذان و ذکر مایوھم ان الجامع کونھا شرط الصلوة و ھو ظاہرا لبطلان فالامامان الشارحان عدلامنه الی ماعین الامام النسفی	اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے خطبہ جمعہ باوضو مسنون فرمایا اور خطبہ کے مسئلہ کو اذان کے مسئلہ پر قیاس کیا کہ جیسے اذان کے لیے طہارت مسنون ایسے خطبہ کے لیے بھی اس سے یہ وہم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان علت جامعہ ان دونوں کا نماز کے لیے شرط ہونا ہے یہ بات غلط تھی اس لیے ان دونوں شارحوں نے مذکورہ بالا علت کو چھوڑ کر اس کی علت جامعہ کی طرف رجوع کیا جس کو امام نسفی نے

جامعاً فی الکافی و ھو کونھاذکراللّٰہ فی المسجد ای ذکراموقتاً کالاذان و کان یرد علیہ ان الاذان لیس ذکرا فی المسجدلکراھتہ فیہ فاولاہ بان المراد فی حدود المسجد فلوان اذان الخطبۃ کان یکون فی المسجدلما احتج الی التاویل اصلا فقیاس خطبۃ الجمعۃ علی اذان الخطبۃ بجامع کون کل منھماذکراموقتاً فی المسجد کان اذن صحیحاً قطعاً وای شیئ کان احق بقیاس الخطبۃ من اذانھا لکنھما اولا فارشدا بارشاد بین من الشمس ان اذان الخطبۃ ایضامکروہ فی المسجدوای نص انص ترید من ھذاوللّٰہ الحمد۔

اپنی کتاب کافی میں متعین طور سے ذکر کیا تھا کہ خطبہ جمعہ اوراس کی اذان کے درمیان علت مشترکہ ان کا ایساذکر ہونا ہے جو مسجد کے اندر ہوتا ہے اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہورہا تھا کہ اذان تو مسجد کے اندر ہونے والاذکر نہیں یہ تو مسجد کے اندر مکروہ ہے توان حضرات نے جواب دیا کہ تعلیل میں اذان کو ذکر مسجد کہنے کامطلب قلب مسجد نہیں حدود مسجد ہے اوراذان خطبہ اندرون مسجد نہ ہوتی ہو حدود مسجد میں تو ہوتی ہے اس اعتبار سے اس کو ذکر مسجد کہنا صحیح ہے تواذان خطبہ کے مسجد کے اندر مکروہ ہونے کی اس سے بڑی اور کون سی نص چاہیے۔

نفحہ ۵: لیست المسئلۃ من النوازل ولا عزوھا الی احد من المشائخ بل ارسلوھا ارسالاوالذاکرون لھا اولئك الائمۃ الاجلاء وامثالھم کالامام قاضی خان ونظرائہ اذا ارسلوادل علی انہ المذھب لماعرف من عادتھم عزوتخریجات المشائخ الی المشائخ قال فی الغنیۃ ذوی الاحکام فی مسئلۃ النعاس صرح بہ قاضی خان من غیراسنادہ لاحد فاقتضی کونہ المذھب [1] اھ فالتشکیك فیہ بانہ غیرمعزور

نفحہ ۵: یہ مسئلہ کتب نوازل کانہیں ہے نہ اسے مشائخ میں سے کسی کی طرف منسوب کیا گیا ہے راوی وہی ائمہ اعلام ہیں جیسے امام قاضی خاں اوران کے ہم مرتبہ حضرات ائمہ اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب کسی مسئلہ کو مرسل روایت کرتے ہیں تو یہ مسائل مذہب میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان مشائخ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب مشائخ میں سے کسی کی تخریج روایت کرتے ہیں تو مسئلہ کے ساتھ ان کانام ضرور لیتے ہیں چنانچہ غنیۃ ذوالاحکام میں ہے اونگھنے کے مسئلہ کی تصریح امام قاضی خاں نے فرمائی اور یہ مسئلہ جب کسی کی طرف منسوب نہیں ہے

[1] غنیۃ ذوی الاحکام علی ھامش الدررالحکام کتاب الطھارۃ بیان نواقض الوضو میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵

الی سیدنا الامام الاعظم ولیس حاصله الا شیئان رفع الامان عن عامة مسائل الشرح والفتاوی الغیر المعزیة الی احدوابطال سائر ما فیه من المعزیات الی مشائخ المذاهب لان الاول اذا لم یقبل لعدم العلم لکونه عن الامام فالا خراحدی بالرد للعلم بعدم کونه عن الامام وانت تعلم ان فیه ابطال ثلثی مسائل المذهب او ثلثة ارباعها وانما کان علینا اتباع مارجحوه وصححوه کما قالوا افتونا فی حیاتهم فکیف بما اتوابه جازمین به من دون اشعار بخلاف فیه والله الموفق۔

نفحه ۶: اذلم یات لهم تخصیص حاولوا ان یخرجوا اذان الخطبة من جنس کی یخرج بنفسه مما یشمل شیئ من احکام الاذان من دون حاجة الی تخصیص وذلك ان الاذان اعلام الغائبین والاقامة

تواس بات کی علامت ہے کہ یہ مذہب ہے تو مسئلہ دائرہ میں یہ شک پیدا کرنا کہ یہ خاص طور سے امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں اس لیے قابل قبول نہیں اس کا مقصد دو باتیں ہیں عام مسائل شرعیہ و فتاوی جن کی نسبت کسی کی طرف نہ ہوان سے امام کی نسبت مرتفع ہو جائے اور بقیہ مسائل جو کسی شیخ یا امام کی نسبت مسائل امام کی طرف منسوب ہوں ان کا ردوابطال ہو کہ جب غیر منسوب مسائل امام کی طرف منسوب نہ ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوئے تو یہ مسائل جو بالتصریح غیر کی طرف منسوب ہیں ان کے ردوابطال میں کون سا تردد کہ ان کے بارے میں تو یہ بالیقین معلوم ہے کہ یہ مسائل امام سے مروی نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب کے دو ثلث یا تین ربع مسائل اکارت ہو جائیں گے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ مشائخ نے جن مسائل کی تصحیح یا ترجیح فرمائی ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے فتاوے مقبول اور معمول بہا تھے توان مسائل سے کیوں روگردانی جائز ہوگی، جن کو ان بزرگوں نے یقین کے ساتھ کسی اختلاف کا اشارہ کئے بغیر روایت کیا اللہ تعالٰی توفیق عطا فرمائے۔

نفحہ ۶: جب نصوص کی تخصیص ان کے بس سے باہر ہوئی تو سوچا کہ اذان خطبہ کو ہی اذان کی جنس سے خارج کردیں تاکہ یہ خود اذان کی جنس سے خارج ہو جائے اور ہم تخصیص کی زحمت سے نجات پا جائیں تو وہ کہنے لگے کہ اذان تو غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے اور اقامت مسجد میں موجود مصلیوں کو اطلاع ہے جیسا کہ ائمہ

اعلام الحاضرین کمانص علیه الائمة منهم الامام العینی فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری و فی الهدایة الاذان استحضار الغائبین [1]۔فجعلوا اذان الخطبة اعلاما لحاضرین لانداء للغائبین کی لا یکون اذانا وان کان بکلمات الاذان کالاذان فی اذن المولود والمهموم و خلف المسافر ولدفع الغیلان و عند الاقبار لتذکیرالجواب و طرد الشیطان وامثال ذلك حیث لا یقصد به نداء الخاص الی مشی او اعلامالهم بدخول الوقت اصلابل التبرك واستدفاء البلابتلك الکلمات الکریمة۔

ثم اضطربوا فاجهلهم یقول لم یکن ؏ اذانا من لدن رسول الله صلی الله تعالٰی وسلم واذاقیل له افکان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصلی الجمعة من دون اذان قال لیس فیه. انما

نے اس کی تصریح کی ہے۔علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے اور صاحب ہدایہ نے فرمایا "اذان غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے" پس یہ لوگ اذان خطبہ کو حاضر مصلیوں کی اطلاع مانتے ہیں غائبین کا بلاوا تسلیم نہیں کرتے اوراذان خطبہ اذان کے الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی اذان نہیں جیسے وہ اذان جو نومولود کے کان میں کہی جاتی ہے غمزدہ انسان کے لیے یامسافر کے پیچھے اور غول بیابانی کا اثر دور کرنے کے لے دی جاتی ہے اور دفن میت کے وقت منکر ونکیر کا جواب یاد دلانے کے لیے پکاری جاتی ہے جن کا مقصد حاضری مسجد یا دخول وقت کا اعلان نہیں ہوتا بلکہ مبارک کلمات سے تبرک یا بلا کا اندفاع ہوتا ہے۔

اس کے بعد ان کی باتوں میں اختلاف پیدا ہوگیاایک جاہل کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی اورجب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز جمعہ بے اذان کے ہی پڑھتے تھے تو کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

؏: یہاں ایک بہت طویل حاشیہ ہے جو حل نہ ہو سکا۔عبدالمنان۔

---

[1] الهدایة کتاب الصلوة باب الاذان المکتبه العربیه کراچی ۱/ ۷۴

کان یصلی الصلوۃ کلھا بمکۃ بدون اذان ولا یدری ھذا المسکین ان ھذا انکار للاجماع و تصریح القران فقد اجمعوا انہ لم یکن من عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للجمعۃ الا ھذا الاذان واللہ تعالٰی یقول "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ"[1] انما الامر بالسعی للغائبین دون الحاضرین لاستحالۃ تحصیل الحاصل واللہ تعالٰی یقول "وَ ذَرُوا الْبَیْعَ"[2] وانما البیع والشراء کان فی الاسواق لا فی المسجد فدل النص ان اذان الخطبۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی کان نداء للغائبین الی الصلوۃ ھذا ھوالاذان المصطلح شرعی و صلوۃ مکۃ کانت قبل نزول الاذان فقیاس الجمعۃ علیھا جھل لا یقاس ولا یمان و غیرہ یقول نعم کان الاذان علی عھد رسول اللہ وصاحبیہ صلی اللہ علیہ و علیھما وسلم فلما احدث ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہ الاذان الاول کان ھوالاذان و بقی ھذا اعلاما للحاضرین و علیہ فرع مفرع منھم انہ لما کان فی الزمن

تو مکہ میں ساری نمازیں بغیر اذان کے ہی پڑھتے تھے اس مسکین کو یہ معلوم نہیں کہ یہ اجماع امت و تصریح قرآن کا انکار ہے، کیونکہ سب کا اس پر اجماع "کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں خطبہ کے علاوہ کوئی اذان نہ تھی" اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ تعالٰی کے ذکر کے لیے دوڑ پڑو" یہ مسجد کی طرف سعی کا حکم غائبین کے لیے ہی تو ہے یہ بھی فرمایا کہ بیع وشراء چھوڑ دو بیع وشراء تو بازار میں ہوتی ہے مسجد میں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ مسجد میں موجود نہ رہنے والوں کو نماز کے لیے بلانے کے لیے ہی ہوتی تھی اور یہی اذان شرعی واصطلاحی ہے اور مکہ کی نماز نزول اذان سے قبل ہوئی تو کوئی مومن اس پر نماز جمعہ کو قیاس نہیں کر سکتا اور دوسرے مخالف کا کہنا یہ ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں یہی اذان خطبہ تھی لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں جب انھوں نے اذان اول ایجاد کی تو یہ اذان حاضرین کا اعلان ہو گئی، تو جب پہلے زمانہ میں یہ اعلان تھی تو باب مسجد پر ہونا ہی مناسب تھا اور عہد عثمان غنی میں جب یہ حاضرین کو خطبہ کے لیے

[1] القران الکریم ۶۲/ ۹

[2] القران الکریم ۶۲/ ۹

الاول للاعلام ناسب باب المسجد وفی زمن عثمن رضی اللہ تعالٰی عنه صار للانصات فناسب داخل المسجدلدی المنبر۔

اقول: و ھذا ایضامن ابین الاباطیل و خلاف اجماع ائمتنا الکرام فاولاقد اجمعوا للجمعة اذانین و ثانیا یعاد اذان الجنب لا اقامته علی المذھب و عللوہ بان تکرار الاذان مشروع دون الاقامة کمافی الھدایہ[1] واستشھدوا علیه باذان الجمعة قال فی الکافی والتبیین والعنایة والدرالمختار و غیرھا فان تکرار الاذان مشروع فی الجملة کمافی الجمعة[2] الی ھنامتفقون ثم قال فی الکافی فاما تکرار الاقامة فغیر مشروع اصلا[3] و فی التبیین دون الاقامة[4] وفی العنایة بخلاف الاقامة[5]

خاموش کرنے کے واسطے ہے تواس کامسجد کے اندر منبر کے قریب ہونامناسب ہوا

میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے کہ یہ بھی ہمارے علما کرام کے اجماع کے خلاف ہے۔(۱) سارے ائمہ کااس بات پراجماع ہے کہ جمعہ کے لئے دواذانیں ہیں۔(۲) جنبی کی اذان دہرائی جائیگی اقامت نہیں دہرائی جائے گی۔دلیل یہ دی گئی کہ اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں۔ہدایہ میں اس کی تصریح ہے،اور تکراراذان کے جواز کے ثبوت میں اذان جمعہ کو ہی پیش کیاگیاہے۔چناچہ کافی، تبیین،عنایہ اوردرمختار میں ہے":اذان کی تکرارفی الجملہ مشروع ہے۔" یہاں تک کہ پانچوں کتابوں کی عبارت میں اتفاق ہے،آگے کافی میں فرماتے ہیں؛"اقامت کی تکرار تو بالکل جائز نہیں"۔ تبیین میں صرف یہ ہے؛"اقامت کا یہ حکم نہیں۔"عنایہ میں ہے: "بخلاف اقامت

---

[1] الھدیۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۴۷

[2] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰،تبیین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الاذان دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۹

[3] البحرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان تحت قول المصنف و کرہ اذان الجنب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۳

[4] تبین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الاذان دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۹

[5] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰

ونظم الدر لمشروعیة تکرارہ فی الجمعة دون تکرارھا[1]. اھ فلولم یکن الثانی اذانا مثل الاول فاین التکرار۔ وثالثا صریح نص البحر فی البحر لان تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعة لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض بخلاف تکرار الاقامة اذھو غیر مشروع[2]. اھ ورابعا لم تغیر الاذان عما کان علیہ بحدوث الاول لان الاعلام حصل بالاول فلا یحصل بالثانی فانسلخ ضرورۃ عن الاذانیة وکونہ اعلاما للغائبین ام لان امیر المومنین عثمٰن ھو الذی قطعہ عما کان الاول باطل اجماعا فما التثویب الا اعلام بعد الاعلام وکرہ المتقدمون واستحسنہ المتاخرون فکان ھذا اجماعا منھم علی ان الاعلام مما یقبل

کے۔" اور در مختار کی عبارت یوں ہے: "اذان کی تکرار جمعہ میں مشروع ہے نہ کہ اقامت کی تکرار۔" پس اذان ثانی اگر اذان اول کی طرح ہی اذان نہ ہو تو اس کی تکرار کس طرح ہوگی۔ (۳) علامہ بحر نے اپنی کتاب بحر الرائق میں صریح عبارت ارشاد فرمائی: "اس لئے کہ اذان کی تکرار شرعا جائز ہے، جیسے جمعہ کی اذان کہ بار بار ہوتی ہے اس لئے کہ وہ غائبین کے اعلان کے لئے ہوتی ہے۔ تو اس کے بار بار کرنے میں فائدہ ہے کہ کسی نے پہلے نہ سنا ہو تو اب سن لے گا، البتہ اقامت کی تکرار جائز نہیں۔" (۴) اذان خطبہ کے اذان ہو کر اذان نہ ہونے کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد کردہ اذان سے اعلام غائبین کی ضرورت پوری ہو گئی تو اب اذان خطبہ کی ضرورت نہیں رہی، تو یہ اذان نہ رہی۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے پہلی اذان ایجاد فرما کر یہ کہا کہ اب اذان خطبہ اذان نہ رہی بلکہ اس سے اطلاع حاضرین کا کام لیا جائے گا۔ پہلی بات تو باطل ہے کہ تثویب بھی تو اعلام بعد الاعلام یہ ہے جسے متقدمین نے مکروہ کہا اور متاخرین نے مستحسن گردانا۔ تو متاخرین اور متقدمین دونوں نے مل کر یہ طے کر دیا اعلام

---

[1] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب الاذان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

[2] بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳

التکرار اذلو استحال لاستحال ان یکون مکروھا او حسنا وایضا کفی للرد علیہ کلام البحر، والثانی اشد واشنع واشر واخنع ان یکون امیرالمومنین بدل وحرف سنۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاشاہ من ذلك نعم للخلفاء الراشدین ان یضیفوا سنۃ کما اضاف الاذان الاول یوم الجمعۃ وتبعہ علیہ المسلمون فی عامۃ البلاد واما ان یغیر واسنتہ فکلا، واجارھم اللہ تعالٰی عن ذلك الاتری الی ماقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ستۃ لعنتھم ولعنھم اللہ وکل نبی مجاب وذکر منھم التارك بسنتی رواہ الترمذی[1] عن ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا والحاکم عنہا وعن امیرالمومنین علی رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمرو بن سعواء رضی اللہ تعالٰی عنہم بلفظ سبعۃ لعنتھم	تکرار کا امکان رکھتا ہے۔ اگر محال ہوتا تو نہ مستحسن ہوسکتا نہ مکروہ۔ پھر اس کے رد کے لئے صاحب بحرالرائق کا کلام ہی کافی ہے۔ دوسری بات باطل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بری اور گندی بھی ہے کہ امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سید کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت بدل ڈالی۔ پناہ بخدا خلفائے راشدین اس سے بری ہیں وہ آپ کی سنتوں میں اضافہ کرسکتے ہیں اس میں تغیر و تبدل نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ آپ نے جمعہ کے دن اذان کی سنت میں ایک اذان کا اضافہ کیا۔ جمیع اہل اسلام نے تمام شہروں میں اس کی اتباع کی۔ آپ کی سنت بدلنے سے اللہ تعالٰی انہیں محفوظ رکھا۔ تم نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا، آپ فرماتے ہیں: "چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی، اور اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی اور ہر نبی مجاب الدعوات نے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک سنت بدلنے والا ہے۔" اس حدیث کو ترمذی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، حاکم نے ام المومنین اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور طبرانی نے کبیر میں عمرو بن سعواء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بلفظ سبعۃ لعنتھم

[1] سنن الترمذی کتاب القدر حدیث ۲۱۶۱ دارالفکر بیروت ۴/ ۶۱، المستدرك للحاکم کتاب الایمان ستۃ لعنتھم الخ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۶، المستدرك للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشی دارالفکر بیروت ۲/ ۵۲۵

وکل نبی مجاب[1] والعجب ممن یقول ان عدم اعتبار تغییر عثمٰن ضلالة بتعلیمه ولا یدری المسکین ان نسبة تغییر السنة الی عثمٰن ھو الضلال البعید، ھذا وجه و کفی به وجھا وجیھا الثانی حیث یسوغ الاعلام مکررا فمن ذا الذی اخبرکم ان عثمٰن قطعه عنه أأقرانی قطعته ام امر الموذن ان لا یتوبه او امره ان یخففه او یخفیه ام تقولون علی عثمان ما لا تعلمون ولا تعلمون انکم مسؤلون قال تعالٰی: "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝۳۶"[2] الثالث حصول الاعلام کان لازم الاذان ان کان علی وجه المعھود علی عهد الرسالة فلا ینقطع عنه الا باحداث فیه یقعده عن الاعلام السالف و کیف یظن ھذا بعثمٰن	وکل نبی مجاب روایت فرمایا، پس ان لوگوں کی کیسی بوالعجبی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کا انکار کرنیوالوں کے فعل کو ضلالت شنیعہ بتاتے ہیں۔ اور خود ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کرنا بہت بڑی گمراہی ہے اور اس کے مردود ہونے کی سب سے بڑی وجہ خود وہی ہے۔ دوسری بات کا یہ جواب بھی ہے کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان خطبہ کی اذانیت کو ختم کردیا۔ کیا انھوں نے خود اس کا اقرار کیا یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ وہ اذان کی طرف رجوع نہ کرے یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ اس اذان میں تخفیف کرے یا اس کو پست آواز سے کہے، یا آپ لوگ امیر المومنین پر بے جانے بوجھے افتراء کررہے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔ اللہ تعالٰی تو فرماتا ہے: اس پر کان بھی نہ دھرو جس کا علم نہیں، بے شک کان، آنکھ، دل سب سے پوچھا جائے گا۔ "اس پر یوں بھی غور کرنا چاہئے کہ عہد رسالت کی اذان خطبہ اگر حسب سابق اعلان کا فائدہ دے رہی تھی تو اس کو اذانیت سے نکالنے کے لئے اس میں کچھ ایسا تصرف ناروا ضروری تھا کہ اس سے اعلام

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۷/ ۴۳

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

فان فيه تقليل الفائدة الشرعية وذلك انه رضی الله تعالٰی عنه احدث الاذان الاول لما کثر الناس فماذا کان يغيره هذا الثانی ان بقی علی ماکان عليه فی عهد الرسالة والخلافتين کی يسمعه من لم يسمع الاول کما تقدم عن البحر فالذی يزعم ان عثمن احدث فيه ماقطعه من کونه اعلاما يقول بملاء فيه ان عثمن غير السنة ونقص الفائدة ونقض المصلحة فکان معاذ الله محض محادة للسنة ومضادة وان عدينا عنه، فادنی احواله ان لافائدة فيه فيکون عبثا فی الدين والعبث کما فی الهداية[1] حرام ويکون لغوا "وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۟"[2]

نفحه ۷: تحرر ماتقرر ان بحث بقائه بعد لخصوص الانصات غير محرر بل وقع مصادما للنص ولحرمة الصحابة والاجماع ائمتنا ونصوص فقهائنا فکيف يعرج عليه، بل کيف يحل ان يلتفت اليه

کا فائدہ ختم ہو جائے۔اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں کسی ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تو دانستہ فائدہ شرعیہ کو ختم کرنا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تو دور دراز تک پھیلے ہوئے لوگوں کی اطلاع کے لئے اذان اول کا اضافہ فرمایا تھا، تو اذان ثانی کو عہد رسالت اور عہد صاحبین کی طرح اعلام غائبین کے لئے باقی رکھنے میں کہ جن لوگوں نے پہلا اعلان نہ سنا ہو یہ دوسرا اعلان سن کر تو مسجد میں ضرور اجائیں گے کیا حرج تھا کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ دوسری اذان کی اذانیت کو ختم کردیتے، تو اس کی اذانیت کے ختم کرنے کی نسبت حضرت ذوالنورین کی طرف کرنا ان پر الزام لگانا ہے کہ انھوں نے سنت بدلی، فائدہ شرعیہ گھٹایا۔اور دینی مصلحت توڑی۔ ورنہ اتنا تو ہے کہ ایک بے فائدہ کام کیا۔اور ہدایہ میں ہے کہ العبث حرام ہے، ایک لغو فعل ہوا، اور قرآن عظیم ان کے اوصاف بیان کرتا ہے، وہ لغو سے پرہیز کرتے ہیں۔

نفحہ ۷: ہماری گزشتہ بحثوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اذان ثانی کو اب صرف مقتدیوں کو خطبہ کے لیے خموش کرانے کی غرض سے باقی رکھنا صحیح نہیں بلکہ یہ نص، حرمت صحابہ اور ہمارے ائمہ کے اجماع اور نصوص فقہاء کے خلاف و مصادم ہے تو اب یہ بات نہ ماننے کے قابل ہے نہ لائق التفات،

[1] الهداية کتاب الصلوۃ فصل ویکرہ للمصلی المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۳

ولکن الر زیة من ترك نصوص مذهبه و تشبث بذلك البحث وتحمل كل مامر ثم زاد فی الشطرنج بغلة و هو ذلك تفريع الباطل انه اذن ناسب داخل المسجدلدى المنبر ولم ذاك مع ان اهل المسجد الصيفی احوج الى هذا الاعلام من اهل الشتوى فانهم يرون الامام باعينهم فينصتون والقياس على الاقامة جهل فان بالاقامة تترتب الصفوف من الاول فالاول قال صلى الله تعالٰى عليه وسلم اتموا الصف المقدم ثم الذى يليه فما كان من نقص فليكن فی الصف المؤخر رواه احمد[1] فی المسندو النسائی وابن حبان و خزيمة والضياء كلهم فی صحاحهم بسند صحيح عن انس رضی الله تعالٰى عنه ولعمرى ان هذه ايضاكادت ان تكون سنة مهجورة والله المستعان فناسب كون الاقامة فی الصف الاول بخلاف الاعلام بجلوس الامام فان اهل الخارج احوج اليه كماترى۔	لیکن تباہی تو یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے مذہب کی نصوص چھوڑ کر مذکورہ بالا غیر مفید بحثوں کا سہارا لیا اور بے مقصد زحمتیں برداشت کیں پھر بے تکی حرکت یہ کی کہ اس پر ایک تفریع باطل لگادی کہ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے بالکل متصل ہو حالانکہ اس اذان کی غرض اسکان سامعین مان بھی لی جائے تو اس اذان کے زیادہ ضرورتمند حصہ صیفی و بیرونی صحن کے لوگ ہیں اندرونی دالان کے لوگ تو امام کو منبر پر بیٹھا دیکھ کر خود ہی خموش ہو جائیں گے ضرورت تو باہری صحن میں اذان دینے کی ہے تاکہ جو لوگ امام کو نہیں دیکھتے مطلع ہو جائیں اس اذان کو اقامت پر قیاس کرنا جہالت ہے کیونکہ اس کا مطلب تو جماعت کے لیے صف لگانے کا ہے اور صف کے لیے پہلی صف سے درجہ بدرجہ صفیں مکمل کرنے کا حکم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا پہلے پہلی مکمل کرو پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد اور جو کمی ہو تو آخری صف میں ہو" اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند، امام نسائی، ضیامقدسی ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرمایا اب لوگوں نے سرکار کی اس سنت کو بھی ترک کر دیا ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ اقامت تو پہلی ہی صف میں ہونی چاہیے اور اذان خطبہ کے باہر والے زیادہ محتاج ہیں۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی الله تعالٰی عنه المكتب الاسلامی بيروت ۳/ ۱۳۲، سنن النسائی كتاب الامامة الصف المؤخر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۱، موارد الظمان باب ما جاء فی الصف للصلوۃ حدیث ۳۹۰ المكتبة السلفيه ص ۱۱۴

۸:عدۃ طلبة حاولوا نقض كلية الائمة "لا يؤذن فی المسجد" بالاقامة فانها ايضا يقال عليها" الاذان" كما فی حديث بين كل اذانين صلوة لمن شاء [1] مع انها فی المسجد وفاقا،وجهلوا ان اطلاق الاذان عليها تغليب او عموم مجاز،قال الامام العينی فی عمدة القاری المراد من الاذانين الاذان والاقامة بطريق التغليب كالعمرين والقمرين [2] وفی المواهب اللدنية عن امام الائمة ابن خزيمة قوله "اذانين" يريد الاذان والاقامة تغليبا [3] قال الزرقانی لانه شرعا غير الاقامة [4] وفی العينی ثم المواهب اولا شترا كهما فی الاعلام [5] قال الزرقانی	**نفحہ ۸:** کچھ طلبہ ائمہ دین کے اس کلیہ کو کہ کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے یہ کہہ کر توڑنا چاہتے ہیں کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے "ہر دو اذانوں کے بیچ میں اس کے لیے نماز ہے جو پڑھنا چاہے" حالانکہ اقامت کا مسجد کے اندر ہونا ہی ضروری ہے تو فقہاء کا یہ حکم کلی نہیں رہا،اور اقامت کی طرح اذان بھی مسجد میں دی جاسکتی ہے،ان بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیبا ہے یا بطور عموم مجاز امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں "اذانین سے مراد اذان واقامت ہے جیسا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو عمرین کہا جاتا ہے" اصطلاح بدیع میں اس کو تغلیب کہا جاتا ہے مواہب لدنیہ میں امام الائمہ ابن خزیمہ سے اذانین سے مراد اذان واقامت دونوں ہیں اور یہ تغلیب ہے۔زرقانی میں ہے "شریعت کے اذان اقامت سے الگ ہے" عینی اور مواہب میں تغلیب کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا "اقامت کو اذان اس لیے کہہ دیا کہ اعلان ہونے میں

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب مابین کل اذانین صلوۃ لمن شاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۷

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاذان باب مابین کل اذانین صلوۃ لمن شاء دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۰۷

[3] المواہب اللدنیۃ الباب الثانی صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۱

[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۰

[5] المواہب اللدنیۃ الباب الثانی صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۱،عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب الاذان دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۳۰۳

فلا تغلیب لان الاذن لغة الاعلام و فی الاقامة اعلام بدخول وقت الصلوۃ کالاذان فهو حقیقة اللغویة فی کل منهما[1] وما یقال فی تعلیل روایة مرجوحة مخالف للمذهب ان الاقامة احد الاذانین فهو کقولهم "القلم احد اللسانین"[2] ولذا فسره الامام النسفی بان کل واحد منهما ذکر معظم کما یفسر هذا بان کلا منهما یعرب عما فی الضمیر، الم تر ماقد منامن نصوص الهدایة والکافی والزیلعی، والاکمل، والدر، والبحر، ان تکرار الاذان مشروع ولا یشرع تکرار الاقامة الم تعلم مانصوا علیه فی الکتب المذکورة جمیعاو غیرها ان اذان الجنب یعاد، ولا تعاد اقامته[3] الم تسمع الی ما فی البحر عن الظهیریة لو جعل	دونوں شریک ہیں"۔زرقانی نے فرمایا"ان دونوں میں تغلیب نہیں اس لیے لغت کے اعتبار سے اعلان کے معنی میں ہے۔اور اقامت میں دخول وقت کا اعلان ہوتا ہے تو ان دونوں میں عام وخاص کا فرق ہے اور دونوں کے لیے اذان کا اطلاق لغوی ہی ہے۔"ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین"اقامت دواذانوں میں سے ایک ہے اس کو جواس تعلیل کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اہل زبان کا مقولہ ہے القلم احدی اللسانین قلم دوزبانوں میں سے ایک ہے اسی لیے امام نسفی نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اذان واقامت دونوں ہی ذکر معظم ہیں جیسا کہ القلم احدی اللسانین کی تفسیر کی جاتی ہے کہ دونوں ہی مافی الضمیر کو بیان کرتے ہیں ان دونوں میں مغایرت پر دلالت کرنے والی ہدایہ،کافی، زیلعی،اکمل،دراور بحر کی عبارتیں ہیں کہ "اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں"انہیں سب کتابوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ "جنبی کی اذان دہرائی جائے اور اقامت نہیں دہرائی جائے گی"۔بحرالرائق میں ظہیریہ سے ہے کہ "اگر اذان کو اقامت کی طرح ادا کیا

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة الباب الثانی کتاب الجمعة یوم الجمعة دار المعرفة بیروت ۷/ ۳۸۰

[2] فیض القدیر تحت الحدیث ۵۲۱۶ ضع القلم علی اذنك دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۳۳۶

[3] تبیین الحقائق باب الاذان ۱/ ۲۴۹ وبحر الرائق باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳، الهدایة باب الاذان ۱/ ۴۷ والعنایة علی ہامش فتح القدیر باب الاذان ۱/ ۲۲۰

الاذان اقامة یعید الاذان ولو جعل الاقامة اذانا لا یعیدلان تکرار الاذان مشروع دون الاقامة[1] وفیه عن المحیط لو جعل الاذن اقامة لا یستقبل ولو جعل الاقامة اذانا یستقبل[2] الخ۔ الی غیر ذلك من مسائل باینوا فیھابین الاذان والاقامة۔ وبالجملة الالزام باجراء احکام الاذان طرا فی الاقامة شیئ لا یتفوہ بہ من شم رائحة العلم، ولکن الجھل اذا ترکب فھوالداء العضال۔	تواذان دہرائی جائے اور اگراقامت کواذان کی طرح کہاتونہ دہرائی جائے کیونکہ تکراراذان مشروع ہے تکراراقامت کیا تو استقبال قبلہ ضروری نہیں اوراگراقامت کواذان قراردیا تو استقبال قبلہ کرے"اس کے علاوہ بھی کتنے مسائل ہیں جن میں اذان واقامت کافرق ہےان سب اشادات کاحاصل یہ ہوا کہ اذان کے جملہ احکام کے اقامت پر طریان کا دعوی کوئی سمجھدارادمی نہیں کرسکتاہاں جہل مرکب بڑی مشکل بیماری ہے۔
نفحہ ۹: اقول: وباﷲ التوفیق اعلم وفقنا اﷲ تعالٰی وایاك ان للمسجد اطلاقین احدھماموضع الصلوۃ من الارض الموقوفة لھاوھوالاصل وبھذا المعنی لا یدخل فیہ البناء فان البناء من الاوصاف کالاطراف فالباب والجدار خارج عن المسجد۔ وکذا الدکة والمنار والحیاض والابار وان کانت فی حدودہ بل فی جوفہ اذابنیت قبل تمام المسجدیة امابعدہ فلایجوز تغییر شیئ من الاوقاف عن ھیئتہ الابشرط الواقف	**نفحہ ۹:** اﷲ تعالٰی ہم کواورآپ کو سب کو علم کی توفیق بخشے مسجد کی دواطلاقات ہیں (ا) زمین کاوہ حصہ جو نماز کے لیے وقف کیا گیا ہو مسجد کے حقیقی معنی یہی ہیں اس اطلاق میں مسجد کی بنیادیں مسجد میں داخل نہیں کہ بنیادیں اوصاف کے حکم میں ہیں جیسے کہ اطراف و حدود پس مسجد کا دروازہ اور دیواریں مسجد سے خارج ہیں اسی طرح اذان کے چبوترے، مینار یں، حوض اور کنویں حدود مسجد یا جوف مسجد ہی میں کیوں نہ ہوں اگر تمام مسجدیت سے قبل بنائے گئے تومسجد سے خارج ہیں ہاں مسجد مکمل ہوجانے کے بعد اگران چیزوں کو مسجد میں بنایا تو یہ وقف کو بدلنا ہوا جو جائز نہیں۔ واقف نے وقف کی ضرورت

[1] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

لحاجۃ الوقف و مصلحتہ فکیف بالمسجد فی براتہ و حریتہ و تمنعہ من حق عبدوخیرتہ.فی وقف الدر من احکام المسجدلو بنی فوقہ بیتا لامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیۃ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد[1].اھ	کے لیے اس کی شرط لگائی ہو تواور بات ہے اور مسجد میں یہ ناممکن ہے کہ مسجد حقوق عبد سے بالکلیہ آزاد ہوتی ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف باب احکام المسجد میں ہے:"اگر مسجد کے اوپر امام مسجد کے لیے کمرہ بنایا تو حرج نہیں کہ یہ مصالح مسجد میں ہے لیکن مسجد مکمل ہوگئی تو مسجد کی چھت پر منع کیا جائیگا اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت پہلے ہی کمرہ بنانے کی تھی،اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔"تاتارخانیہ میں ہے" جب خود واقف کا یہ حال ہے تو دوسرے کا کیا۔ایسی تعمیر گو مسجد کی دیوار پر ہواس کو بھی ڈھادینا چاہیے"
والاخر الارض مع البناء وھوالاصل مع الوصف فالبنیان کالجداران والبنیان داخل بھذا المعنی فیہ و علی الاول قولہ تعالٰی" اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ"[2] اخرجہ الائمۃ احمدوالدارمی و الترمذی و حسنہ وابن ماجہ وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم،وصححہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذارأیتم الرجل یعتاد المسجد	(ب)اس اطلاق میں زمین مع بنیادوں کے مسجد ہے،تو دروازے اور دیواریں سب مسجد میں داخل ہیں اللہ تعالٰی کے فرمان انما یعمر مساجداللہ من اٰمن باللہ (مسجدیں اللہ تعالٰی پرایمان لانے والے تعمیر کرتے ہیں) میں یہی مراد ہے۔امام احمد،دارمی اور ترمذی نے اس کو تخریج کیا،اور ترمذی نے حسن کہا۔ابن ماجہ،ابن خزیمہ،ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی روایت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:"جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کی حاضری اس کی عادت بن چکی ہے تو

[1] الدرالمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] القرآن ۹/ ۱۸

فاشهدواله بالایمان [1] قال الله تعالٰی اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ [2] فعمارتها بالصلوة فيها لولم يكن ثم بناء كالمسجد الحرام فی زمن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فما كان الا ارضا حول الكعبة مخلاة للطواف۔ وعلى الاخر قوله عزوجل " لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ " [3]، فما الهدم الا للبناء۔ بل لاطلاق الثالث يشمل الفناء ولهذا جاز للمعتكف دخوله ولا يعد به الامعتكفا فی المسجد فی البدائع ثم رد المحتار لوصعد ای المعتكف المنارة لم يفسد بلا خلاف	اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے مسجد تو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ "مسجد کی آبادی تو نماز پڑھنے سے ہے اگرچہ وہاں کوئی مسجد کی عمارت نہ ہو۔ جیسا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد حرام کا حال تھا کہ وہ کعبہ کے گرد کی زمین تھی جو طواف کے لئے خالی چھوڑی ہوئی تھی۔ اور اس دوسرے معنٰی پر ہی اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے: لهدمت صوامع وبیع (توالبتہ یہود ونصارٰی) کے صوامع اور عبادت خانے ڈھادیئے جاتے اور بنی ہوئی عمارت ہی ڈھائی جاتی ہے۔ (ج) اور مسجد کا ایک تیسرا اطلاق بھی ہے اس اطلاق پر صحن کا حصہ بھی شامل ہوتا اسی لیے تو معتکف کو اس میں جانا جائز ہے اور اس کے بعد بھی وہ معتکف ہی رہتا ہے بدائع اور شامی میں ہے: معتکف ایسے منارہ پر چڑھ سکتا ہے جس کا دروازہ مسجد سے خارج

---

[1] جامع الترمذی ابواب الایمان باب ما جاء فی حرمة الصلوة امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۸، المستدرك للحاکم کتاب الصلوة دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۳، ۲۱۲، موارد الظمآن باب الجلوس فی المسجد للخیر حدیث ۳۱۰ المکتبة السلفیة ص۹۹، صحیح ابن خزیمه باب الشهادة بالایمان لعمار المسجد حدیث ۱۵۰۲ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۷۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

وانکان بابها خارج المسجدلانهامنه لانه یمنع فیهامن کل ما یمنع فیه من البول و نحو ہ فا شبه زاویة من زوا یا المسجد [1]۔وعن هذا تسمع النا س یقولو ن قد اذن فی المسجد اذا سمعوا الاذان من منارته مثلاوان کانت واقعة خارج المسجدو هذا محاورۃ سا ئغة شا ئعة عر باو عجما۔ولا یقول احد قوموا فقد اذن خارج المسجد،وعلی هذا نظا ئر قول ابن مسعو د رضی الله تعالٰی عنه ان من سنن الهدی الصلوۃ فی المسجد الذی یؤ ذن فیه روا ہ مسلم [2]۔ وقول الفقهاء کر ہ خر و ج من لم یصل من مسجد اذن فیه [3]۔اذا علمت هذا فا علم ان الاذان انما یکر ہ فی اصل المسجدلا فی وصفه ولا تبعه وان شئت قلت یکرہ فی المسجد بالمعنی الاول دون الثانیین ألا تر ی الی ماقد تلو نا علیك من نصوص الا ئمة کیف نهوا عن الاذان فی المسجد دون المئذنة و فنا ء ہ والحدود بمر ای منك حدیث الاذان علی باب

ہو کیونکہ وہ مسجد میں شمار ہوتا ہے اور وہاں پیشاب و پاخانہ منع ہے،تو وہ بھی مسجد کے ایک کونہ کی طرح ہوا"اسی لیے لوگ کسی مسجد کے منارہ سے ہونے والی اذان کو سن کر کہتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوگئی حالانکہ منارہ تو مسجد سے خارج بنا ہے اور چونکہ یہ محاروہ عرب و عجم میں شائع و ذائع ہے کہ اذان منارہ کو سن کر کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہوگئی۔اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس ارشاد کے بھی ہیں جو اپ نے فرمایا تھا"جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز پڑھنا سنت ہدی ہے" (مسلم)۔اور فقہاء کرام کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ "مسجد میں اذان ہوچکی ہو تو جماعت میں شریک ہوئے بغیر مسجد سے باہر جانامکروہ ہے"

اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ اذان اصل مسجد میں مکر وہ ہے وصف مسجد میں نہیں۔اور تبع مسجد میں بھی نہیں اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے اذان مسجد بالمعنی الاول میں مکروہ ہے معنی ثانی اور ثالث میں نہیں۔ائمہ کی نصوص سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خاص مسجد کے اندر مکروہ ہے منارہ صحن اور حدود میں نہیں۔حدیث سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بھی مفاد ہے "کان

[1] رد المحتار کتاب الصوم باب الاعتکاف دار احیاء التراث العرابی بیروت ۲/ ۱۳۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلوۃ الجماعة و بیان التشدید فی التخلف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[3] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب ادراك الفریضة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

المسجد، واخرج ابو الشیخ فی کتاب الاذان عن عبد اللہ ابن زید الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رأیت فیما یری النائم کان رجلا علیہ ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول اللہ اکبر اللہ اکبر اربعا [1] الحدیث وفی اخری عنہ رأیت رجلا علیہ ثوبان اخضران وانا بین النوم والیقظان فقام علی سطح المسجد فجعل اصبعیہ فی اذنیہ ونادی [2] الحدیث۔ وتقدم قول المدخل ان محل الاذان المنار او سطح المسجد اوبابہ [3] وبما قررنا وللہ الحمد تبنیت فوائد، الاولی یجوز الاذان الدکۃ والمنارۃ وشفیر البئر وحریم الحوض وان کانت ھذہ الاشیاء داخل المسجد اذا کان البانی بناھا قبل تمام المسجدیۃ لان ذلك یبقی مستثنی ولا تشملہ المسجدیۃ فیجوز لہ ان یبنی وللناس ان یستعملوھا کما اذا اعد فیہ موضعا للوضوء وکذا اذا کنت بئرا وحوض مثلا فی فناء المسجد

الاذان علی باب المسجد" (اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی)۔ ابو الشیخ نے کتاب الاذان میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہرا جوڑا پہنے ہونے مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا تھا" دوسری حدیث میں انہیں سے ہے کہ "میں نے خواب میں ایک شخص کو ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے کھڑا دیکھا جو کہہ رہا تھا" (الحدیث) مدخل کی عبارت ہم پہلے نقل کرائے ہیں کہ "اذان منارہ پر یا سطح مسجد پر یا اس کے دروازہ پر ہونا چاہیے۔" ان عبارتوں سے چند فوائد حاصل ہوئے (۱) اذان چبوترے پر، منارہ پر، کنویں کی منڈیر پر، حوض کی لگری پر، اگرچہ یہ چیزیں مسجد کے اندر رہی ہوں جائز ہے جب کہ بانی نے اس کی بنا مسجد سے پہلے کی ہو وجہ اس کی یہ ہے وہ ابتداء سے ہی مسجد سے مستثنی ہیں تو بانی ان مطلوبہ چیزوں کو بنا سکتا ہے اور لوگ اس کو اسی غرض سے استعمال کر سکتے ہیں، ایسے ہی کوئی جگہ جو خاص مسجد میں تمام مسجدیت سے قبل ہی وضو کے لیے خاص کردی گئی ہو۔ یہ یوں بھی ممکن ہے کہ مسجد کے

[1] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳۳۱/۸

[2] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳۳۱/۸

[3] المدخل فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

فزید المسجد واحاط بها کبئر زمزم فی المسجد الحرام فان کونها اذذاك قبل المسجدیة ابین و اظهر اما بعد تمام المسجدیة فلا یجوز فی ارض اصل المسجد احداث دکة ولامنارة ولابئر ولا حوض کما قدمنا عن الدر[1] من منع بناء فوق جدار المسجد او سطحه فکیف ارضه هذا ما نص علیه علماؤنا انه لا یحفر فی المسجد بئر ماء ولو کانت البئر قدیمة تترك کبئر زمزم[2] اھ خانیة و هندیة وغیر هما و تمام تحقیق المسالة فی جد الممتار تعلیقاتنا علی رد المحتار و قال فی الاشباہ والنظائر من احکام المسجد تکرہ المضمضة والوضوء فیه الا ان یکون ثمه موضع اعد لذلك لایصلی فیه او فی اناء[3] اھ ونحوہ فی الدر۔قال الشامی رحمة الله تعالٰی علیه قوله "الا فیما اعد لذلك" انظر هل یشترط	صحن میں کوئی حوض تھا کنواں تھا مسجد میں توسیع ہوئی یا مسجد کا احاطہ کیا گیا جیسے زمزم شریف کا کنواں کہ اب تو خاص مسجد حرام شریف میں ہے جب کہ اس کا اس جگہ مسجد حرام سے قبل ہونا بالکل ظاہر ہے، ہاں مسجد تمام ہونے کے بعد اصل مسجد میں نہ چبوترہ بنانا جائز ہے نہ منارہ نہ کنواں نہ حوض جیسا کہ ہم درمختار سے نقل کرائے کہ "تمام مسجدیت کے بعد دیوار یا چھت پر کوئی اور عمارت منع ہے" ہمارے علماء نے اس بات پر تنصیص کی ہے کہ "مسجد میں کنواں نہیں کھودا جا سکتا، پرانا ہو تو باقی رہ سکتا ہے جیسا زمزم کا کنواں خانیہ، ہندیہ وغیرہ اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب جدالممتار حاشیہ درمختار وشامی میں ہے اشباہ و نظائر کے باب احکام المسجد میں ہے" مسجد میں کلی وغیرہ منع ہے ہاں کوئی جگہ پہلے ہی سے ان امور کے لیے مقرر ہو تو اور بات ہے "ایسا ہی درمختار میں ہے۔امام شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مصنف کے قول الاما اعد لذلک پر فرمایا: "یہ امر غور طلب ہے کہ واقف کی طرف سے ان امور کے لیے جگہ

[1] الدر المختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] فتاوی قاضیخاں فصل فی المسجد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۱، خلاصة الفتاوی کتاب الصلوۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القران کراچی ۲/ ۲۳۰

اعداد ذلك من الواقف ام لا[1] وكتبت فی جد الممتار اقول: نعم وشیئ اخر فوق ذلك وهو ان یكون الاعداد قبل تمام المسجدیة فان بعده لیس له ولا لغیره تعریضه للمستقذرات ولا فعل شیئ یخل بحرمته اخذته مما یاتی فی الوقف من الواقف لو بنی فوق سطح المسجد بیتا لسكنی الامام[2] اه ثم فی احداثها فی المسجد بعد ما صار مسجدا موانع اخری فانها تشغل موضع الصلوة وتقطع الصفوف وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله۔ رواه احمد وابو داؤد[3] والنسائی وابن خزیمه والحاكم بسند صحیح عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما قال العلامة القاری فی المرقاة	مقرر کرنا شرط ہے یا نہیں" میں نے جد الممتار میں اس پر لکھا یہ شرط تو ضروری ہے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ واقف مسجد مکمل ہونے سے پہلے ان امور کے لیے یہ جگہیں متعین کرے مسجد مکمل ہونے کے بعد نہ واقف کو اس تعین کا اختیار ہے نہ کسی اور کو کہ اس صورت میں مسجد کو گندگی کے لیے پیش کرتا ہے۔ میں نے اس کا استنباط کتاب الوقف کی اس عبارت سے کیا کہ "واقف بھی مسجد کے اوپر امام کے رہنے کے لیے کوئی گھر نہیں بنا سکتا" مسجد مکمل ہونے کے بعد اس میں ان امور کے لیے جگہ نکالنے میں دوسری قباحتیں بھی ہیں مثلا اس کی وجہ سے نماز کی جگہ جائے گی اور اس کی وجہ سے صف منقطع ہو سکتی ہے جبکہ حدیث شریف میں ہے "جس نے صفیں ملائیں اللہ تعالٰی اسے اپنی رحمت سے ملائے گا اور جس نے صفیں قطع کیں اللہ تعالٰی اسے رحمت سے دور کریگا" (احمد، ابو داؤد، ابن خزیمہ، اور حاکم نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بہ سند صحیح روایت کی) ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے

[1] رد المحتار كتاب الصلوة باب ما یفسد الصلوة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[2] جد الممتار كتاب الصلوة باب ما یفسد الصلوة المجمع الاسلامی اعظم گڑھ ہند ۱/ ۳۱۶

[3] سنن ابی داود كتاب الصلوة باب تسویة الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷، مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المكتب الاسلامی بیروت ۲/ ۹۸، المستدرك للحاكم كتاب الصلوة دار الفكر بیروت ۱/ ۲۱۳

(من قطعه)ای بالغیبة او بعدم السداو بوضع شیئ مانع[1] وقد نهی العلماء عن غرس الشجر فی المسجد وعللوه بانه یشغل مکان الصلوة کما فی الخانیة و خزانة المفتین والهندیة و غیر هاواما اباحته لتقلیل النز اذا کانت الارض نزة لا یستقر اساطینها فللضرورة والضرورات تبیح المحظورات قال فی البحرفیغرس لیجذب عروق الاشجار ذلك النز فحینئذ یجوز،والافلا[2] ومثله فی الظهیریة والبزازیة وغیرهما قال فی منحة الخالق:وفی قوله"الا فلا" دلیل علی انه لا یجوز احداث الغرس فی المسجد ولا ابقاؤه فیه لغیر ذلك العذر ولو کان المسجد واسعا کمسجد المقدس الشریف ولو قصد به الاستغلال او تجویز ابقاء ذلك بعد احداثه ولم یقل بذلك احد بلا ضرورة داعیة ولان فیه ابطال

مرقاۃ میں "قطعہ "کامطلب یہ تحریرفرمایا کہ صف سے غائب ہو کر یا صف میں لایعنی کام کرکے یا کوئی چیز بیچ صف میں رکھ کر جو صف کے ملنے سے مانع ہو علمائے کرام نے، مسجد میں درخت لگانے سے منع کیا کہ وہ نماز کی جگہ گھیرے گا ایسا ہی خانیہ خزانۃ المفتین وغیرہا میں لکھا ہے اور مسجد میں نمی ہو تو اسے کم کرنے کے لیے درخت لگانا جائز ہے کہ یہ بہ ضرورت ہے اور ضرورتیں تو ممنوعات کو جائز کردیتی ہیں بحرالرائق میں ہے: "مسجد کے نم فرش پر درخت لگا سکتے ہیں کہ اس کی جڑیں تری چوس لیں ورنہ درخت لگانا جائز نہیں" ایسا ہی ظہیریہ وبزازیہ وغیرہ میں ہے۔منحۃ الخالق میں بحر کے قول "والا فلا" پرفرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں مذکورہ بالا ضرورت سے درخت لگانا جائز ہے اور ضرورت نہ ہو تو نہ درخت لگانا جائز ہے نہ اس کا باقی رکھنا۔اور اگر مسجد وسیع ہو جیسے بیت المقدس اور اس کے کسی حصہ میں سامان رکھنا ہو تو یہ بھی منع ہے کہ اس سے مسجد کو گودام اور دکان بنانے کی راہ کھلے گی اور اس کے باقی رکھنے میں جبکہ بلاضرورت ہو مسجد میں دکان و مکان باقی رکھنے کی راہ استوار ہوگی حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور مسجد میں ایسی چیزیں تیار کرنے سے مسجد کی تعمیر کی

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف حدیث ۱۱۰۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱۷۹/۳

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ فصل لما فرغ من بیان الکراھۃ فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵/۲

مابنی المسجدلا جله من صلوۃ و اعتکاف ونحوهما وقد رایت فی هذه المسالة رسالة بخط العلامة ابن امیرالحاج الحلبی الفها فی الرد علی من اجاز ذلك فی المسجد الاقصی، ورأیت فی اخرها بخط بعض العلماء انه وافقه علی ذلك العلامة الکمال ابن الشریف الشافعی[1] اھ وقلت فی جد الممتار بعد نقل ما هنا وغیره من نظر هذه الکلمات الشریفة بعین الانصاف لم یلبث فی الحکم بتحریم کل احداث فی المسجد یکون فیه شغل محل منه لغیر مابنی له سواء کان بیتا او حانوتا او دکة او منارة او غاسلا او خزانة او بئرا او حوضا او شجرا، أو، أو، أوالخ وعنیت به المسجد بالمعنی الاول۔ وقال الامام ابن الحاج المکی فی المدخل و من هذا الباب ایضاما احدثوه فی المسجد من الصنادیق الموبدة وذلك غصب لموضع مصلی المسلمین[2] قال و من هذا الباب الدکة التی یصعد علیها الموذنون للاذان یوم الجمعة بل هی اشد من الصنادیق اذیمکن نقل	اصلی غرض فوت ہوگی اس مسئلہ میں ایک رسالہ ابن امیر الحاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا جسے آپ نے اس شخص کے رد میں تحریر فرمایا تھا جس نے بیت المقدس میں اس کو روا رکھا تھا اور اسی کے آخر میں بعض علماء کی تحریر تھی جس میں اس مسئلہ میں علامہ کمال ابن ابی شریف شافعی نے ابن امیر الحاج کی تائید کی تھی۔ میں نے جد الممتار میں ان سب باتوں کو لکھ کر تحریر کیا جو ان کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا بلا توقف اس قسم کی تمام ایجادات کو (جن سے تعمیر مسجد کی اصلی غرض میں خلل واقع ہو) حرام قرار دے گا چاہے گھر ہو یا دکان، چبوترہ ہو یا منارہ خزانہ ہو یا گودام کنواں ہو یا حوض، درخت ہو یا کچھ اور الخ ایسے تمام مقامات پر ہماری مراد مسجد سے قسم اول (اصل مسجد) ہے۔ امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں فرمایا کہ اسی قسم سے وہ صندوق ہیں جن کو مسجد میں رکھنے کا رواج لوگوں نے قائم کر لیا ہے یہ نماز کی جگہ کو گھیرتا ہے اور اسی قسم کے وہ چبوترے ہیں جو مسجدوں میں اذان خطبہ کے لیے بعد میں بنائے گئے ہیں بلکہ ان کا حکم صندوق سے زیادہ سخت ہے کہ وہ بضرورت کھسک بھی سکتے ہیں جبکہ چبوتروں میں

[1] منحة الخالق حاشیة بحرالرائق مع البحر فصل لما فرغ من بیان الکراہة فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۵

[2] المدخل فصل ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

الصنادیق ولا یمکن نقلها [1] قال ومن هذا الباب ایضا اعنی فی امساك مواضع فی المسجد وتقطیع الصفوف بها اتخاذ هذا المنبر العالی فانه اخذ من المسجد جزاء جیدا وهو وقف علی صلاۃ المسلمین [2] اهملتقطا فرحم الله من نص ورحم الله من قبل۔

الثانیة[۲] المراد فی قول الکافی انه ذکر فی المسجد المعنی الثانی الشامل للاصل والوصف فالخطبة فی الاصل والاذان فی الوصف فشملهما الکون فی المسجد وان تفرق المحل وفی قول الغایة والفتح الکراهة الاذان فی داخل المعنی الاول فبدقة النظر لیس ما ذکر تاویل لکلامه بل تبیین لمرامه اذلیس فیه صرف عن ظاهره والله تعالٰی الموفق۔

الثالثة[۳] المراد فی قول

یہ ناممکن ہے اور اسی قسم یعنی مسجد کی جگہ روکنے والے اور صفیں قطع کرنے والے وہ رفیع منبر ہیں جن سے نماز کی قابل ذکر جگہ گھر جاتی ہے جو مسلمانوں کی نماز کے لیے وقف تھی ملخصا (اللہ تعالٰی نصیحت کرنے والے اور قبول کرنیوالے دونوں کو قبول فرمائے۔

(۲) امام کافی کے قول میں اذان کو جو ذکرا فی المسجد (مسجد کے اندر کا ذکر) کہا ہے تواس سے مراد مسجد کی قسم ثانی ہے جس میں اصل مسجد اور وصف مسجد دونوں ہی شامل ہیں خطبہ اصل مسجد میں ہوتا ہے اور اذان وصف مسجد میں۔تو مسجد میں ہونا خطبہ اور اذان دونوں ہی کی صفت ہے اگرچہ جگہ میں اختلاف ہو اور غایۃ البیان اور فتح القدیر کے قول قالوا لا یوذن فی المسجد (مسجد میں اذان ممنوع ہے) اس سے مراد مسجد بمعنی اول ہے تو دقت نظر سے یہ پتا چلے گا کہ یہ بھی ہدایہ کے قول کی تاویل اور اس کے مقصد کی تعیین ہے اس میں ان کے کلام کو ظاہر سے پھیرنا نہیں اللہ تعالٰی ہی آدمی کو حق کی توفیق دینے والا ہے

(۳) اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے

---

[1] المدخل فصل ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

[2] المدخل فصل فی ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۶

ابن مسعو د رضی اللہ تعالٰی عنه وقول الفقھا ء الماٰرین العنیاٰن الاخیران وکذا فی حدیث ابی داؤد وابی بکر بن ابی شیبة عن عبد الرحمن بن ابی لیلی قال حد ثنا اصحابنا جا ء رجل من الانصار فقال یا رسول اللہ رأیت رجلا کان علیه ثو بین اخضر ین فقام علی المسجد فاذن [1] الا ترا ہ یقول قام علی المسجد، ولو اراد المعنی الاول لقال قام فی المسجد و قد اوضحته روا یة ابی بکر بن ابی شیبة الاخری وابی الشیخ فی الاذان عن ابن ابی لیلی قال حدثنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان عبد اللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم فقا ل یارسول اللہ رأیت فی المنام کان رجلا قائم وعلیه بردان اخضران علی جذمة حائط فاذن [2] الخ

قول "جس مسجد میں اذان ہو تی ہو وہاں سے اذان کے بعد بے جماعت چلا جانا منع ہے "اور فقہاء کے اقوال جو ذ کر کیۓ جا چکے مسجد سے مراد معنی ثانی یا ثالث ہیں ابی داؤد اورابو بکر بن ابی شیبہ نے عبد الرحمان ابن ابی لیلٰی سے صحابہ کا قول نقل کیا کہ "عہد رسالت میں ایک انصاری نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کی میں نے ایک آ دمی کو دیکھا جس کے جسم پر دوہرے رنگ کے کپڑے تھے اس نے مسجد میں کھڑے ہو کراذان دی"اس روا یت میں لفظ قام علی المسجد ہے اگر مسجد کے اند ر کہنا ہو تا تو قام فی المسجد کہتے اس حدیث شر یف کی اور زیا دہ تشر یح و توضیح حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ اورابوالشیخ ابن ابی لیلٰی کی دوسر ی روایت سے ہوتی ہے کہ "زید ابن عبداللہ انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم ! میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑا پہنے ہوۓ ایک منہد م دیوار کے ٹیلے پر کھڑے دیکھا جواذان دے رہا تھا"

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷۴، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامت حدیث ۲۱۲۴ دار الکتب العلمیۃ بیر وت ۱/ ۱۸۶

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامت حدیث ۲۱۱۸ دار الکتب العلمیۃ بیر وت ۱/ ۱۸۵، کنز العماں بحوالہ ش وابی الشیخ فی الاذان حدیث ۲۳۱۴۶ مو سسۃ الر سالہ بیر وت ۸/ ۳۳۳

ولسعید ابن منصور فی سننه عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اهتم للصلوة کیما یجمع الناس لها فانصرف عبد الله بن زید فرای الاذان[1] الحدیث وتقدمت روایة سور المسجد وسطح المسجد۔

الرابعة۴: المعنی الثالث هو المراد فی فرع الخانیة والخلاصة ولاباس بان یتخذ فی المسجد بیتا یوضع فیه الحصیر ومتاع المسجد به جرت العادة من غیر نکیر[2]. اھ ومن الدلیل علیه حدیث التعارف فانه المتعارف او بناؤه قبل تمام المسجدیة اما ان یتم المسجد ثم یاخذ احد قطعة منه فیجعلها بیت البواری فلم تجر به العادة ولا یحل السکوت

اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کے لیے جمع کیا حضرت عبد اللہ بن زید انصاری نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی ہرا جوڑا پہنے سقف پر اذان دے رہا ہے اس روایت میں سور اور سطح کا لفظ گزر چکا ہے۔

(۴) خانیہ اور خلاصہ کی عبارت "اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد میں ایک ایسا گھر بنالیا جائے جس میں چٹائی وغیرہ اسباب رکھے جائیں کہ عام اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس عبارت میں مسجد سے مراد اس کے تیسرے معنی ہیں اور اس پر دلیل اسی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے کہ "اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس لیے کہ تعارف تو یہی ہے کہ مسجد بمعنی سوم میں ایسا کمرہ بنتا ہے۔ یا مسجد بمعنی اول میں تو اس جگہ کی مسجدیت مکمل ہونے سے پہلے مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اسی کا ایک ٹکڑا چٹائی اور فرش وغیرہ رکھنے کے لیے

---

[1] کنز العمال عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی حدیث ۲۳۱۵۲ موسسة الرسالة بیروت ۸/ ۳۳۶

[2] فتاوی قاضیخان فصل فی المسجد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۱، خلاصة الفتاوی کتاب الصلوۃ الفصل السادس والعشرون مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۸

علیه۔ **الخامسة**۵: قال فی جامع الرموز لها یوذن فی المسجد فانه مکروه کما فی النظم لکن فی الجلابی یوذن فی المسجد او ما فی حکمه لا فی البعید منه[1] اھ فمراد النظم المعنی الاول ومراد الجلابی المعنی الثانی فالمعنی یوذن فی حدود المسجد کما فسر به الامامان کلام الکافی او ما فی حکمه ای فی فنائه فان فناء المسجد له حکم المسجد کما فی الهندیة عن الامام السرخسی قال الفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد[2] ومثله فی کتب کثیرة ذکرناها فی جد الممتار فلا استدراك بکلام الجلابی علی کلام النظم کما فعل القهستانی الا تری ان العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالٰی کیف اقتصر فی الحکم علی حکایة ما فی القهستانی	بنایا جائے نہ عادت اس پر جاری نہ خاموشی اس پر جائز۔ **(۵)** جامع الرموز میں ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے ایسا ہی نظم میں ہے لیکن جلابی میں ہے کہ مسجد میں یا اس جگہ میں جو مسجد سے دور اذان نہ دینی چاہیے تو نظم میں مسجد بمعنی اول میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے اور جلابی میں مسجد بمعنی ثانی مراد ہے یعنی مسجد میں دی جانے کا مطلب حدود مسجد میں ہے جیسا کہ امام اتقانی اور ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے قول ذکر فی المسجد کی تفسیر فی حدود المسجد سے کی تو جلابی کی عبارت میں لفظ او مافی حکم المسجد سے اسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ فناء مسجد مسجد کے حکم میں ہے ہندیہ میں بھی ایسا ہی امام سرخسی سے روایت ہے کہ "صحن مسجد کے حکم میں ہے" اور اسی کے مثل بہت ساری کتابوں میں ہے جس کی تفصیل ہم نے جد الممتار میں لکھی ہے تو حقیقت میں امام جلابی کا کلام "نظم" کی تردید نہیں جیسا کہ قہستانی نے سمجھا حضرت امام طحطاوی نے نظم کا یہ جزیہ قہستانی سے ہی نقل کیا لیکن قہستانی کے ادراک کو غیر معتبر جان کر

[1] جامع الرموز کتاب الصلوۃ فصل الاذان مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۲۳

[2] فتاوی ہندیہ الباب الحادی عشر فی المسجد الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۲

عن النظم ولم یعرج علی استدراکہ اصلا علماًمنه بان الاستدراك مستدرك لایبتغی نقلاهکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق ولولم یکن هذا لکان ذکرجامع الرموز بمقابله تلك المعتمدات العظیمة بل ماتفرد به الجلابی باز اء ما اتفق علیه اولئك الاکابر الا جلة مما ینبغی ان یستحی منه فانه لو فرض لکان خلا فا لا اختلا فاوقد تقرران الحکم والفتیابالمرجوح جهل وخرق للا جماع فکیف ولا خلا ف علی التحقیق لما علمت من جلیل التوثیق وباللہ تعالٰی التوفیق۔ **نفحه۱۰:** اذلم یقدرواعلی شیئ تعلق بعض الوهابیة بمافی	چھوڑ دیا اور اگر نہ مانا جائے تو یا تو جامع الرموز والے قہستانی صاحب ائمہ اعلام کے مقابلہ میں اکیلے ہوں گے اور یہ تسلیم کر لیا جائے تو جلابی اور قہستانی کا یہ قول مرجوح رہ جائے گا کہ ان کی حثیت ائمہ سے اختلاف کرنے کی نہیں اور یہ طے ہو چکا ہے کہ قول مرجوح کے موافق فتوی حکم جہل اور خرق اجماع ہے اور سچ پوچھو تو خلاف بھی نہیں کہ ان کے قول فی المسجد کا معنی فی حدود المسجد واضح ہو گیا ہے۔ **نفحہ ۱۰:** جب مخالفین کسی بات پر قادر نہ ہوئے تو ان میں سے بعض نے خانیہ عـــہ اور

عـــہ: خانیہ کی عبارت یوں ہے: ینبغی ان یوذن علی المنارۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد [1] مخالفین کے مغالطہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق دونوں سے ہے یعنی مسجد کے باہر اور منارہ پر اذان دینا مناسب ہے اور مسجد میں اذان دینا مناسب نہیں تو مسجد کی اذان زیادہ سے زیادہ خلاف اولی ہوئی تو گر اندرون مسجد ہی اذان کا رواج ہو گیا تو کوئی حرج کی بات نہیں پھر اتنا واویلا کیوں؟ اعلیحضرت کے پہلے جواب کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق صرف پہلے جملہ سے ہے اور دوسرا جملہ (لایوذن فی المسجد) اس سے خالی ہے جس کا مطلب اندرون مسجد اذان کی ممانعت ہے جیسا کہ دیگر کتب فقہ میں لا یوذن یا یکرہ الاذان فی المسجد سے ظاہر ہے اس کی تائید صاحب بحر کی عبارت سے ہوتی ہے جنھوں نے یہ عبارت خلاصہ کے حوالہ سے نقل کی اور ینبغی کا لفظ چھوڑ دیا۔ عبد المنان اعظمی۔

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الصلوۃ مسائل الاذان نولکشور لکھنو ۱/ ۳۷

نص الخانية والخلاصة من لفظ "ينبغي" يريد به ان الامر سهل لا يعتنى به انت ترى عامة النصوص عرية عنها ثم لم يدخل على "لا يوذن في المسجد" الا ترى ان البحر نقله عن الخلاصة هكذا ولم يلتفت الى "ينبغي" في الجملة الاولى۔	خلاصہ میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کا سہارا لیا اور سمجھا کہ معاملہ آسان ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں حالانکہ اولا دوسری کتابوں کی عبارتیں لفظ ینبغی سے خالی ہیں اور جہاں یہ لفظ ہے جملہ لایوذن فی المسجد پر داخل نہیں خود صاحب بحر نے خلاصہ سے یہی عبارت نقل کی اور جملہ اولی میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کی طرف توجہ نہ فرمائی۔
ثم استعماله في الندب اصطلاح المتاخرين وهو في كلام المشائخ اعظم كما في ردالمحتار وغيرها قال هو في القران كثير: ما كان ينبغي لنا ان نتخذ من دونك اولياء۔۔۔قال في المصباح ينبغي ان يكون كذا معناه يجب او يندب بحسب ما فيه من الطلب[1] ثم ندبه يقابل الوجوب ويعم الاستنان، وامر السنة ليس بهينين بل ربما جاء "ينبغي للوجوب	**ثانیًا** لفظ ینبغی کو مستحب کے معنی میں قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے کلام مشائخ میں یہ لفظ عام ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے انہوں نے فرمایا کہ ایسا قرآن عظیم میں بہت وارد ہے مثلاً آیت قرآنی: ما كان ينبغي لنا ان نتخذ من دونك اولياء (ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا ولی بنائیں) مصباح المنیر میں ہے ینبغی کے معنی وجوب اور استحباب دونوں ہی حسب طلب ہو سکتے ہیں۔ **ثالثًا**: اس لفظ میں استحباب کے معنی سنت کو بھی شامل ہیں اور سنت کا معاملہ ایسا آسان نہیں بلکہ لفظ ینبغی بسااوقات صرف معنی وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الجهاد لفظ "ينبغي" يستعمل في المندوب الخ دار احياء التراث العربي بيروت ۳/ ۲۲۴

"کقول الھدایۃ والکنز وغیرھما"من حلف علی معصیۃ ینبغی ان یحنث [1]"فان الحنث واجب قطعاو قول الھدایۃ و کثیرین"ینبغی للمسلمین ان لا یغدرواولا یغلو ولا یمثلوا [2]"اھ مع ان ترك الغدر والغلول فریضۃ فانھما حرام و کذا المثلۃ قال فی الفتح قولہ و ینبغی للمسلمین ای یحرم علیھم ان یغدروا او یغلواویمثلوا اھ [3]وقول القدوری والھدایۃ وغیرھما ینبغی للناس ان یلتمسوا الھلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان [4]قال المحقق فی الفتح ای یجب علیھم وھو واجب علی الکفایۃ [5]اھ قال فی الجوھرۃ النیرہ ای یجب [6]الخ وقال فی القنیۃ فاستحسان القاضی الصدر الشھید	ہدایہ وکنز وغیرہ میں ہے: "جس نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اسے توڑ دینا چاہیے"۔ یہاں قسم توڑنا واجب ہے۔ صاحب ہدایہ اور بہت سارے ائمہ کا قول ہے: "مسلمانوں کو چاہیے کہ بے وفائی نہ کریں، مال غنیمت سے نہ چرائیں اور مثلہ نہ کریں"۔ یہاں ترک غدر وغلول ومثلہ فرض ہے۔ فتح القدیر میں ہے: "مسلمانوں کو چاہیے یعنی ان پر حرام ہے کہ غدر مال غنیمت کی چوری اور مثلہ کریں"۔ اسی طرح امام قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کا قول ہے: "لوگوں کو چاہیے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کریں" محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "یعنی ینبغی کے معنی ہیں کہ ان پر چاند کی تلاش واجب ہے اور تلاش واجب علی الکفایہ ہے"۔ اور جوہرہ نیرہ میں ایسا ہی ہے یعنی قدوری میں ینبغی بمعنی یجب ہے۔ قنیہ میں ہے قاضی صدرالشہید کے استحسان

---

[1] الھدایہ کتاب الایمان باب مایکون یمینا الخ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۴۶۲، کنز الدقائق کتاب الایمان باب مایکون یمینا الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۵

[2] الھدایۃ کتاب السیر باب کیفیۃ القتال المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۴۱و۵۴۲

[3] فتح القدیر کتاب السیر باب کیفیۃ القتال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۱

[4] المختصر للقدروی کتاب الصوم ص۵۶ والھدایۃ کتاب الصوم المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۹۳

[5] فتح القدیر کتاب الصوم فصل رویۃ الھلال المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ بسکھر ۲/ ۲۴۲

[6] الجوھرۃ النیرۃ کتاب الصوم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۱۶۷

ینبغی للاخ من الرضاع ان لایخلوا باختہ من الرضاع لان الغالب ھناك الوقوع فی الجماع [1] افاد العلامۃ البیری ان "ینبغی" معناہ الوجوب ھنا [2] (الشامی) وکم لہ من نظیر۔	میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کے ساتھ تنہائی میں نہیں رہنا چاہیے کہ ایسی حالت میں حرامکاری میں مبتلا ہونا غالب ہے اھ۔علامہ بیری فرماتے ہیں کہ یہاں بھی لفظ ینبغی کا مطلب وجوب ہے (شامی) المختصر اس بات کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ کلام مشائخ میں "ینبغی" بول کر واجب مراد لیا جاتا ہے۔
ثم ان کان ھو ظاھرا فعارضہ فی نفس الکلام ظاھر اخر وھو النھی بصیغۃ الاخبار فانہ غالبا فی کلامھم لایجاب الفعل والترك الا ان یصرف صارف قال الامام ابن امیرالحاج فی الحلیۃ صفۃ الصلوۃ مسئلۃ القراءۃ فی الاخریین ظاہر قول المصنف 'لا یزید علیھما شیئا' یشیر الی عدم اباحۃ الزیادۃ علیھما [3] اھ وفی عید الغنیۃ الایری الی قولہ لایترك واحد منھما فانہ اخبر بعدم الترك والاخبار فی عبارات الائمۃ والمشائخ یفید الوجوب [4]	**رابعًا** پھر خانیہ اور خلاصہ کے کلام کا ظاہر مطلب عدم وجوب ہو تو اسی کلام کا ایک اور ظاہر بھی ہے جو اس کے معارض ہے کہ نہی بصیغہ اخبار کلام مشائخ میں عموماً وجوب فعل یا وجوب ترک کے لیے ہوتی ہے امام ابن الامیر الحاج نے "باب صفۃ الصلوۃ" مسئلہ قراءت میں فرمایا مسئلہ قراءت رکعتین اخیرین مصنف کے قول لایزید علیھما شیئا کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس سے زائد قراءت مباح نہیں اور غنیہ کے باب العید میں ہے "مصنف کے قول "لایترك واحد منھما" کو دیکھنا کہ یہ عدم ترک کی خبر ہے، اور ائمہ و مشائخ کی عبارت میں اخبار وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔"

---

[1] القنیۃ المنیہ لتتمیم الغنیۃ کتاب الکراہیۃ والاستحسان باب فی الخلوۃ باجنبیۃ مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۱۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۶

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] غنیۃ المستملی فصل فی صلوۃ العید سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۵

وفی امامۃ البحر الرائق: قولہ فان فعلن تقف الامام وسطھن افاد بالتعبیر بقولہ تقف انہ واجب فلو تقدمت اثمت کماصرح بہ فی فتح القدیر[1] وفی حاشیۃ العلامۃ الخیرالرملی علی البحر ثم منحۃ الخالق قبیل الاذان علی قول الاسبیجابی(اذا جیئی بجنازۃ بعد الغروب بدؤا بالمغرب ثم بھا ثم بسنۃ المغرب[2] اھ)الظاھر ان ذلك علی سبیل الوجوب لتعلیلھم بان المغرب فرض عین والجنازۃ فرض کفایۃ ولان الغالب فی کلامھم فی مثلہ ارادۃ الوجوب تامل[3] اھ وقال العلامۃ السید احمد الطحطاوی فی صوم حواشی الدر: و فیھا(ای فی النھایۃ)ولا یفعل (ای الدھن)لتطویل اللحیۃ اذا کانت بقدر المسنون وھو یقتضی ان الدھن لھذاالقصد یکرہ تحریما لانہ یفضی الی المکروہ تحریماولاکان مکروھاتنزیھیا	بحرالرائق کے باب الامامت میں ہے "مصنف کے قول "اگر عورتیں جماعت کریں توامام ان کے بیچ میں کھڑی ہو" مطلب یہ ہے کہ ایسا کرناواجب ہے جس پر لفظ تقف دلالت کرتا ہے توامام آگے بڑھ کر کھڑی ہو توگنہگار ہوگی اس کی تصریح فتح القدیر میں ہے"حاشیہ خیر رملی منحۃ الخالق میں باب الاذان سے تھوڑے پہلے اسبیجابی کے قول"جنازہ غروب آفتاب کے بعدلایاگیا توپہلے مغرب کے فرض پڑھیں پھر جنازہ پڑھیں پھر سنتیں اداکریں"پر تشریح ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بر سبیل وجوب ہے کیونکہ علت یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب فرض عین ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور یوں بھی کہ عام طور پر فقہاء کے کلام میں ایسی عبارت سے وجوب ہی مراد ہوتا ہے علامہ سید طحطاوی در مختار کے حواشی میں فرماتے ہیں: "نہایہ میں ہے کہ داڑھی جب بقدر سنت لمبی ہوتو زیادہ بڑھانے کے لیے تیل نہیں لگاناچاہیے نہایہ کے اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ اس نیت سے تیل لگانامکروہ تحریمی ہے کہ ایک مکروہ تحریمی کاذریعہ بنے گااوراگر یہ فعل مکروہ تنزیہی ہوتاتواس کو لفظ لا یفعل

[1] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۲

[3] منحۃ الخالق علی ہامش بحرالرائق کتاب الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۳

لما عبر بقوله ولا یفعل[1] فظاهر نا هذا غیر معارض من نصوص الاسبیجابی والمجتبی والبنایة والاتقانی وفتح القدیر۔

ثم ثمه ظاهر اخر غیر معارض هناك وهواطلاق الکراهة فی النظم وشرح النقایة و حاشیة مراقی الفلاح وغایة البیان وفتح المحقق حیث اطلق فانها کما عرف فی محله اذا اطلقت کانت ظاہرۃ فی التحریم الابصارف وقال سیدی العارف بالله العلامة عبد الغنی فی الحدیقة الندیة من آفات الید مانصه۔ و الکراهة عند الشافعیة اذا اطلقت تنصرف الی التنزیهیة لا التحریمیة بخلاف مذهبنا[2]۔اھ

ثم فیه اساءة ادب بالحضرۃ الالهیة کما یاتی فی الشمامة الثالثة بعون الله تعالٰی فیجب التحرز عنه۔

ثم المعروف من عادته صلی الله تعالٰی علیه وسلم ترك الفضیلة احیانا بیانا للجواز ولم یوثر قط اذانا فی زمنه صلی الله تعالٰی

سے منع نہ کرتے "اور ہمارا یہ ظاہر اسبیجابی، مجتبی، بنایہ، اتقانی اور فتح القدیر کی عبارتوں کے معارض بھی نہیں (کہ یہ بے اعتبار ٹھہرے)

خامسًا: یہاں ایک اور ظاہر غیر معارض بھی ہے کہ نظم، حاشیہ مراقی الفلاح، غایۃ البیان اور فتح القدیر میں ہے کہ لفظ کراہت مطلقًا بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوگی ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اور بات ہے امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقہ ندیہ باب آفات الیدین میں رقمطراز ہیں "لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو شوافع کے نزدیک کراہت تنزیہیہ پر محمول ہوگا اور ہمارے مذہب (احناف) میں تحریمی پر۔"

سادسًا: مسجد میں اذان دینے میں بارگاہ الٰہی کی بے ادبی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تیسرے شمامہ میں بیان کریں گے تو اس سے پرہیز ضروری ہوا۔

سابعًا: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ بھی کہ کبھی کبھی بیان جواز کے لیے افضل کو بھی ترک کردیتے تھے جبکہ زمانہ رسالت میں کبھی بھی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ثابت نہیں تو یہ

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم الخ المکتبة العربیة کوئٹہ ۱/ ۴۶۰

[2] الحدیقة الندیة الصنف الخامس من الانصاف التسعة فی بیان آفات الید نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۴۰

علیه وسلم داخل المسجد فبمجموع هذا ینقدح فی الذهن انه یکره تحریما وان لم یقنع فلا اقل من ان الامردار بین کراهتین مکروه قطعا و یحتمل کراهة التحریم فما سبیله الا الترك عند العقل السلیم ثم ان شئت فدع الاحتمال واقنع بالاجمال وقل ان الاذان فی المسجد مکروه منهی عنه فان هذا القدر لامفر منه وفی هذا کفایة لاولی الدرایة والله سبحنه ولی الهدایة۔	سب باتیں مل جل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہے کہ یہ مسئلہ کراہت تحریمیہ و کراہت تنزیہیہ میں دائر ہے تو ایک امر مشکوک کو چھوڑ دینا دانشمندی ہے اور کم از کم اتنا تو ہے جس کے مانے بغیر چارہ نہیں کہ مسجد میں اذان مطلقًا مکروہ ہے اور اہل عقل کے لیے ممانعت کا اتنا حکم ہی کافی ہے۔

الشمامة الثالثة من مسک القران العظیم

(قران کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ)

نفحہ ا: اخرنا ھا الی ھنا لیکون "خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ ؕ" [1]۔ قال اللہ عزوجل: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ"	**نفحہ ا:** ہم نے اس شمامہ کو یہاں تک اسے لیے مؤخر کیا کہ اس کو اختتام مشک قران سے ہو تاکہ اس میں رغبت کرنے والوں کی رغبت میں اور اضافہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے اے ایمان والو نبی مکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز ایسے بلند نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے آواز بلند کرتے ہو کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ چلے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں کو تقوی کے لیے آزمالیا ہے

[1] القرآن الکریم ۸۳/ ۲۶و۲۷

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝۳ "[1] ارشدنا القران الکریم الی ادب حضرۃ الرسالۃ وانہ لایجوز رفع الصوت فیھا واوعد علیہ الوعید الشدید ان فیہ لخشیۃ حبط الاعمال والعیاذ باللہ تعالٰی وندب الی غض الصوت عندہ ووعد علیہ الوعد الجمیل مغفرۃ من اللہ واجر عظیم۔

ان لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔
اللہ تعالٰی نے دربار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب کی طرف رہنمائی کی کہ اس بارگاہ میں بلند آوازی جائز نہیں اور ایسی شدید وعید فرمائی کہ اس میں (معاذ اللہ) عمل ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے اور وہاں پست آوازی پر اللہ تعالٰی کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

ولا شك ان لیس ذلك الا لھیبۃ المقام واجلال صاحبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالحضرۃ الالھیۃ احق واعظم الم تسمع ربك عزوجل یقول "وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝۱۰۸ "[2] وما المصلی الا حضرۃ العلی الاعلی عزوعلا وتبارك وتعالٰی فلعمری لو یتذکر الناس حین حضورھم المساجد قیامھم بین یدی ربھم عزوجل یوم القیامۃ واستحضر واعظمۃ المقام وتفطنوا این ھم وبین یدی من ھم لخشعت الاصوات للرحمن فلا یکاد یخرج صوت الامن اذن لہ الرحمن وقال صوابا کالقاری و

اور شبہہ نہیں کہ یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت واجلال کے لیے ہے (صلی اللہ تعالٰی وسلم) تو دربار الٰہی جل جلالہ کا ادب واحترام تو اس سے بدرجہا اعلٰی واہم ہے اللہ تعالٰی کا یہ فرمان کس نے نہ سنا: "قیامت کے دن دربار الٰہی میں ساری آوازیں سہمی ہوں گی اور سرگوشی کے علاوہ کچھ بھی سن نہ سکو گے۔ "مسجد اللہ تبارک وتعالٰی کا دربار عالی ہے، واللہ العظیم اگر آدمی مسجد کی حاضری کے وقت قیامت میں رب العالمین کے حضور اپنا کھڑا ہونا یاد کرے اور مقام کی عظمت یاد کرکے سوچے کہ کہاں اور کس واسطے کھڑا ہے تو اجازت یافتہ انسانوں کے علاوہ (یعنی قاری اور خطیب) کسی کی آواز نہ نکلے پس اصل حکم یہی ہوا کہ مسجد میں اجازت یافتہ لوگوں کے سوا کسی کی سرگوشی کے علاوہ کچھ نہ سنا جاسکے

[1] القران الکریم ۴۹/ ۲و۳
[2] القران الکریم ۲۰/ ۱۰۸

الخطیب فکان الاصل فی المساجد فیما لم یرد به الاذان ان لا تسمع الا همسا ولذا اتت الاحادیث عـــه تنهی عن رفع الصوت فیها:	اسی لیے احادیث کریمہ میں مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت آئی۔

عـــه: وللبیهقی عن ابی هریرۃ رضی الله عالی عنه کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یکرہ العطسة الشدیدۃ فی المسجد [1]. وفی البحر الرائق وغیرہ: قالوا لا یجوز ان تعمل فیه الصنائع لانه مخلص لله تعالٰی فلا یکون محلا لغیر العبادۃ غیر انهم قالوا فی الخیاط اذا جلس فیه مصلحته من دفع الصبیان وصیانۃ المسجد لاباس به للضرورۃ ولا یدق الثوب عند طیه دقا عنیفا [2] انتهی وماذا عسی ان یرتفع صوت الثوب بضرب الید علیه عند طیه یستوی وقد نهوا عنه۔ وکذلك من یعرف الادب ولا دین لمن لا ادب له نسال الله حسن التوفیق منه عفی عنه۔

بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں زور سے چھینکنے کو ناپسند جانتے بحرالرائق وغیرہ میں ہے کہ مشائخ نے کہا مسجد خالص اللہ تعالٰی کی عبادت کی جگہ ہے لہٰذا وہ غیر عبادت کا محل نہ ہوگی سوائے اس کے جوانھوں نے درزی کے بارے میں کہا کہ جب وہ مسجد میں مصلحت کے لیے وہاں بیٹھے یعنی مسجد کی حفاظت اور بچوں کو مسجد سے دور رکھنے کے لیے تو اس ضرورت کے تحت اس کے لیے مسجد میں بیٹھ کر سلائی کرنے میں حرج نہیں اور وہ کپڑوں کو تہہ کرتے وقت انھیں سختی سے نہ جھاڑے انتہی اور بسا اوقات کپڑوں کو لپیٹتے وقت ان پر ہاتھ مار کر سیدھا کرتے ہوئے اواز پیدا ہو جاتی ہے جس سے انہیں منع کیا گیا ایسے ہی وہ شخص جو ادب کو پہچانتا ہے اور جو باادب نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہم اللہ سے اچھی توفیق کے طلبگار ہیں (ت)

[1] شعب الایمان فصل فی خفض الصوت بالعطاس حدیث ۹۳۵۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۳۲

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ فصل لما فرض من بیان الکراہیۃ فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

(۱)ابن ماجة عن واثلة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم وشراءکم و بیعکم و خصوماتکم ورفع اصواتکم[1]	ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں، خرید وفروخت، لڑائی جھگڑا اور بلند آوازی سے محفوظ رکھو"
(۲)وابن عدی والطبرانی فی الکبیر والبیھقی وابن عساکر عن مکحول عن واثلة وابی الدرداء وابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوامساجدکم صبیانکم ومجانینکم وسل سیوفکم واقامة حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم[2]	ابن عدی اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی وابن عساکر نے مکحول سے انہوں نے واثلہ سے اور ابوالدردا اور ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی "اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور بے نیام تلواروں، حدیں قائم کرنے اور جھگڑنے سے محفوظ رکھو۔"
(۳)عبد الرزاق فی مصنفه قال حدثنامحمد بن مسلم عن عبد ربه بن عبد اللہ عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوامساجدکم مجانینکم و صبیانکم ورفع اصوتکم وسل سیوفکم وبیعکم و شرائکم واقامة حدودکم وخصومتکم[3]	(۳)عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں محمد ابن مسلم، عبد ربہ ابن عبد اللہ مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم روایت کی "اپنی مسجدوں کو اپنے پاگلوں، بچوں اور اواز بلند کرنے، تلواریں بے نیام کرنے بیع و شراء اور حدود قائم کرنے اور جھگڑوں سے محفوظ رکھو۔"

[1] سنن ابن ماجه ابواب المساجد والجماعات باب یکرہ فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

[2] کنز العمال بحوالہ عدوطب وق وکر عن مکحول عن واثلہ وابی الدرداوابی امامہ حدیث ۲۰۸۳۴ /۷ ۶۷۰، تاریخ دمشق الکبیر ترجمه العلاء بن کثیر ۵۵۸۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۰/ ۱۵۴، المعجم الکبیر حدیث ۷۶۰۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۵۶/۸

[3] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۷۲۶ المکتبة الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۲ - ۴۴۱

(۴) والامام ابن المبارك عن عبيد الله بن ابی حفص يرفعه الى النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم قال: من اجاب داعی الله واحسن عمارة مساجد الله كانت تحفته بذلك من الله الجنة قيل يارسول الله ما احسن عمارة مساجد الله قال لا يرفع فيها صوت ولا يتكلم فيها بالرفث [1]	**(۴)** امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عبید اللہ بن ابی حفص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک سند پہنچائی کہ آپ نے فرمایا کہ "جس نے اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کی پکار کا جواب دیا اور مسجد کو اچھی طرح آباد کیا تو بدلہ میں اس کا جنت کا تحفہ ملے گا لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کو اچھی طرح آباد کرنا کس طرح ہوتا ہے فرمایا اس میں آواز بلند نہ کرو اور یاوہ گوئی میں مبتلا نہ ہو۔"
(۵) امام مالك والبيهقی عن سالم بن عبد الله ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه بنی الى جانب المسجد رحبة فسماها البطيحاء فكان يقول من اراد ان يلغط و ينشد شعرا او يرفع صوتا فليخرج الى هذا الرحبة [2]	**(۵)** امام مالک اور امام بیہقی رحمہما اللہ سالم ابن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد کے پہلو میں ایک کشادہ جگہ نکال دی تھی جسے بطیحاء کہا جاتا تو آپ فرماتے جسے بیفائدہ بات کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو یا آواز بلند کرنی ہو تو اس احاطہ میں آجائے۔"
(۶) والامام ابن المبارك وابراهيم بن سعد فی نسخته عن سعيد بن ابراهيم عن ابيه قال سمع عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه صوت رجل فی المسجد فقال اتدری اين انت	**(۶)** امام ابن مبارک وابراہیم بن سعد نے اپنے نسخہ میں سعید بن ابراہیم عن ابیہ روایت کی "حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک آدمی کی آواز مسجد میں سنی تو فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے تجھے معلوم نہیں کہ تو

[1] کنز العمال بحوالہ ابن مبارك عن عبيد الله حديث ۲۰۸۴۱ مؤسسة الرسالہ بيروت ۷/ ۶۷۱

[2] مؤطا الامام مالك كتاب قصر الصلوٰة فی السفر باب جامع الصلوٰة میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۶۲

اتدری این انت کرہ الصوت[1]

وقد تقبلها ائمہ الامۃ بالقبول حتی ان فقهائها نصوا علی کراهۃ رفع الصوت فی المسجد بالذکر الا للمتفقهۃ کما فی الدر المختار[2] وغیرہ من معتمدات الاسفار فاذا کان هذا فی الذکر فما ظنك بما لیس بذکر خالص کالاذان لاشتماله علی الحیعلین قال الامام العینی فی البنایۃ شرح الهدایۃ فان قلت الاذان ذکر فکیف یقول انه شبه الذکر وشبه الشیئ غیرہ قلت هو لیس بذکر خالص علی مالا یخفی انما اطلق اسم الذکر علیه باعتبار ان اکثر الفاظه ذکر[3] اھ

وفی البحر الرائق عن المحیط تحت قول الکنز" یستقبل بهما القبلۃ و یلتفت یمینا وشمالا بالصلاۃ والفلاح لانه فی حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالٰی والشهادۃ له بالواحدانیۃ ولنبیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالرسالۃ فالاحسن ان یکون مستقبلا فاما الصلوۃ والفلاح دعاء الی

کہاں ہے آپ نے آواز کو ناپسند کیا۔"

اس حدیث کو ائمہ نے قبول کیا۔اور فقہاء نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا بھی مکروہ ہے ہاں اہل فقہ کی دینی بات چیت کا استثناء ہے ایسا ہی در مختار وغیرہ کتب فقہ میں مرقوم ہے توجب ذکر الٰہی کا یہ حال ہے تواذان جو خالص ذکر بھی نہیں کیونکہ اس میں حیعلین تو نماز کا بلاوا ہے امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا"اگر یہ شبہ ہو کہ اذان تو ذکر ہے اس کو ذکر کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مغایرت ہوتی ہے توجواب یہ ہے کہ اذان ذکر خالص نہیں ہاں اس کے بیشتر الفاظ ضرور ذکر ہیں اسی کالحاظ کرکے اس کو ذکر کہا جاتا ہے۔"

کنز کے قول"کلمہ شہادت کے وقت قبلہ کا استقبال اور صلاۃ و فلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں"کی تشریح میں بحر الرائق نے محیط سے نقل کیا"اذان میں کلمہ شہادتین حالت ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ہے اوراس وقت استقبال قبلہ ہی مناسب ہے اور صلاۃ وفلاح میں نماز کی طرف بلانا ہے۔

---

[1] الزہد لابن المبارك باب فضل المشی الی الصلوۃ والجلوس فی المسجد دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۳۷

[2] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[3] البنایہ شرح الهدایۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/ ۵۵۷

الصلوۃ واحسن الداعی بان یکون مقبلا علی المدعوین"[1] اھ۔ وفی صلوۃ المسعودی رحمہ اللہ تعالٰی: ان فی الاذان مناجاۃ و مناداۃ المناجاۃ ذکر اللہ تعالٰی والمناداۃ نداء الناس ومادام فی ذکر اللہ یستقبل القبلۃ واذابلغ المناداۃ یحول وجھہ ثم قال الشیخ ابوالقاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی الدعاء الی الصلوۃ مناداۃ و باقیہ ذکر اللہ تعالٰی لکن ظاھر الراویۃ ان الاذان کلہ من اولہ الی اخر دعاء الی الصلوۃ ثم قال ظاہر الروایۃ ان الموذن اذاقال حی علی الصلوۃ یقول المستمع لا حول ولاقوۃ الا باللہ فاذاقال حی علی الفلاح ویقول المستمع"ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن"قال شیخ الاسلام برھان الدین رحمہ اللہ تعالٰی ما کان العبد فی ذکر الرحمن یفر الشیطان فاذا جاء نداء الخلق یعود فاذاقیل"لا حول ولاقوۃ الا باللہ	تو اس وقت یہی اچھا ہے کہ بلانے والا بلائے ہوؤں کی طرف متوجہ ہو"۔ صلوۃ مسعودی میں ہے کہ بیشک اذان مناجات بھی ہے اور بلاوہ بھی مناجات اللہ تعالٰی کا ذکر ہے جبکہ بلاوہ میں لوگوں کو پکارنا ہے، مومن جب تک اللہ تعالٰی کے ذکر میں ہوتا ہے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور جب بلاوہ پر پہنچتا ہے تو اپنا چہرہ گھماتا ہے پھر شیخ ابوالقاسم صفار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نماز کی طرف دعوت دینا منادات ہے اور باقی اللہ تعالٰی کا ذکر ہے لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اذان اول سے آخر تک نماز کی طرف دعوت ہے پھر فرمایا ظاہر الروایہ یہ ہے کہ موذن جب "حی علی الصلوۃ" کہے تو سننے والا "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کہے اور جب موذن "حی علی الفلاح" کہے تو سننے والا کہے "ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن" شیخ الاسلام برھان الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ بندہ جب ذکر رحمان میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے پھر جب مخلوق کو ندا کرتا ہے تو شیطان لوٹ آتا ہے پھر جب کہا جاتا ہے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ

[1] بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۸

ما شاء اللہ کان "یفر[1] انتھی ملتقطا مترجما۔ واذا کان ذلك کذلك ولم یرد فی الشرع الاذن بالاذان فی المسجد کان داخلا تحت النھی وھو المقصود۔ **نفحہ۲:** نسمع ربنا تبارك و تعالٰی یعا تب قو ما اذیقول عز من قائل " اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً ۚ "[2]۔وقال عزوجل " فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ "[3] ولقد علم من غشی ابواب السلطان انه اذا کان قو م خارج الحضرۃ وامر الملك بدعائھم لم یکن للحجاب ان ینادوھم فی الحضرۃ بل یخرجون فینادون ولو قاموا علی راس السلطان وجعلوا یصیحون بالنداء لاساؤا الادب واستجلبوا الغضب واستحقوا التادیب ومن لم یر الملوك فینظر قضاۃ بلادنا کفارھم ومسلمو ھم اذا امر وابنداء الخصوم اوالشھو دلم تقدر الاعوان ان	ما شاء اللہ کان " تو شیطان پھر بھاگ جاتا ہے انتہی التقاط مترجماً۔ پس جب صورت حال یہ ہے اور شریعت مقدسہ میں مسجد کے اندر اذان دینے کا ثبوت نہیں تو اذان مسجد ممنوع ہوگی ہمارا یہی کہنا ہے۔ **نفحہ ۲:** اللہ تبارک وتعالٰی ایک قوم کی حالت بیان کرتا ہے، "ایک گروہ آدمیوں سے خدا سے ڈرنے کی طرح ڈرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہے۔" اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "حالانکہ مومنوں کو اللہ تعالٰی سے ہی سب سے زیادہ ڈرنا چاہیے اور جو آدمی بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیتا ہے خوب جانتا ہے کہ جب کوئی شخص دربار کے باہر رہتا ہے اور بادشاہ اس کو بلانے کا حکم دیتا ہے تو دربان دربار کے اندر سے ہی اسے پکارنے نہیں لگتے بلکہ باہر نکل کر آواز دیتے ہیں اگر یہ دربان بادشاہ کے سر پر ہی کھڑے ہو کر چلانے لگیں تو بے ادبی کے مرتکب ہوں گے بادشاہ کے غضب کے مستحق اور سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اور جو بادشاہوں کے دربار میں نہ جا سکا ہو تو وہ ہمارے علاقہ کے ججوں کی کچہری میں حاضر ہو جج مسلمان ہوں یا غیر مسلم وہ دیکھے گا کہ جج جب گواہوں یا مدعی و

[1] صلوۃ المسعودی باب بست ویکم در بیان بانگ نماز در مطبع محمدی بمبئی ۲/ ۹۰
[2] القرآن الکریم ۴/ ۷۷
[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۳

ینا دوھم فی دارالقضاء بل یخرجون خروجا فیدعون وھذامشھود کل یوم ومن انکر کونہ اساءۃ ادب فلیجرب علی نفسہ ولیقم بین یدی حاکمھم المسمی عندھم جج۔ویرفع صوتہ بیافلان یافلان لناس خارج المکان فسیری ما یبدل البیان با لعیان وماذلك الالادب المقام وخشیۃ الحکام "فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۱۳ "[1] کیف ان امثال الامور البنیۃ علی الاجلال۔المبنئۃ من الادب انما تحال علی الشاھد فیما لم یرد بہ النص،و الشاھد ھھنا ماذکرنا فوجب المصیر الیہ وکان نداء الغائبین قائما فی حضرۃ المصلی اسائۃ ادب بالحضرۃ الاعلی وقلۃ خشیۃ من اللہ تعالٰی۔ اماماقلنامن الاحالۃ علی الشاھد فشیئ یشھد بہ العقل السلیم والقلب الحاضر ومن تتبع وجد شواھدہ کثیرۃ فی کلام الاجلۃ الاکابر من ذلك قول الامام المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر:الثابت ھو وضع	مدعا علیہ کو حاضر کرنے کا حکم دیتے ہیں تو چپراسی انہیں کچہری کے کمرہ کے اندر سے نہیں بلاتے بلکہ دروازہ کے باہر اکر پکارتے ہیں یہ روز مرہ کا مشاہدہ ہے اور جواس کے بے ادبی ہونے میں شبہ کرے وہ خود ہی اس کا تجربہ کرے کہ جج کے سامنے کھڑے ہو کر فلاں حاضر ہو فلاں حاضر ہو پکارنے لگے تو ہمارا بیان اس کے لیے مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے گا تو اس کا سبب کچہری کا ادب اور حکام کا خوف ہی ہے پس اے ایمان والو! اللہ تعالٰی سے تو اس سے زیادہ ڈرنا چاہیے اور اس قسم کے امور تعظیم واظہار ادب میں جہاں کوئی شرعی حکم منصوص نہ ہو معاملہ مشاہدہ پر ہی موقوف ہوتا ہے اور مشاہدہ کا حال ہم بیان کر چکے تو اسی کی طرف پلٹنا چاہیے اور غائب مصلیوں کو مصلی کے اندر کھڑے ہو کر پکارنے کو بارگاہ الوہیت میں بے ادبی ہی تصور کرنا چاہیے۔" ہم نے جو مسئلہ کو مشاہدہ پر محمول کرنے کی بات کہی وہ عقل سلیم کے نزدیک مسلم ہے اور تتبع اور تلاش سے بزرگوں کے کلام میں اس کی بہت ساری نظریں مل سکتی ہیں چنانچہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں "حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے"

[1] القران الکریم ۹/ ۱۳

الیمنی علی الیسری و کونه تحت السرة او الصدر کماقال الشافعی لم یثبت فیه حدیث یوجب العمل فیحال علی المعهود من وضعها حال قصد التعظیم فی القیام والمعهود فی الشاهد منه تحت السرة[1] ومن ذلك قوله ایضاواستحسنه تلمیذه المحقق ابن امیر الحاج الحلبی جداما نصه لا اری تحریر النغم فی الدعاء کما یفعله القراء فی هذا الزمان یصدر ممن فهم معنی الدعاء والسوال وماذلك الانوع لعب فانه لو قدر فی الشاهد سائل حاجة من ملك ادی سواله بتحریر النغم فیه من الرفع والخفض و التغریب والرجوع کا لتغنی نسب البتة الی قصد السخریة واللعب اذ مقام طلب الحاجة التضرع لا التغنی[2] اھ۔	(کہ قیام کی حالت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جائے یہ امر کہ وہ ناف کے نیچے ہو یا سینہ کے نیچے، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کامذہب ہے اس باب میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس پر عمل واجب ہو تواس معاملہ کو مشاہدہ پر محمول کرنا چاہیے کہ حالت تعظیم میں جہاں ہاتھ باندھنا معلوم و مشہور ہو وہی اختیار کیا جائے اور یہ زیر ناف ہے۔ انہی نظیروں میں سے حضرت محقق کا یہ قول بھی ہے جس کی ان کی شاگرد ابن امیر الحاج نے تحسین بھی کی ہے دعامیں گلے بازی (گانا) کو میں جائز تصور نہیں کرتا جیسا کہ آج کل کے قاری کرتے ہیں اور یہ فعل ایسے لوگوں سے بھی صادر ہوتا ہے جو سوال اور دعا کے معنی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور مذاق ہے اگر مشاہدے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کوئی سائل جو بادشاہ سے اپنی حاجت کی درخواست کر رہا ہو اپنے سوال کو گویوں کی طرح گا کراواز کی بلندی اور پستی گٹکری اور اواز کی آرائش کے ساتھ مانگے تو ایسے سائل کو کھیل اور مذاق کی تہمت دی جائے گی کہ مقام الحاح وزاری کا ہے نہ کہ گانے کا۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ صفۃ الصلوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۴۹
[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۲۲

قال فی الحلیۃ وقد اجاد رحمہ اللہ تعالٰی فیما اوضح و افاد[1]. اھ	حلیہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایاگیا: حضرت محقق نے بہت عمدہ توضیح وافادہ فرمایا۔
ومن ذلك اشیاء فیه وفی الحلیۃ والغنیۃ وغیرھاقلت ارشد الیه حدیث"استحیی اللہ استحیاء ك من رجلین من صالح عشیر تك رواہ ابن عدی[2] عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔"	اس قسم کی بہت سی نظیریں فتح القدیر حلیہ اور غنیہ وغیرہ میں ہیں بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس طرف رہنمائی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "تم اللہ تعالٰی سے ایسے ہی شرم کرو جیسے اپنے خاندان کے دو نیک مردوں سے شرم کرتے ہو"اس حدیث کوابن عدی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضور سے روایت کی۔
وحدیث قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "اللہ احق ان یستحی منه من الناس۔"رواہ احمد[3] وابو داؤد و الترمذی والنسائی وابن ماجۃ والحاکم عن معاویۃ بن حیدۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کافرمان ہے "اللہ تعالٰی کو اس کازیادہ حق ہے کہ آدمی اس سے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ شرم کرے۔"اس حدیث کواحمدوابو داؤد اورترمذی نے روایت کیااور نسائی اورابن ماجہ اور حاکم نے معاویہ ابن حیدہ سے روایت کیا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ جعفر بن الزبیر الشامی دارالفکر بیروت ۲/ ۵۶۰

[3] جامع الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی حفظ العورۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۱، سنن ابن ماجۃ کتاب النکاح باب التستر عند الجماع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۳۹، سنن ابی داؤد کتاب الحمام باب فی التعری آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۱

وحدیث"اذا صلی احد کم فلیلبس ثو بیه فان الله احق من یزین له" رواه الطبرانی[1] فی الاوسط والبیهقی عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و قد او ضحه ابن عمر اذ کسانا فعا ثو بین و هو غلام فدخل المسجد فو جده یصلی متوشحابه فی ثوب فقال أليس لك ثو بان تلبسهما ؟ ارایت لوانی ارسلتك الی وراء الدار لکنت لابسهما؟ قال نعم قال فالله احق ان تتزین له ام الناس فقال بل الله رواه عبد الرزاق[2] عن نافع۔	اور یہ حدیث: "نماز پڑھو تو پورے لباس میں کہ اللہ کے لیے زینت وارائش کا سب سے زیادہ حق ہے"اس حدیث کوامام طبرانی نے اوسط میں اورامام بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اوراس کی وضاحت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہوئی کہ انہوں نے اپنے غلام نافع کو دونوں کپڑے پہنائے (یعنی مکمل جوڑا دیا) پھرانہیں مسجد کے اندرایک ہی چادر میں لپٹا ہوا دیکھا تو فرمایا کیا تمھارے پاس پہننے کے لیے پوراجوڑانہیں ہے اگر میں تم کو گھر سے باہر کسی کام لے لیے بھیجتا تو مکمل جوڑاپہن کر جاتے یاایک چادر لپیٹ کر؟ حضرت نافع نے جواب دیا ضرور پورا لباس پہنتا اس پرابن عمر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لیے زینت کی جائے حضرت نافع کواقرار کرناپڑاکہ اللہ تعالٰی۔اسے عبدالرزاق نے نافع سے روایت کیا۔
نفحه۳: قال المولی تبارك وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا"	**نفحہ ۳:** اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: اے ایمان والو! دوسرے کے گھر میں بے انس پیدا کئے اور گھر والوں کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہو

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۳۶۴ مکتبۃ المعارف الریاض ۱۰/ ۱۷۰، السنن الکبری کتاب الصلوۃ باب ما یستحب للرجل ان یصلی فیه من الثیاب دائرۃ المعارف العثمانیه دکن ۲/ ۲۳۶

[2] المصنف لعبد الرزاق کتاب الصلوۃ باب ما یکفی الرجل من الثیاب حدیث ۱۳۹۰ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۵۸

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ"[1] نھی اللہ سبحنہ عن دخول الانسان فی بیت غیرہ بغیر اذنہ (تسانسوا عــــہ تستاذنوا) والمساجد بیوت ربنا عزوجل اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان بیوت اللہ فی الارض المساجد	یہ تمھارے لیے بہتر ہے تاکہ نصیحت حاصل کرو اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤتو جب تک اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہو۔ اللہ تبارک و تعالٰی نے دوسرے انسانوں کے گھر میں بے اذن وانس داخلہ ممنوع فرمایا اور مسجدیں اللہ رب العزت جل وعلا کے گھر ہیں۔ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا "روئے زمین پر مسجدیں اللہ تعالٰی کا گھر ہیں اور اللہ تعالٰی نے اپنے ذمہ کرم پر لیا کہ اس میں زیارت کو آنیوالوں

عــــہ: فی الایۃ امران الاستیذان والسلام، فالاستیذان فی المساجد کمانبین، اما السلام فاقیم مقامہ السلام علی حبیبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ حاضر دائما فی حضرتہ فامر کل من یدخل مسجدا او یخرج منہ ان یقول بسم اللہ والحمدللہ والسلام علی رسول اللہ[2] الی اخر الدعاء الوارد فی الاحادیث صحیحۃ شھیرۃ کثیرۃ ۱۲ منہ۔

آیت کریمہ میں دو[2] امر ہیں: (۱) استیذان (۲) سلام استیذان مساجد میں ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ رہا سلام تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام بھیجنا اسکے قائم مقام ہے اس لیے کہ آپ کی بارگاہ میں حاضری دائمی ہے چنانچہ مسجد میں داخل ہونے والے یا مسجد سے نکلنے والے ہر شخص کو حکم ہے کہ وہ یوں کہے "بسم اللہ والحمدللہ والسلام علی رسول اللہ "آخر تک پوری دعا پڑھے جو متعدد مشہور احادیث صحیحہ میں وارد ہے ۱۲ (ت)

---

[1] القران الکریم ۲۴/ ۲۸،۲۷

[2] الکتاب المصنف لابن ابی شیبہ حدیث ۲۵۸۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۵۶

وان حقا علی اللہ تعالٰی ان یکرم من زارہ فیہ[1] (رواہ ابو بکر بن شیبة عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ)	کی تکریم فرمائے گا۔"ابو بکر ابن شیبہ نے اسکو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتا کر نقل کیا۔
وروی الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارة عن ابی قرصافة رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابنوا المساجد واخرجوا القمامة منہا فمن بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة[2]	اور امام طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں ابو قرصافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول نقل کیا: "مسجدیں بناؤ اور ان سے کوڑے صاف کرو تو جو خدا کے لیے گھر بنائے اللہ تعالٰی نے اس کے لیے جنت میں گھر بنادیا۔"
وعدم الاذن فی الدخول لشیئ کما یکون برفع المقید کذلك برفع القید فمن اذن لہ بالدخول لشیئ ودخل بغیرہ فقد دخل بغیر الاذن والیہ یشیر قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لاردہا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لهذا (رواہ احمد ومسلم[3] وابو داؤد وابن ماجة عن ابی ھریرة	اور بے اجازت داخل ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اجازت کسی اور کام کی ہے اور داخل ہونے والا کسی اور کام کی غرض سے داخل ہوا اسی نکتہ کی طرف حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا: "جس نے کسی آدمی کو سنا کہ مسجد میں اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر رہا ہے تو دعا کرے کہ خدا کرے تو اسے نہ پائے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں" امام احمد، امام مسلم، امام ابوداؤد،

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن ابن مسعود حدیث ۲۰۷۴۰ مؤسسة الرسالہ بیروت ۷/ ۶۵۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۲۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۳/ ۱۹

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالة فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۰، سنن ابی داؤد کتاب الصلوة باب کراھیة انشاد الضالة فیہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۷، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النہی عن انشاد الضوال فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

رضی اللہ تعالٰی عنہ) هم جمیعا عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاوجدته لاوجدته لاوجدته انما بنیت هذه المساجد لما بنیت له [1] ولعبد الرزاق عن ابی بکر بن محمد انه سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رجلا ینشد ضالة فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم ایها الناشد غیرك الواجد لیس لهذا بنیت المساجد [2]۔ والاحادیث فی الباب کثیرۃ و هو بعمومه یشمل من ینشد مصحفا لیتلوہ بل ومن ینشد امانة ضلت عنه مع ان انشادها واجب علیه "اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ	ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطے سے روایت کیا۔ مذکورہ بالا سبھی محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے اس حدیث کو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا: "تو اسے نہ پائے تو اسے نہ پائے تو اسے نہ پائے مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں، وہ تو جس کے لیے بنائی گئی ہیں بنائی گئی ہیں۔ عبد الرزاق نے ابی بکر ابن محمد سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں کھوئی ہوئی چیز تلاش کرتے سنا تو فرمایا اے تلاش کرنیوالے! پانے والا تیرے علاوہ ہو مسجدیں اس کام کے لیے نہیں ہیں۔" اس موضوع پر حدیثیں بہت ہیں اور یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ تلاوت کے لیے مصحف شریف کو ڈھونڈے یا کسی کی امانت جو اس کے پاس تھی کھو جانے پر مسجد میں تلاش کرے حالانکہ ایسی چیز کا تلاش کرنا واجب ہے ارشاد الٰہی ہے: "اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث بریدۃ الاسلمی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۶۰، صحیح مسلم کتاب المساجد باب النهی عن نشد الضالۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النهی عن انشاد الضالہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

[2] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۷۲۲ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۰

اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ" [1]۔	کہ امانت والوں کی امانت واپس کردو"
فالانشاد مقدمة الوجدان والوجدان مقدمة الاداء والاداء واجب، مقدمة الواجب واجب، وکذلك عمم الفقهاء فقالوا کره انشاد ضالة، ولم یستثنوا منه فصلا وذلك ان اتیان الواجب ان کان من اعمال الاخرة فما لکل عمل الاخرة بنیت المساجد انما بنیت لما بنیت له احمد و مسلم عن انس رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "ان هذه المساجد لا تصلح لشیئ من القذر والبول والخلاء وانما هی لقرائة القران و ذکر الله والصلوة[2]"	تلاش پانے کامقدمہ ہے اور پانا دینے کاذریعہ، اور جو واجب کاذریعہ ہو وہ خود واجب ہے فقہاء نے اس عموم میں ہر گمشدہ چیز کی تلاش کو داخل کیااور کسی خاص گمشدہ کااستثنانہیں کیا اس کارمزیہ ہے کہ واجب کی ادائیگی ہر چند کہ عمل آخرت ہے پر سبھی عمل آخرت کے لیے مسجد نہیں بنائی گئی۔ حضرات امام احمد ومسلم حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ مسجدیں گندگی پیشاب و پاخانہ کے لیے نہیں یہ توصرف تلاوت قران ذکرالٰہی اور نماز کے لیے ہیں۔"
وللبخاری وابن ماجة عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما بنی لذکر الله والصلوة[3]	بخاری وابن ماجہ حضرت ابوہریرہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ (مساجد) تو نماز اور ذکرالٰہی کے لیے ہی بنائی گئی ہیں۔"
ولاحمد فی الزهد عن ابی ضمرة عن ابی بکر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه انما بنیت للذکر [4]۔	امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت ابوضمرہ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ صرف ذکر کا ہی ذکر کیا۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

[2] مسند الامام احمد بن حنبل عن انس بن مالك المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۹۱، صحیح مسلم کتاب الطهارة باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[3] کنز العمال بحوالہ خ عن ابی هریرہ حدیث ۲۰۷۹۵ مؤسسة الرسالة بیروت ۷/ ۲۶۲

[4] کتاب الزہد (امام احمد بن حنبل) زہد ابی بکر حدیث ۵۸۹ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۵۸

وفی مسند الفردوس عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل کلام فی المسجد لغو الا القران و ذکر اللہ تعالٰی و مسالۃ عن الخیر او اعطاؤہ [1]۔ وقد علمت ان لیس الاذان خالص ذکر ولو کان المسجد یبنی لہ لاتی الشرع بایقاعہ فیہ ولنقل ولو مرۃ وکیف یعقل ان شیئا بنی لہ المسجد لا یفعل فیہ قط علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم فیقال فیہ ایضا ان المساجد لم تبن لھذا کیف والاذان للدعاء الی الحضرۃ والحضرۃ لا تبنی لندا ء الناس الیھا وفیھا، واللہ الموفق فھذا ما ظھر للعبد الضعیف من الکلام المجید والحدیث الحمید والفقہ السدید وحلہ کما تری واضح بلا امتراء وان کان اخرہ من قبیل المتابعات والشواھد ولکن کلہ لمن تحلی بالانصاف ھیھات لما یقنع المکابر ویقمع الاعتساف	مسند الفردوس میں بروایت ابوہریرہ مروی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "مسجد کے اندر تلاوت کلام اللہ، ذکر الٰہی اور بھلائی سے سوال اور اس کو دینے کے علاوہ ہر بات لغو ہے۔" یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ اذان خالص ذکر الٰہی نہیں اگر مسجد اس کے لیے بنی ہوتی تو شرع شریف مسجد کے اندر اذان کا حکم فرماتی اور اس پر عمل درآمد ایک بار ہی سہی مروی ضرور ہوتا بھلا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جس کام کے لیے مسجد کی تعمیر ہوئی وہی مسجد میں کبھی نہ ہوا، نہ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں نہ خلفائے راشدین کے عہد میں تو یہی کہا جائیگا کہ مسجد اس کے لیے بنائی ہی نہیں گئی اور ایسا ہوتا بھی کیسے یہ تو دربارالٰہی کی حاضری کا اعلان ہے اور دربار اعلان کے لیے نہیں ہوتا اعلان تو دربار کے باہر ہوتا ہے اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے اس ضعیف بندے پر کلام مجید حدیث مقدس اور فقہ مبارک سے یہی ظاہر ہوا باتیں سب کی سب ظاہر ہیں اگرچہ اخیر میں ہم نے شواہد اور متابعات سے کام لیا لیکن یہ سب بھی اہل انصاف کے نزدیک قطع مکابرہ اور دفع زیادتی کے لیے کافی ہے

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۷۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۵۸

ونسال اللہ العفو والعافیۃ والرحمۃ الکافیۃ والنعمۃ الوافیۃ والعیشۃ الصافیۃ، والحمدللہ رب العلمین و صلی اللہ تعالٰی و بارك وسلم علی سیدنا محمد والہ و ابنہ وحزبہ اجمعین۔	میں اللہ تعالٰی سے عفو و عافیت رحمت کاملہ اور نعمت متکاثرہ اور عیش صافیہ کا طالب ہوں اللہ تعالٰی کے لیے ہی حمد ہے اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوران کے آل و اصحاب اوران کے گروہ سب پر درود سلام ہو۔

الشمامة الرابعة من عود احراق الخلاف

(اختلاف کو خاکستر کردینے والے عود وعنبر کا چوتھا شمامہ)

الحمد للّٰه وکفی وسلام علی عباده الذین اصطفی لیعلم سادتنا واخوتنا اھل الحق والھدی حفظنا اللّٰه تعالٰی وایاھم عن الردی ان الوھابیة العنود ومن تبعھم من طلبة الھنود بذلوا جھدھم لیخرجوا حدیثا صحیحا او نصا فی الفقه صریحا یفید ان السنة فی ھذا الاذان کونه فی جوف المسجد متصلا بالمنبر کما تعوده ھھنا فلم یقدروا وما کان اللّٰه لیرفع باطل راسا فجعلوا یتشبثون بکل حشیش فخمسة اتفقوا علی الاحتجاج	حمد اللہ تعالٰی کے لیے ہی خاص ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام و رحمت ہو حق و ہدایت والے بزرگوں اور بھائیوں کو معلوم ہو اللہ تعالٰی ان کی حفاظت فرمائے کہ معاند وہابیہ اور انکی پیروی کرتے ہوئے ابھرتے طلبہ سب کو اس امر نے تھکادیا کہ ایک صحیح حدیث یا فقہ کی کوئی نص صریح پیش کریں جو اذان کے مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونے کا افادہ کرے جیسا کہ آج کل رواج پڑگیا ہے مگر وہ اس پر قادر نہ ہوسکے اور اللہ تعالٰی باطل کو سر بلندی عطا نہیں کرتا۔ پس وہ تنکوں کا سہارا لینے لگے ان میں پانچ باتوں میں تو سب متفق ہیں بقیہ کچھ لوگوں نے انفرادی

بها: (۱) نصوصهم ان هذا الاذان بين يدى الخطيب۔ (۲) وتعبير بعضهم فى مسئلة ان ايجا ب السعى بالاذان الاول او الثانى هذا الا ذا ن با لذى عند المنبر۔ (۳) وبعضهم بالذى على المنبر۔ (۴) وزعموا ان كو نه دا خل المسجد ملا صق المنبر هو التوارث فمن احتر س لنفسه يجمل و يقول من القديم والذى تجرأ يقول من لدن رسو ل الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم و خلفائه الر اشدين رضى الله تعالٰى عنهم اجمعين۔ (۵) وزعمو ان عليه التعامل فى جميع البلدان واجمع عليه جميع اهل الا سلا م وتفر د بعضهم من بعض بشبهات اخرى ذا ت عجر و بجر والعبد الضعيف بتوفيق الملك اللطيف عز جلاله يريد ان يمر عليها طرداطرداويبين عوارها فردافردافلنبتدى بالاول ثم نتبعها الباقى الاذل وماتوفيقى الا بالله عليه	بحثیں بھی کی ہیں یہ بندہ ضعیف پہلے تو پانچوں متفقہ دلائل کا ذکر فرداً فرداً اس کا رد کردے گا پھر انفرادی لچر اور پوچ دلائل کی بھی خبر گیری کریگا پہلی پانچ باتیں یہ ہیں۔ (۱) اذان جمعہ کے لیے تمام فقہاء نے بین یدیہ (خطیب کے سامنے) کا لفظ استعمال کیا ہے جس ظاہر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا چاہیے۔ (۲) اس مسئلہ کو بیان کرتے ہو کہ جس اذان کو سن کر جمعہ کے لیے مسجد کی طرف جانا واجب ہو جاتا ہے وہ اذان اول ہے یا ثانی۔ بعض فقہائے یوں تعبیر کی یہ وہی اذان ہے جو عند المنبر (منبر کے پاس) ہوتی ہے۔ (۳) اور بعض فقہاء نے علی المنبر (منبر کے اوپر) فرمایا جو پاس سے بھی زائد قریب پر دلالت کرتا ہے۔ (۴) معاندین کا یہ گمان فاسد ہے کہ اس اذان کا مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا متوارث ہے (یعنی خلفاً عن سلف ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے) توارث کے بیان میں جس نے احتیاط سے کام لیا تو اتنا کہہ کر رہ گیا کہ قدیم سے ایسا ہوتا آیا ہے اور جو جرات بے جا کرتا وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک سے ایسا ہی ہوتا ہے۔

توکلت والیه انیب۔ **نفحہ۱ :** قد بینا بالحدیث و الفقه ان السنة فی هذا الاذان کونه بین یدی الخطیب اذا جلس علی المنبر و لکن لیس فی الفظة بین یدیه ما یقرّ عینهم ولا ما یمیل الیه انما مفادها ان یکون بحذاء المنبر قبالة وجه الخطیب من دون حائل یحجبه عنه وهذا یشمل داخل المسجد و خارجه الی حیث تبقی المحاذاة والمشاهدة لیس فی مفاد اللفظ اکثر من هذا غیر ان الفقه دلنا علی ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا منه بحیث لا یعد ابلنداء ثمه نداء الی هذا المسجد بل فی حدوده وفنائه وارشدنا الحدیث فتعین هذا محلا له ولنکشف الستر عن وجه التحقیق فی مفاد هذا اللفظ۔ **فاقول :** و بالله التوفیق ۔اللفظ مرکب و معناه الحقیقی بحسب اجزائه الترکیبیة وقوع الشیئ فی	**(۵)** ان سب کا کہنا ہے کہ تمام ممالک میں اسی پر عملدرآمد ہےاور تمام اہل اسلام کااس پر اجماع ہے۔ اب میں ان پانچ متفقہ باتوں کا تفصیلی رد اور بعد میں متفرقات سے بھی تعرض کروں گا اللہ تعالٰی سے ہی میری توفیق ہے اسی پر میرا بھروسا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ **نفحہ۱ :** ہم احادیث و فقہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے لیکن "سامنے" کے لفظ میں مخالفین کی آنکھ ٹھنڈی کرنے والی کوئی بات نہیں بلکہ اس کا مفاد صرف اتنا ہے کہ منبر کے سامنے خطیب کے چہرے کے مقابل ہو بیچ میں کوئی حائل نہ ہو جو روئے خطیب کا آڑ بنے یہ بات مسجد کے اندر اور باہر دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے اس حد تک کہ مشاہدہ اور مقابلہ باقی رہے اصل لفظ بین یدیہ (سامنے) کامفاد اس کے سو انہیں البتہ فقہ نے ہم کو بتایا کہ اذان مسجد کے اندر نہ ہونی چاہیے بلکہ مسجد سے اتنی دور ہونی چاہیے کہ مسجد میں نہ شمار کی جائے بلکہ مسجد کے حدود اور اس کی فناء میں ہو احادیث مبارکہ نے بھی اسی کی طرف رہنمائی کی ہے جس سے اس مقام کی تعیین ہوتی ہے۔ اب میں اس لفظ کی تحقیق کرتا ہوں لفظ "بین یدیہ" دو حرفوں سے مرکب ان اجزائے ترکیبیہ کے اعتبار سے اس لفظ

الفضاء المحصور بین ہذین العضوین من المضاف سواء کان امامه او خلفه اولا ولا والفضاء محققا او متخیلا فانك اذا ارسلت یدیك فلیس بینهما الا جنباك و فخذاك و او ان بستطهما قبالة وجهك او وراء ظهرك فكل ما وقع فی الفضاء المحصور بهما فهو بین یدیك وهو اما مك فی الاول وخلقك فی الثانی ولیس امامك ولا خلفلك فی صورة الارسال۔

وانت تعلم ان هذا المعنی لا مساغ له هنا بل الامر ان المرکب ربما لا یلاحظ الی معانی اجزائه التفصیلیة ویصیر باجماله دالا علی معنی اخر لغة او عرفا فهو وان کان مجازا له بالنظر الی مفصله یکون حقیقتا لغویة او عرفیة فیه باعتبار اجماله و ذلك فی لفظنا هذا معنی الا ما م والقدام اما مطلقا من دون تخصیص بالقرب او مع لحاظه و حینئذ یفسر بالحاضر المشاهد لان شرط الرؤیة العادیة القرب و المقابلة فکل مرئی حین هو مرئی محاذ

کے معنی حقیقی یہ ہوئے کہ "آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے" چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی کیونکہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے توان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں اور نہیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضا اور دوسری صورت میں پیچھے کی جانب کی اتنی فضاء "بین دی یہ" ہے اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں۔

لفظ "بین یدیہ" کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معانی اگرچہ مجازی قرار دئے جائیں لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں لفظ بین یدیہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہو گیا ہے قرب کے معنی سے قطع نظر میں طے ہو گیا ہے قرب کے معنی سے قطع نظر کرکے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہد سے کی جاتی ہے کیونکہ رؤیت عادیہ کے لیے قرب و مقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے دیکھنے کے وقت قریب

قريب۔

وهذا منتهى مفاد اللفظ في نفسه و اختلاف حدود القرب تنشؤ من خصوصيات المقام لانه امر اضافي مشكك متفاوت غاية التفاوت فيلاحظ لكل مقام ما يستدعي وهي دلالة عقلية من الخارج لا من اللفظ ثم توسع فيه على الوجهين و استعير ظرف المكان للزمان فاريد به الماضي اما مطلقا او قريب لان جهة المضي جهة الظهور كالامام او المستقبل كذلك لان كل اٰت قريب وانت متوجه الى القابل فكانه لك مقابل وعلى هذين الوجهين ورد في القران العظيم و المحاورات وبهما فسرته ائمة اللغة و التفسير الاثبات ووجدت اللفظة في القران الكريم في ثمان و ثلثين موضعا في عشرين منها لادلالة على القرب وفي واحد جاء على حقيقة اجزائه التركيبية و في سبعة عشر فيد القرب على تفاوت عظيم فيه من الاتصال الحقيقي الى فصل مسيرة خمسمائة سنة جعلنا مالادلالة فيه على القرب فريقا والبواقي فريقا:

بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔

لفظ "بین یدیہ" کا اصلی مفاد یہی ہے البتہ قرب چونکہ ایک امر اضافی حد درجہ متفاوت المعنی کلی مشکک ہے اس لیے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعیین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب و بعد کے مختلف مراتب پر دلالت لفظ کے تقاضا سے نہیں عقل کے تقاضا سے ہے پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لیے تھا لیکن بعد میں ظرف زمان کے لیے مستعمل ہونے لگا یا تو مطلقاً زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لیے کیونکہ ماضی حضور کے قریب ہے اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی مقابل اور متوجہ ہے قرآن عظیم اور محاورات عرب میں لفظ "بین یدیہ" ان دونوں معنی میں وارد ہوا مفسرین نے اسی معنی سے اس کی تفسیر کی میں تتبع اور تلاش سے قرآن پاک میں ۳۸ جگہ یہ لفظ پایا جن میں بیس مقامات پر قرب پر کوئی دلالت نہیں اور ایک مقام پر معنی ترکیبی حقیقی کے لیے ہے اور سترہ مقامات پر قرب کے لیے۔ مگر اس قرب میں بھی تفاوت عظیم ہے کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے ہم نے ان سب آیتوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے:

فمن الاول (۱) قول ربنا عزوجل فی سورۃ البقرۃ[1] (۲) فی طٰہٰ[2] (۳) فی الانبیاء[3] (۴) فی الحج" "یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ"[4] (۵) فی مریم "لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ"[5]۔ فعلم اللہ تعالٰی وملکه لا یمکن اختصاصه بقریب او بعید سواء اخذا الظرف مکانیا او زمانیا او لوحظ معنی عام کما هو الانسب بالمقام الافخم (۶) فی سورۃ البقرۃ "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ"[6] (۷) فی آل عمران: "نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ"[7]۔ (۸) فی سورۃ الانعام: "وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ"[8]۔	قسم اول: (۱) سورۃ بقرہ (۲) سورہ طٰہٰ (۳) سورہ انبیاء (۴) سورہ حج، ان سب سورتوں میں آیات کے الفاظ یکساں ہیں "یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ" ان کے پس و پیش کا اسے علم ہے۔ (۵) سورہ مریم شریف کی آیت "لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ"۔ اللہ تعالٰی ہی کے لیے ہے ہمارے پس و پیش اور اس کے درمیان کی حکومت۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی کی حکومت اور اس کا علم قریب یا بعید کے ساتھ خاص نہیں۔ (۶) سورہ بقرۃ میں "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ" پاک نے قرآن عظیم کو آپ کے قلب پر اتارا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔ (۷) آل عمران میں نزل علیک الکتاب بالحق مصدقالما بین یدیه آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔ (۸) سورہ انعام میں: "ہم نے اس مبارک کتاب کو اتارا جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔"

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۱۰

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۸

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۶

[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۶۴

[6] القرآن الکریم ۲/ ۹۷

[7] القرآن الکریم ۳/ ۳

[8] القرآن الکریم ۶/ ۹۲

(۹)فی یونس: "وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ" [1]۔	(۹) سورہ یونس میں "یہ قرآن غیر خدا کی طرف سے افتراء نہیں ہے یہ تو گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"
(۱۰)فی یوسف: "مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ" [2]۔	(۱۰) سورہ یوسف میں "یہ بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے پہلے کاموں کی تصدیق اور ہر شیئ کی تفصیل ہے"
(۱۱)فی سبا "وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ" [3]۔	(۱۱) سورہ سبا میں کافروں نے کہا ہم نہ تو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں نہ اس پر جو گذشتہ ہے"۔
(۱۲)فی الملٰئکۃ "وَالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ" [4]۔	(۱۲) سورہ ملٰئکہ میں "جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی حق ہے اور گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"
(۱۳)فی حم السجدۃ "وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ" [5]۔	(۱۳) سورہ حم السجدہ میں "یہ عزت والی کتاب کی باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔"
(۱۴)فی الحقاف "قَالُوْا يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ" [6]۔	(۱۴) سورہ احقاف میں سورہ احقاف میں "اے ہماری قوم ! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسی کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے۔" (ان سب آیات میں ہے کہ قرآن عظیم گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے)

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۷
[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۱۱
[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۳۱
[4] القرآن الکریم ۳۵/ ۳۱
[5] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۲
[6] القرآن الکریم ۴۶/ ۳۰

فالقرآن الکریم مصدقا لکل کتاب الٰهی نزل قبله قریبا او بعیدا ولا یخالفه عــه۱ شیئ من کتب الله تعالٰی والکفرة عــه۲ بشیئ لایومنون۔	اور بلا شبہ قران عظیم تمام ہی گزری ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے قریب کی ہو یا بعید کی اور گزشتہ کتابوں میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتی۔ اور کافر کسی پر بھی ایمان نہیں لاتے۔
(۱۵)ومن ذلك فی ال عمران عن عبدہ عیسی علیه الصلوۃ والسلام "وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ"[1]	(۱۵) آل عمران کی یہ آیت بھی قسم اول میں ہی ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام کی حکایت کرتی ہے کہ "میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی۔"
(۱۶)فی المائدۃ "وَ قَفَّیْنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪"[2]	(۱۶) سورہ مائدہ کی آیت "ہم ان نبیوں کے نشان قدم پر عیسی بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی"
(۱۷)فی الصف "مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ"[3]	(۱۷) اور سورہ صف کی آیت "میں اپنے سے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا، اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے،"
فمافسروہ الا بالقبیلة حملا له علی نظائرہ فی القرآن العزیز	ان آیات میں لفظ "بین یدیہ" کہ حضور پر حمل کیا جاسکتا تھا لیکن مفسرین نے اس کی

عــه۱: ناظر الی الایة الثالثة عشر ۱۲منه علیه الرحمة۔

عــه۲: ناظر الی الایة الحادیة عشر ۱۲منه۔

عــه۱: تیرھویں آیت کی طرف اشارہ ہے

عــه۲: گیارھویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۶

[3] القرآن الکریم ۶۱/ ۶

وھو الذی یسبق الی الفھم و ان امکن حملہ ھھنا علی الحضور۔	تفسیر من قبلہ سے کی ہے کہ ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے۔
(۱۸) فی سورۃ البقرۃ "فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا"[1] علی التفسیر لما قبلھا وما بعدھا من الامم اذا ذکرت حالھم فی زبر الاولین واشتھرت قصتھم فی الاخرین (بیضاوی[2])	(۱۸) اور سورہ بقرہ میں "تو ہم نے (اس بستی کا) واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کر دیا" اس کی تفسیر بھی "اگلی اور پچھلی امتیں" کی گئی جس کا ذکر گزشتہ امتوں میں مذکور اور بعد والی قوموں میں مشہور ہوا (بیضاوی)
(۱۹) وفی حم السجدۃ "اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ"[3] عن الحسن انذروھم من وقائع اللہ فیمن قبلھم من الامم وعذاب الاخرۃ اھ (نسفی[4]) او من قبلھم ومن بعدھم اذقد بلغتھم خبر المتقدمین واخبرھم ھود وصالح عن المتاخرین داعین الی الایمان بھم اجمعین (بیضاوی[5])	(۱۹) اور حم سجدہ میں "اور جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے" حضرت حسن بصری سے اس کی تفسیر مروی ہے کہ رسول انہیں پہلی امتوں کے حادثات اور آخرت میں آنے والے عذاب سے ڈراتے (نسفی) یا گزشتہ اور آئندہ قومیں کہ انہیں پہلوں کی خبر پہنچی اور ہود اور صالح علیہ السلام نے نہیں دعوت دیتے ہوئے متاخرین کا حال بتایا (بیضاوی)۔
(۲۰) فی الاحقاف "اِذۡ اَنۡذَرَ قَوۡمَهٗ بِالۡاَحۡقَافِ وَقَدۡ خَلَتِ النُّذُرُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ"[6] قبل ھود (ومن خلفه) من بعدہ الی اقوامھم (ان لا تعبدو	(۲۰) سورہ احقاف میں حضرت ہود نے اپنی قوم کو مقام احقاف میں ڈرایا اور اس کے پہلے سنانے والے گزر چکے تھے اور بعد میں آئے یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد اپنی

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۶
[2] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۲/ ۶۶ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۳۸
[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۴
[4] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایۃ ۴۱/ ۱۴ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۹۰
[5] انور التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الایۃ ۴۱/ ۱۴ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۱۰
[6] القرآن الکریم ۴۶/ ۲۱

االا اللہ)(جلال[1])"۔	قوموں کی طرف کہ سوائے خدا کے کس اور کو نہ پوجو (جلالین)
ومن الثانی(۲۱)فی الاعراف "وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ"[2]۔	قسم ثانی (۲۱) سورہ اعراف میں "اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔"
(۲۲)وفی الفرقان "وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ"[3]	(۲۲) سورہ فرقان میں "اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔"
(۲۳)فی النمل "اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ"[4] (فانہا تدل علی قرب المطر)۔	(۲۳) سورہ نمل میں "یا وہ جو تمھیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی، اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی" (ان آیات میں بین یدیہ قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے)۔
(۲۴)فی الاعراف "لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ ؕ"[5] فلابد للموسوس من القرب والعیاذ باللہ تعالٰی۔	(۲۴) اعراف میں "ہم ان پر آئیں گے ان کے آگے ان کے پیچھے اور دائیں بائیں" اس آیت میں شیطانوں کو وسوسہ کا بیان ہے جس کے لیے ان کا ان لوگوں کے قریب ہونا ضروری ہے جن کو وسوسہ دیں بے اس سے خدا کی پناہ)

[1] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۴۶/۲۱ اصح المطابع دہلی ص ۴۱۸

[2] القرآن الکریم ۵۷/۷

[3] القرآن الکریم ۴۸/۲۵

[4] القرآن الکریم ۶۳/۲۷

[5] القرآن الکریم ۱۷/۷

(۲۵)فی الرعد "لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ" [1] فان شان الحافظ القرب۔	(۲۵) سورہ رعد میں "اس کے نگران اس کے آگے پیچھے ہیں۔" اس آیت میں نگرانی کا ذکر ہے جو قریب سے ہوتی ہے۔
(۲۶)فی سبا "اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰى مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ" [2] یرید سماء الدنیا المرئیة لنا الاقرب الینا۔	(۲۶) سورہ سبا میں "تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان و زمین۔" اس آیت سے سماء سے مراد آسمان دنیا ہے جو نسبۃً ہم سے قریب ہے اور ہم پر سایہ فگن ہے۔
(۲۷)فیھا "وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ" (الی قوله عزوجل) یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ" [3]۔فان المقصود من العمل بین یدی الملك ان یکون بمرای منه علی وفق مایشاء۔	(۲۷) اس میں ہے "اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں۔" اس آیت میں بادشاہ کے حسب مرضی کام کرنیوالوں کے اس کے سامنے ہونے سے مراد اس کی نگاہ میں ہونا ہے۔
(۲۸)فیھا "مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ﴿۴۶﴾" [4] دل علی قرب القیامة۔	(۲۸) اسی میں "تمھارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں وہ تو نہیں مگر تمھیں ڈر سنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے۔" اس میں لفظ بین یدی قیامت کے قرب پر دلالت کرتا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۳۴/ ۹

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۲و۱۳

[4] القرآن الکریم ۳۴/ ۴۶

(۲۹)فی یٰس "وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا"[1]۔ہذا علی الاتصال الحقیقی لیورث العمٰی و العیاذ باللہ تعالٰی۔

(۳۰)وفیہا.(وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ من عذاب الدنیا کغیرکم (وَ مَا خَلْفَكُمْ[2])من عذاب الاخرۃ(جلال[3])

(۳۱)فی حم سجدہ(وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ من امر الدنیا و اتباع الشہوات(وَ مَا خَلْفَهُمْ[4]) من امر الاخرۃ)(جلال[5])

(۳۲)فی الحجرات: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ"[6] فان المفاد النہی عن قطع امر قبل حکم اللہ ورسولہ وتصویر

(۲۹) سورۂ یٰس میں "ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔" یہاں لفظ بین ایدی اتصال حقیقی کے لیے ہے تاکہ نابینائی پیدا ہو" (پناہ بخدا)

(۳۰)اسی میں ہے"جب ان سے کہا گیا کہ سامنے اور پیچھے کے عذاب سے بچو۔"یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب سے بچو۔یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے بچو(جلالین)

(۳۱) حم سجدہ میں "اور ہم نے ان پر کچھ ساتھی تعینات کئے انھوں نے انہیں مزین کردیا جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے"مابین ایدیھم سے مراد امور دنیا اور شہوتوں کی اتباع اور خلفھم سے مراد امور آخرت (جلالین)

(۲۳) سورہ حجرات میں "اے ایمان والو !اللہ و رسول پر سبقت نہ کرو اس آیت میں نفی کا مفاد حکم خدا رسول سے پہلے کسی امر کے فیصلہ کی ممانعت ہے اور اسکی شناعت

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۹

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۴۵

[3] جلالین تحت الآیۃ ۳۶/ ۴۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۷۰

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۵

[5] جلالین تحت الآیۃ ۴۱/ ۲۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۹۸

[6] القرآن الکریم ۴۹/ ۱

شناعة هذا المحسوس وهو تقدم العبد علی مولاه فی المسیر وانما یستهجن من قرب ما۔	کو محسوس کے ساتھ ممثل کرکے دکھایا گیا اگر چلنے میں غلام آقا سے آگے چلنے تو برا ہے اور یہ برائی قرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔
(۳۳) فی الحدید "یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ"[1] کلمة "یسعی" تدل علی ارادة ما ینور لهم فالمدلول القرب اما النور فمتصل حقیقة۔	**(۳۳)** سورہ حدید میں "اس دن تم دیکھو گے کہ مومن کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور دائیں چلے گا۔" یہاں کلمہ "**یسعی**" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آگے اور دائیں سے مراد وہ جگہ ہے جو ان کے لیے روشن کی گئی ہے تو یہاں بین یدیہ سے مراد قرب ہے" اور نور تو مومنوں سے متصل ہی ہوگا۔
(۳۴) فی المجادلة "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ"[2]۔	**(۳۴)** سورۂ مجادلہ میں ہے: "اے ایمان والو! رسول کریم سے بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے صدقہ پیش کرو۔"
(۳۵) فیها "ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ"[3] فان المقصود تعظیم الرسول صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ولا یظهر الا بالقرب۔	**(۳۵)** اسی میں ہے: "بات چیت سے قبل صدقہ پیش کرنے سے ڈر رہے ہو" ان دونوں آیتوں میں مراد تعظیم رسول ہے تو یہ قرب سے ہی ظاہر ہو گی۔
(۳۶) فی الممتحنة (وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ[4]) ای بولد ملقوط ینسبه الی الزوج	**(۳۶)** سورۃ ممتحنہ میں ہے: "ایسا بہتان نہ ظاہر کرو جسے تم نے اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بیچ گاڑا ہو۔" وہ لڑکا جو دوسرے کا ہو

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۳

[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۲

ووصف بصفت الولد الحقیقی فان الامر اذا وضعته سقط بین یدیھا ورجلیھا اھ(جلال[1])فھذا علی الحقیقة الترکیبیة۔

(۳۷)فی التحریم، "نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ"[2]

(۳۸)فی الجن("عٰلِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّهٗ يَسۡلُكُ"[3])یجعل و یسیر (من بین یدیه)ای الرسول(ومن خلفھم رصدا) ملئکة یحفظونه حتی یبلغه فی جملة الوحی(جلال[4])ھذہ و اضحات۔

ومنھا، "فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا"[5] علی الاظھر الاشھر ای الامم التی فی زمانھا و

عورت اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے اور اس کو شوہر کا حقیقی لڑکا بتائے تو عورت جب بچہ جنے گی تو وہ حقیقتاً اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے بیچ میں ہوگا تو یہاں بین یدیہ کے معنی حقیقی ترکیبی مراد ہیں۔"

(۳۷) سورۃ تحریم میں "ان کا نور انکے آگے آگے اور دائیں چل رہا ہوگا۔"

(۳۸) سورہ جن میں "اللہ تعالٰی علم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا ان رسولوں کے آگے پیچھے نگران چلتے ہیں۔" یعنی فرشتے جو وحی کی تبلیغ تک ان کی حفاظت کرتے ہیں یہ سب آیات واضح ہیں۔

اسی سے ہے: "ہم نے (اس بستی) کا یہ وقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کردیا" مشہور اور ظاہر یہی ہے کہ مابین یدیہ اور خلفه سے مراد وہ امتیں

---

[1] تفسیر جلالین تحت الآیة ۶۰ /۱۲ اصح المطابع دہلی ص ۴۵۸

[2] القرآن الکریم ۶۶ /۸

[3] القرآن الکریم ۷۲ /۲۶و۲۷

[4] تفسیر جلالین تحت الایہ ۷۲ /۲۶و۲۷ اصح المطابع دہلی ص ۴۷۷

[5] القرآن الکریم ۲ /۶۶

بعدھا(جلال[1])اولما بحضر تہامن القری وماتباعد عنھا او لاھل تلك القریة وما حوالیھا (بیضاوی[2])وکذا "اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ"[3]علی معنی اتوھم من کل جانب وعملوا فیھم کل حیلة اھ(مدارك[4])"۔	ہیں جو اس زمانہ میں تھیں اور ان کے بعد میں (جلالین) یا جو دیہات قریب تھے اور وہ جو دور تے یا ان دیہاتوں والے (بیضاوی) ایسا ہی آیت مبارکہ "جب اللہ تعالٰی کے بھیجے فرشتے آئے ان کے آگے اور پیچھے اس "آیت کے معنی یہ ہیں فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئے اور ان کے ساتھ ہر طرح کے حیلے برتے (مدارک)۔
واما تفسیر ائمة اللغة والتفسیر ففی الصحاح، والقاموس ثم مختار الصحاح وتاج العروس وغیرھا "بین یدی الساعة"ای قدامھا[5] وفی الصراح"بین یدی پیش روئے[6]او،وفی التاج"یقال بین یدیك بکل شیئ امامك[7]اھ،وفی معالم التنزیل من الھجرات "معنی بین الیدین الامام والقدام[8]۔و	ائمہ تفسیر ولغت کا بیان یہ ہے: ۱صحاح، ۲قاموس، ۳مختار الصحاح، ۴تاج العروس وغیرہ میں بین یدی الساعۃ کے معنی قیامت سے پہلے اور ۵صراح میں آگے جانے والے اور ۶تاج العروس میں ہے کہ بین یدیك ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمھارے آگے ہو۔ ۷معالم التنزیل تفسیر سورہ حجرات میں بین الیدین کے معنی آگے ہے۔اور

[1] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۲ /۶۶ اصح المطابع دہلی ص ۱۱

[2] انوار التنزیل(تفسیر بیضاوی)تحت الایۃ ۲ /۶۶ دار الفکر بیروت ۱ /۳۳۸

[3] القرآن الکریم ۴۱ /۱۴

[4] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الایۃ ۲ /۶۶ دالکتب العربی بیروت ۴ /۹۰

[5] تاج العروس فصل الیاء من باب الواو والیا(یدی)احیاء التراث العربی بیروت ۱۰ /۴۱۹

[6] صراح باب الواو والیاء فصل الیاء مطبع مجیدی کانپور ص ۵۹۸

[7] تاج العروس فضل الیاء من باب الواو والیاء"یدی"احیاء التراث العربی بیروت ۱۰ /۴۱۹

[8] معالم التنزیل(تفسیر البغوی)تحت الآیۃ ۴۹ /۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴ /۱۸۸

الخازن من آل عمران ما بین یدیه فهو امامه [1] وفی ابی السعود و الفتوحات الالٰهیته من یونس علیه الصلوٰة والسلام "بین یدیه ای امامه [2] وفی الجلال من الرعد بین یدیه قدامه [3] وفیه من مریم مابین ایدینا ای امامنا [4] وفیه وفی غیره من البقرة وغیرها مصدقا لما بین یدیه قبله من الکتب [5] ثم فی الانموذج الجلیل تحت الکریم السادسة والعشرین" مابین یدی الانسان هو کل شیئ یقع نظره علیه من غیر ان یهول وجهه الیه [6] وفی الکرخی ثم الفتوحات الالهیة ایضا تحتها من المعلوم ان مابین یدی الانسان هو کل مایقع نظره علیه من غیر ان یحول وجهه الیه [7] وفی تکملة مجمع البحار فعلته بین یدیك ای بحضرتك [8]"۔

۸ خازن میں بین یدیہ کے معنی جو اس کے آگے ہو۔ ۹ تفسیر ابو سعود اور فتوحات الٰہیہ میں سورۃ یونس علیہ السلام میں بین یدیہ کے معنی "اس کے آگے" اور ۱۰ جلالین میں سورہ رعد کے لفظ بین یدیہ کے معنی "اسکے آگے"۔ اسی ۱۱ میں سورہ مریم کے لفظ مابین ایدینا کے معنی کے ہمارے آگے۔ اسی ۱۲ میں اور ۱۳ دیگر تفاسیر میں سورہ بقرہ اور دیگر سورتوں کے لفظ مصدقا لما بین یدیہ کے معنی اس سے پہلے کی کتابیں ہے، ۱۴ انموذج جلیل میں ۲۷ویں آیت کے تحت ہے: مابین یدی الانسان ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر چہرے پھیرے بغیر پڑے۔ ۱۵ کرخی اور ۱۶ فتوحات الٰہیہ میں اسی آیت کے تحت ہے: انسان کے مابین یدیہ وہ چیز ہے جس پر اسکی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ ۱۷ تکملہ مجمع البحار میں ہے: فعلتہ بین یدیك کا ترجمہ "میں نے اس کو تیرے حضور میں کیا"۔

---

[1] لباب التاویل(تفسیر الخازن) تحت الآیۃ ۳/۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۲۴

[2] الفتوحات الالھیة(تفسیر الجمل) تحت الآیہ ۱۰/۳۷ دار الفکر بیروت ۳/۳۷۳

[3] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۱۳/۱۱ اصح المطابع دہلی ص۲۰۱

[4] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۱۹/۶۴ اصح المطابع دہلی ص۲۵۸

[5] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۲/۹۷ اصح المطابع دہلی ص۱۵

[6] الانموذج الجلیل

[7] الفتوحات الالھیہ(تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۳۴/۹ المصطفی البابی حلبی مصر ۳/۴۶۱

[8] تکملہ مجمع بحار الانوار حرف الیاء "ید" مکتبہ دار سعودی عرب ۵/۳۱۷

وفی عنایۃ القاضی من ایۃ الکرسی اطلاق ما بین اید یھم علی امور الدنیا الانھا حاضرہ والحاضر یعبر عنہ بذلك۔ وامور الاخرہ مستترۃ کما یستتر عنك ما خلفك[1] وفی الجمل منھا ما بین اید یھم ای ما ھو حاضر مشاھدلھم[2] وفی الخطیب الشربینی ثم الجمل(بین ید ی اللہ ورسو لہ)معناہ بحضر تھما لان ما یحضرہ الانسان فھو بین ید یہ ناظر الیہ[3] الخ" یاتی تمامہ۔	اور ۱۸عنایۃ القاضی میں آیۃ الکرسی کے مابین یدیہ کے معنی لکھے ہیں کہ مابین یدیہ کا اطلاق امور دنیا پر ہے کہ وہ تمھارے سامنے ہیں۔اور حاضر کی تعبیر مابین یدیہ سے کی جاتی ہے۔اور امور آخرت تم سے پوشیدہ ہیں جیسے وہ چیز تمھارے پیچھے ہو۔اور جمل ۱۹میں اسی آیت کی تفسیر میں مابین ایدیھم کے معنی "جو حاضر و مشاہد ہو" لکھے ہیں ۲۰خطیب شربینی اور ۲۱جمل میں بین یدی اللہ و رسولہ کے معنی "ان دونوں کے حضور کئے ہیں کہ جو آدمی کے پاس ہو وہ بہبین یدیہ ہے،اور آدمی اس کو دیکھنے والا ہے۔(پوری بات آگے آرہی ہے)
فاستبان لك بالقرآن العظیم والحدیث و نصوص ائمۃ القدیم والحدیث ان لا دلا لۃ اصلا لقول الفقھاء یوذن بین ید ی الخطیب علی کون الاذان داخل المسجد فضلا عن کونہ لصیق المنبر۔	تو قرآن عظیم احادیث کریمہ اور قدیم وجدید ائمہ کی نصوص سے ظاہر ہوگیا کہ قول فقہاء یوذن بین یدی الخطیب کی دلالت مسجد کے اندر ہونے پر بھی نہیں چہ جائیکہ منبر کے پاس ہو۔
فاولًا:لایتعین فی افادۃ القرب کما یظھر من عشرین	**اولًا**: لفظ بین یدیہ افادہ قرب میں متعین نہیں جیسا کہ پہلے ذکر کی ہوئی بیس

---

[1] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی تحت الایۃ ۲/ ۲۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۸۰

[2] الفتوحات الالھیہ(تفسیر للجمل)تحت الایۃ ۲/ ۲۵۵ المصطفی البابی حلبی مصر ۱/ ۲۰۷

[3] الفتوحات الالھیہ(تفسیر للجمل)تحت الایۃ ۴۹/ ۱ المصطفی البابی حلبی مصر ۴/ ۱۷۴،السراج المنیر (الشربینی)تحت الایۃ ۴۹/ ۱ نو لکشور لکھنؤ ۴/ ۶۰

آیة تلونا اولا و ماذکرنا من کتب اللغة والتفسیر سابقا فانما غرضھم افادہ ان السنة فی ھذا الاذان مضاذاة الخطیب کما قال فی النافع شرح القدوری اذن المؤذنون بین یدی المنبر)ای فی حذائه [1]اھ فھذا ھو المقصود بالا فادة ھھنا اما ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا عنه بل فی حدودہ و فنائه فمسألة اخری معلومة فی محلھا و بھا تتعین محل ھذا المحاذاة کما قدمنا۔	آیتوں سے ظاہر ہوا اور پہلے ذکر کئے ہوئے ائمہ لغت و تفسیر کی تصریحات سے ظاہر ہوا فقہاء کی غرض تو یہ بیان کرنا ہے کہ اس اذان میں مسنون خطیب کا سامنا ہے جیسا کہ نافع شرح قدوری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ جب موذنین خطیب کے سامنے اذان دے لیں فقہاء کو اس عبارت سے صرف سامنا بتانا ہے یہ بات کہ اذان جوف مسجد میں نہ ہو نہ مسجد سے دور ہو بلکہ مسجد کے حدود و اطراف میں ہو یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کو باب الاذان میں بیان کیا گیا ہے اور اس دوسرے مسئلہ سے سامنے کی دوری متعین ہوتی ہے۔
وثانیًا:سلمنا القرب فھو امر اضافی و قرب کل شیئ بحسبه الاترٰی۔	ثانیا:اور اگر بین یدیہ کے معنی قریب تسلیم بھی کر لیے جائیں تو قرب اسی کے حساب سے ہوگا
(۱)الی الایة الحادیة والعشرین دلت علی قرب المطر لکن لیس ان تھب الریاح فینزل بل کماقال عزوجل "حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ"[2]۔	(۱) دیکھو اکیسویں[۲۱] آیت میں بین یدیہ کے معنی بارش قریب ہونے کے ہیں لیکن ایسا نہیں کہ ہوا چلی اور بارش آئی بلکہ اس طرح جیسا قرآن عظیم میں ہے: "ہوا نے بادل کو اٹھا لیا تو ہم نے اسے خشک علاقہ کی طرف روانہ کیا تو اس سے بارش ہوئی۔
(۲)فی السادسة والعشرین	(۲) ۲۲ویں آیت میں آسمان کو

[1] نافع شرح القدوری

[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۷

جعل السماء بین ایدینا و بیننا و بینها مسیرة خمسمائة سنة و هذا ترجمان القرآن علامة الکتاب من افصح العرب واعلمها باللسان عبد الله بن عباس رضی الله تعالٰی عنهما یقول فی تفسیر آیة الکرسی یعلم ما بین ایدیهم یرید من السماء الی الارض وما خلفهم یرید فی السموات (رواہ الطبرانی[1] فی کتاب السنة)	ہمارے قریب (بین یدیہ) بتایا اور وہ ہم سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری پر ہے حضرت ترجمان القرآن علامۃ الکتاب افصح العرب اور اعلم القوم باللسان سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آیۃ الکرسی کے یعلم ما بین ایدیھم کے معنی زمین سے آسمان تک بتائے اور ما خلفهم کے معنی آسمان متعین فرمائے طبرانی نے سے کتاب السنہ میں روایت کیا
(۳) وفی السابعة والعشرین ذکر عمل الجن بین یدی سیدنا سلیمن وهولاء الجن هم الشیاطین کما قال تعالٰی "وَالشَّیٰطِیۡنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾"[2] وما کان لهم ان یدخلوا الحضرة السلیمانیة لیعملوا ثمه محاریب و ماثیل و جفانا کالجواب وقدور رّٰسیٰت تکفی واحدة منها الف رجل۔ وروی ابن ابی حتم فی تفسیره عن سیدنا سعید بن جبیر قال کان یوضع لسلیمان علیه السلام علیه الصلوة و السلام ثلثمائة الف کرسی فیجلس مومنو الانس مما یلیه و مومنو الجن من ورائهم[3] اھ	(۳) ۲۷ویں آیت میں کہا گیا کہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے (بین یدیہ) چیزیں بناتے تھے حالانکہ وہ شیاطین تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں داخل ہو کر وہ عظیم الشان عمارتیں مجسمے اور میدانوں کی طرح وسیع و عرض لگن بڑی بڑی دیگیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کو کافی ہوں بنا ہی نہیں سکتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں تین لاکھ کرسیاں بچھائی جاتیں جن پر مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے تو شیطان توان

[1] الدر المنثور بحوالہ الطبرانی فی السنۃ تحت الایۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۷

[3] تفسیر القرآن العظیم تحت الایۃ ۲۷/ ۱۷ حدیث ۱۶۱۹۰ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ المکرمہ ۹/ ۲۸۵۵

فماكانت الشياطين الا وراء كل ذلك	سب کے بعد میں ہی ہوں گے۔
(۴)وفی الثامنة والعشرين ارشد الى ان بعثة نبينا صلى الله تعالٰى عليه وسلم بقرب القيامة كما قال صلى الله تعالٰى وعليه وسلم بعثت انا والساعة كهاتين(رواه احمد والشيخان[1] عن سهل بن سعد وهم والترمذى عن انس رضى الله تعالٰى عنهما)وقد امهل الله الامة المرحومة الى وقتنا هذا الفا وثلثمائة وخمسا اربعين سنة وسنزيد والحمد لله الحميد ولم ينافِ ذلك الاية ولا قوله صلى الله تعالٰى وسلم بعثت بين يدى الساعة بالسيف حتى يعبد الله تعالٰى وحده لا شريك له(رواه احمد[2] وابو يعلى والطبرانی فی الكبير بسند حسن عن عبد الله بن عمر رضى الله تعالٰى عنه وعلقه البخارى)۔	(۴)اٹھائیسویں آیت میں ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے قریب ہے خود حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم نے بھی ارشاد فرمایا میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ مبعوث کیے گئے(احمد وشیخان نے سہل بن سعد سے اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کو روایت کیا)اور اللہ تواللہ تعالٰی نے آج ۱۳۴۳ھ تک امت مرحومہ کو مہلت دی اور اس کے بعد بھی یہ امت باقی رہے گی اس کے باوجود یہ مہلت نہ تو آیت باقی رہے گی اس کے باوجود یہ مہلت قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیا تاکہ لوگ ایک خدا کو پوجیں(احمد وابو یعلی اور طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا)۔
(۵)الانجيل بين يدى القرآن و بينهما فی النزول اكثر من ستمائة	(۵)انجیل "بین یدی القرآن" ہے اور ان دونوں کے بیچ میں چھ سو سال

[1] صحيح البخارى كتاب الرقاق باب قول النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم بعثت انا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۶۳، صحيح مسلم كتاب الفتن باب قرب الساعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۴۰۶، مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالك ۳/ ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۹۳، ۱۳۱، ۲۳۷ و ۲۷۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن عبد الله بن عمر المكتب الاسلامی بيروت ۲/ ۵۰و۹۲

سنة، والتوراة بین یدی الانجیل و بین عیسٰی و موسٰی علی ما فی الجمل الف و تسعمائة و خمس و سبعون سنة و کذا ھی بین یدی والفرقان و بین نزولیھما نحو من ثلثة الاف سنة۔

(۶) لا یرتاب احد ان المواجه المغرب حین تدلت الشمس للغروب ان یقول ان الشمس بین یدی و بالفارسیة "آفتاب پیش روئے من است" او بالهندیة "سورج میرے منہ کے سامنے ہے" مع ان بینهما مسیرة ثلثة الاف سنة وکذا یقول للثریا اذا واجهها و بینهما مسیرة ثمانیة الاف سنة۔

(۷) فی الکریمة التاسعة والعشرین ارید الاتصال الحقیقی لان العمی لا یحصل الا بذاك فظهر ان القلب المدلول بلفظ بین یدیه له عرض عریض منبسط من الاتصال الحقیقی الی مسیرة ثمانیة الاف سنة۔ انما اصله الحاضر المشهود و الاختلاف لاختلاف المحل والمقصود فمثلا

سے زائد کا فاصلہ ہے ۱۳ اور توریت انجیل کے ما بین یدیہ ہے ان دونوں کے درمیان حسب روایت جمل انیس سو پچھتّر ۱۹۷۵ سال کا فاصلہ ہے۔ اور یونہی توراۃ قرآن کے بھی بین یدیہ ہے تو توریت وقرآن شریف کا فاصلہ لگ بھگ تین ہزار سال کا ہوا"۔

(۶) یہ بات یقینی ہے کہ غروب آفتاب کے وقت پچھم کی طرف رخ کرکے کھڑا ہونے والا عربی میں کہتا ہے: "الشمس بین یدی"، اور فارسی میں کہتا ہے: "آفتاب پیش روئے است"، اور "ہندی میں کہتا ہے۔" "سورج میرے منہ کے سامنے ہے۔" حالانکہ ان دونوں کے درمیان تین ہزار سال کی مسافت ہے اور یہی بات ثریا کی طرف رخ کرکے بھی کہتا ہے جبکہ اس کے اور ثریا کے درمیان آٹھ ہزار سال کی راہ ہے۔

(۷) انتیسویں آیت میں لفظ "بین یدیہ" سے مراد اتصال حقیقی ہے اس لیے کہ اندھاپن بے اس کے متحقق نہیں ہوسکتا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ بین یدیہ کے مدلول کی جولان گاہ اتصال حقیقی سے شروع ہوکر آٹھ ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے تو اس کی اصل حاضر و مشہود کے لیے ہے اور محل و مقصود کے لحاظ سے اس حضور میں اختلاف ہوسکتا ہے مثلاً

(۱)الثریا تری من مسیرۃ کذا(۲)الشمس من کذا (۳) السمائۃ من میسرۃ خمسمائۃ سنۃ فکان ھی القرب فیھا(۴)وفی العملۃ من حیث یرون فلا یفتروا ولا یزیغوا(۵)المصلی مامور بقصر بظرہ علی موضع سجودہ فھذا ھو موضع شھودہ فلن یکن المرور بین یدیہ الا اذا مر بحیث لو صلی صلوۃ الخاشعین یقع علیہ نظرہ وھو المراد بموضع سجودہ کما افادہ المحققون(۲)فی قولك جلست بین یدیہ یحتاج الی قرب اکثر ممایفید مجرد الابصار فانہ یکون للمکالمۃ والسمع اقصر مدی من البصر والیہ اشاروا فی الکشاف و المدارك والشربینی وغیرھا بقولھم" حقیقۃ قولھم جلست بین یدی فلان ان یجلس بین الجھتین المسامتتین لیمینہ وشمالی قریب منہ فسمیت الجھتان یدین لکونھما علی سمت الیدین مع القرب منھما توسعا کما یسمی الشیئ باسم غیرہ اذا

(۱) ثیریا اتنی دور سے (۲) اور سورج اتنی دور سے (۳) اور سیارے پانچ سو برس کی راہ سے تو ان اشیاء میں یہ قریب کہا جائے گا (۴) اور مزدوروں میں اتنی دور سے کہ نگرانی ہو سکے، مزدور سست نہ پڑیں اور کھسک نہ سکیں (۵) اور مصلی کو حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہ موضع سجود پر رکھے تو اس کے موضع سجود میں اتنی ہی دوری اصل ہے اور مصلی کے سامنے سے گزرنا تبھی کہا جائے گا جب گزرنے والا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نگاہ کی زد میں آئے اور یہ موضع سجود ہی ہے جس کی محققین نے تصریح کی ہے (۶) مقولہ "جلست بین یدیہ" میں مراد حدود بصر سے بھی کم اور محدود دائرہ ہوگا کہ یہ بیٹھنا بات چیت کے لیے ہے جس کا تعلق سماع سے ہے اور سماع کا دائرہ بصرہ کے دائرہ سے بھی محدود و مختصر ہے چنانچہ کشاف، مدارک اور شربنی وغیرہ کے مصنفین نے اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا قول "جلست بین یدی فلان" کی حقیقت یہ ہے کہ دائیں بائیں کی دو مقابل جہتوں کے بیچ میں فلاں کے قریب بیٹھا جائے ان دونوں جہتوں کو دو ہاتھ سے تعبیر کیا کہ یہ جہتیں انہیں دونوں ہاتھوں پر ان سے قریب ہیں اور یہ مجازا ہے جیسا کہ دو پاس والی چیزوں میں ایک کا نام دوسری کو

جاوره[1] ھ وھذا ھو تمام عبارۃ الخطیب الموعود قلت:	دے دیا جاتا ہے اھ" (خطیب شربینی کی یہی عبارت ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا۔)
تنبیه: وفی قولھم اولا حقیقۃ قولھم واخرا توسعا اشارۃ الی ما قدمت من انه مجاز باعتبار معانی الاجزاء التفصیلیۃ حقیقۃ باعتبار الاجمال۔	**تنبیه:** اس عبارت مین اس معنی کو شروع میں حقیقی کہا اور بعد میں مجازی قرار دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے تفصیلی کے معنی کے لحاظ سے تو یہ مجاز ہے اور اجمال کے لحاظ سے معنی حقیقی۔
(۷) یرید رجل قراءۃ القرآن العظیم وھو محدث فیقول لعبدہ قم بالمصحف بین یدی فیدل علی القرب محیث یمکنه القراءۃ منه ویختلف باختلاف نظرہ حدیدا او کلیلا واختلاف خط المصحف دقیقا او جلیلا۔	ایک شخص قران کریم پڑھنا چاہتا ہے مگر خود بے وضو ہے تو وہ اپنے خادم سے کہتا ہے میرے سامنے قران عظیم لے کر بیٹھ جاؤ تو یہاں قریب سے ایسا قرب مراد ہو گا کہ پڑھنا ممکن ہو اور یہ قرب تیز نگاہی اور ضعف بصارت کے اعتبار سے مختلف ہو گا اور تحریر کے جلی اور خفی ہونے کے لحاظ سے بھی متعدد ہو گا۔
وھذا ما قالوا فی مصحف موضوع بین یدی المصلی، أو رحل وھو لا یحمل ولا یقلب انما یقرأ منه بالنظر فیه لا تفسد فی الصلوٰۃ عندھما، وعندہ تفسد کما فی الھندیۃ[2] وغیرھا۔	اور یہی بات مشائخ نے اس مصحف شریف کے بارے میں کہی جو نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہے یا رحل میں ہے، نمازی نہ تو اسے اٹھاتا ہے اور نہ ہی ورق الٹتا ہے بلکہ فقط اس دیکھتا ہے اور قرات کرتا ہے تو صاحبین کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہ ہو گی جبکہ امام اعظم کے نزدیک فاسد ہو جائیگی جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔

[1] تفسیر الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/۱ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۵۰-۳۴۹، مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۹/۱ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶۵/۴، السراج المنیر (تفسیر الشربینی) تحت الآیۃ ۴۹/۱ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۰

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الصلوٰۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰۱

(۸)تضع شیئا بین ید ی أحد لاکله فھذا علی ما تصل ید ہ الیه کحد یث البخاری عن جا بر بن عبد الله رضی الله تعالٰی عنهما۔جئت بقلیل رطب فو ضعته بین ید ی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاکل [1]۔	تم کسی کے آگے کچھ کھانے کے لیے رکھ دو تو یہ اسی حد تک ہو گا جہاں تک اس کا ہاتھ پہنچ جائے جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ "میں تھوڑی سی تر کھجوریں لا یا اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھ دیں جنھیں آپ نے تناول فرمایا۔"
(۹)مقا بلان علی صحفة یا کلان منهافیأخذ احد منهما شیئا منها ویضع بین ید ی صا حبه فهذا علی جانب الصحفة الذی یلی صاحه کحدیث البخاری عن انس رضی الله تعالٰی عنه فجعلت اتتبع الدباء واضعه بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم [2]۔	(۹) دو شخص آمنے بیٹھ کر ایک پیالے میں کھارہے ہوں اور ان میں سے ایک شخص پیالے سے کوئی شے لے کر اپنے ساتھی کے قریب جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سر مروی ہے کہ میں کدو تلاش کرنے لگا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھنے لگا۔
(۱۰) "جَعَلْنَامِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا" [3]علی الاتصال الحقیقی کما علمت۔	(۱۰) ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا بنادی یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا کہ تو نے جانا۔

[1] صحیح البخاری کتاب الاطعمه باب الرطب والتمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۸

[2] صحیح البخاری کتاب الاطعمه باب الثرید قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۵

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۹

وبا لجملة کل هذه الا ختلا فا ت انما تنشؤ من اختلاف المقامات ولا دلا لة علی شیئ منها للفظ بین یدیه واذا کان الا مر علی ما وصفنا بطل الاستدلال به علی الا تصال او القرب الاخص حتی یستفاد منه کون الاذان داخل المسجد فضلا عن کونه لصیق المنبر وهم المستدلون فلیاتوا ببرهان ان کانوا صادقین وانی لهم ذلك واذ قد عجزوا و ﷲ الحمد فیسالونا ان نتبرع ونفید هم ان القرالمدلول هو ان یکون ظاهرا مشاهدا لا یحتاج معه فی رؤیته الی تحویل الوجه کما قدمنا التنصیص به عن الائمة هذا هو القدر المشترك والزیادة تستفاد من خصوص المقام کما علمت وهی ههنا کون الاذان فی حدود المسجد وفنائه فتم الا مر وحصل النصر فظهر امر ﷲ وهم کارهون

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قریب کے یہ مختلف معانی موارد اور مقامات کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ان معانی پر دلالت کرنے میں خود لفظ "بین یدیہ" کو کوئی دخل نہیں اور جب صورت حال یہ ہے تو لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے جس سے اذان کا منبر کے متصل یا مسجد کے اندر ہونا سمجھا جائے نہ کہ یہ حکم دیا جائے کہ اذان منبر سے لگ کر دی جائے اور چونکہ اس قرب کے مدعی وہ لوگ ہیں اور لفظ بین یدیہ سے اس مدعی پر وہی لوگ استدلال کرتے ہیں تو انہیں ہی علیحدہ سے کوئی دلیل لانی چاہیے کہ یہاں اس لفظ سے مراد یہی قرب ہے اور یہ بھلا ان کے بس کی بات کہاں! اور وہ خود یہاں بین دیدیہ کے معنی متعین کرنے سے عاجز ہوں تو ہم سے دریافت کریں ہم تبرعاً انہیں بتاتے ہیں کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جو اس لفظ کا مدلول ہے یعنی موجود و مشاہد جسے دیکھنے کے لیے چہرہ دائیں یا بائیں موڑنے کی ضرورت نہ پڑے قرب کے تمام افراد میں یہی معنی مشترک ہے اور اس معنی پر اضافہ تو موقعہ استعمال کی خصوصیت سے مستفاد ہوتا ہے جو مسئلہ دائرہ میں مسجد کی باہری حدیں اور بیرونی صحن ہے بات مکمل ہوگئی اور مسلک حق مؤید بالدلیل ہوگیا اللہ تعالٰی کا

والحمد للہ رب العلمین۔

ثالثاً: نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الحکم العدل وما کان عھدہ فھو الفصل الم تسمع من الحدیث الصحیح ان ھذا الاذان کان یکون بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی باب المسجد فعلم ان ھذا القدر من القرب ھو المراد ھھنا فمن زاد اونقص فقد تعدی وظلم ای من زاد فی القرب فادخل الاذان فی المسجد بالمعنی الاول فقد تعدی فی سنۃ المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن نقص منہ فجعل ھذا الاذان خارج المسجد بالمعانی الثلثۃ فقد ظلم ومن جعلہ داخل المسجد بالمعینین الاخرین وخارج المسجد بالمعنی الاول فھو الذی بالحق حکم وحکم اللہ ورسولہ اجل واحکم جل وعز وتعالٰی وتکرم وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نفحہ ۲: ظھر مما زھر وللہ الحمد سفاھۃ من تشبث ھھنا یقول الراغب فی مفرداتہ یقول: یقال

فیصلہ ظاہر ہوگیا مگر یہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں ہم تو اس ظہور حق پر اللہ تعالٰی کی حمد ہی کرتے ہیں۔

ثالثاً: یہاں بین یدیہ کی حد متعین کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حکم العدل ہیں اور جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتا تھا وہی حق و باطل کے درمیان امتیاز ہے جسے حدیث صحیح سے سنا جاچکا کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی تھی تو یہاں قرب کی بحکم رسول یہی حد مقرر ہوئی اور جو اس پر اضافہ کرے یا اس میں کمی کرے وہ ظلم و تعدی کرنے والا ہے پس جس نے اس قرب مروی میں اضافہ کرکے داخل مسجد کردیا تو اس نے سنت رسول پر زیادتی کی، اور جس نے اس قرب میں کمی کی کہ ہر سہ معنی مسجد سے اس کو خارج کردیا اس نے بھی ظلم کیا اور جس نے دو آخری معنی کے اعتبار سے خارج مسجد کیا اور معنی اول کے اعتبار سے داخل مسجد کیا، اس نے حق کے موافق حکم کیا، اور حکم اللہ و رسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

نفحہ ۲: الحمد للہ گزشتہ صفحات میں تحقیقات کے جو گلشن لہلہائے ان سے ان صاحب کی ناسمجھی ظاہر ہوگئی جنھوں نے اذان خطیب کے داخل مسجد ہونے پر مفردات امام راغب

هذا الشیئ بین یدیك ای قریبا منك [1]. اھ وبکلام الکشاف والمدارك: حقیقة قولھم جلست بین یدی فلان [2] الخ

فاولا، لاننکر ان اللفظ ربما یلاحظ فیه القرب ولکن قد علمت ان للقرب عرضا بعیدا۔

وثانیا: لم یدران الزیادة فی جلست بین یدیه مستفاد من خصوص الجلوس کما بینا وله ایضا عرض عریض فالوزیر الاعظم والسوقی حضرا فامر السلطان بالجلوس، کلاهما یقول جلست بین یدی الملك ولکن شتان ما قرب الوزیر وقرب من فی صف النعال اولعله لم یجلس الا علی عتبة الباب فینقلب السند علی من استند اذ صدق علی من فی الباب کونه بین یدی من فی صدر

اصفہانی کے اس قول سے استدلال کیا کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تمھاتے سامنے ہے یعنی تم سے قریب ہے اور کشاف اور مدارک کے مذکورہ بالا قول سے "میں فلاں کے سامنے بیٹھا الخ"۔

اولاً: ہم تو اس کا اعتراف ہی کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ بسا اوقات قرب کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن خود قرب میں بھی تو بڑی وسعت ہے۔

ثانیاً: انھیں یہ امر محسوس ہی نہ ہوا کہ یہاں لفظ بین یدیہ کے معنی مشترک حاضر و مشاہد پر قرب کی زیادتی جلوس کی خصوصیت سے مستفاد ہے پھر اس جلوس خاص کے بھی متعدد مراتب ہیں ایک بازاری آدمی اور وزیر اعظم دونوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور دونوں ہی اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا، لیکن دونوں پاس میں کتنا فرق ہوتا ہے کہ وزیر بادشاہ کے ساتھ صدر میں ہوتا ہے اور عام آدمی جوتا نکالنے کی جگہ بلکہ چوکھٹ کے باہر تو اس لفظ سے قرب پر استدلال الٹ گیا کہ دربار کے دروازہ کی چوکھٹ کے پاس بیٹھنے والا بھی صدر میں بیٹھنے

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایة ۴۹ /۱ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۶۵، تفسیر الکشاف تحت الایة ۴۹ /۱ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۴۹

المجلس والمحراب۔ **ثالثًا:** حفظت شیئا وغابت عنك اشیاء ایھا لراغب الی قول الراغب ھل تظنہ مخالفا للنصوص التی قدمنا عن ائمہ اللغۃ وجھا بذۃ التفسیر ام لا ؟فعلی الاول ما الذی راغبك عنھم الی من شذوھم الجم الغفیر وعلی الثانی الم یکفك ماللحاضر المشاھد من القرب فان الرؤیۃ العادیۃ مشروط لھا لقرب ام زعمت ان القرب حد معین لا تشکیك فیہ فاذن لا یحاورك ال مثلك سفیہ وھذا ربنا تبارك وتعالٰی قائلا وقولہ الحق " اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ "[1] بل قال عزوجل " اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۱﴾ "[2] والحساب بعد قیام الساعۃ بنصف الیوم ،والیوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ۔	والے کی طرح بین یدیہ اور پاس ہے۔ **ثالثًا:** راغب کے قول میں یہ رغبت ظاہر کرنے والوں کو کچھ یاد رہااور کچھ بھول گئے کیونکہ مخالف نے امام راغب کے قول کے جو معنٰی بتائے وہ ان آئمہ لغت و تفسیر کے خلاف ہے یا موافق،اگر خلاف ہے توآپ نے جمہور ائمہ لغت کی تصریحات کو چھوڑ کر امام راغب کے شاذ قول کی طرف کیوں رغبت ظاہر فرمائی،اور اگر خلاف نہیں تو حاضر و مشاہد میں جتنا قرب ہے اس پر قناعت کیوں نہیں،حالانکہ رویئت عادیہ کے لئے قریب ہونے کی شرط لابدی ہے،یا تم قرب کے ایک متعین حد مانتے ہو اور اسے کلی مشکک نہیں مانتے۔پھر توآپ کا جواب آپ کے جیسا ناسمجھ ہی دے سکے گا۔اللہ تبارک و تعالٰی اپنے قول حق میں فرماتا ہے: "قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہو چکا"۔ بلکہ اسی قدوس وپروردگار نے فرمایا: "لوگوں کے حساب کی گھڑی آپہنچی اور وہ ابھی غفلت میں اعراض کر رہے ہیں۔" حالانکہ حساب قیام قیامت کے بعد آدھا دن گزار کر ہوگا،اس وقت ایک دن کی مقدار آج کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۱

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱

ورابعًا: ذکر الامام القدوری فی الکتاب الحرز علی ضربین منهما حرزبا لحافظ[1] فقال فی الجوهرة النیرة "هذا اذکان الحافظ قریبا منه بحیث لایراه فلیس بحافظ[2]. اھ" فانظر جعل مایری قریبا ومانای بحیث لایری بعیدا فهذا هو معنی القرب فی کلام الراغب موفق لمانص علیه الائمة الاطائب۔ **خامسًا:** یقول لك الراغب اراغب انت عن بقیة کلامی یاغفول فان کلامه هکذا "یقال هذا الشیئ قریب منك وعلی هذا قوله: له مابین ایدینا ومصدقالما بین یدی من التوراة الخ وقوله قال الذین کفروالن نؤمن بهذا القرآن ولابالذی بین یدیه ای متقدما له	**رابعًا:** اما مقدوری نے اپنی کتاب میں فرمایا اشیاء کی حفاظت کے دو طریقے ہیں (۱) نگران کے ذریعہ حفاظت جوہرہ نیرہ میں اس کی تشریح فرمائی کہ محافظ چیز سے اتنا قریب ہو کہ اسے دیکھتا رہے اور اگر اتنا دور ہو یا کہ چیز نگاہ سے اوجھل ہو گئی تو یہ حفاظت نہیں ہے امام قدوری اور صاحب جوہرہ نے قرب و بعد کا مدار دیکھنے نہ دیکھنے پر رکھا تو کلام راغب میں بھی قرب سے مراد یہی حاضر و مشاہد ہونا چاہیے جیسا کہ دیگر ائمہ لغت و تفسیر کی تحقیق ہے۔ **خامسًا:** اس مستدل سے خود امام راغب کو شکایت ہو گی کہ اس نے میری پوری بات یاد نہیں رکھی کیونکہ ان کی پوری بات تو یہ ہے: "محاروہ ہے کہ یہ چیز تمھارے سامنے یعنی تم سے قریب ہے اللہ تعالٰی کے مندرجہ ذیل اقوال میں لفظ بین یدیہ سے یہی قرب مراد ہے (مثلًا اللہ تعالٰی نے فرشتوں کی زبانی سے کہلایا) جو ہمارے سامنے ہے سب خدا کے لیے ہے (اور قرآن کے لیے خود فرمایا) اپنے سے آگے عالے کتاب توراۃ

[1] المختصر للقدوری کتاب السرقۃ مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۰

[2] الجوھرۃ النیرۃ کتاب السرقۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۲۶۱

من الانجیل ونحوہ [1] اھ(باختصار)" فانظر علی ما حمل القرب وقد جعل مفرعا الیہ"لہ ما بین ایدینا"اتراہ یقول ان مراد لاملئکۃ تخصیص ملك اللہ تعالٰی بما یلیھم۔	کی تائید کرتا ہے اور کافروں کا قول نقل کیا کہ ہم نہ تو قرآن پر ایمان لائیں گے نہ اس سے پہلے کی کتابوں مثلاً انجیل وغیرہ پر" اس پوری عبارت میں امام راغب نے بین یدیہ کے معنی قریب بتاکر اس کا مصداق لہ مابین ایدینا کو قرار دیا، توکیا فرشتوں نے ہمارے سامنے کہہ کر صرف اپنی متصل اشیاء مراد لی، کیا صرف وہی اللہ تعالٰی کی ملک ہیں؟
وسادسًا: فرع علیہ" مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ" [2] وبینھما الفا سنۃ فاذا لم یمنع ھذا الفصل الکثیر الزمانی من القرب لم یمنع منہ الفصل القلیل المکانی بین المنبر وحرف المسجد وربما لا یبلغ مائۃ ذراع بل ولا فی کثیر من المساجد عشرین۔	**سادسًا:** اسی معنی قریب کی فرع مصدقا لما بین یدی من التوراۃ کو کہا جن میں دوہزار سال کا فاصلہ ہے توجب یہ عظیم زمانی فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے منافی نہیں توقرب مکانی میں مسجد کے حدود اور اس سے متصل زمین کا فاصلہ بین یدیہ کے معنی قرب کے کیا منافی ہوگا جو عام طور سے سوہاتھ بھی نہیں ہوتا بلکہ کئی مساجد میں بیس ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔
وسابعًا: ثم قال الراغب انزل علیہ الذکر من بیننا ای من جملتنا وقولہ لن نؤمن بھذا القرآن ولا بالذی بین یدیہ ای	**سابعًا:** اگر امام راغب کے قول" قولہ وقال الذی کفروا کو ماسبق والے قولہ پر ہی معطوف قرار دیجئے تواب لگ بھگ تین ہزار سال کا فاصلہ بھی قریب ہی ہوگا اور اس کو جملہ مستانفہ

[1] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ"بین"نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۶۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

متقدم ماله من الانجیل ونحوه[1] انتہی فہذا تفسیر اخر لبین یدیه "تقیید بالقرب فقد افاد کلا الوجهین واقتصرت علی الاول بالشین والمین۔"

وثامنًا: سلمنا لك ان مراد الراغب ماترید ولکن ہذا صاحب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم السائب بن یزید العربی صاحب اللسان یقول کان یؤذن بین یدیه رسول الله صلی الله تعالٰی وسلم علی باب المسجد[2] ھو اعلم باللسان ام انت وراغبك وبالجملة احادیث فی جبهة حجا

جکم کیة لاتمحی فلله الحمد۔

تاسعًا: اعترف ھذا المستدل بان بین یدیه فی بعض المواضع بحسب المقام تکون خالیًاتکون خالیاعن

قرار دیا جائے تو اب یہ لفظ بین یدیہ کے دوسرے معنی کا بیان ہو تاکہ بین یدیہ کے معنی (جیسے قریب ہوتے ہیں ویسے اس کے ایک معنی) جملہ کتب ماضیہ بھی ہیں جو بعید تر ہیں اسی طرح امام راغب کے ہی بیان سے بین یدیہ کے، معنی قریب و بعید دونوں ہی ثابت ہوئے پھر آپ کو معنی قرب پر اصرار کیوں ہے؟"

ثامنًا: چلئے ہم نے امام راغب کے قول کی وہی مراد تسلیم کرلی جو آپ کو مرغوب ہے مگر اس کو کیا کہیئے گا کہ صحابی رسول حضرت سائب بن یزید عربی رضی اللہ عنہ جو خود بھی صاحب زبان ہیں اور آپ اور آپ کے امام راغب دونوں سے زیادہ عربی زبان کی باریکیاں سمجھتے ہیں وہ حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ علیہ وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی کہتے ہیں اور علی باب المسجد بھی کہتے ہیں یہ حدیث گرامی تو آپ کی کٹھ حجتی کے منہ پر ایسی مہر ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے ہم اس پر اللہ تعالٰی کی حمد بجالاتے ہیں۔

تاسعًا: مستدل نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ بین یدیہ بعض مواقع میں قرب سے خالی بھی ہوتا ہے اور صرف سامنے اور

[1] المفردات فی غرائب القرآن الیاء مع الباء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۵

معنى القرب دالا على مجرد المحاذاة قال كما صار واقعا فى بعض الايات القرينية ايضا لكن ههنا اى فى مسئلة الاذان لم يصرح بهذا فى كتاب(اھ مترجما)فقد اقران بين يديه يستعمل على كلا الوجهين وانه ورد فى القرآن العظيم ايضا بالوجهين ثم يقول لم يصرح به ههنا فى كتاب يا مسكين انت المستدل واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فما ينفعك عدم التصريح انه انما كان عليك ان تبدى تصريحا بنفيه ولكن الجهل بمسالك الاحتجاج ياتى بالعجائب۔	مقابل کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ بعض آیات قرانی میں بھی واقع ہوا ہے مگر مسئلہ اذان میں جو لفظ بین یدیہ آیا ہے اس کے معنی صرف وہ محاذاۃ ہے جو قرب سے خالی ہو اس کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے اھ۔ مقام حیرت ہے کہ "بین یدیہ" کو قریب و بعید دونوں کے لیے مان کر اور یہ تسلیم کرکے کہ قران عظیم میں ایسا وارد ہے اور مستدل ہو کر سادگی سے یہ کہنا کہ مسئلہ متنازعہ میں بین یدیہ کے معنی بعید ہونے کی تصریح کہیں سے ثابت نہیں (الٹی بھیرویں الاپنا ہے) اس عدم ثبوت سے مستدل کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ آپ کا استدلال تو اس احتمال کے تسلیم کرتے ہی ختم ہوگیا کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" اب تو اگر آپ یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ مسئلہ اذان میں اس لفظ کے معنی بعید نہیں مراد ہیں تو بات بنتی اور یہ آپ کے بس سے باہر ہے جبھی تو معنی محتمل مراد نہ ہونے کی تصریح کے عدم سے استدلال کرنے لگے سبحان اللہ! یہ بھی پتہ نہیں کہ مستدل کا موقف کیا ہے اور معترض کو کس بات سے فائدہ پہنچتا ہے۔
ثم قوله لما لا يريده ولا يرضاه كما صار واقعا فى بعض اٰيات القرآن ايضا يلمح الى شيئ اصعب فان مثل هذا الكلام فى مثل هذا المقام يقال	اسلوب بیان کی خامی یہ جملہ جیسا کہ قران کی بعض آیات میں واقع ہوا یہ بتانے کے لیے بولتے ہیں کہ یہ جو واقع ہوا سہو اوخطاءً

لما وقع سهوا او خطاءً على خلاف الجادة نسال الله العفو والعافية۔	واقع ہوا کیا قرانی آیات کے لیے یہ اسلوب بیان صحیح ہے اللہ تعالٰی سے ہم عفو کے طالب ہیں
عاشرًا: اذ قد ثبت فی القران العظیم فلم انت راغب عنه الی قول الراغب وتزعم ان المفاد هو الذی قاله لا ما وقع فی القرآن الكريم فان زعمت ان ما انت فيه ليس محله كان عليك ابداء ما هو محله وانه فی القرآن لا ههنا واثبات كل ذلك بالبينة والا فلم تقر بانه فی القرآن المجيد ثم انت عنه تحيد ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العزيز الحميد۔	**عاشرًا**: جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ "بین یدیہ" کے معنی قرآن میں بعید مقابل کے لیے ہے تو اس سے منہ موڑ کر اس کے راغب کے بیان کے مطابق قریب لینے کی کیا وجہ ہے اگر کوئی وجہ فرق تھی تو آپ کو دونوں ہی پہلو کے لیے دلیل دینی چاہیے تھی کہ قرآن میں بعید ہونے کی یہ وجہ ہے اور اذان میں قریب مراد ہونے کی دلیل یہ ہے اور جب آپ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہی تو قرآن عظیم سے رخ موڑ کر راغب کا دامن پکڑنا کار ذلیل ہے۔
نفحه ۳: نص ائمتنا فی الاصول ان "عند للحضور" قال الامام الاجل فخر الاسلام البزدوی فی اصوله والامام صدر الشريعة فی التنقيح والتوضيح، واقره العلامة سعد التفتازانی فی التلويح (عند للحضرة[1]) وفی تحرير المحقق على الاطلاق وشرحه التقرير لتلميذه المحقق الحلبی (عند للحضرة) الحسية	**نفحہ ۳**: ہمارے اماموں نے اصول کی کتابوں میں تحریر فرمایا کہ عند حضور کے لیے ہے چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی نے اپنے اصول میں اور امام صدر الشریعہ نے تنقیح و توضیح میں اور علامہ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا کہ "عند حضور کے لیے ہے محقق علی الاطلاق اور ان کے شاگرد رشید محقق حلبی کی شرح تقریر میں ہے کہ عند حضور حسی کے لیے ہے جیسے آیۃ کریمہ فلمارآہ مستقرا عندہ،

[1] اصول البزدوی باب حروف البحر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۳

نحو فلما راٰہ مستقرا عندہ، والمعنویۃ نحو قال الذی عندہ علم من الکتاب[1] اھ وقال الامام الاجل ابو البرکات النسفی فی المنار وشرحہ کشف الاسرار والعلامۃ شمس الدین الفناری فی الفصول البدائع فی الاصول الشرائع والعلامۃ مولی خسرو فی مراۃ الاصول وشرحۃ مرقاۃ الوصول (عند للحضرۃ الحقیقۃ او الحکمیۃ اھ[2]) وفی مسلم الثبوت للمدقق البھاری وشرحہ فواتح الرحموت للملك العلماء بحر العلوم عبد العلی (عند للحضرۃ الحسیۃ) نحو عندی کوز (والمعنویۃ) نحو عندی دین لفلان[3] اھ۔

ومعلوم ان کلا حاضر بالمرأی وکل ما بالمرأی قریب فلا القرب ینکر ولا فی الاتصال یحصر فما د عند اوسع من مفاد "بین یدیہ" فضلا عن ان یزید ضیقا علیہ وقد فرقوا بین لدی

اور حضور معنوی کے لیے جیسے وقال الذی عندہ علم من الکتاب اس نے کہا جس کے پاس علم کتاب تھا اور اسی طرح امام اجل ابو البرکات نسفی نے منار میں اور اس کی شرح کشف الاسرار میں اور علامہ شمس الدین الفناری نے فصول البدائع فی اصول الشرائع میں مولا خسرو نے مرات الاصول اور اس کی شرح مرقات الوصول میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی یا حکمی کے لیے آتا ہے مدقق بہاری نے مسلم الثبوت میں ملک العلماء بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی کے لیے ہے جیسے عندی کوز (میرے پاس پیالہ ہے)۔ اور معنوی کے لیے جیسے عندی دین لفلان (مجھ پر فلاں کا قرضہ ہے)۔

اور یہ بالکل واضح ہے کہ حاضر پیش نگاہ ہے اور جو پیش نگاہ ہے قریب ہی کہا جائے گا تو نہ تو عند کے معنی سے قرب کے انکار کی گنجائش اور نہ عند کے لیے ساتھ چپکا ہونا ضروری ہے اور سچ پوچھو تو عند اپنے مفاد میں بین یدیہ سے بھی زیادہ وسیع ہے نہ یہ کہ

[1] التقریر والتحبیر مسئلہ عند للحضرۃ دار الفکر بیروت ۲ /۱۰۱

[2] مرقاۃ الاصول شرح مرآۃ الاصول، فصول البدائع فی اصول الشرائع

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسائل الظروف مسئلہ عند للحضرۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱ /۲۵

وعند بان عند يستعمل فى القريب والبعيد ولدى مختص بالقريب۔قال الرضى فى شرح الكافية عند اعم تصرفا من لدى لان عند يستعمل فى الحاضر القريب وفيما هو فى حرزك ان كان بعيدًا بخلاف لدى فانه لا يستعمل فى البعيد [1] اھ،والقرب كما علمت ذو وسع بعيد و لنوضح ههنا ايضا بايات الكلام الحميد۔ (ا)قال الله عزوجل:"اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ" [2](الاٰية)۔"ومرت فى النفحة الاولى القرانيه امر كل من فى مشهده صلى الله تعالٰى عليه وسلم بغض الصوت ولا يختص بالذى يليه صلى الله تعالٰى عليه وسلم فسواء فيه من لديه ومن على الباب كلهم عند رسول الله بلا ارتياب	عند کو بین یدیہ سے تنگ مانا جائے چنانچہ عند اور لدی میں یہی فرق بیان کیا جاتا ہے کہ عند قریب و بعید دونوں کے لیے اور لدی خاص طور سے قریب پر دلالت کرتا ہے رضی نحوی نے شرح کافیہ میں تحریر کیا: "عند اپنے تصرفات میں لدی سے اعم ہے کہ وہ پاس اور دور دونوں میں مستعمل ہے اور لدی کا استعمال بعید میں ہوتا ہی نہیں ہے۔" اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ خود قریب کی جولانگاہ بھی بہت وسیع ہے مزید آیات قرآنیہ سے ہم اسے واضح کرتے ہیں: (ا) اللہ تعالٰی نے فرمایا: "جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔" نفحہ اولی قرآنیہ میں واضح کر آئے ہیں کہ یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نگاہ ہو حضور کے بالکل پاس بیٹھنے والوں کے لیے کچھ خاص نہیں بلکہ جو پاس ہے اور جو باب مسجد کے پاس ہے سب کے لیے یہی حکم ہے محراب رسول اور دروازہ مسجد پر بیٹھنے والے دونوں ہی عند رسول اللہ کہے جائیں گے سبھی

[1] الرضی فی شرح الکافیہ "الظروف" لدی ولدن وقحط عوض دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا یحل لاحد ان یصیح و یصرخ فی حضرتہ او یرفع صوتا فوق ضرورتہ ولو کان مفاد "عند" مایزعمون لشمل ھذا الوعد الجمیل بمغفرۃ واجر عظیم من قام بحضرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی فصل عدۃ اذرع فجعل یصیح مع اخر صیاحا شدیدا منکرا فاذا کان منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بفصل شبر مثلا او تکلم ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غضّ صوتہ وھذا لا یقول بہ مسلم لہ عقل۔

کے لیے چیخنا اور چلانا منع ہے بلکہ یہ کہیئے کہ ضرورت سے زیادہ آواز نکالنا منع ہے اور اس مقام پر اگر عند کے وہی معنی ہوں جو یہ لوگ اذان عند منبر میں مراد لیتے ہیں آواز پست رکھنے پر مغفرت اور اجر عظیم کے وعدہ کا مستحق وہ بے ادب بھی ہو جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے چند ہاتھ کی دوری پر کھڑا چیخ رہا ہو یا صرف اس کے لیے خاص ہو گی جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بالشت کی دوری پر کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز میں بات کرے یا خود حضور ہی سے کلام کرے اور چار ہاتھ دور کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز سے بات کرے تو وہ دائرہ رحمت و مغفرت سے باہر ہے کہ (وہ عند رسول اللہ نہیں) بھلا کون عقلمند مسلمان ایسا کہہ سکے گا۔

(۲) قال جل وعلا: "ھُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا ؕ[1]۔"

(۲) ارشاد الٰہی ہے: "یہ منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خرچ نہ کرو تاکہ یہ ادھر اُدھر منتشر ہو جائیں۔"

وھذا اوسع من ذاک یشمل کل من فی خدمتہ وان لم یکن الان فی حضرتہ۔

یہاں عند کا مفہوم پہلے والی آیت سے بھی وسیع ہے کیونکہ یہاں تو عند سے مراد وہ سبھی لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہیں اگرچہ فی الحال حضور سے بہت دور ہوں۔

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۷

(۳) قال تبارك وتعالٰی: "يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ"[1]۔	(۳) اللہ تبارک وتعاٰی کا ارشاد گرامی ہے (کہ منافق آپ کے سامنے کہتے ہیں): "ہم آپ کے فرمانبردار ہیں، اور جب آپ کے پاس دے دور ہو جاتے ہیں تو ان کی ایک جماعت اس کے خلاف بولنے لگتی جو آپ کے سامنے کہہ چکے۔"
ھذا فی المنافقین وما کانو یلو نہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المجلس انما کان ذلك لابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما ثم لا یختص بمن کان اقرب منھم بالنسبۃ الی الاخر یشمل ھو جمیعا۔	یہ منافقین کے حال کا بیان ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں آپ کے بالکل پاس نہیں بیٹھتے تھے قریب کی جگہ تو ابوبکر وعمر، عثمان وعلی ودیگر مخلصین صحابہ کے لیے تھی منافقین تو ادھر اُدھر آنکھ بچا کر بیٹھتے تھے اگر کچھ کسی مجبوری سے آپ کے سامنے بیٹھ بھی گئے ہوں تو عند کہہ کر سبھی منافقین مراد ہیں قریب بیٹھنے والے ہوں یا دور۔
(۴) قال المولی سبحانہ وتعالٰی "اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۙ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾"[2]۔	"بے شک متقین باغوں اور نہروں میں سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور ہوں گے۔"
عمت کل متق ولکن این احاد الصلحاء من العلماء والعلماء من الاولیاء والاولیاء من الصحابۃ والصحابۃ من الانبیاء	یہ آیت تو سارے ہی متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن اس میں کہاں بہ نسبت اولیاء کے کسی صالح مسلمان کا درجہ اور بہ نسبت اولیاء کے کسی عالم کا درجہ، اور بہ نسبت انبیاء کے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۵،۵۴

والانبیاء من سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرق لا یقدر ولا یقدر بشر ان یتصور اعظم بالوف الآف مرات مما بین الفلك الاعلی وما تحت الثری وقد شملت کلھم عند۔	کسی ولی کا درجہ اور کہاں سید الانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا درجہ ان مراتب میں تو فلک الافلاک اور تحت الثری سے بھی زیادہ فاصلہ ہے مگر سب کو عند اللہ سے بیان کیا گیا ہے۔
(۵)مثلہ قولہ عزوجل "اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۳۴ "[1]	(۵)اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے "بے شک متقین کے لیے رب کے پاس جنت نعیم فرمایا ہے۔"
(۶)فی اٰیۃ اخری وقال العلی الاعلی تبارك وتعالٰی "اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ"۔[2]	(۶) دوسری آیت میں اللہ تبارو تعالٰی نے فرمایا: "اس نے دعا مانگی یا اللہ! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک مکان بنادے۔"
ومعلوم ان اللہ تعالٰی قد استجاب لھا وقد فرج لھا ففی الدنیا ونبیتھا کما فی حدیث سلمان[3] وحدیث ابی ہریرہ بسند صحیح رضی اللہ تعالٰی عنھما وما کانت لتطلب اقرب المنازل وان تفضل علی الانبیاء والرسل علیھم وعلیھا الصلوۃ والسلام، بل قربا یلیق بھا وان لم یساوی مالخدیجۃ وفاطمۃ وعائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھن	(مذکورہ بالا آیت کے تحت) حضرت سلمان وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان پاک بی بی کی دعا قبول کرلی تو کیا وہ انبیاء واولیاء سے بھی زیادہ قرب الٰہی کی طالب تھیں وہ تو اس کی خواستگار تھیں کہ قرب کا وہ مقام جو ان کے لائق ہو، چاہے حضرت خدیجہ و فاطمہ و عائشہ رضوان اللہ تعالٰی عنہن کے درجہ کے ہم پلہ بھی نہ ہو چہ جائیکہ

[1] القرآن الکریم ۶۸ /۳۴

[2] القرآن الکریم ۶۶ /۱۱

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الایۃ ۲۲ /۱۱دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۸ /۱۹۲، الدر المنثور تحت الایۃ ۲۲ /۱۱دار احیاء التراث العربی بیروت ۸ /۲۱۳

فضلا عن الانبیاء الکرام علیهم الصلوة السلام۔ (۷)وقال عزوجل فی الشهداء "بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ"[1] این رجل من احاد الشهداء من سیدهم حمزة رضی الله تعالٰی عنه بل من نبی الله یحیی وغیره ممن استشهد من الانبیاء علیهم الصلوة والسلام۔ (۸)قال جل ذکره فی الملئکة "فَالَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ"[2] تنفا وتهم فیما بینهم معلول مر غیر مفهوم "وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ۙ﴿۱۶۴﴾"[3] (۹)قال عز من قائل "وَقَدۡ مَكَرُوۡا مَكۡرَهُمۡ وَعِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ ؕ"[4] وماکان لمکر الکفار ان یکون	انبیاء عظام علیہم الرحمہ والرضوان کے درجہ کے برابر ہو۔ (۷)اللہ تعالٰی نے شہدائے کرام کے بارے میں ارشاد فرمایا "شہداء اللہ تعالٰی پاس زندہ ہیں۔" تو بھلا کہاں سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقام بلند اور کہاں اللہ تعالٰی کے نبی یحیٰی علیہ السلام کا مقام بلند اور کہاں عام شہداء کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم کی منزل بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام میں شہادت پانے والوں کی منزلیں۔ (۸)اللہ تعالٰی فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے "جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں ان فرشتوں میں باہم درفت کا کتنا تفاوت ہے ہم اس کی حقیقت تو نہیں جان سکتے مگر تفاوت ہونا یقینا معلوم ہے قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک متعین مقام ہے۔" (۹)اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے "کافروں نے خدا سے مکر کیا ان کا مکر تو خدا ہی کے پاس ہے۔" کافروں کے مکر کے لیے اللہ تعالٰی سے

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۹

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۸

[3] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۶۴

[4] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۶

له قر ب من العزيز الجبا ر لا مكا نا لا ستحا لته ولا مكلانة لا ستها نته وا نما هو للحضور اى حا ضر بين يد يه لا يخفى عليه فير جع الى معنى العلم۔	کوئی قرب نہیں نہ قرب مکانی کہ یہ ذات باری کے لے محال ہے نہ قرب مرتبی کہ مکر تو نہایت ذلیل چیز ہے لامحالہ اس آیت میں قرب سے مراد حضور یعنی یہ اللہ تعالٰی کے سامنے ہے اس سے پوشیدہ نہیں تو حضور علمی ہوا۔
(۱۰) قال سبحانه ما اعظم شانه "ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝۳۳" [1] يعنى البدن قا ل فى المعا لم اى عند البيت العتيق ير يد ارض الحرا م كلها قا ل فلا يقربو ا المسجد الحرا م كله [2]،اه جعل جميع الجزا ء الحرم اذ كلها منحر عند البيت ومعلوم ان كثيرا منها على فصل فراسخ من البيت الكريم۔	(۱۰) اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا قربانی کے جانور ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے پاس ہے معالم التنزیل میں فرمایا الی البيت العتيق کا مطلب عند البيت العتق ہے یعنی حرم کی پوری زمین (چنانچہ دوسری جگہ) ارشاد ہوا پورے حرم کے قریب نہ جاؤ آیت مذکورہ بالا میں پورے حرم کو منحر عند البیت العتیق قرار دیا جب کہ حدود حرم مختلف جہات میں بیت اللہ شریف سے کوسوں دوری پر ہے۔
(۱۱) ترى التا بعين يقو لو ن فى احا ديثهم كنا عند عا ئشة رضى الله تعالٰى عنها فلا ادر ى على اى قر ب يحمله المطلو ن۔	(۱۱) احادیث کریمہ میں بہت سے تابعین فرماتے ہیں ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس تھے پتہ نہیں یہ باطل کوش یہاں قربت کو کتنے قرب پر محمول کریں گے۔
(۱۲) يقو ل الحا جب جئت من عند الملك وما كا ن الا على	(۱۲) دربان کہتا ہے میں ابھی بادشاہ کے پاس سے آرہا ہوں حالانکہ وہ دروازہ سے

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۲۲/ ۳۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۴۲

الباب۔	آگے بڑھ نہیں سکتا۔
(۱۳)یقول مکی بیتی عند باب السلام وربما کان بینہما اکثر من مائتی ذراع۔	(۱۳)مکہ کا رہنے والا اپنا پتہ بتاتا ہے کہ میرا گھر باب السلام کے پاس ہے حالانکہ بسا اوقات دونوں فاصلہ دو سو ہاتھ سے بھی زیادہ ہوتا۔
(۱۴)یقول التلمیذ جلست عند شیخی ثلث سنین کو امل وان لم یکن قیامہ الا فی مسجدہ وجلوسہ الا فی اخریات مجلسہ۔	(۱۴)شاگرد استاذ کے پاس مکمل تین سال رہا حالانکہ قیام اس کا مسجد میں ہوتا ہے اور شیخ کی مجلس میں اسے آخری صف میں بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔
(۱۵)اتوخذ لفظۃ عند من کلام بعض الفقہاء ولایوخذ ما ابانوا من معنی عند قال فی الکتاب الھدایۃ والکنز والتنویر وغیرھا واللفظ للکنز من سرق من المسجد متاعا وبہ عندہ قطع[1] فقال علیہ فی شروحہا المجتبی وفتح القدیر وبحرالرائق والدر المختار وغیرھا والنظم للدر: "عندہ ای بحیث یراہ[2]"۔	(۱۵) یہ کہاں کا انصاف ہے فقہاء کے کلام میں آئے ہوئے لفظ عند سے تو اذان ثانی کے متصل منبر ہونے پر استدلال کیا جائے اور فقہائے کرام نے خود لفظ عند کے جو معنی بتائے ہیں اس سے روگردانی کی جائے ہدایہ، کنز، تنویر وغیرھا میں فرمایا یہ عبارت کنز کی ہے جس نے مسجد سے ایسا سامان چرایا جس کا مالک سامان کے پاس تھا اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا ان کی شرح مجتبی، فتح القدیر، بحرالرائق اور در مختار میں فرمایا الفاظ در مختار کے ہیں "سامان کے مالک کے پاس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی دور ہو جہاں سے اپنا سامان دیکھ رہا ہو۔

[1] کنز الدقائق کتاب السرقۃ فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۷۹

[2] الدر المختار کتاب السرقۃ فصل فی الحرز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۳۴

فظهر ان معنى عند لا يشيد على ما بينا من مفاد بين يديه ولا دلا لة لشيئ منهما ان لاا ذا ن دا خل المسجد فضلا عن كو نه لصيق المنبر ولكن اذا رسخ فى القلب و هم فكلما يسمع يتو همه بمعنا ه كما قيل لسغبان واحد مع واحد كم يصير قال خبزان۔	مذکورہ بالا شواہد سے یہ ثابت ہوگیا کہ عند کے معنی بھی اس سے زیادہ نہیں جو ہم نے بین یدیہ کے معنی میں بیان کیا اور ان دونوں لفظوں کی کوئی دلالت اذان کے داخل مسجد ہونے پر نہیں چہ جائیکہ منبر سے متصل مراد لی جائے مگر جب کوئی وہم آدمی کے دماغ میں جم جاتا ہے تو وہ جو چیز بھی دیکھتا ہے اس کو وہی وہمی چیز سمجھتا ہے اور کوئی بات سنتا ہے تو ہی چیز اس کے خیال میں جیسا کہ بھوکے سے پوچھا جائے کہ ایک ایک کتنا ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے دو ۲ روٹی۔
نفحه۴: استبا ن مما با ن و لله الحمد جها لة من تمسك هنا بقول الراغب "عند" لفظ موضوع للقرب فتارة يستعمل فى المكان و تارة فى الا عتقاد نحو ان يقال عندى كذا و تارة فى الزلفى و المنزلة [1] وقول المبسوط "عند عبارة عن القرب [2]" وبان ترجمته بالفارسية نزد و بالهندية	**نفحہ ۴:** الحمدﷲ رب العالمین گزشتہ اظہار سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہوگئی جو اس موقعہ پر بھی امام راغب کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ "لفظ عند قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے تو کبھی مکان کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اعتقاد کے لیے جیسے کوئی کہے میرے پاس ایسا ہے اور کہیں رتبہ اور مرتبہ کے لیے ہوتا ہے یا مبسوط میں امام سرخسی کے قول سے استدلال کرتے ہیں عند قرب بیان کرنے کے لیے ہے۔" عند کا ترجمہ فارسی میں "نزد" اور ہندی

[1] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون تحت اللفظ "عند" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۵

[2] المبسوط للسرخسی کتاب الکفالۃ باب الکفالۃ بالنفس دار الکتب العلیمیہ بیروت ۱۹ /۲۲۴

پاس وقد افدنا ك من مو ارد القر ب ما يغنى عن اعادته و جميع الا يات التى تلو نا انما تر جموا عنع فيها با للسا نين بلفظة"نز د پا س"مع ما فيها من العر ض العر يض كما بينا۔ وكذلك فى "اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ"[1] "اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ"[2] وغير ذلك مما لا يخفى على الصبيان، وقد سئلنا هم مرا را عن مسئلة فقهية فلم يجب احد منهم الى الان و كيف يجيبو ا وما لهم به يدا ن واذا بزغ الحق كلا اللسان۔ صورتها زيد صنع منبرا تبلغ قيمته دينارا اعشر ة درا هم او ا كثر وهو خفيف بحيث يذهب به رجل واحد لا ينؤ ا به ولا يؤدة شيئ من	میں "پاس" ہے کیونکہ ہم نے قرب کے تمام موارد کا ذکر کر دیا ہے جس کے لیے آیات کے اعادہ کی ضرورت اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ان تمام آیتوں میں لفظ "عند" کا ترجمہ دونوں زبانوں میں لفظ نزد و پاس سے کیا گیا ہے جبکہ ان موارد میں قرب کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔ جیسا کہ آیت اقتربت الساعۃ (قیامت قریب ہوئی) اور آیت اقترب للناس حسابھم (لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب ہوا) وغیرہ سے ظاہر ہے (کہ لفظ قرب اپنے دامن میں صدیوں کا فاصلہ سمیٹے ہوئے ہے) اور یہ بات بچوں تک پر واضح ہے ہم نے ان سے بارہا ایک مسئلہ پوچھا جس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا اور وہ کیسے جواب دیتے وہی جواب تو خود ان پر لوٹتا بات یہ ہے کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے ایک دینار مساوی دس درم یا زائد کا ایک ہلکا پھلکا منبر بنایا جسے ایک آدمی بلا تکلف و بے زحمت و مشقت جہاں چاہے اٹھالے جائے اذان منبر

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۱

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱

حمله واذهابه فاذا اناء فی المسجد حین المنبر کان المتولی یستعیره من مابب لکه ثم اذا فرغ یرده الیه و ذات یوم قضیت الصلوة اونتشروا فی الارض والمنبر بعد فی مکانه ومالکه قام بحذائه علی باب اٰخر مسترقا و حانت التفاتة من زید فاخذ المنبر و اشرد فحل یقطع هذا الواهابی السارق شرعا ام لا فان قالوا لا فقد خالفوا نصوص الائمة اذ قالوا من سرق من المسجد متاعا وربه عنده بحیث یراه قطع[1] وان قالوا نعم فقد کان شرط القطع ان یکون ربه عنده لیکون محرزا بالحافظ اذا المسجد لیس بمحرز فقد اعترفوا ان القائم علی باب المسجد او فی حدوده او فنائه حذاء

کے وقت زید اسے مسجد میں لے کر پہنچا متولی مسجد نے اسے مالک سے عاریۃً مانگ لیا کہ نماز سے فارغ ہو کر واپس کر دیں گے بعد نماز لوگ تو ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور منبر وہیں پڑا رہ گیا اور مالک سامنے مسجد کے دروازہ پر یا حدود مسجد کے اندر کھڑا رہ کر اسے دیکھتا اور نگرانی کرتا رہا اس اثنا میں ایک وھابی چوری کی نیت سے مسجد کے اندر دوسرے دروازے سے داخل ہوا اور مالک کے ایک ذرا رخ پھیرنے کا انتظار کرتا رہا جیسے ہی مہلت پائی مبنرع لے کر نکل بھاگا سوال یہ ہے کہ وہ وہابی چوری کی علت میں ماخوذ ہوگا یا نہیں اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ تو داخل مسجد اذان کے حامی اگر یہ جواب دیں کہ نہیں تو ائمہ فقہ کی نص صریح کے خلاف ہوگا کہ ان کا ارشاد "جس نے مسجد کے اندر کے سامان کو چرایا جبکہ مالک اس سامان کے پاس ایسی جگہ ہو جہاں سے سامان نظر آرہا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا" اگر یہ جواب دیں کہ ہاتھ کاٹا جائیگا تو کاٹنے کی شرط یہ تھی کہ مالک سامان کے اتنے پاس ہو کہ اسکا محافظ قرار دیا جائے کیونکہ مسجد حود محفوظ جگہ نہیں تو ان لوگوں نے یہ اعتراف کرلیا کہ مسجد کے دروازے

[1] بحر الرائق کتاب السرقه فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۵۹، الدر المختار کتاب السرقه فصل فی الحرز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۴

المنبر قائم عند المنبر فبثت ان الاذان عند المنبر و ذلك ما اردناه ولله الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه كما يحبه ويرضاه۔ **نفحه ۵:** لئن ننزلنا الی مثل مدارکھم فلا شك ان عند ظرف زمان ومکان قال تعالٰی: "خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ"[1] ای ثیابکم وقت کل صلوة والوقت یضاف الی الامکنة والاجسام ایضا اذا کان له اختصاص بها قال تعالٰی: "یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ"[2] انما حنین اسم مکان وکذا یوم بدر یوم احد یوم الدار لیلة عقبة لیلة المعراج لیلة الغار فی الصحیحین: "من لها یوم السبع"[3] "سبع بسکون الباء مکان المحشر	کے پاس اس کے فناء میں منبر کے سامنے کھڑا ہونے والا منبر کے پاس ہی ہے یہ تو ہمارا دعوی تھا جس کا اعتراف مخالف نے کیا اللہ تعالٰی کے لیے بے شمار پاک اور مبارک تعریفیں جس سے وہ راضی ہوا اور جسے پسند کرے۔ **نفحہ ۵:** اگر ہم ان لوگوں کے معیار فہم پر اتر کر بھی بات کریں تو اتنا تو سب پر ظاہر ہے کہ عند ظرف زمان اور مکان دونوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: "ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کرو" یعنی ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو اور خود وقت بھی مکان اور اجسام دونوں ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے جب کہ وقت کے ساتھ ان کو کوئی خصوصیت ہو ارشاد الہی ہے: "اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے" حنین ایک جگہ کا نام ہے یہی حال یوم بدر، یوم احد، یوم دار، لیلۃ العقبہ، لیلۃ المعراج اور لیلۃ الغار کا ہے صحیحین کی حدیث ہے: "ومن لها یوم السبع" سبع کا لفظ با کے سکون کے سات بھی مروی ہے

[1] القرآن الکریم ۷/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۹/ ۲۵

[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب منه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

او بضمتها الحیو ن المفترس و علیه الاکثر و لا شك ان لهذا الوقت اختصاصا بالمنبر وقته وحینه۔

نفحه۶: احتجوا بقول بعضهم علی المنبر فمن هؤلاء من یفسرہ بعند و قد علمت ان لیس فی عند ما یقرأ اعینهم واجهلهم یقول"علی"ههنا بمعنی الباء یرید ان الباء اللالصاق فکان الاذان ملاصق المنبر مع ان الالصاق الذی فی الباء لیس قطعا بمعنی الاتصال الحقیقی تقول مررت بزید اذا امررت بحیث تراہ و ان کان بینکما اکثر مما بین المنبر و الباب قال تعالٰی: "وَكَاَیِّنۡ مِّنۡ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ﴿۱۰۵﴾"[1] ههنا لفظة علی نفسها وانت لا یبلغ الاسباب اسباب

تو لفظ سبع سے مراد مکان محشر ہوگا اور باء کے ضمہ کے ساتھ تو شیر مراد ہوگا اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح ہے پس ان مقامات میں یوم کی نسبت مقام کی طرف ہے تو ایسا کیوں صحیح نہ ہوگا کہ اذان عند المنبر کے معنی اذان وقت منبر ہو کیونکہ اس اذان کو منبر سے ایک نسبت خاص ہے۔

نفحہ ۶: اذانیوں نے بعض فقہاء کے قول اذان علی المنبر سے استدلال کیا تو ان میں سے بعض نے علی کی تفسیر عند سے کی اور ہم اوپر ذکر کرآئے ہیں کہ خود لفظ عند میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے دل کو چین ملے اور ان میں سب سے بڑے جاہل نے کہا کہ علی معنی میں باء کے ہے مطلب یہ کہ باء الصاق کے لے آتا ہے تو لفظ اذان علی المنبر کا مطلب ہوگا وہ اذان جو منبر کے متصل ہو اس بات سے قطع نظر کہ یہاں علی کا باء کے معنی میں ہوا خود محل نظر ہے لطف یہ ہے کہ خود الصاق کے معنی اتصال حقیقی نہیں عربی کے اس قول **مررت بزید** (میں زید کے ساتھ چلا) کا یہ مطلب نہیں کہ میں زید سے چپک کر چلا بلکہ تم زید کے پیچھے پیچھے منبر اور دوازہ مسجد کی دوری سے زائد فاصلہ پر بھی چلو اس طرح کہ تمہاری نظر زید پر رہے تو تم کہہ سکتے ہو کہ میں زید کے ساتھ چلا اللہ تبارک و تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۵

السموات حتی تلتصق بآیاتها انما المعنی تمر بحیث تراھا وامثلھم طریقة یقول ان بعض الفقھاء اتی بعلی تاکیدا للقرب یرید ان المراد المبالغة فی القرب حتی کانه علیه فوقه وکل ھذا من ھوساتھم۔

فاولاً: قد اجمع العقلاء ان اللفظ متی احتمل الحقیقة لا مجاز عنھا الی المجاز و معلوم ان علی بمعنی عند او بمعنی الباء او للمبالغة کل ذلك مجاز وھی حقیقة فی اللزوم ففی اصول الامام شمس الائمة ثم کشف الامام البخاری: "اما علی فللزام باعتبار اصل الوضع[1]،اھ"

ارشاد فرماتا ہے: "آسمان وزمین میں کتنی آیتیں ہیں جن گزرتے ہیں اور وہ ان آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔" اس آیت میں خود لفظ علی ہی ہے تو کیا تم علی کو الصاق کے معنی میں لے کر آسمانی آیتوں سے متصل ہونے کے لیے آسمانوں تک بلند ہونے کی طاقت رکھتے ہو پس اس آیت میں لامحالہ تمرون علیہا کے یہی معنی مراد لینے ہونگے کہ تم ان آیتوں کو دیکھتے ہوئے گزرتے ہو اس حال میں کہ تم میں اور ان آیتوں میں آسمان کی وزمین کی دوری تھی اور ان میں سب سے زیادہ سلیم الطبع نے یہ تشریح کی کہ بعض فقہا کی عبارت میں علی المنبر کا لفظ قرب کی تاکید کے لیے ہے مطلب یہ کہ مراد مبالغہ فی القرب ہے یعنی منبر کے اتنا قریب کہ گویا منبر پر ہی ہو لیکن یہ بھی ان کی ہوس ہی ہے۔

اولاً: تمام اہل زبان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لفظ کے معنی حقیقی جب تک بن سکیں معنی مجازی مراد لینے کی کوئی سبیل نہیں اور یہ واضح ہے کہ علی کو عند باء یا مبالغہ کے لیے لینا اس کے معنی مجازی ہوں گے کہ اس کے معنی حقیقی تو لازم کرنے کے ہیں جیسا کہ آول امام شمس الائمہ اور کشف امام بخاری میں: "علی اصل وضع کے اعتبار سے الزام کے لیے ہے۔"

---

[1] کشف الاسرار عن اصول البزدوی بحث حروف البحر کلمة علی دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۱۷۳

وفی تحریر الامام ابن الھمام وتقریر الامام ابن امیر الحاج:"وھو ای اللزوم ھو بمعنی الحقیقی"[1]اھ وفی الرضی الکافیۃ منہ سر علی اسم اللہ تعالٰی ای ملتزما"[2]	تحریم امام ابن ہمام اور تقریب امام ابن امیر الحاج میں ہے:"لزوم ہی علی کے معنی حقیقی ہیں"۔اور رضی شرح کافیہ میں ہے اسی محاورہ سے ہے اللہ کے نام پر سیر کر یعنی اس کو لازم پکڑو۔"
قال ربنا عزوجل"فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰٮهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ"[3] ای ملازمۃ للحیاء۔	قرآن عظیم میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ارشاد الٰہی ہے:"ان دو عورتوں میں سے ایک شرم کرتی ہوئی آئی"یعنی وہ شرم کو لازم کئے ہوئے تھی۔
ولاشك ان ھذا الاذان انماکان لازم ملازم للمنبر فانی توفکون۔	اور اذان خطیب اس امام کو لازم ہے جس نے منبر کا التزام کیا ہے تو یہ لوگ علی کو اس کے حقیقی معنی(لزوم)سے پھیر کر کدھر پلٹ رہے ہیں۔
ثانیًا: الیست"علی"للمصاحبۃ،قال الامام الجلیل الجلال السیوطی فی الاتقان علی حرف جرلھا معان(الی ان قال)ثانیھا للمصاحبۃ کمع نحو"واٰتی المال علی حبہ ای مع حبہ،وان ربك لذو مغفرۃ الناس علی ظلمھم"[4]	**ثانیًا:** علی مصاحبت کے لیے ہے امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں"علی"حرف جر ہے اس کے چند معانی ہیں دوسرا معنی مصاحبت ہے جیسے لفظ مع قرآن عظیم میں ہے کہ مال کو محبت کے باوجود قرابت داروں کو دیا(دوسری مثال)تمھارا رب ظلم کے باوجود لوگوں کی مغفرت کرنیوالا ہے(یہاں علی ظلم کا مطلب مع ظلم ہے)"

[1] التقریر والتحبیر مسئلۃ علی الاستعلاء حسا دار الفکر بیروت ۲/ ۷۶

[2] الرضی فی شرح الکافیۃ حروف الجر حرف"علی"دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۴۲

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۵

[4] الاتقان فی علوم القرآن النوع الاربعون دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۹۸

وفی الحدیث"زکاۃ الفطر علی کل حر و عبد[1]"قال فی النہایۃ"قیل علی بمعنی مع لان العبد لا تجب علیہ الفطرۃ و انما تجب علی سیدہ[2]،اھ"وفی القاموس: "والمصاحبۃ کمع""واتی المال علی حبہ[3]"وفی الفتوحات الالھیۃ تحت قولہ تعالٰی "تمشی علی استحیاء "علی بمعنی مع ای مع استحیاء[4]"ولا شك ان ھذا الاذان مصاحب المنبر لا یتقدمہ ولا یتأخر عنہ فان کانت حقیقۃ فی المصاحبۃ فذاك والا بطل مجازکم باحتمال مجاز اٰخر اذا انتم المستدلون۔ **ثالثًا:**قال ربنا عزوجل:"وَ	اور حدیث شریف میں ہے زکوۃ فطر ہر آزاد اور غلام پر ہے"نہایہ میں فرمایا علی یہاں بھی مع کے معنی میں ہے کہ صدقہ فطر غلام پر واجب نہیں ہو تو مالک پر ہے(تو مطلب یہ ہو کہ غلام کا صدقہ بھی اپنے ساتھ دے) قاموس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے: "مع کی طرح علی بھی مصاحبۃ کے لیے آتا ہے جیسے اتی المال علی حبہ "اور فتوحات الٰہیہ میں آیت مبارکہ تمشی علی استحیاء کی توضیح میں فرمایا: علی مع کے معنی میں ہے یعنی شرماتے ہوئے اور اذان خطبہ بلا شبہ جلوس علی المنبر کے مصاحب ہے نہ اس سے قبل نہ بعد پس مصاحبۃ اگر علی کے معنی حقیقی ہوں آپ کے مراد لیے ہوئے معانی مجازی ہوئے اور مجاز حقیقت کے مصادم نہیں ہو سکتا اور یہ معنی مجازی اور آپ کے معانی بھی مجازی تو ایک اور معنی مجازی کا احتمال پیدا ہوا اور احتمال استدلال کے لیے کتنا مضر ہے یہ سب کو معلوم ہے۔ **ثالثًا:** اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور

[1] مجمع الزوائد باب صدقۃ الفطر دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۸۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب اسلامی بیروت ۲/ ۲۷۷

[2] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب العین مع اللام المکتبہ اسلامیہ ۳/ ۲۹۶

[3] القاموس المحیط فصل العین باب الواؤ والیاء مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۶۸

[4] الفتوحات الالیھۃ الشھیر بالجمل تحت الایۃ ۲۸/ ۲۵ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۴۴

اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ[1] " قال فی الاتقان والفتوحات الالھیۃ (ای فی زمن ملکه[2])، و فی مدارك الامام النسفی: "ای علی عھد ملکه وفی زمانه[3]"اھ۔ ولا شك ان ھذا الاذان علی عھد المنبر وفی زمانه، فرجعت الی معنی عند الزمانیۃ۔	انہوں نے ملک سلیمان پر شیطانوں کے پڑھے ہوئے کی اتباع کی اتقان اور فتوحات الٰہیہ میں ہے یعنی ان کی حکومت کے زمانہ میں مدارک امام نسفی میں ہے یعنی ان کی حکومت اور ان کے زمانہ میں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے وقت اور زمانہ میں ہے تو یہ عند زمانیہ کے ہم معنی ہو گیا۔
رابعًا: اصل الکلام انھم اختلفوا فی الاذان المعتبر لایجاب السعی وترك العمل ھل ھو الاذان الاول کما ھو الاصح وبه قال الحسن بن زیاد عن سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنه ام اذان الخطبۃ لانه لم یکن عند نزول الکریمۃ وغیرہ وبه قال الامام الطحاوی رحمه اللہ تعالٰی ونقل الشمنی فی شرح النقایۃ کلامه ھکذا قال الطحاوی: انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام علی المنبر لانه الذی کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما[4] اھ	**رابعًا**: اصل یہ ہے کہ فقہاء نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ جمعہ کے لیے سعی کے وجوب میں کس اذان کا اعتبار ہے، اذان اول کا (حنفیّہ کے نزدیک یہی صحیح ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے اس کی روایت کی) یا اذان خطبہ کا کیونکہ آیت سعی کے نزول کے وقت اذان اول تھی ہی نہیں (یہی امام طحاوی کا قول ہے جس کو شرح نقایہ میں شمنی نے نقل کیا) امام طحاوی نے فرمایا کہ جمعہ کے وقت وجوب سعی اور ترک بیع کا حکم اس اذان کے وقت ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے کیونکہ پہلی اذان عہد رسالت اور ابو بکر و عمر رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھی۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[2] الفتوحات الالھیۃ الشھیر بالجمل تحت الایۃ ۲/ ۱۰۲ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸

[3] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایۃ ۲/ ۱۰۲ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۶۵

[4] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الطحاوی باب الخطبه والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۸

وفی مرقاۃ علی القاری:"قال الطحاوی انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان والامام علی المنبر لانه الذی کان علی عهده علیه الصلوۃ والسلام و زمن الشیخین رضی الله تعالٰی عنهما [1]۔	ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقات میں بھی روایت ان الفاظ میں ہے: "امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے لیے سعی اور ترک بیع کا وجوب امام منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جانے والی اذان سے ہے کیونکہ عہد رسالت اور زمانہ شیخین میں صرف یہی اذان تھی۔"
وهکذا اکما تری لا مثارلو همهم فیه وکان بعض المتاخرین اختصروا مقاله ولیراجع اصل لفظه رحمه الله تعالٰی عنه فانی ارجو ان لایکون فیه ما اوقعهم فی الوهم وکیف ما کان فانما استدل بانه الذی کان علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما وهکذا ذکر فی دلیله من عبرہ بالاذان علی المنبر عند المنبر کالکافی والکفایة والمبسوط وغیرها ومعلوم قطعا انه لم یکن علی عهد رسول الله تعالٰی علیه وسلم فوق المنبر ولذا احتاج هؤلاء ایضا الی تاویل علی بعند او الباء او	ہر ایک پر روشن ہے کہ اس عبارت میں مخالفین کے شبہ میں پڑنے کی کوئی گنجائش نہیں (امام طحاوی نے امام کے منبر پر ہونے کی بات کہی ہے نہ کہ اذان کے) اور اسی عبارت کو بعض متاخرین نے اپنے طور پر مختصر کیا ہے اصل عبارت کو دیکھا جائے تو اس شبہ کی کوئی بنیاد ہی نہیں بھلا ایسے ہو سکتا ہے۔امام طحاوی نے اپنے استدلال میں فرمایا وہ اذان جس پر سعی واجب ہوتی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد مبارک میں یہی بھی بعد کے جن لوگوں نے اس اذان کی تعبیر علی المنبر یا عند المنبر سے کی جیسے صاحب کافی وکفایہ اور مبسوط وغیرہ ان لوگوں نے بھی یہی کہا کہ یہی اذان حضور کے عہد مبارک میں ہوتی تھی،اور سب کو معلوم ہی کہ اذان خُطبہ عھد رسالت میں منبر کے اوپر نہیں ہوتی تھی اسی لیے توان علماء نے بھی علی کو عند

[1] مرقات المفاتیح کتاب الصلٰوۃ باب الخطبۃ والصلٰوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۸

المبا لغة فا ذن يجب حمله ما كا ن عليه فى زمنه الكريم وكما لم يثبت كونه فى عهده صلى الله تعالٰى عليه وسلم فوق المنبر، كذلك لم يثبت كونه ملاصق المنبر، او عند المنبر بالمعنى الذى يزعمون وانما ثبت كونه على باب المسجد فيجب ان لا يحمل الا على ما يوافقه عند كان او على ولكن الانصاف قد عز فى الاخلاف۔	کے معنی میں لیا۔اور روایت سے یہ ثابت ہے کہ جس کو عند کہتے ہیں وہ علی باب المسجد ہے تو عبارت میں لفظ عند ہو یا علی سب کو اسی ثابت شدہ محمل پر حمل کرنا چاہیے نہ کہ اس واقعہ کے انکار کے لیے معبرین کی تعبیر کو سند بنانا چاہیے مگر افسوس کہ انصاف دنیا سے ناپید ہورہاہو۔
نفحہ۷: لئن تنزلنا لهم عن جميع هذه التحقيقات التى ذكرنا بتوفيق ربنا على الاعلى فى "عند وعلى"۔	**نفحہ۷:** اگر ہم عن اور علی کے بارے میں ذکر کی ہوئی تمام تحقیقات سے قطع نظر کرلیں تب بھی بات وہی ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے ذکر کی ہے۔
فاولًا: ما قولهم "المعتبر الاذان على المنارة او الاذان على المنبر او عند المنبر" الا حكاية حال للتعريف ويعرف كل احد حتى الصبيان انه ليس بحكم وقولهم "لا يؤذن فى المسجد، ويكره الاذان فى المسجد حكم والعبرة بالحكم الا بالحكاية۔	**اولًا:** ان تمام عبارتوں میں جہاں اذان علی المنارہ یا اذان علی المنبر یا عند المنبر کا لفظ آیا ہے بطور تعارف وحکایت حال کے ہے (یعنی وہ اذان جو فلاں جگہ ہوتی ہے اس میں کوئی حکم نہیں کہ اذان یہاں ہونی چاہیے)بخلاف ان اقوال کے جب میں مسجد میں اذان ممانعت آئی ہے جیسے لا یؤذن فی المسجد (مسجد میں اذان نہ دی جائے) یا یکرہ الاذان فی المسجد (مسجد میں اذان مکروہ ہے) کہ یہ صاف صاف حکم ہے اور اعتبار حکم کا ہے تعارف وحکایت کا نہیں۔
وثانيًا: الاذان الذى كذا	**ثانیًا:** یہ طریقہ بیان (کہ جو اذان فلاں

بیان علامۃ لہ فلا یدل علی جوازہ فضلا عن استنانہ قال الامام الاجل ابو زکریا النووی فی شرح صحیح مسلم ثم العلامۃ المحدث طاہر فی مجمع بحا الانوار:"ان العلامۃ تکون بحرام و مباح[1] اھ،ارأیت ان اجتمع فی صعید السلطان و الامراء الناس فمن لا یعرف السلطان سال علاما من فیھم الملك الذی یفترض علینا طاعتہ فی المعروف فال الذی علی راسہ تاج الذھب ھل یکون ذلك حکما منہ بجواز لبس الذھب للرجال کلاّ علماؤنا قد ارشد و الی الحکم ان لا یؤون فی المسجد ومع ذلك لا شك ان لو فعل فیہ کما یفعل ھٰؤلاء لکان موجبا للسعی و ترك البیع علی قول لامام الطحاوی فلو فرض ان الناس احدثوہ ھکذا فعرفوہ بہ بیانا لحکم السعی کان ما ذا۔	جگہ ہوتی ہے)علامت ہے اور علامات کا مسنون ہونا تو بڑی بات ہے جائز ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا امام اجل ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور علامہ محدث طاہر فتنی نے مجمع البحار میں فرمایا"کسی چیز کی علامت مباح اور حرام دونوں ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے"،اس کی مثال یہ ہے کہ کسی میدان میں بادشاہ امراء اور عوام سبھی جمع ہیں ایک آدمی بادشاہ کو نہیں پہچانتا اس نے ایک پرہیزگار عالم دین سے پوچھا ان لوگوں میں بادشاہ کون ہے جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے وہ عالم کہے گا کہ جس کے سر پر سونے کا تاج ہے دیکھئے یہاں سونے کے تاج کی علامت سے بادشاہ کو پہنچوایا گیا تو کیا یہ تعارف اس بات کا حکم ہوگیا کہ مردوں کو سونے کا تاج پہننا جائز ہے؟ تو جب ہمارے علماء نے یہ حکم بتادیا کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے اور یہ کہ مسجد کی اذان مکروہ ہے تو اگر اس کے خلاف مسجد کے اندر اذان دی جانے لگے جیسا کہ آجکل یہ لوگ کر رہے ہیں تو یہ اذان بھی امام طحاوی کے مسلک پر موجب سعی وترک بیع ہوگی ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ اذان متصل منبر لوگوں نے ازخود ایجاد کرلی ہے پھر بھی اس ممنوع اذان کو وجوب سعی کی علامت قرار دیں تو اس سے یہ اذان جائز تو ہو نہیں جائے گی۔

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الزکوۃ باب اعطاء المؤلفہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۲

ثالثاً: الحکم الضمنی فی الوصف العنوانی حکم منطقی، والحکم المنطقی ان کان قصدیاً لم یلزم ان یکون شرعیاً فکیف اذا کان ضمینیاً الم تسمع الی ما قالہ العلماء فی حدیث علیہ السلام تحیۃ الموتٰی[1]۔	**ثالثاً:** قضیہ ضمنیہ میں دو حکم ہوتا ہے ایک موضوع کے وصف کا صدق پ ذات موضوع پر اور دوسرا وصف محمول کا صدق ذات موضوع پر پہلے والا حکم ضمنی منطقی ہوتا ہے اور دوسرا حکم صریحی، شرع کے نزدیک یہی معتبر ہے حکم منطقی قصدی ہو تو تب بھی شرعا معتبر نہیں۔ اور مسئلہ دائرہ میں تو اس اذان پر جو فی زمانہ متصل منبر ہوتی ہے فقہاء نے اذان کا حکم ضمناً لگایا ہے تو یہ شرع کے نزدیک کب معتبر ہوگا؟ اس کی مثال یہ ہے کہ لفظ علیک السلام میں مخاطب پر سلام کا حکم منطقی قصدی ہے مگر شریعت نے اسے نا معتبر اور ناجائز بتایا۔ حدیث شریف میں ہے: "علیک السلام مردوں کا سلام ہے"۔
رابعاً: بعد التیا و التی ان کان فمن باب "الاشارۃ" وقولھم لا یوذن فی المسجد و یکرہ الاذان فی المسجد "عبارۃ" وقد نصوا قاطبۃ ان العبارۃ مرجحۃ علی الاشارۃ وان الحکم والفتیا بالمرجوح جھل وخرق الاجماع کما فی تصحیح القدوری والدر المختار[2]۔	**رابعاً:** تمام بحث و مباحثہ کے بعد اذان علی المنبر اسے اگر کوئی حکم ثابت ہو تو بطور اشارۃ النص ثبوت ہوگا اور فقہاء کے قول "لا یؤذن فی المسجد و یکرہ الاذان فی المسجد" عبارۃ النص ہے اور تمام علمائے اصول کا اجماع ہے کہ عبارۃ النص راجح اور اشارۃ النص مرجوح ہے اور در مختار میں ہے کہ قول مرجوح پر فتوی دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

[1] المصنف العبدالرزاق باب کیف السلام والرد حدیث ۱۹۴۳۴ المجمع الاسلامی بیروت ۱/ ۳۷۴

[2] الدر مختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

وخامسًا: فی معانہ انواع الاحتمال والنصان صریحان والمحتمل لایعارض الصریح واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ **وسادسًا:** مع قطع النظر عن کل مامر غایتہ تعارض حاظر ومبیح فیترجح الحظر بل الامر اذا تردد بین السنۃ والکراھۃ کان سبیلہ الترک کم نص علیہ فی رد المحتار[1] والبحر وغیرھما لان درء المفاسد اھم من جلب المصالح[2] وفی معراج الدرایۃ للامام القوام الکاکی ثم منحۃ الخالق غض البصر مکروہ والجماعۃ سنۃ فترک السنۃ اولی من ارتکاب المکروہ[3] اھ فعلی کل حال ما النصر الا لنا ولا الدائرۃ الا علیھم وللّٰہ الحمد فھذا عشرۃ أجوبۃ عن "عند" و عشرۃ عن "علی" وللّٰہ الحمد العلی	**وخامسًا:** اذان علی المنبر کے معنی میں مختلف قسم کے احتمال ہیں اور ممانعت اذان فی المسجد کی عبارت نص صریح ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ محتمل صریح کا مقابل نہیں ہوسکتا اور کلام محتمل سے استدلال باطل ہے۔ **سادسًا:** جو پہلے گزرا اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کی غایت حظر واباحت کی دلیل میں تعارض ہے تو ترجیح حظر کو ہوگی بلکہ امر جب سنت و کراہت میں دائر ہو تو اس کا راستہ ترک سنت ہے جیسا کہ ردالمحتار اور بحر وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے کیونکہ مفاسد سے بچنا منافع کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، معراج الدرایہ اور منحۃ الخالق میں ہے غضِ بصر مکروہ اور جماعت سنت ہے چنانچہ ترک سنت اولی ہے ارتکاب مکروہ سے بہر حال نصرت ہمارے لیے اور وبال ان پر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں یہ "عند" سے متعلق دس جواب ہیں اور علی سے متعلق بھی دس جواب ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی بلند و

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ۱/۴۳۱ و البحر الرائق باب العیدین ۲/۱۶۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۲۵

[3] منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۳۲

الاعلی۔ وانت خبیر ان کل ما ذکرنا فی ھذہ النفحۃ الاخیرۃ فانما ھو علی غایتہ التنزل وارخاء العنان وجری علی سنن المناظرۃ والا حققنا کلام الفقہاء الکرام بمالا یبقی معہ للمنصف کلام ولا للمجادل مجال جدال وا ما المکابر فداءہ عضال نسال اللہ العفو والعافیۃ۔ **نفحہ۸:** اعلم ان السنۃ عند السادۃ المالکیہ فی اذان الخطبۃ ایضاً ان یکون علی المنارۃ وصرحوا ان کونہ بین یدی الخطیب بدیۃ ومکروھۃ وقال الامام محمد العبدری الفاسی المالکی فی المدخل:"ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الاما علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلك کان علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ،ثم زاد عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذانا اخر بالزوراء وابقی الاذان الذی کان علی عھد رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاك،ثم لما تولی ھشام بن عبدالملك اخذ الاذان	اعلی کے لیے ہیں۔ اس نفحہ میں جتنی باتیں ہم نے ذکر کیں اپنے منصب سے اُتر کر اور لگام ڈھیلی کرکے،اور بطور مناظرہ۔ورنہ ہم نے تو فقہائے کرام کے کلام کی گنجائش ہی نہیں بلکہ مجادل بھی جدل سے باز آئے رہ گیا مکابرانہ کلام تو ئی ایک گمرہی ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ **نفحہ ۸:** ائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالٰی عنھم کے نزدیک اذان خطبہ میں بھی سنت یہی ہے کہ منارہ پر ہو خطیب کے سامنے یہ اذان بدعت مکروہہ ہے امام محمد عبدری فاسی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت کی اذان میں سنت یہ ہے کہ موذن اس وقت منارہ پر ہو ایسا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور زمانہ ابو بکر وعمر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنھم کے ابتدائے خلافت تک رہا،اس کے بعد حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک اور اذان زیادہ فرمائی جو مقام زوراء پر دی جاتی اور عہد رسالت والی اذان کو جہاں کا تہاں باقی رکھا(یعنی جب خطیب مبنر پر چڑھتا اس وقت اذان منارہ پر دی جاتی)ہشام ابن عبدالملک بادشاہ ہوا تو اس نے اذان اول کو مقام زوارء سے منارہ کی طرف

الذی فعله عثمان رضی الله تعالٰی عنه بالزوراء و جعله علی المنار ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و ابی بکر و عمر وصدرا من خلافة عثمان رضی الله تعالٰی عنهم بین یدیه قال علماؤنا رحمهم الله تعالٰی علیهم و سنة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اولی ان تتبع[1] اھ"(باختصار)۔ وحواشی الجواهر الزکیة شرح المقدمة العشماویة للعلامة یوسف السفطی المالکی الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم علیه اهل المغرب الی الان وفعله بین یدی الامام مکروہ کما نص علیه البرزنی وقد نهی عنه مالك فعله علی المنار والامام جالس هو المشروع[2] اھسکندری۔ وفی المواهب اللدنیة للامام احمد القسطلانی وشرحها للعلامة محمد	منتقل کیا اور اذان عہد رسالت وصاحبین اور ابتدائے عہد عثمان غنی میں (یعنی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت) منارہ پر ہوتی تھی اس کو امام کے سامنے دلانے لگا ہمارے علماء کرام فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ حواشی جواہر زکیہ شرح مقدمہ عشماویہ للعلامہ یوسف السفطی سکندری مالکی میں ہے دوسری اذان زمانہ قدیم سے منارہ پر ہوتی تھی اہل مغرب کاآج بھی اسی پر عملدرآمد ہے اس اذان کے امام کے سامنے دینے کو امام برزنی نے مکروہ لکھا ہے امام مالک نے اس سے منع فرمایا امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر اذان مشروع ہے۔ مواہب الدنیہ میں امام احمد قسطلانی نے اور اس کی شرح میں علامہ زرقانی مالکی رحمہما اللہ تعالٰی

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض البدع التی احدثت فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۲۱۲

[2] حواشی الجوہر الزکیۃ شرح المقدمۃ العشماویۃ للعلامۃ یوسف السفطی المالکی

الزرقانی المالکی رحمہما اللہ تعالٰی قال الشیخ خلیل ابن اسحق فی التوضیح اسم شرحہ علی ابن الحاجب: "اختلف النقل ھل کان یؤذن بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او علی المنار الذی نقلہ اصحبنا انہ کان علی المنار نقلہ ابن القاسم عن مالك فی المجموعۃ ونقل ابن عبد البر فی کافیہ عن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم [1] الخ۔"وسیاتی تمامہ بعونہ تعالٰی۔ فھذہ نصوص الامام مالك واصحابہ علی ان کون الاذان بین یدی الخطیب بدعۃ من راسہ فضلا عن کونہ فی المسجد وانما السنۃ فیہ ایضاکاذان سائر الصلوات کونہ علی المنار فظھر ان ادعائھم اجماع المسلمین علی الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فریۃ منھم وای اجماعۃ یقوم مع خلاف امام دار الھرۃ وجماھیر اصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنھم وکذاکذب من	نے فرمایا: "شیخ خلیل ابن اسحٰق نے توضیح میں فرمایا جو ابن حاجب کی شرح ہے کہ علمائے نقل نے اختلاف کیا کہ "اذان ثانی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ کے سامنے ہوتی یا منارہ پر ہمارے اصحاب سے منارہ پر ہونا ہی منقول ہے جیسا کہ ابن قاسم نے اس کو امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مجموعہ میں نقل کی ابن عبد البر نے امام مالک سے یہی نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم معمول نہیں ہے" (پوری تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے) امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اصحاب کے یہ نصوص اذان بین یدی الخطیب کے بالکلیہ بدعت ہونے کی تصریح ہیں چہ جائیکہ اس کا مسجد میں ہونا جائز ہو، سنت تو یہ ہے کہ باقی تمام اذانوں کی طرح یہ بھی منارہ پر ہو تو مخالفین کا یہ فتراء ہے کہ اذان ثانی کا منبر کے متصل مسجد میں ہونا اجماع مسلمین سے ثابت ہے بھلا امام دار الہجرۃ امام مالک اور ان کے خلفاء رضی اللہ تعالٰی عنھم کو چھوڑ کر کون سا اجماع منعقد ہوسکتا ہے تنہا ائمہ مالکیہ کا ختلاف ہی قدح اجماع کے لیے کافی ہے جبکہ اس

[1] المواہب اللدنیہ المقصد التاسع الباب الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۶۲-۱۶۱، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفۃ بیروت ۷ /۸۱ - ۳۸۰

ادعی اجماع المذاھب الاربعۃ ولعل مالکالیس عندہ من الاربعۃ ھذا اذا لم یصرح ائمتنا الحنفیۃ بکراھۃ الاذان داخل المسجد فکیف وقد صرحوا ولانعلم خلافا فیہ عن غیرھم فلا یبعد ان الاجماع علی خلاف ماھم علیہ وباللہ التوفیق۔

نفحہ۹: وبہ ظھر بطلان زعمھم تعامل جمیع المسلمین فی جمیع بلاد الاسلام بایقاع ھذا الاذان داخل المسجد لصیق المنبر ألم تسمع السکندری ثم السفطی "ان الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم علیہ اھل المغرب الی الان"[1] ونری فی معظم بلادنا الجوامع السلطانیۃ مبنیۃ فیھا دکۃ لھذا الاذان بعیدۃ عن المنبر وعلیھا یفعل الی الان وقدمنا انہ اذان خارج المسجد لکن العوام لا یعلمون ظاھرا من الحال وعن الحقیقۃ ھم غافلون واذلم یھتدوا لھا ظنوہ اذانا فی المسجد فعن ھذا نشأوا فشا فیھم ھذا ثم قاسوا علیہ اذان سائر الصلوات اذلا فارق

مسئلہ میں ائمہ احناف رحمھم اللہ کی تصریح بھی موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے اور احناف وغیرہ کسی سے بھی اس کے خلاف ہونے کا علم نہیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب کے مکروہ ہونے پر ہی اجماع ہو۔

نفحہ ۹: مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ گمان بھی باطل ہے کہ تمام اسلامی شہروں میں سارے مسلمانوں کا تعامل اسی پر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے متصل ہوتی ہے (تو تعامل کی دلیل سے اذان ثانی متصل منبر جائز ہوئی) کیونکہ سکندری پھر سفطی کا بیان سن چکے کہ مالکیہ اور اہل مغرب کا تعامل بیرون مسجد کا ہے خود ہندوستان کے اکثر شہروں میں شاہی جامع مسجدوں میں منبروں سے دور چبوترے بنے ہوتے ہیں جن پر آج تک اذان ہوتی ہے پہلے ہم یہ بتا آئے ہیں کہ یہ اذان بھی دراصل بیرون مسجد ہے لیکن عوام لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے غافل اور ظاہر سے دھوکے میں پڑے ہیں اور اس کو اذان اندرون مسجد سمجھتے ہیں اور یہی ان میں شائع وذائع ہے اور پھر اسی لاعلمی پر اپنے ایک فاسد قیاس کی بنیاد رکھتے ہیں کہ مسجد مسجد سب برابر ہیں ان میں باہم نہ کوئی فرق ہے نہ کوئی فرق کا

[1] حواشی الجواھر الزکیہ شرح المقدمۃ العشماویۃ للعلامۃ یوسف السفطی المالکی

ولا قائل بالفرق فتری هم فی کل صلوۃ یقوم احدهم اینما شاء من بیت الله فیرفع عقیرته بالاذان و اذا قیل له اتق الله قابل بالعناد و الطغیان فصار عمل السنه عندهم منسیا و تصریحات الفقه شیئا فریا احدثوا تعاملا فیما بینهم علی خلاف الشریعة ثم جعلوه لابطال حکم الشرع ذریعة و الی الله المشتکی وهو المستعان۔"	قائل۔ پس جب یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی تو پنجوقتہ نمازوں میں بھی اذان مسجد کے اندر ہونے میں کیا حرج ہے اور نماز کے وقت دربار الٰہی کے جس حصہ میں بھی جی چاہتا ہے کھڑے ہو کر چیخنے لگتے ہیں اور جب انہیں کوئی تنبیہ کرتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور مسجد میں آواز بلند نہ کرو تو عناد و فساد کرنے لگتے ہیں اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ سنت کا عمل مردہ ہو گیا ہے اور تصریحات ائمہ جھوٹ قرار دی جاچکی ہیں اور خلاف سنت عمل کو تعامل قرار دے لیا ہے اور حکم شرع کے ابطال کے لیے اسی کو دلیل بنالیا ہے تو اللہ تعالٰی سے اس کے لیے فریاد ہے اور اسی سے مدد کی طلب ہے۔
ولم یعلموا ان مثل هذا التعامل لا حجة فیه والا لکان الکذب والغیبة والنمیمة اجدر بالجواز فانها اکثر تعاملا وافشی فی الناس شرقا وغربا بعد قرون الخیر قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم یفشوا الکذب [1]۔	اور یہ نکتہ وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ایسا تعامل قطعاً سند نہیں ورنہ جھوٹ غیبت، چغلی خوری اس سے زیادہ جواز کے مستحق ہونگے کہ ان کا تعامل قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مشرق و مغرب میں پھیل گیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔"
قال فی فتاوی الغیاثیة اوخر کتاب الاجارۃ عن السید الامام الشهید رحمه الله تعالٰی انما یدل علی	صاحب فتاوی غیاثیہ نے اواخر کتاب اجارہ میں سید امام شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا: "وہی تعامل جواز کی دلیل بنا ہے جو

[1] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعة امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹

الجواز مایکون علی الاستمرار من الصدر الاول فاذا لم یکن کذلك لا یکون فعلهم حجة الا اذا ن کان ذلك من الناس کافة فی البلدان کلها الا تری انهم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لا یفتی با لحل[1] اھ۔	صدر اول سے آج تک برابر جاری ہو اور ایسا نہ ہو تو کسی عہد کے لوگوں کا فعل حجت نہیں یا ان تمام شہروں قصبوں قریوں کے سبھی انسانوں کا تعامل ہوتا اور بات ہے اور یہ بالک واضح امر ہے کہ ان اگر سب جگہ کے سب لگ شراب پینے لگیں سودی کاوبار میں مبتلا ہوں تو بھی اس کے حلال ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔"
وفی جمعة رد المحتار "التعارف انما یصلح دلیلا علی الحل اذکان عاما من عهد الصحابة والمجتهدین کما صرحوا به[2]"	ردالمحتار کے باب الجمعہ میں ہے تعامل اس وقت جواز کی دلیل بنتا ہے جبکہ عام ہو اور عہد صحابہ ومجتہدین سے اس پر عملدرآمد ہو ایسا ہی ائمہ نے تصریح کی ہے۔"
وفی جنائزہ نقلا عن بعض المحققین من الشوافع با لتقریر مانصه: "هذا الاجماع اکثری وان سلم فمحل حجیتا عند صلاح الازمنة بحیث ینفذ فیها الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وقد تعطل ذلك منذ ازمنة[3]۔"	اسی کتاب کے باب الجنائز میں بعض محققین شوافع سے منقول ہے یہ اجماع اکثری ہے اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس کے دلیل جواز ہونے کا تب اعتبار ہوگا کہ یہ امت کے صلاح کے وقت کا ہو جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نافذ ہو اور یہ تو زمانہ دراز سے معطل ہے۔
وفی المکتوب الرابع والخمسین	مجدد الف ثانی شیخ احمد العمری سرہندی

[1] فتاوی غیاثیہ کتاب الاجارات نوع فی النسا مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الجمعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۵۱

[3] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۲

من الجلد الثانی من المکتوبات الشیخ احمد العمری السر ھندی الشھیر بمجدد الف ثانی ما ترجمته: "غمرت الدنیا فی بحر البدعات و اطمأنت بظلمات المحدثات من یشتطیع دعوی رفع البدعة التکلم باحیاء السنة اکثر علماء الزمن حماة البدع و محاة السنن یحسبون شیوع البدع تعاملا فیفتون بجوازھا بل استحسانھا ویدلون الناس علی اتیانھا یظنون ان الضلال اذا شاع والباطل اذا تعورف صار تعاملا ولا یدرون ان مثل ھذا التعامل بشیئ لیس دلیلا علی حسنه انما العبرة بتعامل جاء من الصدر الاول او حصل اجماع جمیع الناس علیه ثم احتج بعبارة الغیاثیة المذکورة ثم قال ولا شك ان العلم بتعامل الناس کافة و عمل جمیع القری والبلدان خارج عن وسع البشر [1]اھ"۔ واکثر المخالفین لنافی المسئلة الدائرة انما یفتخرون بانھم من غلمان ھذا الشیخ و قد قری علیھم قوله ھذامرارا افلایسمعون	کے مکتوبات کی جلد ثانی مکتوب نمبر ۵۴ میں ہے: دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے رفع بدعت اور تکلم باحیاء سنت کا دعوی کون کر سکتا ہے اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں اور بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہین اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتوی صادر کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونے کی دلیل نہیں جز ایں نیست کہ وہ تعامل معتبر ہے جو صدر اول سے معمول بہا ہو یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو (پھر غیاثیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کرکے فرمایا) تمام لوگوں کا تعامل اور تمام شہروں اور دیہاتوں کا عمل معلوم ہونا آدمی کی وسعت و طاقت سے باہر ہے اھ" مسئلہ اذان میں ہمارے مخالفین میں سے بہتوں کو اس پر فخر ہے کہ وہ شیخ مجدد کے غلاموں میں سے ہیں ہم نے بارہا شیخ مجدد کی یہ عبارت پڑھ کر انہیں سنائی بھی (کہ اب سے

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب پنجاہ و چہارم نولکشور لکھنؤ ۲ / ۱۰۳

ولا ینتھون عن ادعاء التعامل ولا یرعوون انما اتخذوا شیخھم ھواھم، فھم بفتوی الھوی یعلمون نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

قال العلامۃ الشامی فی ردالمحتار من الاجارات وفی رسالتہ "تحریر العبارۃ" وفی کتابہ "العقود الدریۃ" کلھا عن العلامۃ قنالی زادہ(عہ) "ان المسئلۃ النباء و الغرس علی ارض الوقف کثیرۃ الوقوع فی البلدان و اذا طلب المتولی او القاضی رفع اجارتھا الی اجر المثل یتظلم المستاجرون و یزعمون انہ ظلم وھم ظالمون و بعض الصدور والاکابر یعاونونھم ویزعمون ان ھذا تحریك فتنۃ علی الناس و ان الصواب ابقاء الامور علی ماھی علیہ وان

وہ اپنے تعامل مقبول کے دعوے سے باز آئیں) مگر وہ تعامل کے دعوی سے باز نہیں آئے دراصل (حضرت مجدد) کے بجائے انہوں اپنے نفس کی خواہش کو اپنا شیخ بنالیا ہے اور اسی کے فتوے پر عمل کرتے ہیں ہم اللہ تعالٰی سے عفو و عافیت طلب کرتے ہیں۔

علامہ شامی نے ردالمحتار، کتاب الاجارہ رسالہ تحری العبارۃ، عقود دریہ سب میں علامہ قنالی زادہ سے نقل کیا کہ وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانے کا معاملہ وقف کے اجیروں میں کثیر الوقوع ہے جب متولی اور قاضی سے ایسے اجاروں کے ختم کرنے کی درخواست کی جاتی ہے اور اجرت مثل پر ان زمینوں کے کرایہ پر اٹھانے کی بات کہی جاتی ہے تو ان زمینوں کے قدیم کرایہ دار اس کی فریاد کرتے ہیں اور اس کو ظلم قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ خود ہی ظالم ہیں اور بعض صدر واکابر ان کی مدد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا ہے اس لیے جیسا اب تک ہوتا آیا تھا ویسا ہی عملدر آمد ہوتے رہنا چاہیے کہ

عہ: ھکذا فی ردالمحتار طبع فی قسطنطنیۃ وفی تحریر العبارۃ قنلی زادہ بغیر الالف وفی العقود الدرۃ منلی زادہ بالمیم ۱۲منہ

عہ: یہ لفظ ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ میں ہے اور تحریر العبارۃ" میں قنلی زادہ بغیر الف کے ہے اور عقودالدریہ میں منلی زادہ میم کے ساتھ ہے ۱۲منہ (ت)

شر الامور محد ثا تها ولا يعلمو ن ان الشر فی اغضا العين عن الشرع وا ان احياء النسة عند فسا د الا مة من افضل الجهاد واجزل القرب [1] اھ، وفی تحریر العبارۃ فعلم بهذا ان هذه علة قديمة ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم [2] اھ وفی ردالمحتار: "اذا تكلم احد بين الناس بذلك يعد و ن كلا مه منكر ا من القو ل و زورا وهذه بلية قديمة [3] اھ" وفيه وفی العقود الدرية: "وهذا علم فی ورق۔ [4]" وهذه لعمرك حال الناس فی تهالكهم على هذا المحدث و	ہر بات سے بری نئی بات پیدا کرنا ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ برائی کے وقت شرع سے چشم پوشی خود بری ہے اور امت میں فساد واقع ہونے کے وقت سنت کا زندہ کرنا جہاد سے بھی افضل ہے اور بزرگ ترین عبادت ہے۔ تحریر العبارۃ میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے (کہ شر پھیل جائے تو لوگ چشم پوشی اختیار کرتے ہیں) لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔" ردالمحتار میں ہے: "لوگ آدمی کی حق بات کو بھی ناحق سمجھتے ہیں یہ قدیم برائی ہے۔ اور اسی (ردالمحتار میں ہے) میں اور عقود الدریہ میں ہے: "یہ ایک ورق میں ہم نے علم عظیم ظاہر کیا۔" واللہ! اس اذان ممنوع و محدث سے لوگوں کے ہلاکت میں پڑنے کا حال بھی ایسا ہی ہے، اور

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰، تحریر العبادۃ فیمن ھو اولی بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۵۷

[2] تحریر العبارۃ فیمن ھو اولی بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[4] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰، العقود الدریہ کتاب الاجارۃ مسئلہ استبقاء البناوالغراس ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۲۵

ھذہ ھی اعذار ھم فی ایقاعہ والقاء السنۃ واللہ المستعان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	سنت چھوڑ کر اس امر مکروہ میں پڑے رہنے کیلئے لوگوں نے ایسے ہی اعذار باردہ تراش رکھے ہیں۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم
نفحہ۱۰: اذقد ظہر ان لا تعامل الی الآن فما ظنك بالتوارث الذی بہ یلھجون واذا اخذوا بالحدیث والفقہ فھم یتلجلجون۔	**نفحہ ۱۰:** جب یہ ظاہر ہوگیا کہ اذان متصل منبر کے تعامل کی کوئی اصل نہیں پھر توارث کے ثبوت کی کون سی صورت ہے کہ اس سے بھی یہ لوگ پناہ پکڑتے ہیں اور جب حدیث و فقہ ت ان امور پر مواخذہ کیا جاتا ہے تو کج مج بیانی دکھاتے ہیں۔
ویاسبحان اللہ انما التوارث التعامل فی جمیع القرون فاذا لم یتحقق الی الان کیف یثبت من سالف الزمان اذ قد ارشد الحدیث الصحیح ان الذی فی عھد الرسالۃ والخلافۃ الراشدۃ کان علی خلاف ما یزعمون فانی یصح التوارث والی من یسندون وعمن یرثون قال المحقق حیث اطلق فی فتح القدیر مسالۃ الجھر فی الاولیین والاخفاء فی الاخریین قولہ ھذا ھو المتوارث یعنی انا اخذنا عمن یلینا الصلوۃ ھکذا فعلا وھم عن یلیھم کذلك وھکذا الی الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وھم بالضرورۃ اخذوہ عن صاحب الوحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلا یحتاج الی ان ینقل فیہ نص معین[1]،	سبحان اللہ! توارث تو تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے اور جب آجکل کا تعامل ثابت نہ ہوسکا تو گزشتہ زمانوں کا کیسے ثابت ہوگا اور حدیث صحیح سے پتہ چلا کہ عہد رسالت و زمانہ خلافت راشدہ میں عملدرآمد ان کے مزعومہ کے خلاف تھا تو کہاں سے توارث ثابت ہوگا کس سے اس کی نسبت ثابت کریںگے اور کس کا ورثہ اس کو قرار دیں گے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: "رکعتین اولین میں قراءت جہری اور اخریین میں سری ہی متوارث ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا اور انہوں نے اس کو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم تک، اور انہوں نے اس کو صاحب وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سیکھا اس لیے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں،

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ فی القراۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۸۳

فهذا معنی التوارث المحتج به شرعا مطلقا المستغنی عن ابداء اسند خاص وانی لهم بذلك و کیف یصح فیما قد علمنا وعن صاحب الوحی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و عن خلفائه الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنهم خلافه۔

اقول: وتحقیق المقام ان الاحوال اربع: (۱) العلم بعدم الحدوث (۲) وعدم العلم بالحدوث (۳) والعلم بالحدوث تفصیلًا ای مع العلم بانه حدث فی الوقت الفلان (۴) والعلم به اجمالا لا ان علمنا انه حادث ولا نعلم متی احدث ومن احدث فالشیئ اذا کان ناشیا متعاملا به فی عامة المسلمین وعلمنا انه هو الذی کان علی عهده صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فهو القسم الاول وهو المتوارث الاعلی واذ لم یعلم کیف کان الامر علی عهد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولا علم حادث بعده صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فیحمل علی ان کلا قرن اخذه عن سابقه و یجعل متوارثا تحکیمًا للحال

یہی توارث کے وہ معنی ہیں جس سے شرعا دلیل پکڑنا درست ہے اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تو مسئلہ دائرہ میں یہ لوگ کیسے توارث ثابت کریں گے جبکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صاحب وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے اس کے خلاف روایت ہے۔"

اقول: (میں کہتا ہوں) تحقیق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے (۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو (۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔ (۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا (۴) حدوث کا علم اجمالی ہو، یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نوایجاد ہے لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔

جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو اور اس کا عمل شائع و ذائع ہو اور اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا یہ قسم اول ہے اور اسی کو متوارث اعلی بھی کہتے ہیں اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال تھا نہ یہی پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا،

حملا علی الظاھر والاصل اذ الاصل فی الامور الشرعیۃ ھو الاخذ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والعمل بالسنۃ ھو الظاھر من حال عامۃ المسلمین وھذا ھو القسم الثانی"وھذا ما یقال فیہ انہ لا یحتاج الی سند خاص اما اذا علم حدوثہ فلا یمکن جعلہ متوارثا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سواء علمنا وقت حدوثہ اولا،لان عدم العلم بوقت الحدوث لیس عدم العلم بالحدوث فضلا عن العلم بعدم الحدوث فرب حادث نعلم قطعًا انہ حادث ولانعلم متی حدث کاھرام مصر بل والسماء والارض فی الحدوث المطلق ومعالیق الحجرۃ الشریفۃ التی تعلق حولھا من قنادیل الذھب والفضۃ ونحوھما فی الحدوث المقید قال السید السمھودی فی خلاصۃ الوفاء:ولم اقف علی بتداء حدوثھا[1] الخ وحینئذ ینظر ھل یخالف	تو ایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل وظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے متوارث حکمی کہا جاتا ہے کہ امور شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں یہ متوارث کی قسم ثانی ہے،اس کے لیے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک کی ایجاد ہے۔ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو یا نہ۔کیونکہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لیے یہ لازم نہیں کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں،یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے۔کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا جیسے اہرام مصر بلکہ حدوث مطلق میں آسمان وزمین بھی اور حدوث مقید میں جیسے وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوئی ہیں۔حضرت علامہ سمہودی نے خلاصہ وفاء الوفا میں فرمایا:"ہمیں ان کے ابتداء حدوث کا وقت نہیں معلوم تو ایسے نو پیدا امور جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو حسب

[1] وفاء الوفاء الفصل الخامس والعشرون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸۴

هذا سنة ثابتة فی خصو ص الا مر ا ولا۔علی الثا نی یحال الا مر علی ھال الشیئ فی نفسه فان کان حسنا داخلا د تحت قوا عدالحسن فحسن علی تفاوته من الاستحباب الی الوجوب حسب ما تقتضیه القواعد الشر عیة،وقد یطلق علیه"المتوارث"اذتقادم عهده کذکر العمین الکر یمین فی الخطبة،وهذا ا دنی اقسامه ولا اطلاق له علی ما دونه الله مر الا لغة، کتوارث التقیة فی الرا فضة والکذب فی الو ھا بیة وان کان قبیحا داخلا تحت قوا عدالقبح فقبیح علی تفاوته من الکر اهة الی التحر یم او لا و لا فلا ولا بل مباح عـــه والخروج عن العادة شهر ة و مکر و ه کما نصوا علیه [1]۔وورد	قواعد شر عیہ ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کسی سنت ثابتہ کے مخالف تو نہیں، مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہوگا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی "متوارث" کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ خطبہ جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج کہ حادث ہے پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے البتہ یہ کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہیں تو یہ توارث کا سب سے ادنی درجہ ہے اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاح شرع نہیں کہا جائیگا ہاں توارث لغوی ہو سکتا ہے جیسے تقیہ شیعوں میں متوارث ہے اور جھوٹ وہابیہ میں ابًا عن جدٍ رائج ہے اور اگر ایسی نو پید چیز ہو جو بعد عہد رسالت ہو اور اسکے حدوث کا وقت نہ معلوم ہو اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اس کا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر تحریم تک پھیلا ہوا ہے۔اور اگر یہی حادث نہ سنت ثابتہ کے خلاف ہو نہ قواعد قبح کے دائرے میں آتی ہو، تو یہ صرف مباح ہے،نہ قبیح ہے،نہ مستحب،ہاں جب شہر وعلاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہوگا۔چنانچہ

عـــه: بیاض فی الاصل۔

[1] الحدیقة الندیة من آفات السحر فھو حرام مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۸۲

"خالقوا الناس باخلاقھم[1] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "بشروا ولا تنفروا[2]۔ وعلی الاول یرد ولا یقبل وان فشا مافشا وقد اجار اللہ الامۃ عن الاجتماع علی مثلہ الا ان یکون شیئ تغیر فیہ الحکم بتغییر الزمان کمنع النساء عن المساجد وھذا فی الحقیقۃ لیس مخالفا للسنۃ الثابتۃ بل موافق لہا وان وان خالف الواقع فی عہدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان الواقع لشیئ کان وبان والحادث لشیئ لو کان فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکان فھذا ھو التحقیق و معلوم ان مسئلتنا ھذہ من القسم الرابع فی التقسیم الاول۔ والقسم الاول فی	علماء عـــہ نے فرمایا کہ لوگوں ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو اور حدیث شریف میں ہے "لوگوں کو بشارت دو نفرت نہ دلاؤ" سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات بدعت مردودہ ہوگی اور گو وہ لاکھ پھیل گئی ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسے حادث امر پر پوری امت مسلمہ کا جماع نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالٰی نے اس امت کو گمراہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے ایک استثنائی صورت البتہ ہے کہ وہ بات ہے تو عہد رسالت کے بعد کی اور بظاہر مخالف سنت بھی ہے لیکن زمانہ کی تبدلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عملدرآمد جاری وساری ہو گیا جیسے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہدِ پُر نور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں لیکن بعد میں ان کو عام طور مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا ہے ایسا نو زائیدہ امر حقیقت میں سنت ثابتہ کے مخالف نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے کہ اب جو بات پیدا ہو گئی ہے اگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں

عـــہ: حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ اقامۃ القیامۃ ص ۲۰ رواہ مسندا وقال رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین[3] ۱۲ نظام الدین۔

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزۃ الباب الثانی الفائدۃ الثانیہ دار الفکر بیروت ۶/ ۳۵۴و۳۵۴

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ حاکم کتاب السماع والوجد دار الفکر بیروت ۶/ ۵۷۲

التقسیم الثانی ای نعلم انه حادث ان لم نعلم متی حدث۔ و نعلم ان الواقع علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان علی خلاف ذلك و لیس شیئا یتغیر فیه الحکم بتغیر الزمان و مع هذا تظافرت النصوص عن ائمة الفقه بنهی عام هو داخل فیه، بل ارشد الائمة الی النهی عن خصوصه و دلت الادلة علی قبحه و شناعته کما تقدمه کل ذلك فثبت انه یستحیل جعله متوارثا بل هو من المحدثات المرودة قطعا، والحمد لله، وبه استبان ان الجهل بمبدأه لا یجعله قدیما للعلم بحدوثه بل الجهل بالمبداء یؤخره جدا، لان الحادث انما یضاف الی اقرب الاوقات، وزعم انه	ایسا ہوتا تو آپ بھی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے (کما قالت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا) ام المومنین حضرت عائشہ نے ایسا ہی فرمایا۔ یہ تحقیق مقام ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ہمارا مسئلہ پہلی تقسیم کی چوتھی قسم سے ہے، اور تقسیم ثانی کی پہلی قسم ہے یعنی اس کے بارے میں ہمیں حادث ہونا تو معلوم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے حدوث کا وقت کب ہے، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے خلاف عملدرآمد رہا ہے، اور نئی ان امور سے بھی نہیں جس کا حکم زمانے کے بدلنے سے بدلتا ہو، اور اس کے ساتھ ہی ائمہ فقہا کی بے شمار نصوص نہی عام کی صورت میں موجود ہیں بلکہ خاص اذان جمعہ کی ممانعت کی طرف بھی رہنمائی ہے، اور متعدد دلیلیں اس کے قبح و شناعت پر بھی دلالت کرتی ہیں جیسا کہ ساری تفصیل گزرچکی، تو ثابت ہوا کہ اس کو متوارث قرار دینا محال ہے اور یہ قطعاً یقینا بدعات مردودہ میں سے ہے اس سے یہ امر بھی روشن ہوگیا یہ کسی امر کے احداث کا وقت معلوم نہ ہونا اس کو قدیم نہیں بناتا جبکہ اس کے حادث ہونے کا علم ہو، بلکہ جس کے حدوث کی بتداء نہ معلوم ہو، اس کے بارے میں یہ امر سمجھا جائے گا کہ یہ امر بالکل نو پید ہے کیونکہ حادث قریب ترین وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور یہ گمان کرنا

حدث من زمن سیدنا عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ فریۃ بلا مریۃ واحتجاج التانوی الوھابی لہ بانہ لما قال فی الھدایۃ اذا صعد الامام المنبر جلس و اذن المؤذنون بین یدی الامام بذلك جری التوارث[1] اھ قال علیہ امام العینی فی البنایۃ ای فی زمن عثمان[2] اھ ولا یمکن ان یراد بقولہ بین یدی المنبر مجرد المحاذات لثبوتھا من زمن الرسالۃ فلا بدان یرادبہ کونہ لدی المنبر متصلا بہ لیصح جعلہ متوارثا من زمن عثمان لا قبلہ اھ وما زعم الوھابی المفتری و ھذہ فریۃ فوق فریۃ، ولقد صدق رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: "اذالم تستحی فاصنع ماشئت"[3]۔ فان عبارۃ البنایۃ ھکذا "م بذلك ش ای بالاذان بین یدی المنبر بعد الاذان الاول علی	کہ اکا حدوث تو زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے بلا شبہہ ایک افتراء ہے۔اور وہابی تھانوی کا ہدایہ کی اس عبارت سے استدلال کہ "امام منبر پر چڑھے اور بیٹھے تو موذن اس کے سامنے اذان دے کہ یہی متوارث ہے"۔اورامام عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "یہ حضرت عثمان رضی اللہ رتعالٰی عنہ کے زمانہ سے ہے" غلط ہے۔صاحب ہدایہ کے قول یہی متوارث ہے کا مطلب یہ ہے کہ امام کے سامنے اذان ہونا کیونکہ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ یہ منبر کے سامنے والی اذان زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد ہے۔اور اسی وقت سے متوارث ہے، حالانکہ اس اذان کا تو عہد رسالت سے ہونا منقول، متوارث ہے۔اصل میں ان وہابی صاحب کا یہ زعم باطل،ہدایہ او عینی کی عبارت میں ناجائز دست درازی کا نتیجہ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "بے شرم ہو گئے ہو تو جو چاہو کرو" پوری عبارت یوں ہے: "یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ سے یہی جاری وساری ہو گیا کہ منارہ

[1] الھدایہ کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۵۱

[2] البنایۃ فی شرح الھدایہ کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ جلد ۱ جزء الثانی ص ۱۱۴

[3] امعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ و ۶۶۱ المکتبۃ الفیصیلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳۷ و ۲۳۸

المنارة مر به جری التوارث من زمن عثمان بن عفان الی یومنا هذا" اھ[1] فالاشارة الی التاذین بعد التاذین۔لا الی التاذین بین یدیه۔ولکن الوهابیة قوم یفترون۔ولا حول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم۔	پر پہلی اذان ہو اور اس کے بعد منبر کے سامنے والی اذان ہوا کرتی ہے" حضرت مام عینی رحمۃاللہ علیہ نے تو اپنی عبارت میں ذالک کا مشاء الیہ پہلی اذان کے بعد دوسری اذان ہونے کو قرار دیا ہے نہ کہ دوسری اذان کے منبر کے سامنے ہونے کو۔اور اسی کو حضرت عثمان کے عہد سے آج تک جاری رہنے کو بتایا۔اور تھانوی صاحب نے اس کو منبر کے سامنے سے جوڑ دیا۔اور کیوں نہ ہوتا یہ وہابی قوم بڑی افتراپرداز ہوتی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔
وکذا زعمه بعد التنزل حدوثه من زمن هشام بن عبد الملك وهذا انما قاله بعض المالكية فی التاذین بین یدی الامام لقولهم انه محدث وانما کان هذا الاذان علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وخلفائه الراشدین رضی الله تعالٰی عنهم علی المنار ایضا کما تقدم وقد رده محققوهم و بینوا ان هشام لم یتغیر هذا الاذان شیئا انما غیرا لاذان الاول الذی احدثه عثمان رضی الله تعالٰی عنه کان یفعل با لزوراء	(یونہی تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ "ہم اپنے منصب سے اتر کر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ لصیق المنبر اذان ہشام ابن عبدالملک نے ایجاد کیا"زعم فاسد اور وہم کاسد ہے۔حقیقت امر یہ ہے کہ حجرت امام مالک رحمۃاللہ علیہ کے بعض متبعین اذان بین یدی الخطیب کو حادث ومرکوہ قرار دیتے ہیں۔ان کا یہ کہنا ہے کہ حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہ اذان بھی منارہ پر ہوتی تھی،ہشام ابن عبد الملک نے اپنے زمانہ میں اس اذان کو جسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقام زوراء پر دلانا جاری کیا تھا منارہ پر دلانا شروع کیا اور اس دوسری اذان کو منارہ کے

[1] البنایه فی شرح الهدایة کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجمعة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة المجلد الاول،الجزء الثانی ص ۱۰۱۴

فنقله هشام الى المسجد على المنارة۔	بجائے خطیب کے سامنے کردیا۔ مگر محققین مالکیہ نے اپنے ہی ہم مذہب علماء کے اس خیال کو رد کردیا کہ ہشام نے دوسری اذان میں کوئی ترمیم نہیں کی، وہ عہد رسالت اور عہد شیخین بلکہ عہد عثمان ومابعد کے موافق برابر خطیب کے سامنے ہوتی رہی، ہشام نے تو صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اضافہ کردہ اذان کو مقام زوراء سے منتقل کرکے منارہ مسجد نبوی پر کرانا شروع کیا۔)
قال العلامة الزرقانی المالکی رحمة الله تعالٰی علیه فی شرح المواهب (عبارة ابن الحاجب من المالکیة یحرم الاشتغال عن السعی عند اذان الخطبة وهو معهود) فی زمانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم، (فلماکان عثمان وکثروا امر بالاذان قبله علی الزوراء اه ثم نقله هشام الی المسجد وجعل الاٰخر بین یدیه بعمنی انه ابقاه بالمکان الذی یفعل فیه فلم یغیره بخلاف ماکان یفعل بالزوراء فحوله الی المسجد علی المنار [1] اه باختصار۔	چنانچہ امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب لدنیہ میں ابن حاجب مالکی کی مندرجہ ذیل عبارت کی شرح مُن فرمایا: "خطبہ کی اذان شروع ہونے پر نماز جمعہ کے لئے سعی حرام ہے" (یعنی اذان خطبہ شروع ہونے سے قبل ہی مسجد میں پہنچ جانا چاہیے) زمانہ رسالت میں یہی معہود ومعروف تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کازمانہ آیااور نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوگئی توحضرت ذوالنورین نے خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے قبل بھی مقام زوراء پر ایک اذان پکارنے کا حکم دیا (پھرہشام نے اس اذان کو مسجد کی طرف منتقل کیااور دوسری اذان کو سامنے لایا) مطلب یہ ہے کہ دوسری اذان وہیں دلائی جہاں عہد رسالت میں ہوتی تھی،اس میں کچھ تغیر نہیں کیا، البتہ حضرت عثمان غنی نے جواذان مقام زوراء پر دلوانی شروع

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفة بیروت ۷ /۳۷۹

ولئن فرضنا ان ھشامًاھوالذی غیر السنة فمن ھشام وما ھشام حتی یعتبر بتغییرہ ویوخذ بفعلہ و تترك سنة محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفاءہ الراشدین لاجلہ لایرضی بہ احدمن اھ الدین۔ و نسبة الوھابی ایاہ الی ائمة الھدٰی مالك وابی حنیفة و غیرھما رضی اللہ تعالٰی عنھم ،انھم اتبعوا ھشامًافیہ وترکوا السنة الجلہ افتراء منہ علیھم وسبة غلیظة فی حقھم حاشاھم عن ذٰلك ،ولکن اذقدّ الخبیث اذقدسب محمدا وسب رب محمد جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وطبعہ واشاعہ فمن بقی نعوذباللہ من حال کل مرتد وشقی ولا ھول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔	کی تھی اس کو مسجد کی طرف منتقل کیا یعنی اسے منارہ پر دلوانے لگا،اھ بالاختصار۔ اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہشام نے منبر کے سامنے والی اذان میں بھی تصرف کیا اور اسے منبر کے متصل دلانے لگا اور سنت رسول کو بدل دیا، تو یہ ہشام کون ہے اور کیا ہے کہ اسکے بدلنے کا لحاظ کیا جائے اور اس کی اتباع کی جائے،اور اس کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت چھوڑ دی جائے۔ بھلا دینداروں میں سے کون اس پر راضی ہوگا! اور اس وہابی نے جو یہ کہا کہ ائمہ ہدٰی مثل امام مالک وابوحنیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے ہشام کی اتباع کی اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی۔یہ ان ائمہ ہدٰی پر اس کی افتراء پردازی ہے ، اور ان کی طرف ایک غلیظ برائی کی نسبت ہے ، ان کا دامن اسی آلودگی سے پاک ہے، لیکن اس خبیث نے جب گلہ گویوں کو دو ٹکڑے کردیا اور اللہ ورسول (جل وعلاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو گالی دیا اور اسے چھاپ کر شائع کیا، تو اب کون رہ گیا،ہم مرتد کے حال سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں،لاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔
نفحہ۱۱: واذقدطولبوامرارًا انکم تدعون التوارث عن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی	**نفحہ۱۱:** ان سے بارہا مطالبہ کیا گیا کہ تم لوگ اس اب میں زمانہ رسالت سے آج تک کے توارث کے مدعی ہو تو کیا کسی اور

علیه وسلم فهل نص علیه احد،او عندکم علیه من دلیل،ام انتم شاهد تم زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم،ام کل ماترونه فی زمنکم فهو مستمر من زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم جاءهم عــــه اضطرار الغریق الی التشبث بکل حشیش فتمسکوا بمنقول ومعقول،اما المنقول فقول الهدایة والهندیة:اذن المؤذنون بین یدی المنبر وبذٰلك جری التوارث[1]۔" وهذا کما تری نزغة من جهلهم بمنعی بین یدیه کما عرفت مفصلًا۔فقول الهدایة حق وهدایة، وفهمهم منه ان الاذان داخل المسجد متوارث من زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم جهل وغوایة۔واما المعقول فهو انه لم یکذر فی شیئ من التواریخ ان هذا الاذان سری الیه التغیر بعد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعلم انه کما یفعل الاٰن کان هٰکذا یفعل	نے بھی اس توارث پر نص کیا ہے، تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے یا تم لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود رہ کر اس کا مشاہدہ کیا ہے یا آج تم لوگ کر رہے ہو یا دیکھ رہے ہو، حضور کے زمانہ سے آج تک مسلسل جاری ہے تو ان کو ڈوبنے والے کی بیقراری گھیر لیتی ہے جو ہر تنکے پر سہارے کے لیے ہاتھ مارتا ہے۔اور یہ لوگ ایک عقلی اور ایک نقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔دلیل منقول میں ان لوگوں کا سہارا ہدایہ اور ہندیہ کا یہ قول ہے کہ " موذن نے منبر کے سامنے اذان دی،اور اسی پر توارث ہوا۔"ان کی یہ دلیل اس جہالت کی پیداوار ہے کہ انہوں نے سامنے کے معنٰی متصل منبر قرار دے لیا جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے،تو ہدایہ کی بات تو حق وہدایت ہے لیکن اس سے ان کا یہ سمجھنا کہ اذان کا منبر کے بالکل قریب ہونا متوارث ہے،ان کی جہالت ہے۔اور عقلی دلیل ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی تغیر ہوا۔اور آج کل متصل منبر ہو رہی ہے،تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

عــــه:فی الاصل هکذا ولعله الجاء۔

[1] الهدایة کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعة المکتبة العربیة کراچی ۱/۱۵۱،الفتاوی الهندیة کتاب الصلٰوۃ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۴

علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، وهذا قول من لیس له من العلم الا الاسم۔ فلا التواریخ التزمت ذکر جمیع الحوادث الجزئیة المتعلقة بالمسائل الشرعیة، ولا کل کتب التواریخ وجد المدعی، ولا کل ماوجد طالعه برمته، ولا عدم الوجدان عدم الوجود، ولا عدم الذکر ذکر العدم۔ ولو تنزلنا عن کل هذا فاذقد ثبت بالحدیث الصحیح ان الذی کان علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم خلاف ماشاع فی هٰؤلاء فالتغیر ثابت لامرد له افترددون الحدیث الصحیح، ام تکذبون العیان الصریح، بان التواریخ لم تتعر لبیان التغیر، ولکن الجهل اذا تملك لم یخش الفضوح والتغییر، ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم۔	اس دلیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قائل کو علم سے کچھ مس ہی نہیں کیونکہ نہ تو تاریخ میں اس بات کاالتزام ہے کہ مسائل جزئیہ شرعیہ سے متعلق ہر ہر جزئی کااس میں بیان ہوگا۔ نہ مدعی نے اسلام کی ساری تاریخی کتابوں کو پایا، نہ سب کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا۔ ظاہر ہے کسی چیز کا نہ پانا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یونہی کسی امر کا ذکر نہ ہونا اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ ہوا ہی نہیں۔ اوراگر سب کچھ من و عن تسلیم کرلیاجائے، تو یہاں تو صحیح حدیث سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہورہا تھاآج اس کے خلاف کیاجارہا ہے، تو تاریخ میں ذکر ہو نہ ہو۔ صحیح حدیث سے توثابت ہورہا ہے کہ سنت رسول میں تغیر ہوا، تو کیاآپ لوگ اہل تاریخ کی خموشی کاسہارا لے کر صحیح حدیث کو جھٹلائیں گے، اور عین صریح کا انکار کریں گے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جہل جس پر سوار ہوجاتا ہے اسے رسوائی یا عار دلانے کی قطعاًپرواہ نہیں ہوتی۔
نفحه ۱۲: لاحجة فی توارث البعض اذا خالف الحدیث والفقه، الاتری ان اجل توارث واعظمه واهیبه وافخمه توارث اهل الحرمین المحترمین زادهما الله تعالٰی عزاوتعظیما واهلهما فضلاً وتکریمًا	**نفحہ ۱۲:** اور کچھ لوگوں کا توارث جب حدیث وفقہ کے خلاف ہوتو لائق استدلال نہیں ہوتا۔ سب جانتے ہیں کہ توارث میں سب سے عظیم وبزرگ اورپرہیبت حرمین محترمین زادہم اللہ شرفاً وتعظیمًا کا توارث ہے، وہ بھی قرون اولٰی کامگر ہمارے امام اعظم

لاسیما فی القرون الأولیٰ ومع ذٰلك لم یسلمه اما منا الاعظم وجمیع ائمة الفتوٰی فی مسألة الاذان الفجر من اللیل لمجی الحدیث بخلافه قال فی الهدایة: "لایوذن لصلٰوة قبل دخول وقتها ویعاد فی الوقت لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهیل وقال ابو یوسف وهو قول الشافعی رحمهما الله تعالٰی یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل لتوارث اهل الحرمین والحجة علی الکل قول صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبلال رضی الله تعالٰی عنه لاتؤذن حتی یستبین لك الفجر هٰکذا ومدیده عرضًا[1] اھ" قال الامام الاکمل البابرتی فی العنایة: "قوله والحجة علی الکل ای علی ابی یوسف والشافعی واهل الحرمین یعنی ان الحدیث حجة علی الاٰخذ والماخوذ منه[2] اھ" فاذاکان هذا فی توارث اهل الحرمین التابعین وتبع التابعین وهم ماهم فماظنك	اور تمام اہل فتاوٰی اذان فجر کے مسئلہ میں اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حدیث اس توارث کے خلاف مروی ہے، ہدایہ میں ہے: "نماز فجر کے لئے دخول وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے، اور اگر پہلے دے دی گئی ہو تو وقت ہونے پر دہرائی جائے کہ اذان وقت کے اعلان کے لئے ہے، اور وقت سے پہلے دینا لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے۔ امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ فجر کی اذان توارث حرمین شریفین کی وجہ سے فجر سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے۔ اور دونوں کے خلاف دلیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے جو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس وقت تک اذان نہ دو جب تک صبح یوں روشن نہ ہو جائے۔ اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو عرض میں پھیلا دیا۔ "حضرت امام اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں: "صاحب ہدایہ کا حجۃ علی الکل فرمانا امام شافعی، قاضی ابویوسف اور اہل حرمین سب کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث آخذ اور ماخوذ منہم سب پر حجت ہے۔" تو جب اہل حرمین وہ بھی تابعین اور تبع تابعین جیسے عظیم بزرگوں کا یہ حال ہے، پھر ان مدعیوں کے

[1] الهدایة کتاب الصلٰوة باب الاذان المکتبة العربیة کراچی ۱/۷۴ تا ۷۶

[2] العنایة علی هامش فتح القدیر باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲۱

بتوارث تدعیه الاٰن فی بعض البلدان ومافیکم ولا فیمن ولی کم او ولی من ولی کم من یکون فعله اوسکوته حجة فی الشرع فضلاً عن ان یکون حجة علی الشرع واللّٰه یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

نفحه۱۳: ظهر بهذا وللّٰه الحمد وهن تمسکه بفعل مؤذن الحرمین اشریفین فمع ان هذا الاذان فی مکة زادها اللّٰه شرفا علی حاشیة المطاف وماکان مسجد الحرام علی عهد سید الانام علیه افضل الصلٰوة و السلام الاقدر المطاف کما فی المسلك المتقسط علی القاری وغیره فاذن محل الاذان الاٰن هو محله القدیم وان احاط به المسجد بالزیادة کما ارساط بئر زمزم۔وفی المدینة المنورة صلی اللّٰه تعالٰی علی من نورها وبارك وسلم علٰی دکة بازاء المنبر فامرقدمت وقدتم الامر لما قدمنا ان الدکاك ومئذنة خارجة عن المسجد بالمعنی الاول غیر ان الشان فی احداثها کما

مذعومہ توارث کا کیا حال ہوگا جس میں آپ جیسوں سے پیوستہ لوگ ہیں۔ان کا فعل یا سکوت شریعت میں حجت کب ہے کہ اس کو شرع کے خلاف حجت قرار دیا جائے۔بس اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

نفحہ۱۳: اس توضیح سے ان لوگوں کے استدلال کی کمزوری ظاہر ہوگئی جو حرمین شریفین کے مؤذنوں کے فعل سے استدالل کرتے ہیں کہ یہ اذان مکہ شریف مس مطاف کے حاشیہ پر ہوتی ہے۔اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد کریم میں مسجد حرام موجودہ مطاف کے حدود میں ہی تھی، جیسا کہ ملا علی قاری کی مسلک متقسط وغیرہ میں ہے،تو اس تقدیر پر آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتی تھی۔اب مسجد کی توسیع کی وجہ سے اگرچہ وہ جگہ مسجد کے احاطہ میں آگئی ہے، جیسا کہ چاہ زمزم بھی فی الحال مسجد کے احاطہ میں ہی ہے، اور مدینہ مورہ علی صاحبہا الصلٰوۃ واسلام میں چبوترے پر جو منبر کے ماقابل ہے۔تو اگر یہ چبوترے قدیمی ہوں تو بات مکمل ہو گئی کیونکہ ہم بتا چکے ہیں کہ چبوترہ اور مئذنہ مسجد بالمعنی الاول سے خارج ہے لیکن بات تو ان کے حادث ہونے کی ہے۔تو ان سے

تقدم فیکیف یحتج بہ، واللہ الھادی۔	اذان کے اندرون مسجد ہونے پر استدلال کیسے صحیح ہوگا۔اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے۔
اذعلمت ان امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ وجمیع ائمۃ الفتوی بعدہ لم یقبلوا توارث التابعین وتبعھم من اھل الحرمین الشریفین لمخالفۃ الحدیث فما ظنک بفعل مؤذن الزمان وھل یسوغ لحنفی ان یستبیح الجھر بکلام لسستمع الخطبۃ ولو کان صلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوترضیا للصحابۃ اودعاء للسلطان اعزاللہ نصرہ وخذل اعداءہ اولسیدنا الشریف حفظہ اللہ تعالٰی۔الیس قد اجمع ائمتنا علٰی تحریم الکلام اذ ذاك ولو دینیا و فوق ذٰلك بکثیر امر التمطیط فی التکبیر قداقام علیہ النکیر المحقق فی فتح القدیر ولم یستبعد فساد صلٰوۃ من یفعلہ ای وکذاصلٰوۃ من یصلی بتکبیرہ و تبعہ علیہ فی الحلیۃ والنھر والدرر وغیرھا وجزم بفساد الصلاۃ بہ السید العلامۃ اسعد مفتی المدینۃ المنورۃ تلیمذ	جب آپ جان چکے کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے بعد تمام اہل فتوٰی نے تابعین اور تبع تابعین کا توارث قبول نہیں کیا کہ یہ حدیث شریف کے خلاف ہے۔توآج کل کے مؤذنوں کی کیا حقیقت ہے،کیا کسی حنفی کو یہ اجزت ہے کہ خطبۂ جمعہ سننے والے کو بلند آواز سے بولنے کی اجازت دے،اگرچہ یہ کلام حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو یا صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہم ہی کیوں نہ ہو یا سلطان اسلام یا شریف مکہ کے لئے دعاء خیر ہی کیوں نہ ہو۔کیا ہمارے ائمہ نے اس وقت دینی اور دنیاوی سبھی قسم کے کلاموں کی حرمت پر اجماع نہیں کیا؟اور اس سے زیادہ اہم معاملہ تکبیر کے ابلاغ ہی کے لئے مکبّر کا بہت بلند آواز سے گٹکری بھر کر تکبیر بولنے کا ہے۔محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے اس کی سخت تردید کی اور فرمایا "ایسا کرنے والے کی نماز فاسد ہونے کا ڈر ہے۔"یونہی اس کی نماز جو ایسے مکبّر کی آواز پر بنا کرے اور صاحبان حلیہ ودرر ونہر اور اس کے علاوہ علماء نے بھی اس کی ممانعت فرمائی اور اس کی نماز فاسد ہونے کا فتوٰی سید عالمہ مفتی اسعد مفتی مدینہ منورہ نے دیا جو

العلامۃ شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر معاصر المدقق العلامۃ محمد الحصکفی صاحب الدر المختار رحمھم العزیز الغفار قد حکی فی اوائل فتاواہ من ھذا مایفضی الی العجب فراجعھا ان شئت۔ وبالجملۃ دلائل الشرع محصورۃ ولا حجۃ فی فعل کل احد لاسیما من لیس بعالم ولا تحت العلماء ولکن العجب کل العجب من ھٰؤلاء الوھابیۃ الملاحدۃ الزنادقۃ السابۃ ﷲ ولرسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کیف یحتجون بفعل المؤذنین ویرمون حضرات سادتنا علماء الحرمین الشریفین نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم، فی کتبھم وخطبھم بشنائع فظیعۃ قد برأھم اللہ تعالٰی عنھا۔ والوھابیۃ قوم یکذبون ثم لایقتدون بعلماء الحرمین فی عقائدھم الحقۃ فضلًا عن اعمالھم الحسنۃ کمجلس المیلاد الشریف والقیام فیہ لتعظیم من عظم اللہ تعالٰی	شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر کے شاگرد ہیں۔اور صاحب در مختار کے ہمعصر ہیں۔اللہ تعالٰی ان سب پر اپنی رحمت کی بارش برسائے،انہوں نے اپنے فتاوٰی کے شروع میں اس سلسلہ کی ایک عجیب بات نقل کی جسے دیکھا جاسکتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت کی دلیلیں حدود ومشہور ہیں، اوران کے باہر کسی کے عمل سے استدلال نہیں ہوسکتا بالخصوص جبکہ وہ عالم بھی نہ ہو،نہ علماء کا زیر فرمان ہو۔لیکن ان وہابیہ زنادقہ پر سخت تعجب ہے کہ کس طرح مؤذن کے فعل سے استدلال کرتے ہیں اور حرمین شریفین کے حضرات سادات علمائے کرام کو بدنام کرتے ہیں۔یہ ذلیل قوم علمائے حرمین شریفین پر غلط اتہام رکھتی ہے اوران کے حق فتووں کی اقتداء نہیں کرتی،توان کے اعمال حسنہ مثل میلاد وقیام کی کیا پیروی کریں گی!ان پر قول فیصل یہ ہے کہ انہیں سادات حرمین کا فتوی حسام الحرمین دکھا کر کہا جائے یہ علمائے حرمین کا فتوی نہیں ہے؟تو اگر وہ اس کو رد کرتے ہیں تو مؤذنین حرمین کے فعل سے ہم پر الزام کرنے کا کیا حق ہے؟اوراقرار کرکے ان وہابیہ کی تکفیر کرتے ہیں توان سے کہا جائے کہ مسئلہ اذان میں آپ ان کافروں کی کیوں اتباع کرتے ہیں آپ کو تو انکار کنے کا حق ہے۔(ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کے طالب ہیں، اوراس کے علاوہ نہ کوئی قوت والا ہے،

شانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **نفحہ ۱۴**:قدمنا من الخطبة ثم فی الاجمال فی بحث الوارث الباطل المظنون(وانہ کیف یسری الی الظنون) مایکفی ویشفی وبینا الحق ورفعنا اللوم عن اساتذتکم واشیاخکم بل وعنکم ایضًا یامخالفین ان رجعتم الی الحق بعد ماظھر ولم تنکروا الصبح حین زھر فراجعه فانه مھم ومن لم یرجع فھو جبل واقع بھم ،ومن الدلیل علی ماذکرت ان العالم الدلیل علی امذکرت ان العالم ینکر فلا یسمع ماقدمت الاٰن عن ردالمحتار من تعطل نفاذ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر منذ ازمنة[1]،وعلٰی ماذکرت ان العالم یسکت حینئذ قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا رأیت الناس قد مرجت عھودھم وخفت امانٰتھم وکانوا ھٰکذا وشبك بین انامله فالزم بیتك واملك علیك لسانك وخذ ماتعرف ودع ماتنکر وعلیك بخاصة امر نفسك ودع	نہ طاقت والاوہی علی وہی عظیم ہے جل جلالہٗ وعم نوالہٗ) **نفحہ ۱۴**: توارث باطل ومظنون کے بارے میں خطبہ میں اور توارث کی اجمالی بحث میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا وہ کافی اور شافی ہے۔ہم نے حق واضح کیا اورمدعیان توارث کے استاذوں ان کے شیوخ اور خود ان سے بھی "سکوت عن الحق"کاالزام زائل کیا۔کاش کہ یہ لوگ حق ظاہر ہونے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتے اور صبح چمکنے کے بعد اس کاانکار نہ کرتے،حالانکہ وہ ان کے لئے اہم اورایسا پتھر ہے جو بے توجہی سے انہیں کے اوپر آپڑے گا۔ہمارے اس دعوی پر کہ "عالم انکار کرتا ہے مگر عوام اس کی پرواہ نہیں کرتے" دلیل صاحب ردالمحتار کامذکورہ بالا قول ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکرمدتوں سے معطل ہوچکا ہے۔" اوراس امر کی دلیل کہ "بسااوقات عالم منکر دیکھ کر اخاموش رہتاہے" حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے: "جب تم لوگوں کواس حال میں دیکھو کہ ان کے عہود ایک دوسرے سے گتھ گئے ہیں اورامانتوں کو ہلکا سمجھنے لگے ہیں،اوروہ جال کی طرح بن گئے ہیں(حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرماکر جال کی صورت بنائی) توتم اپنے گھر کو لازم پکڑو،اور اپنی زبان کو قابو میں

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۲

عنك امر العامة۔"رواہ الحاکم[1] عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما وصححه واقرہ الترمذی۔ وابن ماجة عن ابی ثعلبة الخشنی رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم: ائتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنکر حتی اذا رأیت شحا مطاعًا وهوی متبعًا ودنیا مؤثرة واعجاب کل ذی رأی برایه ورأیت امرا لایدان لك به فعلیك خویصة نفسك ودع امر العوام[2]۔(الحدیث) ونظیر ماذکرت من شیوع امر من قبل السلطنة ما فی الهدایة فی تکبیرات العیدین:"ظهر عمل العامة الیوم بقول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما لامر بینه الخلفاء فاما المذهب فالقول الاول[3] اھ"	رکھو، خود اپنے نفس کی نگہداشت لازم جانو، اور عوام کا معاملہ ان پر چھوڑ دو۔"اسے حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی اور اسے ترمذی نے برقرار رکھا۔ ابن ماجہ نے ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو تاآنکہ بخل کی حکومت دیکھو، خواہشات نفس کی پیروی کی جانے لگے، اور لوگ دنیا کو اختیار کر چکے ہوں۔ہر رائے پسند کرے ایسے میں کوئی ضروری معاملہ درپیش ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑو اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑو۔" اور اس بات کا ثبوت کہ سلطنتوں کی طرف سے بھی بہت باتیں پھیلائی جاتی ہیں، صاحب ہدایہ کا یہ قول ہے کہ: "تکبیرات عیدین میں آج کل عام طور سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر عمل ہو رہا ہے کیونکہ خلفائے بنو العباس نے اسی پر عملدرآمد کا حکم دیا، لیکن مذہب تو احناف کا قول اول ہی، (یعنی چھ زائد تکبیریں)۔"

[1] المستدرك للحاکم کتاب الادب دار الفکر بیروت ۴/ ۲۸۲و۲۸۳

[2] سنن ابن ماجه کتاب الفتن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۹۹

[3] الهدایة کتاب الصلٰوۃ باب العیدین المکتبة العربیه کراچی ۱/۱۵۱

وما ذکرت من سکوت العلماء علیه سکوتهم وهم صحابة متوافرون وائمة اجلا تابعون علی زخرفة الولید المسجد الشریف النبوی حتی انفق علی جدار القبلة وما بین السقفین خمسة واربعون الف دینار مع ابن بعضهم قدانکر علٰی امیر المؤمنین عثمٰن رضی الله تعالٰی عنه حین بناه بالحجارة مکان اللبن و قصصه وسقفه بالساج مکان الجرید۔قال الامام العینی فی العمدة:"اول من زخرف المساجد الولید بن عبدالملك بن مروان وذٰلك فی ااواخرعصر الصحابة رضی الله تعالٰی ی عنهم وسکت کثیر من اهل العلم عن انکارذٰلك خوفًامن الفتنةاه[1]۔"

ولا بن عدی فی الکامل والیبهقی فی الشعب عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم:"اذا رأیتم امرًالا تستطیعون تغییرہ فاصبروا حتی یکون الله هو الذی یغیرہ[2]۔"

اور جو میں نے یہ کہا کہ ظہور منکرات کے وقت علماء خاموش رہے ہیں، اس کا ثبوت علمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین کثیرہ متوافرہ ائمہ اجلہ کی وہ خاموشی ہے جو ولید کے مسجد نبوی شریف کے آرائش کرنے پر تھی، اس لئے دیوار قبلہ اور دونوں چھتوں کے مابین کی آرائش پر ۴۵ ہزار اشرفیاں خرچ کی تھیں حالانکہ انہیں میں سے بعض امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس بات پر نکیر کرچکے تھے کہ انہوں نے دیواروں کو اینٹوں کے بجائے منقش پتھروں سے بنوایا اور چھت کو کھجور کے پتوں کے بجائے ساج کی لکڑی سے۔ امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "ولید بن عبدالملک بن مروان نے سب سے پہلے مسجد شریف کو مزین کیا، صحابہ کرام کے آخری عہد کی بات ہے، بہت سارے اہل علم اس وقت اس لئے خاموش رہے کہ فتنہ برپا ہوگا۔"

ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا: "جب تم کوئی ایسا کام دیکھو جس کے بدلنے کی تم طاقت نہیں رکھتے تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالٰی اسے بدل دے۔"

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ باب بنیان المسجد تحت الحدیث ۴۴۶ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/۳۰۴

[2] شعب الایمان حدیث ۹۸۰۲ ۷/ ۱۴۹ و الکامل لابن عدی ترجمہ عفیر بن معدان الحمصی ۵/ ۲۰۱۷

والدلیل علی ماذکرت من اشتباہ الامر فی ذٰلك علی المتاخرین حتی العلماء بالتعامل ما اسلفت عن الشیخ المجدد وقد کان فی ماقررنا ابانة اعذار لمن عبر ومن غبرفان لم یرض به المخالفون فھم الذین یقضون علی اساتذتھم ومشائخھم اما بالجھل اوبالسکوت عن الحق وقد کانت لھم مندوحة الم یعلموا ان الخلیفة الراشد امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنه کم من سنن احیاھا وظلمات بدع اجلاھا فکان له الاجر الجزیل والذکر الجمیل والفخر الجلیل ولم یکن عتب قط علٰی من قبله من الصحابة الکرام واکابرائمة التابعین الاعلام رضی اللہ تعالٰی عنھم انھم جھلوا الحق اوسکتوا عنه ولاقیل لامیر المومنین انك تقحمت ما اجتنبوہ او انکرت ما اقروہ افانت اعلم منھم بالسنة اواتقی منھم للفتنة وعلٰی ھذا درج امر کل مجدد فانه لایبعث الا لتجدید ماخلق وتشئید ما وھی وربما کان من قبله اعلم منه واتقی۔ وکذٰلك غیر المجددین	اوراس امر کی دلیل کہ اس معاملہ میں متأخرین پر معاملہ تعامل سے مشتبہ ہوگیا، حد یہ کہ علماء بھی شبہ میں پڑگئے۔ شیخ مجدد کا وہ قول ہے جسے ہم نقل کرچکے ہیں۔ ہمارے اس بیان سے گزرنے والوں اور باقی رہنے والوں سبھی کاعذر ظاہر ہوگیا۔ اگر کوئی ہمارے اس بیان پر راضی نہ ہوتو خود اپنے ہی شیوخ اور اساتذہ پر جہل یاسکوت عن الحق کا فیصلہ کرتاہے حالانکہ وہ اس سے بچ سکتا تھا۔ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کتنی سنتوں کا احیاء فرمایا اور کتنی بدعتوں کی تاریکیاں کافور فرمائیں۔ یہ امر ان کے لئے تو اجر عظیم اور بقائے ذکر حسن کا ذریعہ ہے، اور بجاطور پر باعث فخر ومباہات ہے لیکن ان سے قبل گزرنے والے صحابہ کرام اور اکابرائمہ تابعین اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے کسی عتاب یا عیب جوئی کا سبب نہیں کہ وہ لوگ حق سے غافل رہے یا اس سے خاموشی اختیار کی۔ نہ اس سے امیر المومنین پر خوردہ گیری کی گئی کہ آپ نے ان چیزوں کی مزاحمت کیوں کی جس سے متقدمین ائمہ نے پرہیز کیا، یاآپ نے ان امور کاانکار کیا، جسے ان بزرگوں نے باقی رکھا، توکیاآپ ان سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں اوران سے زیادہ ذکی وعلیم ہیں؟ اور اسی میں تمام مجددین کا

من کل عالم تصدّٰی لاحیاء السنة اواخماد بدعة فاہ یحمد ویوجر ولا یذم من مضٰی قبله ولا یعیر بخلاف من غبر بل من المثل الدائر السائر کم ترك الاول للاٰخر وھذا سیدنا الغوث الاعظم القطب الاکرم سید الاولیاء وسند الائمة والعلماء صلی اللّٰه تعالٰی علٰی ابیه الاکرم وعیه وعلٰی اصوله وفروعه ومشائخه ومریدیه وکل من انتمٰی الیه، روٰی عنه الائمة الکبار باسنید صحیحة مفصلة فی البھجة الشریفة وغیرھا من الکتب المنیفة: "انه قیل له رضی اللّٰه تعالٰی عنه ماسبب تسمیتك محی الدین؟ قال رجعت من بعض سیاحاتی مرة فی یوم جمعة فی سنة احدی عشرة وخمسمائة الی بغداد حافیا، فمررت بشخص مریض متغیر اللون نحیف البدن،	معاملہ شامل ہے کہ وہ بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ جو کمزوری آگئی ہے اسے مضبوط کریں اور جو کہنہ معلوم ہو رہا ہے اس کو نیا کریں۔ اور بسا اوقات ان مجددین سے پہلے ان سے بڑے بڑے اور ان سے زیادہ پرہیزگار علماء گزر چکے ہوتے ہیں۔ اور علمائے غیر مجددین بھی احیائے سنت واماتت بدعت ہی کے درپے ہوتے ہیں اور کسی بات پر ان کی تعریف ہوتی ہے جس انہیں اجر ملے گا۔ اور جو یہ کارنامہ کئے بغیر گزر گئے نہ تو ان کی برائی ہوتی ہے نہ کرنے والوں کو عار دلایا جاتا ہے، اور یہ تو ایک مشہور مثل ہے کہ پہلے کے بزرگ بعد میں آنے والوں کے لئے بہت سے کام چھوڑ گئے۔ حضرت غوث اعظم، قطب معظم، سید الاولیاء، سند الائمہ اللہ تعالٰی ان کے جد کریم، خود ان پر اور ان کے اصول وفروع، مشائخ و مریدین اور ان سے نسبت رکھنے والوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے سے ائمہ کبار نے سند صحیح کے ساتھ بہجۃ الاسرار وغیرہ معتبرات میں روایت کی کہ: "آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا حضور! آپ کا لقب محی الدین کیسے ہوا؟ آپ نے جواب دیا میں ۵۱۱ھ میں اپنی کسی سیاحت سے جمعہ کے دن بغداد لوٹ رہا تھا اس وقت میرے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے راستہ یں ایک کمزور اور نحیف، رنگ بریدہ مریض آدمی پڑا ہوا ملا،

فقال لی السلام علیك یا عبدالقادر ،فرددت علیه السلام ،فقال ادن منی فدنوت منه، فقال لی اجلسنی فاجلسته فنما جسدہ وحسنت صورۃ وصفا لونه فخفت منه، فقال اتعرفنی، فقلت لا ،قال انا الدین وکنت دثرت کما رأیتنی وقد احیانی الله تعالٰی بك وانت محی الدین، فترکته وانصرفت الی الجامع فلقینی رجل ووضع لی نعلاً وقال یاسیدی محی الدین، فلما قضیت الصلٰوۃ اھرع الناس الی یقبلون یدی ویقولون یا محی الدین، وما دعیت به من قبل [1] اھ کلامه الشریف۔" **قلت** هذا وان بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنة رضی الله تعالٰی عنه فلوان الاسلام لم یبلغ فی عهدہ رضی الله تعالٰی عنه الی ان یعد میتا فما الذی احیاہ وعلامه سمی محی الدین وان کان بلغ الٰی تلك الغایة فما ظنك بائمة اجلاء	اس نے مجھے عبدالقادر کہہ کر سلام کیا میں نے اس کا جواب دیا تو اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے کہا کہ آپ مجھے بٹھا دیجئے۔ میرے بٹھاتے ہی اس کا جسم تروتازہ ہوگیا سورت نکھر آئی اور ارنگ چمک اٹھا مجھے اس سے خوف معلوم ہوا، تو اس نے کہا مجھے پہچانتے ہو، میں نے لاعلمی ظاہر کی، تو اس نے بتایا میں ہی دین اسلام ہوں الله تعالٰی نے آپ کی وجہ سے مجھے زندگی دی، اور آپ محی الدین ہیں۔ میں وہاں سے جامع مسجد کی طرف چلا، ایک آدمی نے آگے بڑھ کر جوتے پیش کئے اور مجھے محی الدین کہہ کر پکارا، میں نماز پڑھ چکا تو لوگ چہار جانب سے مجھ پر ٹوٹ پڑے میرا ہاتھ چومتے اور مجھے محی الدین کہتے۔ اس سے قبل مجھے کسی نے محی الدین نہیں کہا تھا۔" **میں کہتا ہوں** یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کمال کو پہنچ گئے تھے اور آپ کی عمر شریف چالیس سال ہوچکی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت اسلام کی ایسی حالت ہوگئی تھی کہ اس کو مردہ کہا جائے گا یا نہیں، اگر کہا جائے کہ نہیں، تو آپ زندہ کس کو کیا، اور آپ کا نام محی الدین کیوں ہوا۔ اور اگر ہاں کہا جائے تو وہ ائمہ عظام اور

[1] بهجة الاسرار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ من عجائب احواله دار الکتب العلمیة بیروت ص ۱۰۹

علماء والیاء کانواقبله اهم کانوا عنه غافلین اوترکوا نصره حتی بلغ الٰی ذٰلك الضعف المبین۔ام تزعمون ان لارض کانت خلت عن ولی الله وعالم امین کل ذٰلك من اجلی الاباطیل لایذهب الیه عاقل ذودین۔

وانما الامرماوصفنا ان لمن احیالاحقااجره ولمن سکت سابقاعذره،والاشیاء مقسومة بید التقدیر القدیم " اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ " [1]۔

وبالجملة انماهم الشریعة یردون وباب احیاء السنة یسدون اذ کلماقام عبدالله یحی سنة اویمیت بدعة یقال له الم یك قبلك علماء بالدین، اکانوا جاهلین،ام غافلین،ام انت اعلم منهم اجمعین، وما هو الا تصدیق قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "لیاتین علی الناس زمان یکذب فیه الصادق ویصدق فیه الکاذب [2]۔"وحدیث یکون المعروف

اولیاء فخام جو آپ سے پہلے تھے کیا اسلام کی اس کمزوری سے غافل تھے یا انہوں نے حق کی حمایت چھوڑدی تھی کہ دین ضعف کی اس حد تک پہنچ گیا تھا یا پھر یہ گمان کیا جائے کہ دنیا علماء واولیاء سے خالی ہو گئی تھی حالانکہ یہ تینوں باتیں خلاف واقعہ اور باطل ہیں۔

توحقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس نے بعد میں احیائے دین کیا اس کیلئے اجر ہے،اورجو لوگ پہلے خاموش گزرے ان کے لئے عذر ہے۔اشیاء کی تقدیر ازل سے ہی دست قدرت میں ہے۔اور اللہ تعالٰی اپنے فضل بے نہایت سے جس کو چاہتاہے فضیلت عطافرماتاہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مخالفین اذان بیروت مسجد شریعت کو رد کرتے ہیں،اوراحیاء سنت کا راستہ مسدود کرتے ہیں اس لئے کہ جب کوئی بندہ احیاء سنت واماتت بدعت کیلئے اٹھے اسے یہ کہہ کر روکا جاسکتاہے،کیاآپ سے پہلے علمائے دین نہ تھے؟ یا آپ ان سب سے بڑے عالم ہیں؟تو یہ صورت حال اس حدیث کریم کا مصداق ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ سچا جھٹلایا جائے گااور جھوٹے کو شاباش ملے گی، معروف ومشروع باتیں ناپسند

[1] القرآن الکریم ۳/۷۳

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۳۶۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/۲۹۳

منكرًا والمنكر معروفا[1] ۔كما قدمنا فهذا ما يريدون والدين يكيدون وما يكيدون الا انفسهم ولكن لايشعرون۔نسأل الله العفو والعافية۔

واذقد فرغنا بحمدالله تعالٰى عن ابطال ما توافقوا عليه فلنأت على ما انفردبه بعضهم عن بعض وبالله التوفيق۔

نفحه۱۵: ذكر بعضهم اثرا جعله من رواية جويبر فى تفسيره عن الضحاك عن بردبن سنان عن مكحول عن معاذ رضى الله تعالٰى عنه: ان عمر رضى الله تعالٰى عنه امر مؤذنين ان يؤذنا للناس الجمعة خارجا من المسجد حتى يسمع الناس وامر ان يؤذن بين يديه كما كان فى عهد النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم وابى بكر رضى الله عنه ثم قال عمر نحن ابتدعناه لكثرة المسلمين[2]۔

فدل بمفهومه ان الاذان بين يديه لم يكن خارج المسجد ودل بقول كما كان انه فى عهد النبى

ہوں گی اور منکرات کو قبول کیا جائے گا۔" یہ ان لوگوں کی مراد اور حیلہ جوئیوں کا جواب ہے اور دین سے مکر کرتے ہیں اور مکر سے آدمی اپنے نفس کو ہی دھوکا دیتا ہے۔ ہم تو اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کے طلبگار ہیں۔

یہاں تک ہم ان کی مشترکہ جدوجہد کی تنقید سے فارغ ہو چکے ہیں اور اب انفرادی کاوشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، توفیق خیر تو اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔

نفحہ ۱۵: بعضوں نے ایک اثر نقل کیا جسے جویبر نے اپنی تفسیر میں ضحاک عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیا کہ: "حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مؤذنوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کیلئے خارج مسجد اذان دیں تاکہ لوگ سن لیں، اور یہ حکم دیا کہ آپ کے سامنے اذان دی جائے جیسا کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ہوتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نئی اذان شروع کی۔"

اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اذان میں بین یدیہ خارج مسجد نہیں تھی۔ اور اس اذان کے لئے یہ کہنا کہ یہ اذان عہد رسالت

---

[1] فيض القدير تحت الحديث ۶۹۸۹ كان يجلس على الارض دار الكتب العلمية بيروت ۵/۲۶۲

[2] فتح البارى كتاب الجمعة باب الاذان يوم الجمعة مصطفى البابى مصر ۳/۴۵

صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر رضی الله تعالٰی عنه ایضًاداخل المسجد۔

اقول اولًا :قداعطیناك فی النفحة التاسعة الفقهیة من معانی المسجد ما یغنیك ویعینك علی کل ما یاتیك من امثال هذا التشکیك فامر مؤذنین ان یؤذناخارج المسجدبالمعنی الثانی اوالثالث ایضًاکام فعله امیرالمومنین ذوالنورین رضی الله تعالٰی ی عنهم اذ زاد اذانًا علی الزور اء عند کثرة المسلمین ویشیرالیه فی نفس الاثرقوله"حتّٰی یسمع الناس "وقوله"نحن ابتدعناه لکثرة المسلمین"[1] فلایدل ان دل الاعلٰی کون الاذان بین یدیه داخل المسجد باحد هٰذین المعنین وهو عین مرادنا"فلینظر هل یذهبن کیده مایغیظ۔"

وثانیًا: انظروالٰی ظلم هٰؤلاء یردون حدیث صحیح ابی داؤدلاجل محمد بن اسحٰق الذی اجمع عامة ائمة الحدیث والفقه علی توثیقه،و

اور زمانہ صدیقی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایسے ہی ہوتی تھی، اس لئے صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ یہ اذان ان زمانوں میں اندرون مسجد ہوتی تھی۔

اقول: (میں کہتاہوں) اولًا ہم نویں فقہی نفحہ میں بیان کرآئے ہیں کہ مسجد کے تین اطلاقات ہیں، اسی اعتبار سے خارج مسجد کے بھی تین معنی ہوں گے۔ اثر مذکور میں آئے ہوئے لفظ حتی یسمع الناس اور ابتدعناہ عند کثرۃ المسلمین اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں خارج مسجد سے مراد معنی ثالث ہیں، اور معنی ثانی ہو تو بھی ہم کو کچھ ضرر نہیں کہ ہم بھی تو اسی کے قائل ہیں کہ حدود مسجد کے اندر ہو، مگر موضع صلٰوۃ سے باہر ہو۔ مسجد کے اطلاق کی مذکورہ بالا توضیح ایسے تمام شبہوں کے لئے نسخہ شفاہے۔

وثانیًا یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ یہ حضرات حضرت ابوداود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث صحیح کو تورد کرتے ہیں بلکہ حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق پر جرح کرتے ہیں جن کی توثیق پر عام ائمہ حدیث وفقہ متفق ہیں۔

---

[1] فتح الباری کتاب الجمعة باب الاذان یوم الجمعة مصطفی البابی مصر ۳/۴۵

يحتجون بأثر جويبر وما جويبر من ابن اسحٰق الا كالعتمة من الاصبح۔رجل لم يذكر فى تهذيب الكمال ولاتذهيب التهذيب ولا تهذيب التهذيب ولا ميزان الاعتدال ولا اللالى المصنوعة ولا العلل المتناهية ولا خلاصة التهذيب مع الزيادات توثيقا له عن احدمن ائمة التعديل انام ذكروا عنهم جرحه۔قال النسائى وعلى بن جنيد والدار قطنى"متروك"[1]قال ابن معين "ليس بشيئ ضعيف۔"[2] قال ابن المدينى"ضعيف جدا"[3]۔"وذكره يعقوب ابن سفٰين"فى باب من يرغب عن الرواية عنهم[4]۔" وقال ابوداؤد"هو علٰى ضعفه[5]۔"وقال ابن عدى"الضعف على حديثه ورواياته بين[6]۔"وقال الحاكم ابو احمد"ذاهب الحديث[7]"قال الحاكم ابوعبد الله "انا ابرأ الى الله من عهدته[8] "وقال ابن حبان"يروى عن الضحاك اشياء مقلوبة[9]۔"وقال فى اللاٰلى هالك تالف متروك جدا[10]۔ونقل فى ذيلها عن لسان الميزان	اور جویبر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ جویبر اور ابن اسحٰق میں رات اور صبح صادق کا فرق ہے، نہ تو تہذیب الکمال میں جویبر کی توثیق کسی امام ائمہ تعدیل سے مروی، نہ تذھیب التہذیب میں، نہ تہذیب التہذیب میں، نہ میزان الاعتدال میں، نہ لآلی المصنوعہ، نہ علل المتناہیہ نہ خلاصۃ التہذیب مع زیادات میں، ہے تو صرف جرح ہے۔ چنانچہ نسائی وعلی بن جنید اور دارقطنی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں: کچھ نہیں ضعیف ہے۔ ابن المدینی فرماتے ہیں: بے حد ضعیف ہیں۔ یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا جن سے روایت نہ کی جائے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: وہ ضعف پر ہیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں: ان کی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے۔ حاکم ابواحمد نے فرمایا: ان کی حدیثیں ضائع ہیں۔ حاکم ابوعبداللہ نے فرمایا: میں ان کی حدیثوں سے اللہ تعالٰی کی طرف براءت ظاہر کرتا ہوں۔ ابن حبان فرماتے ہیں: ضحاک سے الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ لآلی میں فرمایا: ہلاک کرنے والے، برباد کرنیوالے، سخت متروک ہیں۔ اسی کے حاشیہ میں لسان المیزان سے

---

[1] تهذيب التهذيب ترجمه جويبر بن سعيد موسسة الرسالة بيروت ۱/۳۲۰

[2] تهذيب التهذيب ترجمه جويبر بن سعيد موسسة الرسالة بيروت ۱/۳۲۰

[3] تهذيب التهذيب ترجمه جويبر بن سعيد موسسة الرسالة بيروت ۱/۳۲۰

[4] تهذيب التهذيب ترجمه جويبر بن سعيد موسسة الرسالة بيروت ۱/۳۲۰

[5] تهذيب التهذيب ترجمه جويبر بن سعيد موسسة الرسالة بيروت ۱/۳۲۰

[6] تهذيب التهذيب ترجمه جويبر بن سعيد موسسة الرسالة بيروت ۱/۳۲۱

[7] تهذيب التهذيب ترجمه جويبر بن سعيد موسسة الرسالة بيروت ۱/۳۲۱

[8] تهذيب التهذيب ترجمه جويبر بن سعيد موسسة الرسالة بيروت ۱/۳۲۱

[9] تهذيب التهذيب ترجمه جويبر بن سعيد موسسة الرسالة بيروت ۱/۳۲۱

[10] اللاٰلى المصنوعة

"متروك الحديث عن المحدثين[1]۔" وقال فی التقریب "ضعیف جدا[2]" وقال احمد بن سیار "حاله حسن فی التفسیر وھو لین فی الروایة[3]" وعدہ یحیٰی ابن سعید "ھٰؤلاء لایحمل حدیثھم ویکتب التفسیر عنھم[4]۔" وقال فی الاتقان بعد ذکران الضحاك عن ابن عباس مقطع"وان کان من روایة جویبر عن الضحاك فاشد ضعفالان جویبرا شدید الضعف متروك اھ[5]۔" ولکن اذالم تستحی فاصنع ماشئت[6]۔ **وثالثًا** من ظلمھم الدندنة علٰی حدیث ابن اسحٰق بالعنعنة وما فی عنعنة المدسل الاحتمال الانقطاع ثم عادوایتمسکون بھٰذا الاثر وفیه مکحول عن معاذ	منقول ہے: محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ تقریب یں ہے: بے حد ضعیف ہیں۔احمد بن سیار نے فرمایا: تفسیر میں ان کا حال ٹھیک ہے اور روایت میں کمزور ہیں۔ یحیٰی ابن سعید نے فرمایا: حدیث میں ان پر بھروسانہیں کیا جاتا،روایت نہیں کی جاتی، تفسیر لکھی جاتی ہے۔اتقان میں ان کے ذکر کے بعد فرمایا: ضحاک کی روایت ابن اسحاق سے منقطع ہے،اور ضحاک سے جویبر روایت کریں تو اور شدید ہے،اور یہ متروک ہیں۔تو یہ کتنی بے شرمی کی بات ہے کہ جویبر جیسے متروک الحدیث کی روایت سے سند پکڑی جائے،اور محمد بن اسحٰق جیسے ثقہ کی روایت چھوڑدی جائے۔ **ثالثًا** ان حضرات کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ محمد ابن اسحٰق کی حدیث پر معنعن ہونے کا الزام لگاتے ہیں جبکہ مدلس کی معنعن حدیث میں روایت کے منقطع ہونے کا احتمال ہے اور روایت جویبر میں شدید ضعف کے ساتھ ساتھ مکحول عن

[1] ذیل اللآلی المصنوعة کتاب العلم المکتبة الاثریة سانگلہ ہل، شیخوپورہ ص ۳۴
[2] تقریب التھذیب ترجمہ ۹۸۹ جویبر بن سعید دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۱۶۸
[3] تھذیب التھذیب ترجمہ جویبر بن سعید مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[4] تھذیب التھذیب ترجمہ جویبر بن سعید مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[5] الاتقان النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۷۱
[6] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ و ۶۶۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۷/۲۳۷، ۲۳۸

منقطع قطعا۔ **ورابعًا** من خیانتھم ان اثرواھٰذا الاثر عن فتح الباری وترکواقولہ"ھذامنقطع بین مکحول ومعاذ[1]۔" **خامسًا** ترکواقولہ"ولایثبت لان معاذًاکان خرج من المدینۃ الی الشام فی اول ماغزواالشام واستمر الٰی ان مات بالشام فی طاعون عمواس[2]۔" **وسادسًا** ترکواقولہ"وقد تواردت الروایات ان عثمٰن ھو الذی زادہ فھو المعتمد[3]اھ" فقد افادان الاثر منقطع ومعلول ومنکر لمخالفتہ لاحادیث صحیح البخاری وغیرہ الکثیرۃ المشھورۃ فترکواکل ذٰلك خائنین۔	معاذ روایت ہے جو یقیناً منقطع ہے۔ **رابعًا** ان حجرات نے جویبر کے اثر کو فتح الباری سے نقل کیا اوراس پر خود صاحب فتح الباری کی یہ جرح چھوڑ دی کہ یہ اثر مکحول اور معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان منقطع ہے۔ **خامسًا** صاحب فتح الباری کی یہ تنقید بھی ترک کردی "یہ روایت ثابت نہیں" کہ اس روایت میں ہے کہ عہد عمر کا یہ قصہ حضرت معاذ نے مکحول سے بیان کیاجب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری سال شام گئے، پھر وہیں رہ گئے،مدینہ شریف واپس نہیں آئے یہاں تک کہ طاعون عمواس میں ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔ **سادسًا** ان لوگوں نے صاحب فتح کی یہ تنقید بھی چھوڑدی کہ متعدد روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ اذان اول کااضافہ کرنیوالے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔ ابن حجر کی تنقیدوں سے ثابت ہواکہ یہ اثر منقطع ہے، معلول ہے، بخاری شریف کی احادیث صحیحہ مشہورہ کی مخالفت ہونے کی وجہ سے منکر ہے،اوران حضرات نے سب کو چھوڑاتو خائن ہوئے۔

[1] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۴۵
[2] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۴۵
[3] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۴۵

وسابعًا ان کان فیه شیئ فلیس الا مفهوم ورده عند ائمتنا معلوم، الاسیما مفهوم اللقب الذی هو اضعف المفاهیم لم یقل به الاشرذمة قلیلة من الحنابلة ودقاق الشافعی واندادالمالکی۔	**سابعًا** اس عبارت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بجور عارۃ النص نہیں بلکہ بطور مفوہم مخالف اور مفہوم مخالف بھی لقبی جو ائمہ احناف کے نزدیک اضعف المفاہیم ہے۔یوں تو ہمارے ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا ہی اعتبار نہیں مفہوم مخالف لقبی کا کیا ذکر جو مالکیہ کے ایک مختصر گروہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اور دقاق شافعی اور اندادمالکی کا قول ہے۔
وثامنًا جاء الملك ثلثة سفراء ووصل احدهم الی باب تجاه الملك واثنان متاخران، سأل عنهم الملك فقال الهاجب احدهم بین یدی الملك واثنان کارج الحضرة فهل یفهم منه ان الذی بین یدیه قددخل جوف الدار ولیس علی الباب ولکن الهل یاتی باالعجب العجاب۔	**ثامنًا** بادشاہ کے پاس تین نفر آئے،ایک تو بادشاہ کے سامنے آیا لیکن باہری دروازے تک،دو اور پیچھے رہے۔بادشاہ نے ان کے بارے میں دریافت کیا۔حاجب نے جواب دیاایک تو بادشاہ کے سامنے ہے اور دو دربار سے باہر ہیں۔تو حاجب نے جسے بادشاہ کے سامنے کہا کیا وہ دربار کے اندر تھا،وہ تو دروازہ پر ہی تھا لیکن جہالت عجب عجب گُل کھلاتی ہے۔
نفحه۱۶: ظهر لك الجواب ولله الحمد عن اثر النسائی عن طلق بن علی فخرجنا حتی قدمنا بلدنا فکسرنا بیعتنا ثم نضحنامکانها واتخذناها مسجدًا فنادینا فیه باالاذان[1]۔	**نفحہ۱۶:** مذکورہ بالا بیان سے حضرت طلق ابن علی کے اس اثر کا جواب بھی ہوگیاجو امام نسائی نے نقل کیا: "ہم مدینہ سے چل کر اپنے ملک میں پہنچے اپنے گرجا کو ہم نے ڈھادیا اور حضور کی خدمت سے لایا ہوا پانی وہاں چھڑک دیا اور گرجا کی جگہ مسجد بنائی اوراس میں اذان دی۔"

[1] سنن النسائی کتاب المساجد اتخاذ البیع مساجد نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۱۴

واثر الترمذی عن مجاھد قال دخلت مع عبداللہ بن عمر مسجدًا وقد اذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبداللہ[1] (الحدیث)	اور ترمذی کے اس اثر کا بھی جواب ہوگیا جو حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ "ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گئے جس میں اذان ہوچکی تھی اور ہم اسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے تھے تو مؤذن نے تثویب کہی تو حضرت عبداللہ مسجد سے نکل گئے۔"
اثر اٰخر عن ابی الشعشاء قال خرج رجل من المسجد بعدما اذن فیہ بالعصر وقال ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ما ھٰذا فقد عصٰی اباالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	ایک اور اثر جو ابو شعشاء سے مروی ہے کہ اذان عصر کے بعد ایک شخص مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا "اس نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔"
فانھما علی وزان اثر اقوی لم یھتدوا لہ وھو اثر مسلم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ: ان من سنن الھدٰی الصلٰوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ[3]۔"	یہ دونوں حدیثیں اسی روایت کے ہم پلہ ہیں جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے قوی بھی ہے۔: "جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سنن ہدٰی ہے۔"
کما قدمنا فی النفحۃ التاسعۃ	یہ اثر ہم نفحہ تاسعہ فقہیہ میں ذکر کرآئے

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی تثویب الفجر امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[2] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی کراہیۃ الخروج من المسجد بعد الاذان امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلٰوۃ الجماعۃ وبیان التشدید الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

الفقهية وقد كفانا المؤنة الاما مان الجليلان فی فتح القدير وغاية البيان اذقال فی المسجد ای فی حدوده لكراهة الاذان فی داخله [1]۔	مگر ہمیں اس کے جواب کی ضرورت نہیں کہ ہماری طرف سے اس کا جواب دو جلیل القدر امام فتح القدیر اور غایۃ البیان میں دے چکے ہیں کہ ان حضرات نے مسجد کی شرح میں فرمایا: "مطلب یہ کہ جس مسجد کی حدود میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنی سنت ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔"
والعجب ان المحتج باثر ابن عمر هذا قد احتج بعبارة اختلقها علی صلٰوة المسعودی لا اثرلها فيها ولم يرفی صلٰوة المسعودی انه ذكر هذا الاثر هٰكذا ان عبد الله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما دخل مسجدًا ليصلی فخرج المؤذن فنادٰی بالصلٰوة [2] (الحديث) وعزاه الصلٰوة الامام السرخسی وصلٰوة الامام ابی بكر خواهرزاده رحمهما الله تعالٰی، ومثله فی الضعف بل اضعف والتمسك بحديث مرفوع لم يهتدواله ايضا وانما دللنا هم عليه فتعلق به بعضهم وهو حديث ابن ماجة	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر سے استدلال کرنے والے نے اس عبارت میں اپنی طرف سے فیہ کا اضافہ کردیا اور حوالہ میں صلٰوۃ مسعودی کا نام لکھا، حالانکہ صلٰوۃ مسعودی میں یہ روایت صلٰوۃ امام سرخسی اور صلٰوۃ امام ابو بکر خواہر زادہ سے ان الفاظ میں مروی ہے: ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما دخل مسجدًا ليصلی فخرج المؤذن فنادٰی بالصلٰوة (الحدیث) یعنی اصل عبارت میں فیہ کا لفظ نہیں ہے سند اور استدلال کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ضعیف ایک اور حدیث ہے جس سے وہ غافل تھے ہم نے ہی ان کی رہنمائی کی تھی، تو بعض نے اس سے بھی سند پکڑی، ابن ماجہ نے وہ حدیث عثمان بن عفان رضی اللہ

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۹

[2] صلٰوۃ المسعود باب بیست ویکم در بیان بانگ نماز مطبع محمدی بمبئی ۲/۹۵

عن امیرالمؤمنین عثمٰن رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم "من ادرکه الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجة وھو لایرید الرجعة فھو منافق[1]۔"

فان المسجد ظرف الادراك دون الاذان الا تری الی المناوی فی التیسیراذیقول فی شرحه(من ادرکه الاذان)وھو(فی المسجد[2])

بل کفی الحدیث شرحًاللحدیث فللامام احمد بسند صحیح عن ابی ھریرة رضی الله تعالٰی عنه قال امرنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "اذا کنتم فی المسجدفنودی بالصلٰوۃ فلا یخرج احدکم حتی یصلی[3]۔"

لکن السفیه کل السفیه والبلید کل البلید من تمسك بحدیث

تعالٰی عنہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کی: "جس نے کسی مسجد میں اذان پائی اس کے بعد مسجد سے بلاضرورت باہر ہوا اور واپس ہونے کا ارادہ بھی نہیں تو وہ منافق ہے۔"

استدلال ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں فی المسجد ادراک کا ظرف ہے (یعنی اذان سننے والا مسجد میں تھا خود اذان مسجد میں نہیں ہوئی تھی، امام مناوی نے اپنی شرح بنام تیسیر میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا: جس نے اذان اس حالت میں سنی کہ وہ مسجد میں تھا)

بلکہ خود ایک دوسری حدیث میں اسکی شرح یہی فرمائی گئی، امام احمد سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں: "جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلو۔"

اور انتہائی بیوقوفی یہ ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث سے استدلال

---

[1] سنن ابن ماجه ابواب الاذان باب اذا اذن وانت فی المسجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من ادرك الاذان الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۳۹۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۵۳۷

ابی داؤدرأیت رجلا کان علیه ثوبین اخضرین فقام علی المسجدفاذن[1] (ورواية ابی الشيخ فی هذا الحدیث)علی سطح المسجد فجعل اصبعیه فی اذنیه ونادٰی[2]،ورأی ذٰلك عبداللّٰه بن زید فی المنام۔ وحدیث ابن سعدفی طبقاته عن نوار اُمّ زید بن ثابت رضی اللّٰه تعالٰی عنهما قالت کان بیتی اطول بیت حول المسجدفکان بلال یؤذن فوقه من اول ما اذن الی ان بنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مسجده فکان یوذن بعد علی ظهر المسجدوقدرفع له شیئ فوق ظهره[3]۔ فان فی هٰذہ تصریحات بکون الاذان خارج المسجد بالمعنی الاول والجهول لایمیزبین المنافع والمضار وقد اسلفنا عدة روایات لهذامحتجین بها والسفه یبحث عن حتفه بظلفه۔	کیا جائے: "میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس پر دوہرے کپڑے تھے تو اس نے مسجد کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دی۔(اور ابوالشیخ نے اسی حدیث کی روایت میں لفظ علٰی سطح المسجد، (مسجد کی چھت پر) کہا اور اپنی دونوں انگلیاں اپنے کان میں ڈالیں اوراذان دی(دراصل حضرت عبداللہ بن زید نے یہ معاملہ خواب میں دیکھا تھا)"۔ اور طبقات ابن سعد میں حضرت زید ابن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ: "مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتداء سے اسی پراذان دیتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسجد بنالی اوراس کی چھت پر کچھ اونچا کردیا، تواسی پراذان دینے لگے۔" ہم بیان کرآئے ہیں کہ سب صورتیں مسجد بمعنی اول سے خارج ہیں، تو ان سے داخل مسجد اذان کے مدعیوں کو کیا حاصل؟ لیکن جاہل نفع اور نقصان میں فرق نہیں کرتا،اور بیوقوف اپنے کھُر سے ہی اپنی موت کریدتا ہے۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۴

[2] کنزالعمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسة الرسالہ بیروت ۸/۳۳۱

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعدومن النساء بنی عدی بن النجار ترجمہ النوار بنت مالك دارصادر بیروت ۸/۴۲۰

نفحہ۱۷: تعلق سفیہان منہم بروایۃ ابن ماجۃ عن عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ فیہا، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان صاحبکم قدرأی رؤیا فاخرج مع بلال الی المسجد فالقہا علیہ ولیناد بلال فانہ اندٰی صوتا منك قال فخرجت مع بلال الی المسجد فجعلت القیہا علیہ وھو ینادی بہا[1] و ھذا کما ترٰی اشبہ بالھذیان۔ **فاولًا:** این الخروج الی المسجد عن الدخول فی المسجد، **ثانیًا:** لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجلس غیر مسجدہ الکریم ولا بین المسجد و الحجرات الشریفۃ شیئ انما کانت علی حافۃ المسجد الشرقیۃ و اتیان عبداللہ بن زید الیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان من اٰخر اللیل قریبا من الصباح کما جمع بہ	**نفحہ۱۷:** دو بیوقوفوں نے ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا جو حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے: "حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے تو اے عبداللہ! بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ تم تلقین کرو اور بلال پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بلال کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلمات اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دُہراتے۔" یہ استدلال ہذیان جیسا ہے۔ **اولًا:** مسجد کی طرف جانے اور مسجد میں داخل ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے (اور حدیث شریف میں مسجد کی طرف جانے کی بات ہے مسجد میں داخل ہونے کی نہیں۔) **ثانیًا:** حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد مبارک اور حجرات ازواج مطہرات میں کوئی فاصلہ نہ تھا حجرے مسجد کے مشرقی کنارہ پر تھے، تو دروازہ سے باہر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نشست گاہ مسجد مبارک ہی میں تھی۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حضرت عبداللہ بن زید کا آنا قریب صبح رات کے آخری حصہ میں تھا، اس کی تصریح امام ابوداؤد نے

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب بدأ الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۵۱

بین روایة ابی داؤد "فلما اصبحت اتیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم[1]۔" وروایة ابن ماجة "فطرق الانصاری رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لیلا[2]۔" ولم یکن هذا ایان خروجه صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن مسجده الکریم ولا دخول احد علیه فی الحجرة الکریمة فلم یکن صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذذاك الا فی المسجد الشریف اوالحجرة المنیفة۔ وعلٰی کل کان عبدالله حین اتاہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی المسجد هذا هو الظاهرولو لم یکن ظاهرًا لکفانا الاحتمال لقطع الاستدلال ومعلوم ان من کان فی المسجداذاقیل له اخرج الی المسجد یستحیل ان یراد به اخرج حتی تدخل المسجد، وانما یرادبه اخرج الٰی منتهٰی حد المسجدوحینئذٍ تکون	اپنی روایت میں کی ہے۔اورابن ماجہ نے اپنی روایت میں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی حاضری آخری شب میں فجر سے کچھ پہلے تھی،الفاظ دونوں روایتوں کے مندرجہ ذیل ہیں: "صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا" (ابی داود)۔ "رات میں انصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آئے" (ابن ماجہ) اور یہ وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باہر جانے کا نہ تھا،نہ کسی کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کا تھا،تو اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاتو مسجد مبارک میں تھے یا حجرہ شریفہ میں،تو اس صورت حال کے پیش نظر حضرت عبداللہ اس وقت مسجد میں ہی تھے۔روایات سے یہی ظاہر ہے ورنہ اس کا احتمال تو ہے ہی جو استدلال کو باطل کردیتاہے اور مسجد میں موجود رہنے والے سے یہ کہا جائے کہ مسجد کی طرف جاؤ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ مسجد سے نکل کر پھر مسجد میں آؤ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مسجد کی انتہائی حد تک جاؤ۔ گویا سرکار ان الفاظ سے یہ رہنمائی کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کی حدود میں اذان دی جائے مسجد میں نہیں،نہ مسجد سے دور۔ جیسا کہ آسمان

[1] سنن ابی داود کتاب الصلٰوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۲

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب بدأ الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲

الحکمة فی التعبیر بالی الارشاد الی ان یؤذن فی حدود المسجدلافیه لابعیدًامنه،کما اراہ النازل من السماء علیه الصلٰوۃ والسلام فکان الحدیث دلیلًا لنا علیھم والجھلة یعکسون ومما یشھد له ان النازل من السماء اراہ الاذان خارج المسجد اذقام علی حصة الجدار فوق السطح وماکان امر عـــه النازل الا للتعلیم فلذا امران یخرج من المسجد الٰی حدودہٖ وﷲ الحمد۔	سے اترنے والے فرشتے نے انہیں دکھایا تھا۔ پس یہ حدیث تو مخالفین کے خلاف ہماری دلیل ہے،اور وہ اس کو الٹ رہے ہیں۔اوراس بات کی دلیل کہ فرشتے نے انہیں مسجد سے باہر اذان دے کر دکھایا تھا۔یہ ہے کہ وہ مسجد کی چھت پر دیوار کے اوپر کھڑا ہوا تھااور وہ تعلیم کے لئے ہی آیا تھااس لئے آپ نے حکم دیاکہ اندرون مسجد سے نکل کر مسجد کے کنارے کی طرف جاؤ،فالحمدللہ۔
وثالثًا:لو تنزلنا عن الکل فقد ذکرنا الجواب العام التام الشافی الکافی ان المراد بالمسجداحدالمعنیین الاخیرین،وﷲ الحمد۔	**ثالثًا:**اوران سب سے قطع نظرکیا جائے توہم ایک تام اور عام جواب دے چکے ہیں کہ ایسی تمام روایتوں میں مسجد سے اس کے دوسرے اور تیسرے معنٰی مراد ہیں۔

عـــه:واذاضم الٰی ذٰلك قول الشرنبلالی فی مراقی الفلاح (یکرہ اذان قاعد)لمخالفة صفة الملك النازل [1] لکان حدیث الملك علٰی کثرۃ روایاته التی قدمنا کثیرًا منھا دلیلابراسه علی کراھة الاذان داخل المسجد فافھم منه حفظه ربه ۱۲۔

اورجب اس کے ساتھ مراقی الفلاح میں مذکور قول شرنبلالی کوملایا جائے،یعنی بیٹھ کر اذان دینامکروہ ہے کیونکہ اس میں اذان کے لئے اترنے والے فرشتے کی صفت کی مخالفت ہے،توفرشتے والی حدیث باوجودان روایات کثیرہ کے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں مسجد کے اندر کی کراہیت پر دلیل ہوگی۔پس اس کو سمجھ۔(ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی کتاب الصلٰوۃ باب الاذان دارالکتب العلمیة بیروت ص۲۰۰

نفحه۱۸:حاول بعض الوهابية الفجرة ان يثبت مطلوبه الباطل بأٰيات القراٰن العظيم وحاشا القراٰن ان يكون لباطل ظهيرًا قال قال عزوجل: "وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ"[1] واخرج سعيد بن منصورواٰخرون عن مجاهد قال لما امر ابراهيم ان يوذن فی الناس بالحج،قام علی المقام فناديٰ بصوت اسمع من بين المشرق والمغرب، يايها الناس اجيبوا ربكم[2]۔ واخرج ابن المنذروابن ابی حاتم عن مجاهد قال تطاول به المقام حتی كان كاطول جبل فی الارض فاذن فيهم بالحج فاسمع من تحت البحور السبع[3]۔ واخرج ابن جرير عن مجاهد	نفحہ۱۸: بعض وہابی صاحبان نے اپنا مقصد قرآن پاک سے ثابت کرنے کا قصد کیا ہے حالانکہ قرآن عظیم باطل کا مددگار نہیں ہوسکتا۔وہ کہتے ہیں کہ قرآن عظیم نے فرمایا: "(اے ابراہیم!)لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔" اور سعید بن منصوراور دوسرے محدثین نے حضرت مجاہد سے روایت کی: "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا توآپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا(جسے مشرق ومغرب کے سبھی لوگوں نے سنا) کہ اے لوگو!اپنے رب کا جواب دو۔" ابن المنذروابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر اعلان کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ انہیں لے کر بلند ہونے لگا یہاں تک کہ زمین کے تمام پہاڑوں سے بلند ہوگیا،آپ نے اسی بلندی پر سے لوگوں میں حج کا اعلان کیا جو سات سمندروں کی تہہ سے بھی سنا گیا۔ ابن جریر نے حضرت مجاہد سے روایت کی

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۷

[2] الدرالمنثوربحوالہ سعید بن منصور تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۲ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۳،تفسیر القرآن لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷حدیث ۱۳۸۸۰ مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۸/۲۴۸۷

[3] تفسیر القرآن لابن ابی ھاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷حدیث ۱۳۸۸۰ مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۸/۲۴۸۷

عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال قام ابراهیم خلیل الله علی الحجر فنادٰی "یا ایها الناس کتب علیکم الحج فاسمع من فی اصلاب الرجال وارحام النساء[1]۔"	اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر پکارا "اے لوگو! اللہ تعالٰی نے تم پر حج فرض کیا۔" تو باپوں کی پشتوں سے اور ماؤں کے شکموں سے لوگوں نے ان کی آواز سنی۔
قال قال ونحن نری ان هٰذا الحجر کان حین نادٰی علیه خلیل الله داخل المطاف قریب جدار الکعبة لان علیا القاری قال فی شرح اللباب قال فی البحر "و الذی رجحه العلماء ان المقام کان فی عهد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ملصقًا بالبیت، قال ابن جماعة هو الصحیح وروی الازرقی ان موضع المقام هو الذی به الیوم فی الجاهلیة وعهد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما اھ۔ والاظهر انه کان ملصقا بالبیت ثم اخر عن مقامه الحکمة هنالك تقتضی ذٰلك اھ[2]۔"	مستدلین کا دعوی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے وقت وہ پتھر مطاف کے اندر دیوار کعبہ کے قریب تھا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح لباب میں فرمایا: بحر میں کہا گیا کہ علماء نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ مقام ابراہیم عہد رسالت میں کعبہ شریف سے بالکل متصل تھا۔ ابن جامعہ نے اسی کو صحیح کہا اور ازرقی نے روایت کی کہ مقام ابراہیم جہاں آج ہے وہیں جاہلیت اور عہد رسالت اور زمانہ ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہما میں تھا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے متصل ہی تھا، پھر بعد میں کسی حکمت کی وجہ سے موجودہ مقام تک کھسکا یا گیا۔
وذالك لان ابراهیم صلوات الله علیه بنی الکعبة قائما علیه فاستمر	حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی تو وہ

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیة ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۷/۱۶۹

[2] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۳۲

مذذاك متصل الكعبة كما فی تاریخ القطبی وسائر كتب السیر "وكان ابراهیم علیه الصلوات والسلام یبنی واسمٰعیل علیه الصلوٰة والسلام ینقل له الحجارة علی عاتقه فلما ارفع البنیان قرب له المقام فكان یقوم علیه ویبنی[1] اهـ"	اسی حال پر دیوار کعبہ کے پاس ہی پڑا رہا۔ ایسا ہی تاریخ قطبی اور بقیہ کتب تاریخ میں تحریر ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواریں چنتے تھے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے، جب دیواریں بلند ہو گئیں تو مقام ابراہیم اسی کے قریب لایا گیا اور آپ اسی پر کھڑے ہو کر دیواریں چنتے تھے۔"
فثبت انه كان حین اذن علیه للحج متصل جدار الكعبة واستمر كذٰلك الی زمانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم انتقل عنه بوجه قال ولئن سلمنا ان محله منذ القدیم حیث هو الاٰن فالمدعٰی ثابت ایضا لانه الاٰن ایضًا داخل المطاف لان المطاف هو الموضع المفروش بالرخام ومقام ابراهیم داخل فیه. فثبت ان التاذین فی المسجد جائز مطلقا ولا كراهة فیه اصلا ولیس بدعة بل هو سنة ابراهیم علیه الصلواة والتسلیم (انتهٰی) (كلامه الردی السقیم مترجمًا)	اس سے ثابت ہوا کہ اعلان حج کے وقت بھی وہ پتھر وہیں پڑا رہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک وہیں پڑا رہا، بعد میں کسی مصلحت پر کچھ اور کھسکا دیا گیا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عہد قدیم سے ہی وہ موجودہ مقام پر ہی ہے تب بھی ہمارا دعوی ثابت ہے کہ موجودہ جگہ بھی مطاف میں ہی ہے، اس لئے کہ مطاف وہ جگہ ہے جہاں سنگ مرمر بچھا ہوا ہے، اور مقام ابراہیم اسی میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اذان داخل مسجد مطلقًا ناجائز ہے، اس میں نہ تو کوئی کراہت ہے اور نہ یہ بدعت ہے، یہ تو حضرت ابراھیم علیہ السلام کی سنت ہے۔
اقول: انعم به من برهان تزری بالهذیان ویغبط به المجانین والبله والصبیان۔	**اقول:** جواب اس کا یہ ہے کہ یہ استدلال ہذیان سے بھی آگے ہے اور پاگلوں، بیوقوفوں اور بچوں کے لئے بھی قابل رشک ہے۔

[1] سبل الهدٰی والرشاد الرابعه ۱/۱۵۵ والكامل فی التاریخ ۱/۱۰۶ وتاریخ مكة المشرفة ۴/ ۴۳ و ۴۴

فاولاً کیف لزم من کون المقام ملصقًا بجدار البیت علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وفی الجاهلیة کونه کذٰلك علی عهد ابراهیم علیه الصلٰوۃ والتسلیم وتحکیم الحال لایجری فی شیئ منقول غیر مرکوز وان فرض فظاهر والظاهر حجة فی الدفع لاللاستحقاق وانت مستدل لادافع۔	**اولاً** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور عہد جاہلیت میں مقام ابراہیم کے دیوار کعبہ کے متصل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ عہد خلیل علیہ السلام میں بھی وہیں رہا ہو اور موجودہ حالت پر قیاس کرکے ایک ادھر اُدھر منتقل ہونے والی چیز پر ماضی کا حکم لگانا جائز نہیں اور ایسے قیاس سے کوئی یقینی بات ثابت نہیں ہوتی۔اسی لئے تو اس کی تعبیر ظاہر اور اظہر سے کی ہے، اور ظاہر دلیل پکڑنے والے کے لئے مفید نہیں۔اس سے معترض کو فائدہ پہنچتا ہے اور آپ مستدل ہیں۔
وثانیًا مانقل عن تاریخ القطبی فای رائحة فیه لما ادعاہ من انه استمر مذاذاك متصل الکعبة فالاستناد به جهل۔	**ثانیاً** تاریخ قطبی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ پتھر عہد ابراہیم علیہ السلام سے اسی مقام پر قائم ہے، پھر اس روایت کو سند میں ذکر کرنا جہالت ہے۔
وثالثًا بل فیه فلما ارتفع البنیان قرب له المقام فدل علی ان محله کان بعیدًا انما قرب الاٰن للحاجة والعادۃ ان الشیئ اذا نقل لحاجة یرد الی محله الاول بعد قضائها کما هو مشاهد فی السلالیم وفی منبر یوضع لدی باب الکعبة یوم دخول العام۔	**وثالثاً** قطبی کی روایت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مقام ابرایم کا ٹھکانا کہیں اور تھا، تعمیر کی ضرورت سے دیوار کعبہ کے پاس لایا گیا۔اور عادت یہ ہے کہ جو چیز ضرورۃً کہیں رکھی جاتی ہے ضرورت پوری ہونے کے بعد وہاں سے علیحدہ کرلی جاتی ہے، خود حرم شریف میں یہ دستور دیکھا گیا کہ دخول عام کے دن سیڑھیاں اور منبر لگادئے جاتے ہیں، پھر علیحدہ کرلئے جاتے ہیں اور ان کے اصل مقام پر انہیں لوٹا دیا جاتا ہے۔
ورابعًا ان فرض کونه	**رابعًا** اور اگر یہ مان بھی لیا جائے

لصیق الجدار الجمیل علی عھد خلیل علیه الصلٰوۃ والسلام بالتبجیل کان ایضازعم انه کان کذٰلك حین اذن علیه للحج رجما بالغیب بلادلیل غایه انه لم ینقل انه نقل حینئذوعدم النقل لیس نقل العدم والاستصحاب غیرداف للمستدل عندالاصحاب۔

وخامسًا بل قدوردما یدل علٰی انه کان فی غیرھٰذا المحل حین اذن علیه وکفٰی به قاطعا لشقشقته اخرج الازرقی عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال "سألت عبداللّٰه بن سلام عن الاثر الذی فی المقام ،فقال لما امر ابراھیم علیه الصلوۃ والسلام ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام ،فلما فرغ امر بالمقام فوضعه قبله،فکان یصلی الیه مستقبل الباب[1]۔"(الحدیث)

وسادسًاان شئت قطعت

کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پتھر دیوار کے قریب تھا، تب بھی یہ گمان کرنا کہ اعلان بھی اسی مقام سے کیا گیاہے، زعم باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتاہے کہ اس پتھر کے وہاں سے منتقل ہونے کی کوئی روایت نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ منتقل نہیں ہوا۔ تو ہم بتاچکے ہیں کہ یہ استصحاب ہے جس سے مستدل کو فائدہ نہیں پہنچتا۔

خامسًا اس امر کی روایت ہے کہ مقام ابراہیم اعلان حج کے وقت موجودہ مقام پر موجود نہیں تھا جس سے تمام اوہام کا خاتمہ ہوجاتاہے۔ ازرقی نے ہی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مقام ابراہیم میں پڑے ہوئے نشان کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایاکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السالم کو اعلان حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا۔ اعلان سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ اس پتھر کو لیجا کر کعبہ کے دروازہ کے سامنے رکھا جائے اور آپ اسی پتھر کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔"

سادسًا اس شبہ کو جڑبنیاد سے

[1] الدرالمنثوربحوالہ الازرقی تحت الآیۃ ۲/۱۲۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۶۔۱۶۵

راس الشبهة من راسها وذٰلك لان رواية قيامه عليه الصلٰوة والسلام حين الاذان على المقام رواية اسرائيلية كما رأيت وسيدنا ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما كان ياخذ عنهم كما هنا،وروٰى ابن ابى حاتم عن الربيع بن انس قال سمعنا عن ابن عباس انه حدث عن جال من علماء اهل الكتاب ان موسٰى دعا ربه[1] (الحديث) فى قصة ملاقاته الخضر عليهما الصلٰوة والسلام واقرها واخرج ابن ابى شيبة عن ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما قال سئلت كعبًا ما سدرة المنتهٰى،قال سدرة ينتهى اليها علم الملٰئكة وسئلته عن جنة الماوٰى فقال جنة فيها طير خضر ترتقى فيها ارواح الشهداء[2]۔ واخرج ابن جرير عن شمر	اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اعلان حج کے وقت مقام ابراہیم پر کھڑے ہونے کی روایت اسرائیلی ہے،اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بنی اسرائیل کی روایت قبول فرماتے تھے جیسا کہ اس مبحوثہ روایت میں انہوں نے کیا۔ابن ابی حاتم ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اہل کتاب سے روایت کیا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔یہ حضرت موسٰی وخضر علیہم السلام کی ملاقات کے قصہ میں ہے۔مندرجہ ذیل روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی ثابت رکھا کہ "میں نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ انتہائی حد پر ایک بیری کا درخت ہے جہاں تک فرشتوں کا علم پہنچتا ہے۔اور میں نے ان سے جنۃ الماوٰی کے بارے میں پوچھا توانہوں نے فرمایا ایسا باغ جس میں شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں رہ کر سیر کرتی ہیں۔" ان جریر نے شمر سے روایت کی کہ حضرت

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی حاتم سورۃ الکہف ۱۷تا۲۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۷۹

[2] الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ تحت الآیۃ ۱۴/۵۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/۵۷۲

قال جاء ابن عباس الی کعب فقال حدثنی عن قول الله "سدرة المنتهٰی"[1] (الحدیث)	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت کعب کے پاس آئے اور سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا۔(القصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے اور روایت مبحوثہ بھی اسرائیلی ہے)
وقد صح عن امیر المومنین علی کرم الله تعالٰی وجهه انه اذن علٰی ثبیر ،روٰی عبدالرزاق وغیرہ عن معمر قال قال ابن جریج قال ابن المسیب قال علی ابن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه لما فرغ ابراهیم من بنائه، بعث الله جبریل فحج به حتی اذا رأی عرفة قال قد عرفت وکان اتاها قبل ذٰلك مرة،فلذٰلك سمیت عرفة حتی اذا کان یوم النحر عرض له الشیطان فقال احصب فحصبه بسبع حصبات۔ثم الیوم الثانی فالثالث، فلذٰلك کان رمی الجمار قال اعل علٰی ثبیر فعلاہ فنادٰی یا عبادالله اجیبوا الله یا عبادالله اطیعوا الله فسمع	ادھر حضرت امیر المومنین مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ثبیر پر چڑھ کر اعلان حج فرمایا تھا۔عبدالرزاق وغیرہ نے معمر سے انھوں نے ابن جریج سے انھوں نے حضرت علی (رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) سے روایت کی کہ "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی بنا سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جبریل امین کو بھیجا اور انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کرایا،آپ نے عرفات کو دیکھ کر فرمایا میں اس میدان کو پہچان گیاایک بار اس سے قبل بھی حضرت خلیل یہاں آئے تھے اوراسی وجہ سے اس کانام "عرفہ"پڑا۔یوم نحر کے دن شیطان نے آپ سے تعرض کیاتو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مارنے کی ہدایت کی،اورآپ نے ابلیس کو سنگسار کیا،پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔اسی لئے حج میں رمی جمار مشروع ہوئی۔حضرت جبریل امین نے فرمایا: کوہ ثبیر پرچڑھو۔حضرت خلیل علیہ السلام نے

[1] جامع البیان تحت الآیة ۵۳/۱۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۷/۶۳

دعوته من بين الابحر السبع[1]۔(الحديث)
وهذا كما ترٰی سند صحيح علٰی اصولنا فهذا انص عن رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم حكما لان الامر لادخل فيه للرأی وما كان امير المؤمنين علی ليا خذ عن اهل الكتاب فلم يكن الا سماعًا عن النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم۔فثبت ان الاذان كان علٰی جبلٍ بمزدلفة وسقط انه كان داخل المسجد علی المقام ولك ان تقول لاخلف فان ثبيرًا من الحرم وقد افاد ابن عباس نفسه "ان مقام ابراهيم الحرم كله[2]" اخرجه عنه عبد بن حميد وابن ابی حاتم بل اخرج هذا عنه قال "مقام ابراهيم الحج كله[3]۔"

ثبیر کی پہاڑی پر چڑھ کر اعلان فرمایا: اے بندگان خدا! اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو، اے بندگان خدا! اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو۔ تو ان کا یہ اعلان ساتوں سمندر سے سنا گیا۔"
یہ سند ہمارے اصول پر صحیح ہے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے، اور معاملہ چونکہ قیاسی نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چونکہ اہل کتاب کی روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لئے لامحالہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہی سن کر بیان فرمائی تو اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اعلان حج منٰی شریف کے پہاڑ سے ہوا اور یہ بات ساقط الاعتبار ہوگئی کہ اعلان حج مسجد کے اندر مقام ابراہیم سے ہوا۔ اور ان دونوں روایتوں میں کوئی ایسا تعارض بھی نہیں کہ جبل ثبیر بھی حدود حرم کے اندر ہی ہے۔ چنانچہ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی سارا حرم مقام ابراہیم ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباس سے تو یہ بھی مروی ہے کہ مقام ابراہیم پورا حج ہے۔

وسابعًا اضطربت الرواية عن

سابعًا اعلان حج کے مقام میں حضرت

---

[1] الدر المنثور بحوالہ عبدالرزاق تحت الآیۃ ۲۲/۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۱
[2] الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید وبن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲/ ۱۲۵، ۱/ ۲۶۴ وتفسیر ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۱۱/۹۷، ۳/۳
[3] تفسیر القرآن العظیم تحت الآیۃ ۳/ ۹۷ حدیث ۳۸۴۷ و ۳۸۴۸ مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۳/۷۱۱

ابن عباس ففی بعضھا "اذن علی المقام" وفی بعضھا علی ابی قبیس رواہ عنه ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالٰی عنه قال لما امر اللہ ابراھیم ان ینادی فی الناس بالحج صعد اباقبیس فوضع اصبعیه فی اذنیه ثم نادٰی، ان اللہ تعالٰی کتب علیکم الحج فاجیبو ربکم[1] الحدیث، وفی اخری له عنه رضی اللہ تعالٰی عنه قال صعد ابراھیم اباقبیس، فقال اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰه الا اللہ واشھد ان ابراھیم رسول اللہ ایھا الناس ان اللہ امرنی ان انادی فی الناس بالحج ایھا الناس اجیبوا ربکم[2]۔ وفی بعضھا علی الصفا رواہ عبد بن حمید عن مجاھد قال "امر ابراھیم ان یوذن بالحج فقام علی الصفا فنادی بصوت سمعه مابین المشرق والمغرب یا ایھا الناس اجیبوا الٰی ربکم[3]۔"	ابن عباس سے روایتیں مضطرب ہیں۔ بعض میں تو وہی مقام ابراہیم ہے، اور بعض میں یہ ہے کہ جبل ابوقبیس پر اعلان حج ہوا۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام جبل ابوقبیس پر چڑھے اور کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لاالٰه الا اللہ، واشھد ان ابراھیم رسول اللہ۔ اے لوگو! مجھے اللہ تعالٰی نے حکم دیا کہ میں لوگوں میں حج کا اعلان کروں تو تم لوگ اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو۔" اور بعض روایتوں میں جبل ابوقبیس کے بجائے کوہ صفا کا ذکر ہے۔ ابن حمید کی یہ روایت امام مجاہد سے اس طرح مروی ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ مقام صفا پر لوگوں کو حج کا اعلان کریں، آپ نے ایسی آواز سے پکارا کہ مشرق ومغرب کے لوگوں نے سنا۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے: اے لوگو! اپنے رب کی پکار کا جواب دو۔

[1] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۷۸ مکتبہ نزار مصطفٰی الباز مکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

[2] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۴ مکتبہ نزار مصطفٰی الباز مکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۸،۲۴۸۷،
الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۴

[3] الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳

وروی ھو وابن المنذر عن عطاء قال "صعد ابراھیم علی الصفا فقال یاایھاالناس اجیبوا ربکم [1]۔"

ومعلوم ان الروایۃ عن مجاھد روایۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم فالاضطراب بالتثلیث والافلاشك فی التثنیۃ فکان من ھذا الوجہ ایضاً حدیث امیرالمومنین احق بالاخذولذا مشٰی علیہ القطبی فی تاریخہ ولم یلتفت لما سواہ فاندحضت الشبھۃ عن رأس والحمدللہ رب الناس۔

ثامنًا بعد اللتیاوالتی ان کان فشریعۃ من قبلنا فلا تکون حجۃ الا ذاقصھا اللہ تعالٰی اورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من دون انکار کما نص علیہ فی اصول الامام البزدوی والمناروسائر المتون الاصولیۃ و الشروح قال الامام النسفی فی کشف الاسرار انا شرطنا فی ھذا ان یقص اللہ تعالٰی او رسولہ من غیر انکار اذلاعبرۃ بما ثبت بقول اھل الکتاب،

ابوحاتم اورابن منذر نے عطا سے روایت کی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ صفا پر چڑھے اور پکارا: اے لوگو! اپنے رب کا جواب دو۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت مجاہد کی روایت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہی ہے تو اس روایت میں تین اضطراب ہوئے، ورنہ دو ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت راجح اوراولٰی بالاخذ ہے اس لئے قطبی نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین کی روایت پر ہی اعتماد کیااور دوسری روایتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔

ثامنًا ساری بحث ومباحثہ کے بعد اعلان حج اگر مسجد حرام میں ہونا ثابت بھی ہو تو یہ گزشتہ شریعت کا ایک فعل ہوگا، اور گزشتہ شرائع کے احکام ہمارے لئے دلیل نہیں جب تک قرآن وحدیث میں اس کا بیان بلاانکار ہو۔ چنانچہ اصول امام بزدوی، منار اور فن اصول کے بقیہ تمام متون وشروح میں اس کی تنصیص ہے۔ امام نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کشف الاسرار میں فرمایا: "ہم نے اس میں یہ شرط لگائی کہ اللہ و رسول بے انکار اس کا بیان فرمائیں، اہل کتاب کے قول کا کوئی اعتبار

[1] الدرالمنثور بحوالہ عبدبن حمید تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۳

ولا بما ثبت بکتابهم لانهم حرفوا الکتب ولابما ثبت بقول من اسلم منهم لانه تلقن ذٰلك من کتابهم او سمع من جماعتهم [1] اھ ومثله فی کشف الاسرار للامام البخاری۔	نہیں اور جو ان کی کتاب سے ثابت ہو اس کا بھی، کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کر دی ہے۔" اور اسی طرح اہل کتاب اسلام لانے والوں کی بات کا بھی بھروسا نہیں کہ ان لوگوں نے انہی محروف کتابوں میں دیکھا ہوگا یا انہی کی جماعت سے سنا ہوگا۔ اور اسی طرح کشف الاسرار للامام بخاری میں ہے۔
وفی فواتح الرحموت لبحر العلوم فان قلت فلم لم یعتمد باخبار عبدالله بن سلام رضی الله تعالٰی عنه فانه لایحتمل کذبه قلت هب لکن التحریف وقع قبل وجوده فهو لم یتعلم الا المحرف [2] اھ بالالتقاط۔	بحرالعلوم حضرت علامہ عبدالعلی رحمہ اللہ علیہ نے فواتح الرحموت مین فرمایا، خیال ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بات پر اعتماد ہونا چاہئے کہ وہ و بلا شبہ سچے تھے، اور ان کی بات میں تو جھوٹ کا احتمال نہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تو اسی محرف کو کلام الٰہی سمجھ کر سیکھا ہوگا کیونکہ تحریف و ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔
وهذا شیئ لم یقصه ربنا ولا نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذلم یرد فی حدیث مرفوع فالاحتجاج به راسا مدفوع۔ هذا علی التسلیم والا فقد علمت ان الذی	اور اعلان حج کی یہ روایت ایسی ہی ہے نہ تو قرآن عظیم میں اس کا بیان ہے نہ کسی حدیث مرفوع میں ہی اس کا تذکرہ ہے، تو سرے سے اس حدیث سے استدلال ہی غلط ہے، یہ بھی اس صورت میں کہ مخالفین کا دعوی

[1] کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار فصل فی شرائع من قبلنا دار الکتب العلمیه بیروت ۲/۱۷۳، کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب فی شرائع من قبلنا دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۱۳

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المصطفٰی المختار الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۸۴

یدعیه هذا الوهابی من انه اذن علیه فی جوف المسجد لم یقصه مسلم ولا کتابی ولا کافر سواه فاحتجاجه به لیس الا احتجاجا بهواه۔ **وتاسعًا** ان تعجب فعجب قوله ان المقام الاٰن ایضًا داخل المطاف وهذا شیئ یرده العیان ویشهد بکذبه کل من رزق حج البیت الحرام۔ **وعاشرًا** اعجب من الاحتجاج علیه بانه مفروش بالرخام وکان فی باله ان کل مافرش فیه الرخام صار المطاف الذی کان قدر المسجد الحرام علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلیدخل ماحول زمزم ایضًا فیه ولو کان فرش بعض الملوك سائر المسجد الشریف ورواقاته بالرخام، لحکم هذا الجاهل بان المسجد کان الی الرواقات علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم واذا بلغ الجهل الٰی هذا النصاب سقط الخطاب وانما المطاف هی دائرة الرخام حول البیت الحرام وعلٰی حرفها باب السلام ولا شك ان قبة المقام خارجة عنها و	جوں کا توں تسلیم کرلیا جائے ورنہ تفصیل گزر چکی کہ مسجد حرام کے اندر اعلان حج کا تذکرہ نہ کسی مسلمان سے مروی نہ کتابی سے نہ کافر سے، اندرون مسجد کی بات تو صرف ان وہابی صاحب کی ہے، تو وہ اپنے دعوی میں اپنی خواہش نفس سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ **تاسعًا** قابل تعجب بات تو یہ ہے کہ "مقام ابراہیم اب بھی مطاف کے اندر ہے" یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے جس کی شہادت ہر حاجی دے سکتا ہے۔ **عاشرًا** اس سے زیادہ حیرت ناک یہ انکشاف ہے کہ جہاں تک سنگ مرمر بچھا ہے سب مطاف ہے جہاں تک عہد رسالت مین مسجد تھی، تو زمزم شریف کا ارد گرد ہی عہد رسالت کی مسجد میں شامل ہوگیا کہ وہاں بھی سنگ مرمر بچھا ہے۔اور اگر کسی بادشاہ نے پوری مسجد حرام میں سنگ مرمر بچھا دیا تو وہ بھی عہد رسلات کی مسجد حرام ہو گئی حالانکہ مطاف تو سنگ مرمر کا گول دائرہ ہے جو کعبہ مکرمہ کے گردا گرد ہے، اور جس کے کنارہ پر باب السلام ہے اور بلاشبہ مقام ابراہیم کا قبہ اس سے باہر ہے، اور اہل مکہ ایسے کم عقل تو نہ تھے کہ نفس مطاف میں قبہ بناتے اور لوگوں پر مطاف کو تنگ کرتے۔

ماکان اهل مکة سفهاء کهٰذا لیبنواقبة فی نفس المطاف ویضیقوا المحل علی اهل الطواف نعوذبالله من الجهل والاعتساف۔	
نفحه۱۹: ثم تمسك بقوله تعالٰی: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ"[1]۔ وقوله تعالٰی: "وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا"[2]۔ وقوله تعالٰی: "فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ"[3]۔ وفی حدیث الصحیحین عـــه ان هذه المساجد لا تصلح لشیئ من هذا البول والقذر وانما هی لذکر الله والصلٰوة وقراءة القرآن[4]۔	**نفحہ ۱۹:** مسجد کے اندر اذان جائز ہونے پر اس آیت سے بھی مخالفین نے استدلال کیا ہے "اس سے بڑا ظالم کون ہے جو مسجد میں اللہ کا نام لینے سے منع کرے" اور آیت مبارکہ "اور مسجد جس میں اللہ تعالٰی کا ذکر بہت ہوتا ہے" اور آیت گرامی "ان گھروں کو اللہ تعالٰی نے بلند کرنے کا اور ان میں اپنا نام لینے کا حکم دیا" اور بقول صاحب مشکوٰۃ صحیحین کی ایک حدیث، ورنہ مخرجین نے اسے صرف مسلم کی حدیث قرار دیا ہے "یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لئے نہیں، یہ تو ذکر الٰہی، نماز اور تلاوت قرآن کے لئے ہیں۔"
اقول: اولا قضینا الوتر عن کشف هذه الشبهة فی النفحة الاولی القرانیة، وبینا ان الاذان لیس ذکرًا خالصًا[5]۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) **اولا** ہم نفحہ قرآنیہ میں اس شبہ کو بالکلیہ حل کرچکے ہیں کہ اذان محض ذکر الٰہی ہی نہیں ہے۔

عـــه: تبع فیه صاحب المشکوٰة وانما عزاه المخرجون لمسلم وحده اهمنه۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۲۴ / ۳۶

[4] صحیح مسلم کتاب الطهارة باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[5] مشکوٰة المصابیح بحواله صحیحین کتاب الطهارة باب تطهیر النجاسات الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۲

وثانیًا منع الاذان فی المسجد منع رفع الصوت فیه ومنع رفع الصوت بالذکر لیس منع الذکر فقد ثبت عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی بعض المواطن اذقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "ایها الناس اربعوا علٰی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولا غائبنا ولکن تدعون سمیعًابصیرا[1]۔" وماکان لینهاهم عن ذکر الله تعالٰی وقد قدمنا عن الدرروالاشباه وغیرهما کراهة رفع الصوت بالذکر فی المسجد[2] وفی المسلك المتقسط لعلی القاری: "قد صرح ابن الضیاء ان رفع الصورت فی المسجدحرامول بالذکر[3] اهـ" وصرح فی الکافی الامام الحاکم شهید الذی جمع فیه کلام الامام محمد وفی المحیط والفتح والبحر وشرح اللباب وردالمحتاروغیرهابکراهة رفع	**ثانیًا** مسجد میں اذان منع کرنے کا مطلب آواز بلند کرنے کو منع کرنا ہے اور ذکر الٰہی کے ساتھ آواز بلند کرنے کی ممانعت ذکر کی ممانعت نہیں ہے۔احادیث سے ثابت ہے کہ بعض مواقع پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذکر بالجہر سے منع فرمایا،ارشاد نبوی ہے: "اے لوگو! اپنے نفسوں پر آسانی کرو تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں بلارہے ہو، تم تو سننے والے اور دیکھنے والے کو پکاررہے ہو۔" بھلا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی کو ذکر الٰہی سے روکتے تھے،ہم ماسبق میں درر وغیرہ کے حوالے سے واضح کرچکے ہیں "کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے۔ "ملا علی قاری کی مسلک متقسط میں ابن ضیاء کی تصریح ہے کہ "مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے چاہے ذکر الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔" کافی حاکم شہید مجموعہ کلام امام محمد اور محیط، فتح القدیر، بحر الرائق، شرح لباب وشامی وغیرہا میں ہے: "طواف میں بلند آواز سے قرآن شریف منع ہے۔" تو پناہ بخدا یہ کہا

[1] صحیح البخاری کتاب الدعوات باب الدعاء اذا علاعقبة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ / ۹۴۴، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب خفض الصوت بالذکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۶

[2] الاشباه والنظائر الفن الثالث القول فی احکام امسجد ادارة القرآن کراچی ۲/۲۳۳

[3] المسلك المتقسط مع ارشادالساری فصل استلام الرکن الیمانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۰

الصوت بالقراٰن فی الطواف[1] فھل تراھم (والعیاذ باللہ) داخلین فی ھٰذا الوعید الشدید حاشاھم عن ذٰلك بل انت فی ضلال بعید۔	جائے گا کہ یہ سارے ائمہ وعلماء معاذاللہ قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا وعید میں داخل ہیں۔ وہ حضرات تو اس وعید سے بلاشبہ پاک ہیں، یہ خود آپ کی اپنی گمراہی ہے۔
وثالثًا انما یعودھٰذا التشنیع الشنیع الی الائمة الاجلاء الذین نھوعن الاذان فی المسدج ونصوا علی کراھة فیه وقد اجارھم اللہ تعالٰی عن ھٰذا ومن شنع علیھم فعلیه دائرة السوء وھو الملوم والمدحور۔	**ثالثًا** یہ وعید شدید ان ائمہ کرام پر بھی وارد ہوگی جنھوں نے مسجد کے اندر اذان کی کراہت پر تنصیص فرمائی، وہ تو بلاشبہ اس سے اللہ تعالٰی کے دامن میں محفوظ ہیں، ہاں جو ان پر طعن و تشنیع کرے وہی ہلاکت کے گڑھے میں مقہور ومردود ہے۔
رابعًا ھٰؤلاء الوھابیة ھم الذین یتمسکون فی بحث البدعة باثر سنن الدارمی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه فی انکارہ علی الذین اجتمعوا فی المسجد حلقا جلوسًا ینتظرون الصلٰوة فی کل حلقة رجل یقول کبروا مائة، ھللوا مائة، سبحوا مائة فیفعلون، فقال والذی نفسی بیدہٖ انکم لعلٰی ملة ھی اھدٰی من ملة محمدٍ؟ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	**رابعًا** یہ وہابیہ حضرات بدعت کی بحث میں دارمی کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہیں جو آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ان لوگوں پر انکار کای جو ایک مسجد میں گروہ در گروہ حلقہ بنا کر بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے تھے، ہر حلقہ میں ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو سو بار لاالٰہ الا اللہ پڑھو اور سو بار تسبیح کرو۔ بقیہ لوگ اس کی بات پر عمل کرتے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کیا تم لوگ اس ملت میں ہو جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی زیادہ

[1] ردالمحتار کتاب الحج باب الاحرام داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۶۸، فتح القدیر کتاب الحج باب الاحرام مکتبہ نوریہ رجویہ سکھر ۲/۳۹۰، بحرالرائق کتاب الحج باب الاحرام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۲۹

اومفتحوا باب الضلالة ؟ قالو والله یا اباعبدالرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید الخیرات یصیبه[1]۔ (الحدیث)	ہدایت پر ہے یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو؟ان لوگوں نے عرض کی یا ابا عبدالرحمٰن! اپنے اس فعل سے ہم لوگ بھلائی کے طلبگار تھے آپ نے فرمایا کتنے بھلائی کے طالب اس تک پہنچتے ہیں۔
وقد اجبنا عنه فی المجلد الحادی عشر من فتاوی نا باجوبة شافیة،لکن این ذهب هذا منهم ههنا ام یدخلون عبدالله بن مسعود ایضًا فی وعید من اظلم نعم لاغرو فقد سبوا الله وسبوا رسوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠(۲۲۷)"[2]۔	ہم نے اپنے فتاوٰی کی گیارہویں جلد میں اس کے متعدد بھرپور جواب دئے ہیں لیکن خود ان حضرات سے ان کی یہ محبوب دلیل کہاں رہ گئی، یا پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی وعید "من اظلم" میں شامل کرتے ہیں اوران سے کچھ بعید بھی نہیں یہ لوگ تو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دے چکے ہیں تو قیامت میں انہیں پتہ چلے گا کہ کہاں پلٹائے گئے ہیں۔
نفحه۲۰: قدمنا فی النفحة الثامنة العودیة ان امام دارالهجرة عالم المدینة سیدنا مالکا رضی الله تعالٰی عنه وجماهیر اصحابه ذهوا الی ان جعل هٰذاالاذان بین یدی الامام بدعة مکروهة،وانما السنة فیه ایضا المنارة وهذا مابلغهم ولکن نطق حدیث ابی داؤدالصحیح ان فعله بین یدی	**نفحہ۲۰:** ہم شامہ عودیہ کے آٹھویں نفحہ میں ذکر کرآئے ہیں کہ امام دارالہجرۃ عالم مدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اوران کے اکثر اصحاب نے اس اذان کو بدعت مکروہہ قرار دیا ہے،اوراپنے علم کے اعتبار سے اس اذان کا مقام مسنون منارہ کو قرار دیتے ہیں، مگر ابوداؤد کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے

[1] سنن الدارمی مقدمة الکتاب باب فی کراهیة اخذ الرائ نشر السنة ملتان ۱/ ۶۰و۶۱

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

الامام ھو السنة من لدن سید الانام علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوۃ والسلام۔فبعض محققی اصحابه رحمھم الله تعالٰی ومنھم الحافظ ابو عمر بن عبد البر خالف فی ذٰلك ووجه الکلام الٰی بعض الاصحاب مع ذکرہٖ فی الکافی الفقھی عن صاحب المذحب رضی الله تعالٰی عنه وکانه وجد عنه روایة اخری اوسھا و الانسان للنسیان،فقال فی الاستذکار مانقله الشیخ خلیل فی التوضیح وعنه فی المواھب وھذا نصھامع شرحھاللعلامة الزرقانی المالکی[1]۔	اور یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ سے ثابت ہے، اسی لئے امام مالک رحمۃاللہ علیہ کے بعض اصحاب تحقیق نے جن میں حافظ ابو عمر بن عبدالبر بھی ہیں،اس کی مخالفت کی اوراذان خطبہ کے منارہ پر مسنون ہونے کو بعض اصحاب مالک کا قول بتایا۔حالانکہ کافی فقہی میں اسے امام مالک صاحب مذہب رحمہ اللہ علیہ کا قول بتایا،تو ایسا بھی ممکن ہے کہ ابن عبدالبر کو امام مالک رحمۃاللہ علیہ سے کوئی دوسری روایت ملی ہو۔اور یہ بھی ہوسکتاہے کہ انکو سہو لاحق ہوا ہو،اور بھول چوک تو انسان کے لئے ہی ہے۔ابن عبدالبر نے اپنی کتاب استذکار میں جو فرمایا شیخ خلیل نے اسے اپنی توضیح میں نقل کیا۔ان سے مواہب میں نقل ہوا۔ہم استذکار کی عبارت امام زرقانی مالکی کی شرح کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔
فی الاستذکار اسم الشرح الصغیر علی الموطاء لابن عبد البر ان ھذا اشتبه علٰی بعض اصحابنا فانکران یکون الاذان یوم الجمعة بین یدی الامام کان فی زمنه علیه الصلٰوۃ والسلام وابی بکر وعمر وان ذٰلك حدث من زمن ھشام۔وھذا قول من قل عمله بالاحادیث وکانه یعنی الداؤدی ثم	استذکار(یہ موطاء کی ایک مختصر شرح ہے جسے ابن عبدالبر نے تحریر کیاہے)میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہوگئی،توان لوگوں نے عہد رسالت اور عہد شیخین میں اذان جمعہ کے خطیب کے سامنے ہونے سے انکار کیااور یہ کہا کہ یہ تو ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ کی ایجاد ہے۔یہ علم حدیث سے کم واقفیت رکھنے والوں کا قول ہےاور اس سے صاحب استذکار

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفة بیروت ۷/ ۳۸۱

استشهد فی الاستذکار بحدیث السائب بن یزید المروی فی البخاری ثم قال"وقد رفع الاشکال فی ذٰلك روایة ابن اسحٰق عن الزهری عن السائب بن یزید۔قال کان یوذن بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة وابی بکر وعمر[1]اھ"

فانظر ان السادات المالکیة صاروا فرقتین جمهورهم علی ان الاذان بین یدی الامام بدعة وانما سنته علی المنارة۔ونازعهم بعضهم بالحدیث فاستشهد بحدیث ابن اسحٰق ولابد اذلاذکر لبین یدیه الافی حدیثه فحدیث ابن اسحٰق هو السند بهٰؤلاء وبه ردوا علٰی جمهورهم لاانهم ردواعلیه ایضا کما ردوا علی قول جمهورهم ولکن اشتبه الردبالمردود علی العلامة علی فقال"اما الذی نقله بعض المالکیة عن ابن القاسم

کی مراد شاید داؤدی ہیں پھر اسی استذکار میں اپنے قول پر سائب ابن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے استدلال کیاجو بخاری میں مروی ہے۔پھر فرمایاکہ اس حدیث کا اشکال ابن اسحٰق عن زہری عن سائب ابن یزید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے زائل کردیا۔اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو آپ کے سامنے اذان ہوتی،اور ایسا ہی ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی ہوتا رہااھ۔

تودیکھئے کہ اعلام مالکیہ دو فرقہ ہوگئے۔ان کے جمہور کا قول ہے کہ خطیب کے سامنے اذان بدعت ہے،سنت تو منارہ کی اذان ہے۔اور جمہور کے اس قول کی مخالفت انہیں میں کے کچھ لوگوں نے کی کہ مسنون اذان تو خطیب کے سامنے کی ہے،اور اس کی شہادت میں ابن اسحٰق کی حدیث محولہ بالا پیش کی، اور یہ ضروری بھی تھا کہ ابن اسحٰق کی حدیث کے علاوہ کسی روایت میں "بین یدیہ "کالفظ نہیں ہے تو حدیث ابن اسحٰق جمہور مالکیہ کی رائے کی مخالفت کرنے والوں کی سند ہے جسے وہ اپنے جمہور پر رد کرتے ہیں،ایس انہیں ہے کہ ان منازعین نے اس حدیث ابن اسحٰق کو بھی رد کیا ہے لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو اشتباہ ہوااور انہوں نے رد کو بھی مردود سمجھ لیا(یعنی یہ سمجھا کہ منازعین اپنے جمہور کے قول کی طرح

[1] الاستذکار باب الجمعة باب ماجاء فی الانصات یوم الجمعة دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۷

عن مالك انه فی زمنه علیه الصلٰوۃ والتسلیم لم یکن بین یدیه بل علی المنارۃ۔ ونقل ابن عبدالبر عن مالك ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم وماذکرہ محمد بن اسحٰق عند الطبرانی وغیرہ فی ھذاالحدیث ان بلالًاکان یوذن علی باب المسجدفقد نازعه کثیرون ومنھم جماعۃ من المالکیۃ بان الاذان انما کان بین یدیه علیه الصلٰوۃ والسلام کما اقتضته روایۃ البخاری ھٰذہٖ[1] اھ ولیس فی روایۃ البخاری مایقتضی من ذٰلك شیئًا[2]۔	حدیث ابن اسحٰق کو بھی رد کرتے ہیں) اسی لئے وہ فرماتے ہیں: بعض مالکیہ نے ابن قاسم سے انہوں نے امام مالک سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ خطیب کے سامنے نہیں بلکہ منارہ پر ہوتی تھی۔ ایسا ہی ابن عبداللہ نے امام مالک سے روایت کیا کہ امام کے سامنے اذان ہونا امر قدیم نہیں۔ اور محمد بن اسحٰق کی حدیث طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ دروازہ مسجد پر اذان دیتے تھے، اس کی مخالفت مالکی حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی تھی (دروازہ مسجد پر نہیں) اور یہی روایت بخاری کا مقتضٰی ہے۔ (ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تفصیل کے بعد دوسرے گروہ کے اس قول (اذان توخطیب کے سامنے ہوتی جیسا کہ روایت بخاری کا مقتضا ہے "کا رد کرتے ہوئے فرمایا بخاری کی روایت میں نہ بین یدہ کا ذکر ہے نہ باب مسجد کا۔
اقول: قدصدق ان روایۃ البخاری لایقتضی شیئًا من کونه بین یدیه او علی لنارۃ ولکن الاستشھادکان بروایۃ ابن اسحٰق وانما	**اقول:** ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ "روایت بخاری میں کسی بات کی تصریح نہیں" بجا ہے لیکن منازعین کا استدلال دراصل روایت ابن اسحٰق سے ہے (جس میں لفظ بین یدہ

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

ذکر اسم البخاری ایذانًابان اصل الحدیث عندہ و اوصحته روایة ابن اسحٰق کما هو صریح لفظ الاستذکار وکیف یرد علی حدیث ابن اسحٰق بان الاذان انما کان بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم مع ان حدیث ابن اسحاق هو المصرح بهٰذا، افیرد علی الشیئ بنفس الشیئ ولکن الامر انه کتب هذا المحل معتمدا علی ما فی الصدور ولو راجع کلام المناز عین لعلم انهم لایقولون ان حدیث البخاری یقضی بالرد علی جمهورهم والرأی انهم لاینازعون حدیث ابن اسحٰق بل بله یستشهدون وبه علی جمهورهم یردون ولابعد ان کونه بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم مصرح به فی حدیث ابن اسحٰق نفسه بل لانعلم التصریح به الافیه فکیف یرد علیه بمفادنفسه ولکن نسیٔ ولم یتفق له مراجعة الحدیث ولامراجعة کلام المنازعین	مذکور ہے) بخاری کا نام تو یہ بتانے کے لئے لیا گیا ہے کہ روایت ابن اسحٰق کی اصل بخاری میں ہے، بخاری نے یہ حدیث مختصر روایت کی اور ابن اسحٰق کی سند سے یہی حدیث ابوداؤد نے مفصل تخریج کی ہے، اور یہی استذکار کی عبارت سے ہو یدا ہے۔ (ایسی صورت میں) بھلا حدیث ابن اسحٰق پر اس بات سے کیسے رد ہو سکتی ہے کہ "اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی" خود حدیث ابن اسحٰق بھی تو اسی امر کو ثابت کر رہی ہے کہ یہ اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی، تو ایک بات کو خود اسی سے رد کرنے کے کیا معنٰی! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس مقام کو اپنی یادداشت پر بھروسا کرکے لکھا، اگر منازعت کرنے والوں کے کلام کو پھر دیکھ لیا ہوتا تو انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ منازعین یہ نہیں کہتے کہ حدیث بخاری میں جمہور ائمہ مالکیہ کا رد ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث ابن اسحاق کا بھی رد نہیں کرتے، وہ تو اس حدیث کو اپنے جمہور کی رائے کے خلاف سند میں پیش کرتے ہیں، اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں، کیونکہ اذان کے خطیب کے سامنے وہنے کی تصریح صرف حدیث ابن اسحٰق میں ہے، تو جو بات خود حدیث ابن اسحٰق ہے، اسی سے اس حدیث کو رد کیسے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حضرت علی قاری بھول گئے اور خود حدیث کلام منازعین کو بھی

والله یفعل مایرید ولما سبق الی خاطرہ ان القائلین بکونه بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ینازعون حدیث ابن اسحاق ولا تمکن المنازعة الا اذا ارید بباب المسجد فی حدیثه باب لیس وجاہ المنبر خطر بباله ان المراد باب الشرقی او الغربی وایدھٰذا الخطور انه لم یکن فی زمنه رحمه الله تعالٰی بل منذ نحو مائة وخمسین سنة من قبله باب شمالی فی المسجد الکریم کان الناس بنوا ھنالك دورھم کما ذکرہ السید العلامة السمھودی رحمه الله تعالٰی فحق له ان یدخل حدیث ابن اسحٰق فیما ینازعه القائلون بکونه بین یدیه فکر علیھم بالرد بانه لامستدلھم فی انکار علی الباب ولا یقتضی حدیث البخاری شیئا من ذٰلك نقوی الی ھنا امر جمھور المالکیة وتم الرد علی المنازعین لانعدام مایثبت کونه بین یدیه. لکن کان ھذاھو مذھبه

نہیں دیکھا، اور جو اللہ تعالٰی چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اور جب ان کے دل میں یہ بات جم گئی کہ اذان بین یدیہ کے قائل مالکی حضرات حدیث ابن اسحٰق کا رد کرتے ہیں۔ اور اصحاب بین یدیہ کے قول اور روایت ابن اسحاق میں جبھی منازعت ہوگی کہ ان کی حدیث میں آتے ہوئے لفظ باب مسجد سے مراد مسجد نبوی کا ایسا دروازہ ہو جو منبر کے سامنے نہ ہو تو ان کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ حدیث ابن اسحٰق میں مذکور باب مسجد سے مراد یا تو مسجد کا مشرقی دروازہ ہے یا مغربی، اور اس کی مزید تائید اس امر سے ہوئی کہ انکے زمانہ میں بلکہ ان کے عہد سے ڈیڑھ سو سال قبل سے ہی مسجد شریف کا شمالی دروازہ جو منبر کے بالمقابل تھا ختم ہوگیا تھا اور لوگوں نے وہاں اپنے گھر بنالئے تھے جیسا کہ علامہ سمہودی نے تحریر فرمایا ہے، تو انہیں یہی معلوم ہوا کہ بین یدہ اور باب المسجد دو مختلف سمتوں میں ہیں اسی لئے انہوں نے اصحاب بین یدیہ کو روایت ابن اسحاق کا مخالف سمجھا۔ پھر پلٹ کر اصحاب "بین یدیہ" کا لفظ ہے ہی نہیں پھر "بین یدیہ" روایت بخاری کا مقتضٰی کیونکر ہوا، اس لئے آپ حضرات کا علی الباب والی روایت کو رد کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن خود احناف اذان "بین یدیہ" کے قائل ہیں، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی ہی ہیں، اس لئے

ومذھب ائمتہ الکرام فحاول التوفیق بما یرحم الیٰ ما ھو مذھبہ بالتحقیق۔فقال "لکن یمکن الجمع بین القولین بان الذی استقربی اٰخر الامر ھو الذی کان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] الخ۔ای لم یکن الاذان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اول الامر بل علی الباب الشرقی اوالغربی(وھذا ما فی حدیث ابن اسحٰق وکلام مالك)ثم استقراالامر خیرًااعلٰی کونہ بین یدیہ(وھو مراد المنازعین فیہ)"	ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی کہ ممکن ہے ابتداء میں مسجد شریف کے باب شرقی یا غربی پر اذان ہوتی رہی ہو، جیسا کہ روایت ابن اسحٰق یا کلام مالک میں ہے لیکن بعد میں معاملہ سامنے پر ہی مستقل ہوگیا اور یہی مراد کلام منازعین کی بھی ہے۔
اقول: انت تعلیم انہ مبنی علی ماشبہ لہ وتوجیہ کلام مالك بما ذکر توجیہ بما لایرضی بہ فقد اسلفنا عنہ انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نھی عن الاذان بین ید الامام۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) ملا علی قاری کی یہ بات تو ایک اشتباہ پر مبنی ہے، پھر یہ توجیہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب کے بھی موافق نہیں کہ وہ تو مطلقًا اذان بین یدیہ کے منکر ہیں (پھر ایسی غیر مفید اور بے بنیاد تاویل سے کیا حاصل)
ثم حاول التطبیق بوجہ اٰخر بعیدسحیق فقال و بان اذان بلال علی باب المسجدکان اعلامافیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن [2] اھ۔	ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بعید تاویل بھی کی ہے وہ کہتے ہیں ہوسکتاہے کہ عہد رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ جو اذان باب مسجد پر دیتے تھے وہ اذان نہ ہو صرف اعلان رہا ہو، اور یہی حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اعلان کی اصل ہوا اھ۔

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

یشیر الی الاثر المذکور عن تفسیر جویبر وقد کان قدمه وردہ وذکرہ ثمہ توفیقا ینبغی نقله لیتضح بہ مرامه بھٰذا التطبیق قال بعد ماذکر ان عثمان رضی اللّٰه تعالٰی عنه هو الذی احدث الاذان الاول مانصه، "ولا یعارض ان عثمٰن هو المحدث لذٰلك ماروی ان عمر هوالاٰمر بالاذان الاول خارج السمجد یسمع الناس ثم الاذان بین یدہ ثم قال نحن ابتدعنا ذٰلك لکثرۃ المسلین لانه منقطع ولا یثبت وانکر عطاء ان عثمٰن احدث اذانًا، وانما کان یامر بالاعلام ویمکن الجمع بان ماکان فی زمن عمر (رضی اللّٰه تعالٰی عنه) مجرد الاعلام واستمر فی زمن عثمٰن (رضی اللّٰه تعالٰی عنه) ثم رأی ان یجعله اذانًا علٰی مکان عال	یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام لے کر حضرت علی قاری جویبر کے مذکورہ بالاثر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کو خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے زکر کرکے اس کارد کیا ہے اور وہیں ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے۔ہم ذیل میں اسے نقل کرتے ہیں، اس سے اس تاویل کا مطلب بھی کھلے گا۔اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا منشاء بھی ظاہر ہوگا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان اول کا موجد قرار دے کر فرماتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اذان اول کا موجد ہونے کے معارض وہ اثر (اثر جویبر) نہیں ہوسکتا (جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان اول خارج مسجد دلائی کہ لوگ سن سکیں۔پھر اذان بین یدیہ دلائی اور فرمایا کہ ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ اذان ایجاد کی) کیونکہ یہ اثر منقطع ہے اس کا ثبوت نہیں۔اور حضرت عطاء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان اول کا موجد نہیں مانتے۔ان کے بقول حضرت عثمان تو صرف اعلان کرتے تھے۔ان دونوں باتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اعلان شروع کرایا تھا حضرت عثمان کے دورتک جاری رہا، پھر انہوں نے اپنی رائے سے اس اعلان کے بجائے

ففعل واخذ الناس بفعله فی جمیع البلاد اذ ذاك لكونه خلیفة مطاعا[1] اھ۔	بلند مکان پر اذان دلانی شروع کردی اوران کے امام مطاع ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اسی پر عملدرآمد جاری کردیا۔
اقول: ولا یذهب عنك ان هذا قمع لاجمع اذقد اٰل الامر الی انه جعله اذانًا فقد احدث اذانًا وعطاء ینكره فاین الجمع بل السبیل ما سلك فی فتح الباری وغیره ان المثبت مقدم علی النافی وقد ثبت احداث عثمٰن الاذان وانه هو الذی احدثه لا امیر المومنین عمر باحادیث صحاح لامرد لها فلا حجة فی انكار عطاء ولا فی روایة تفسیر جویبر۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) شیخ علی قاری کی یہ جدوجہد جمع کے بجائے قمع ہے، کیونکہ آخر میں انہوں نے یہ اقرارکیا کہ حضرت ذوالنورین نے ابتدائی اعلان کو اذان کردیا، توحضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان اول کے موجد ہوئے۔اور حضرت عطاء ابن رباح سرے سے ان کے موجد اذان ونے کا ہی انکار کرتے ہیں۔توملا علی قاری علیہ الرحمہ کی بات جمع بین القولین کیسے ہوئی!اس لئے جمع کا صحیح طریقہ وہی ہے کہ صاحب فتح الباری کی طرح کہاجائے(۱) مثبت روایت (یعنی ذو النورین کا موجداذان اول ہونا) نافی (یعنی قول عطاء) پر مقدم ہے(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اذان اول کا موجد ہونا ایسی روایتوں سے ثابت ے جس کی تردید نہیں ہوسکتی، اس لئے نہ توحضرت عطاء کے انکار کاکچھ فائدہ ہوگانہ تفسیر جو یبر کی روایت اثرانداز ہوگی۔
ولهذا الشیخ لما جمع بان عمر ضی الله تعالٰی عنه احدث اعلامًا واستمر	المختصر ہماری اس تفصیل سے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے معنٰی واضح ہوگئے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

الیٰ زمن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه وجعله بعداذا نا فالیٰ ھذا یشیر بقوله "فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن "ولما کان یرد علیه ان علی تطبیقکم ھذا یکون تقدیم الاعلام علی الاذان ثابتا من زمن الرسالة فکیف یقول الفاروق نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین۔ حاول ان یرفو ھذاالخرق فقال "ولعله ترك ایام الصدیق اواواخر زمنه علیه الصلٰوۃ والسلام ایضاً فلھذااسماہ عمر بدعة وتسمیة تجدیدالسنة بدعة علی منوال ماقال فی التراویح نعمت البدعة ھی [1] اھ"	علیہ وسلم کی جس اذان کے بارے میں بین یدی الخطیب یا علیٰ باب المسجد یا علی المنار ہونے کی بات کہی جارہی ہے وہ در اصل اذان نہ تھی نماز جمعہ کا اعلان تھا۔اور یہی حضرات فاروق وعثمان کے اعلان بعدہ الاذان کی اصل ہے، لیکن حضرت علی قاری کی اس تطبیق پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے اعلان رواج عہد رسالت سے ہی تھا، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اعلان کراکے یہ کیسے کہا کہ ہم نے اس کی ایجاد کی !ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ "یہ اعلان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری عہد اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے زمانے میں موقوف ہوگیا رہا ہوگا۔ حضرت عمر نے اس کی تجدید کی اوراس کا نام ایجاد رکھا ہوگا، جیسا کہ تراویح کی جماعت کو بھی آپ نے البدعۃ کہا تھا حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں دو تین یوم تراویح کی جماعت قائم فرمائی تھی"
اقول: ولا یخفی علیك ان الشیخ انما یبدی ھذہ الاشیاء	**اقول:** (میں کہتاہوں) ملا علی قاری رحمۃاللہ علیہ نے اپنی تمام توجیہات کو

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

بیمکن ولعل وما بیدہ سند علٰی شیئ من ھذا اولا لہ فیہ سلف ولا بہ حصول مارام من التوفیق فان مأل ترجباتہ واحتمالاتہ انہ کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلام بالجمعۃ علٰی باب المسجد ثم اذان بین یدیہ اذا جلس علی المنبرثم ترك الاعلام فی اواخر عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوفی زمن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم ثم جددہ عمر لکثرۃ المسلین وابقاہ عثمٰن ثم حولہ الی الاذان الذی فی حدیث ابن اسحٰق انہ کان علی الباب وفی کلام مالك انہ لم یکن بین یدیہ ھو ھذا الاعلام اما الاذان فما کان الابین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانت تعلم انہ۔	"ہو سکتا ہے" اور "ممکن ہے" کے لفظ سے شروع کیا ہے، کسی بھی توجیہ کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ سلف صالحین میں سے کوئی ان کی کسی رائے میں ان کا ہم نوا ہے نہ انکی اس جدوجہد سے مختلف اقوال وروایات میں باہمی تطبیق کا مقصد ہی کچھ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کے تمام امکانات و احتمالات کا حاصل یہ ہے کہ عہد رسالت میں اعلان جمعہ مسجد نبوی کے دروازہ پر ہوتا تھا پھر امام جب منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان خطبہ ہوتی پھر عہد نبوت کے آخری دور یا عہد صدیقی میں یہ اعلان متروک ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے پھر اس اعلان کی تجدید کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں بھی اس اعلان کو جاری رکھا پھر ان کی رائے ہوئی کہ اعلان کے بجائے اذان ہی دی جائے۔ تو وہ امسجد کے دروازہ پر بتاتے ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خطیب کے آگے نہیں ہوتی تھی وہ دراصل یہی اعلان تھا اور اذان خطبہ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوتی تھی (مگر اس پر مندرجہ ذیل اشکالات ہیں:)
اولًا: لایلائم قول مالك	**اولًا:** امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ

فانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ینھی عن الاذان بین یدی امام لاعن اعلان اٰخر قبلہ ولا کان فی عھدہٖ رضی اللہ تعالٰی عنہ اعلام بین یدی الامام غیر الاذان حتی ینکرہ ویقول انہ محدث لیس من الامر القدیم فاین التوفیق۔

امام کے سامنے خطبہ دینے سے منع کرتے تھے، اس سے قبل کے کسی اعلان کو نہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے علاوہ کوئی اعلان تھا ہی نہیں کہ امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اسے روکنے کی ضرورت پڑتی۔

وثانیًا لایلائم حدیث ابن اسحٰق لانہ ذکر ان الذی کان علی باب المسجد کان ھو بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین یجلس علی المنبر فکیف یفرق بین الشیئ ونفسہ ویقال ان ماعلی الباب کان اعلامًا وما بین یدیہ کان اذا نًافان کان الاذان فی حدیثہٖ بمعناہ فالذی کان علی الباب کان اذانًاوان کان بمعنی الاعلام فالذی بین یدیہ کان اعلامًافکیف التفریق واین التطبیق۔

ثانیًا: یہ تاویل حدیث ابن اسحاق کے بھی خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد جو چیز ہوتی تھی وہ دروازہ مسجد پر ہوتی تھی، اور وہی آپ کے سامنے بی تھی اور آپ کی تاویل کا مقصد یہ ہے کہ بین یدیہ اور باب مسجد دو علیحدہ جگہیں ہیں۔ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور بین یدیہ اذان ہوتی تھی۔ تو حدیث ابن اسحٰق میں جو چیز مذکور ہے اگر اذان ہے تو وہ در مسجد پر ہوتی تھی اور اگر اعلان تھا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے جو ہوتا تھا وہ بھی اعلان ہی تھا، پس دونوں باتوں میں کہاں موافقت ہوئی؟

وثالثًا: اجمعت الامۃ ان الذی کان عند جلوسہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنبر کان ھذاالاذان المعروف وتظافرت الروایات واجمع من یعتد باجماعھم انہ لم یکن فی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للجمعۃ شیئ غیر ھذا ولا علٰی عھدالصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ وانہ لم یکن علٰی عھدہ صلی اللہ تعالٰی

وثالثًا: اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کے وقت یہی معروف مشہور اذان ہوتی تھی، اسی پر کثیر روایتوں کا اتفاق، اور جن اعلام کا اجماع قابل اعتماد ہے ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ عہد رسالت و

علیه وسلم تثویب فی شیئ من الصلوات الا الفجر علٰی جعل قوله الصلٰوۃ خیر من النوم تثویبًا۔ فلو کان ھذا اعلامًا حملًا لحدیث ابن اسحٰق علیه المصرح فیه بکونه اذا جلس علی المنبر بقیت الجمعة علٰی عھدہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم بدون الاذان المعروف وھو خلاف الاجماع۔ **ورابعًا:** اذا ترك ھذا فی اواخر عھدہٖ صلی الله تعالٰی علیه وسلم اوفی زمن الصدیق رضی الله تعالٰی عنه بقیت الجمعة من دون ایذان لا اعلام ولا اذان وھذا خلاف الاجماع۔ **وخامسًا:** اذن لا یستقیم قول عمر "نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین"[1] لا احداثا ولا تجدیدا لان الذی یفعل عند جلوس الامام لم یزل مستمرًا من زمنه علیه الصلٰوۃ والسلام۔" **وسادسًا:** اذن کان اذان	عہد صدیقی میں اس اذان کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا، ان زمانوں میں تثویب کا رواج بھی نہ تھا، ہاں نماز فجر کے لئے البتہ الصلٰوۃ خیر من النوم پکارا جاتا تھا اگر اسے تثویب قرار دیا جائے۔ پس اگر روایت ابن اسحاق کی مصرح اذان کو اعلان قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عہد رسالت میں جمعہ کے لئے اذان ہوتی ہی نہیں تھی، اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔ **رابعًا:** اور بقول حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ جب عہد رسالت کے اخیر یا عہد صدیقی میں یہ اعلان بھی موقوف ہوگیا تو ان دونوں مبارک زمانوں میں جمعہ کے لئے نہ کوئی اعلان ہوتا تھا نہ اذان اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔ **خامسًا:** اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "ہم نے مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے اس کو ایجاد کیا" کا معنی درست نہ رہے گا نہ بطور احداث نہ بطور تجدید، کیونکہ جو ہوتا ہے وہ تو زمانہ رسالت سے ہی چالو تھا۔ **سادسًا:** اس تقدیر پر اذان خطبہ

[1] فتح الباری کتاب الجمعة باب الاذان یوم الجمعة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

الخطبة هو المحدث فکان احق بقول عمر نحن ابتدعناه۔	ہی تو نوایجاد ہوئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس کو اپنی ایجاد کہنا ہی صحیح ہوا۔
وسابعًا: کیف یکون هذا اصلالاعلام عمر وعثمان فانه کان قبل جلوس الامام وهذا عندجلوسه علی المنبر۔	**سابعًا:** یہ اعلان حضرات فاروق وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اعلان کی اصل کیسے ہوا؟ ان حضرات کا اعلان توآپ ہی کے بیان کے مطابق اذان خطبہ سے پہلے ہوتا تھا، اور جس کو آپ ان کے اعلان کی اصل بتارہے ہیں یہ تو عین امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتا ہے۔
وبالجملة فیه مفاسد اظهر من ان تظهروا کثر من ان تحصر وانما الامر ما وصفنا انه رحمه الله تعالٰی کتب البحث مندون مراجعته عـــه للحدیث ولا لکلام	المختصر اس تاویل کے مفاسد بیان سے باہر اور شمار سے زائد ہیں، حقیقت وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے کہ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے یہ پوری بحث احادیث اور کلام منازعین، اور کلام امام مالک

عـــه: ولذا انسبه للطبرانی مع وجوده فی افضل السنن ابی داؤدوقال الزرقانی فی المقصد الثالث من شرح المواهب علی المؤلف المؤاخذه فی ترك الترمذی "ان الحدیث اذا کان فی احد الستة لایعزی لغیرها کما قال مغلطائی [1]۔" انتهٰی منه حفظه ربه۔

اسی لئے اس کو طبرانی کی طرف منسوب کیا باوجود یہ کہ یہ اس سے افضل سنن ابو داود میں موجود ہے۔ امام زرقانی نے شرح مواہب کے مقصد ثالث میں ترک ترمذی کے بارے میں مؤلف پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا: جب کوئی حدیث صحاح ستہ میں موجود ہو تو اسے ان کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، جیسا کہ مغلطائی نے کہا ہے انتہٰی منہ حفظہ ربہ۔ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة

المنازعين، ولا لكلام مالك واصحابه الاكثرين والا لم تعرض تلك الاوهام ولم يستقم له تاويل حديث ابن اسحٰق ولا ماينكر عليه مالك بالاعلام۔ فظهر ان تعلق بعض جهلة الزمان بهٰذا البحث الذى ليس له روح ليعيش انما هوتشبث الغريق بالحشيش وتقدم بعض مايليق به فى النفحة التاسعة الحديثية۔

اور ان کے متبعین کی طرف مراجعت کے بغیر لکھ دیا، ورنہ یہ اوہام عارض نہ ہوتے اور نہ حدیث ابن اسحٰق کی تاویل درست ہوتی۔ عہد حاضر کے بعض جاہلوں کا اس بے جان بحث سے زندگی کی مدد چاہنا، ڈوبنے والے کے تنکے کا سہارا ڈھونڈنے کے مترادف ہے، اس بحث سے متعلق بعض باتوں کو ہم نفحہ تاسعہ حدیثیہ میں ذکر کرچکے ہیں۔

ثم ليس فيه على ماقررنا مايقرعينهم اذليس فيه ان الاذان كان على عهده صلى الله تعالٰى عليه وسلم فى جوف المسجد وفيه الكلام والله المستعان ولله الحمد۔

لطف یہ ہے کہ اس بحث سے سہارا ڈھونڈنے والوں کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا کہ ان کا دعوی تو مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے، اور اس پوری بحث میں اندرون مسجد اذان ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

نفحه۲۱: قال القهستانى فى شرح النقاية عند قولها (اذن ثانيا بين يديه) اى بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر والامام ويساره قريبامنه ووسطهما بالسكون فيشمل ماذا اذن فى زاوية قائمة او حادة اومنفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين ولا بأس بشموله بحسب المفهوم ماذاكان

نفحہ۲۱: قہستانی نے شرح نقایہ میں مصنف کے قول "دوسری اذان خطیب کے سامنے ہوگی" کی شرح میں کہا: یعنی ان دونوں سمتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں متوازی جارہی ہیں ان کے قریب اور ان دونوں کے درمیان (یہاں لفظ وسط کی سین ساکن ہے، تو زاویہ قائمہ کے اندر کھڑا ہو یا حادہ و منفرجہ، سبھی صورتوں کو شامل ہے، یہ سب زاویے ان دونوں جہتوں سے پیدا ہوتے ہیں جو ان دونوں خطوط متوازیہ سے بنتے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار

ظهر المؤذن الٰی وجه ما یضاف الیه الیدان .فان قرینة الاذان تدل ان وجهه یکون الیه لکن یشکل بما اذاکان ظهره الٰی ظهر المضاف الیه الااذا قیل باخراجه بقرینة قوله استقبلوه مستمعین [1] اھ۔	سے یہ عبارت اس صورت کو شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو، لیکن اذان کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتاہے کہ مؤذن کا چہرہ ہی امام کے چہرہ کی طرف ہو۔اوراس صورت کو بھی شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہولیکن اس کاجواب یہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ سب امام کی طرف رخ کریں اوراس کی بات سنیں۔اھ)
اقول: هذا کلام تحیر هٰؤلاء فی حله وتناقضوا فی حمله واستشهدبه بعضهم بجهله ولیس فیه الامشتت لشمله ومسفه لعقله ثم هو غیر محرر فی اصله فنذکر بتوفیقه تعالٰی اولا ما یشرحه ثم نکمل الفائدة ما یزیفه ویجرحه ثم نتوجه الٰی اجهل هٰؤلاء فنطرحه ولنقدم لذٰلك مقدمات نوضحه۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) قہستانی کی اس عبارت نے مخالفین کو حیرت میں ڈال دیاہے اوراس عبارت کاحل کرنا انہیں مشکل پڑرہاہے اوراس کا مطلب بیان کرنے میں وہ لوگ باہم متناقض ہیں۔اور بعض نے تو اس سے اپنی جہالت کی دلیل فراہم کی۔اورفی الحقیقت یہ عبارت مخالفین کے پریشاں خاطری کے اظہار کاذریعہ اوران کی بے وقوفی کے ظہور کاسبب بنی۔اور لطف یہ کہ قہستانی کا یہ بیان بھی خود کوئی قابل اعتماد بات نہیں تو بتوفیق اللہ تعالٰی پہلے ہم اس کلام کی تشریح کرتے ہیں، پھر اس کی کمزوری کا بیان کریں گے، پھر مخالفین کی جہالت واضح کریں گے۔اس کے لئے چند توضیحی مقدمات کی تفہیم ضروری ہے۔
الاولٰی: المنبر فی قولهم	**مقدمہ اولٰی:** فقہاء کے قول

---

[1] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعة مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۹۔۲۶۸

بین یدی المنبر مجاز عن الخطیب النقل والعقل المصیب اما لنقل فقول العلامة المحقق البحر فی البحر "الضمیر فی قوله بین یدیه عائد الی الخطیب الجالس، وفی القدوری بین یدی المنبر وھو مجاز اطلاقًا لاسم المحل علی الحال کما فی سراج الوھاج فاطلق اسم المنبر علی الخطیب [1] اھ	بین یدی المنبر میں لفظ منبر بول کر مجازًا خطیب مراد لیا گیا ہے۔ یہ نقلی دلیل سے بھی ثابت ہے اور عقلی دلیل سے بھی۔ دلیل نقلی صاحب بحر الرائق کا یہ قول ہے جو انہوں نے بحر میں فرمایا: "قول بین یدہ میں ضمیر خطیب کی طرف لوٹ رہی ہے جو منبر پر بیٹھا ہو۔" قدوری میں ہے: "لفظ بین یدی المنبر میں منبر سے مجازًا خطیب مراد ہے کہ اکثر محل بول کر حال مراد ہوتا ہے۔" ایسا ہی سراج الوہاج میں بھی ہے کہ "منبر کا لفظ بول کر خطیب مراد ہے۔"
"واما العقل فلان المنبر لو کان عریضا یسع رجالا فقام الاما علی احدطرفیه والمؤذن بحذاء طرفه الاخر فقد اخطأ السنة لانه لیس بین یدی المنبر مع انه بین یدی المنبرلاشك فعلم ان السنة ھو کونه بین یدی الخطیب دون المنبراذالعود غیر مقصودوقد مرت السنون لم یکن منبر فما کان یواجه الاالامام امام الانام علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوۃ والسلام ھذا ظاھر جدا۔	عقلی دلیل یہ ہے کہ منبر اگر اتنا چوڑا ہو کہ اس کے عرض میں کئی آدمی کھڑے ہو سکتے ہوں، تو اگر امام منبر کی ایک طرف بیٹھا اور مؤذن دوسری طرف سامنے کھڑا ہوا تو اس نے سنت ترک کردی کیونکہ اس صورت میں وہ امام کے مقابل نہیں منبر کے سامنے البتہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سنت یہی ہے کہ مؤذن خطیب کے سامنے ہو منبر کے سامنے نہیں، اس لئے کہ توجہ کا مقصود لکڑی نہیں ہے۔ مسجد نبوی شریف میں کئی سال تک منبر تھا ہی نہیں تو محالہ مؤذن حضور امام الائمہ سید الانام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہی رخ کرتا تھا، یہ امر بالکل ظاہر ہے۔

[1] البحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۵۷

الثانیة[۲]:فی المغرب الوسط بالتحریك اسم لعین مابین طرفی الشیئ کمرکز الدائرة۔ وبالسکون اسم بھم لداخل الدائرة مثلًا ولذلك کان ظرفًا فالاول یجعل مبتدأ وفاعلا ومفعولا به وداخلا علیه حرف الجر ولایصح شیئ من ھذا فی الثانی۔ تقول وسطه خیر من طرفه وتسع وسطه، وضربت وسطه، و جلست فی وسط الدار، وجلست وسطھا بالسکون لا غیر، ویوصف بالاول مستویافیه المذکر والمؤنث و الاثنان والجمع وقال الله تعالٰی "جعلنا لکم امة وسطًا" ولله علی ان اھدی شاتین وسطا الی بیت الله، او اعتق عبدین وسطا[1] اھ۔ وفی الصحاح کل موضع صلح فیه بین فھو وسط بالتسکین	**مقدمہ ثانیہ**: مُغرب میں ہے: الوسط سین کی حرکت کے ساتھ نام ہے کسی چیز کے دونوں کناروں کے ٹھیک بیچ کا، جیسے دائرہ کے لئے مرکز۔ اور الوسط سین کے سکون کے ساتھ اسم مبہم ہے، تو مثلًا دائرہ کے اندر کسی مقام کو بھی وسط کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وسط بالسکون تو کلام میں صرف ظرف واقع ہوتا ہے۔ اور وسط بالتحریک مبتداء، فاعل، مفعول بہ واقع ہوتا ہے، اور اس پر حرف جر بھی داخل ہوتا ہے۔ اور وسط بالسکون ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "وسط خیر من طرفه" اس کا بیچ کنارہ سے اچھا ہے۔ اس صورت میں وسط مبتداء واقع ہوا ہے۔ "وتسع وسطه" یہ وسط کے فاعل ہونے کے مثال ہے کہ اس کا بیچ وسیع ہوا۔ "ضربت وسطه" اس کے بیچ میں مارا۔ یہ مفعول بہ واقع ہونے کی مثال ہے۔ اور "جلست فی وسط الدار" تو گھر کے وسط میں بیٹھا، یہ فی داخل ہونے کی مثال ہے۔ لیکن وسط بالسکون کے استعمال کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ ترکیب میں ظرف واقع ہوتا ہے، جیسے جلست وسطه میں گھر میں بیٹھا۔ یہاں متوسط مفعول فیہ ظرف واقع ہے،

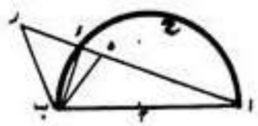
---
[1] البحر الرائق بحوالہ المغرب کتاب الصلٰوۃ باب الامامة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱ و ۳۵۲

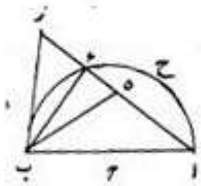
"کجلست وسط القوم وان لم یصلح فیه فھو بالتحریك "کجلست وسط الدار ،وربما سکن ولیس بالوجه اھ[1]۔	ایک علامت یہ بھی ہے کہ وسط بالتحریک مذکر، مؤنث، واحد، تثنیہ، جمع سب کی صفت بن سکتا ہے قرآن عظیم میں ہے "**جعلنا کم امۃ وسط**" ہم نے تم کو امت وسط بنایا، یہاں لفظ وسط مونث کی صفت ہے "للّٰہ علی ان اھدی شاتین وسطا" میں اللہ تعالٰی کے لئے دو متوسط بکریاں نذر کرتا ہوں۔ یہاں وسط تثنیہ مؤنث کی صفت ہے"**واعتق عبدین وسطًا**"میں اللہ تعالٰی کے لئے دو متوسط قسم کے غلام آزاد کروں گا۔ یہاں وسط تثنیہ مذکر کی صفت ہے اھ۔ صحاح جوہری میں ہے: جہاں لفظ بین کا محل استعمال ہو وہاں وسط بالسکون پڑھا جائے جیسے "**جلست وسط القوم**" میں قوم کے درمیان بیٹھا۔اور لفظ بین کا محل استعمال نہ ہوتو وسط بالتحریک ہوگا جیسے "**جلست وسط الدار**" میں گھر کے ٹھیک بیچ میں بیٹھا۔ کہیں بالسکون بھی کہہ دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں اھ بحر۔
الثالثة[۳]:کل زاویة جعل منتصف وترھا مرکزًا ورسمت علیه ببعدا حدطرفیه قوس الٰی جھة الزاویة حتی وصلت الی الطرف الاٰخرفان الزاویة ان کانت قائمة تمر القوس براسھا او منفرجة فوراء رأسھا اوحادة فدونه وبالعکس ان مرت القوس برأسھا فھی قائمة اووقعت وراءہ فمنفرجة اودونه فحادة۔	**مقدمہ ثالثہ:** جس کسی بھی زاویہ کے وتر کے منتصف کو مرکز مان کر وتر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک زاویہ کی جہت میں کوئی قوس بنائی جائے تو اگر زاویہ مذکورہ قائمہ ہوگا تو قوس اس کے راس سے،اور اگر زاویہ منفرجہ ہوگا تو قوس زاویہ کے وراء سے اور زایہ حادہ ہوگا تو قوس اس زاویہ کے نیچے سے گزرے گی۔اسی کو اُلٹ کریوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر قوس زاویہ کے راس سے گزرے تو زاویہ قائمہ ہوگا اور قوس زاویہ کے وراء سے گزرے تو زاویہ منفرجہ ہوگا اور قوس زاویہ کے نیچے سے گزرے تو زاویہ حادہ ہوگا۔

[1] الصحاح تحت اللفظ "وسط" دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۹۷۵

وبعبارة اخری کل خط نصف ورسمت علٰی منتصفه ببعد احد طرفیه قوس وصلت لطرفه الاٰخر فاذا جعلت ھذاالخط قاعدة مثلث واقع الی جھة القوس فان وقع راسه علی نفس القوس فزاویة قائمة اووراءھا فحادة اودونھا فمنفرجة وبالعکس ان کانت زاویة الراس قائمة تقع علی نفس القوس اوحادة فورائھا منفرجة فدونھا۔	اسی مدعا کا اظہار بلفظ دیگر یوں بھی ہوسکتا ہے، کسی بھی خط کی تنصیف کے بعد اس منتصف پر خط کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک قوس بنائی جائے اور یہ خط کسی ایسے مثلث کے قاعدے پر منطبق ہوجائے جو جانب قوس واقع ہے۔تو اگر مثلث کا راس خود اسی قوس پر وقع ہوتو وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اوراس قوس سے باہر کی طرف واقع ہوتو زاویہ حادہ ہے۔اور قوس کے اندرواقع ہوتو زایہ منفرجہ ہوگا۔اوراسے الٹ کریوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگرزاویہ راس قائمہ ہوتو نفس قوس پر واقع ہوگا اور حادہ ہوتو قوس کے باہر۔اور منفرجہ ہوتو قوس کے اندر واقع ہوگا۔

توضیح دعوی





ولیکن اب خطًا رسمًا علٰی نصفه ح ببعد اقوس اح ب ثم جعلنا ہ قاعدة مثلثات ا ء ب،ار ب،اہ ب فزاویة الواقعة علی القوس قائمة والواقعة ورائھا	ہم نے مان لیا کہ اب ایک خط ہے جس کو مقام ج پر نصف کردیا گیا ہے اوراسی ح کو مرکز مانکر اسے شروع کرکے ح سے ہوتی ہوئی ب تک ایک قوس بنائی۔اح ب، پھراسی خط اب کو تین مثلثوں اء ب،ار ب،اہ ب کا قاعدہ

حادۃ وہ الواقعۃ دونھا منفرجۃ۔وان کانت الزویۃ قائمۃ تقع علی نفس القوس مثل ء،اوحادۃ تقع خارجھا مثل ر،اومنفرجۃ فداخلھا مثل ہ۔	قرار دیا تو زاویہ ء جو قوس پر واقع ہے قائمہ ہے،اوزاویہ ر جو قوس سے باہر ہے حادہ ہے،اورزاویہ ہ جو قوس کے اندر ہے منفرجہ ہے۔اور بالعکس یوں بھی کہہ سکتے ہیں اگرزاویہ قائمہ ہے تو قوس پر واقع ہے جیسے زاویہ ء،اور حادہ ہے تو قوس سے باہر ہے۔جیسے زاویہ ر اوراندر ہے تو زاویہ منفرجہ ہے جیسے زاویہ ہ۔

ثبوت دعوٰی کی تقریر

وذٰلك لان القوس نصف دائرۃ وقد وقعت فیھا زاویۃ ء فھی قائمۃ بحکم ل من ثالثۃ الاصول فتکون رحادۃ والاجتمع فی مثلث ب ء ر قائمتان وھو محال بحکم لب من اولی الاصول۔وکذاب ہ ء حادۃ لعین ذٰلك فب ہ ا منفرجۃ بحکم بح من اولی ھا۔ ثم لتکن ء قائمۃ فلا موقع لھا الا علی نفس	یہ اس لئے کہ قوس نصف دائرہ ہے اوراسی پر زاویہ واقع ہے اس لئے مقالہ ثالثہ کی تیسویں شکل کے حکم سے یہ ضرور قائمہ ہے،اورچونکہ زاویہ قائمہ کے پہلو والا زاویہ بھی قائمہ ہوتا ہے۔اس لئے زاویہ ر کا حادہ ہونا ضروری ہے ورنہ مثلث ب ع ر میں بیک وقت دوزاویہ قائمہ ہونا لازم آئے گا جو مقالہ اولی کی شل بتیس کی رو سے محال ہے،اسی طرح اسی دلیل سے مثلث ب ہ ع کازاویہ ہ بھی حادہ ہے(چونکہ حادہ کے پہلو والازاویہ منفرجہ ہوتا ہے)اس لئے مثلث ب اہ کازاویہ ہ ضرور منفرجہ ہے جیساکہ مقالہ اولٰی کی تیرھویں شکل سے ظاہر ہے۔ یایوں کہئے زاویہ ء قائمہ ہے تو لامحالہ نفس قوس پر واقع ہے اس لئے کہ یہ ر کی

القوس اذلووقعت دونها مثل ہ او ورائها مثل ر وقد تبین ان ء ایضا قائمة لاجتمع فی مثلث قائمتان، ولتکن ہ منفرجه فلا تقع الا داخل القوس اذلو وقعت علیها کانت قائمة او ورائها کانت حادة لما امر۔ ولتکن ر حادة فلا وقوع لها الا خارج القوس اذلو وقعت علیها کانت قائمة۔ او داخلها کانت منفرجة لما سبق، و ذٰلك ما اردناه وبه تبنیت العبارة الاولٰی اصلًا وعکسًا۔ **الرابعة**[۳]: کل زاویة غیر حادة نزل من راسها عمود علٰی قاعدتها فانه یکون نصف القاعدة ان کانت الزاویة قائمة متساویة الساقین والاقل من نصفها سواء کانت منفرجة مطلقًا او قائمة مختلفة الساقین۔	طرح خارج قوس واقع ہو۔ یا ہ کی طرح تحت قوس ہو، تو جس طرح زاویہ ء قائمہ ہے اسی طرح ہ اور ر بھی قائمہ ہو جائیں گے۔ اور ایک مثلث میں دو دو زاویہ قائمہ ہوں گے۔ یا یوں کہئے کہ اگر زاویہ ہ منفرجہ ہے تو لامحالہ داخل قوس ہوگا کیونکہ اگر وہ نفس قوس پر ہو تو اس کا قائمہ ہونا لازم آئے گا، یا خارج قوس ہو تو حادہ ہونا لازم آئے گا دلیل مذکورہ بالا کی رو سے۔ یایوں کہئے کہ زاویہ ر اگر حادہ ہے تو لامحالہ وہ خارج قوس ہوگا کیونکہ نفس قوس پر ہونے کی صورت میں لا محالہ وہ قائمہ ہو جائے گا، یا داخل قوس ہو تو منفرجہ ہونا لازم آئے گا۔ دلیل اوپر مذکور ہوئی۔ اور یہی ہمارا دعوٰی تھا۔ ہماری اس دلیل سے پہلی عبارت اصلًا وعکسًا ثابت ہوئی۔ **مقدمہ رابعہ:** جس کسی زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس زاویہ کے قاعدے پر عمود کا نزول ہو تو وہ عمود ہمیشہ قاعدے کا نصف ہوگا بشرطیکہ زاویہ قائمہ متساویۃ الساقین ہو ورنہ عمود ہمیشہ قاعدے کے نصف سے بھی چھوٹا ہوگا (۲) خواہ زاویہ مطلقًا مفرجہ ہو۔ (۳) یا قائمہ مختلفہ الساقین ہو۔

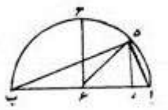
نمبرا کی توضیح اور ثبوت

امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱ امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

فلتکن ا ح ب قائمة متساوية السقین فج أ نصف ا ب بوجوہ کثیرۃ منھا ان زاویتی ج اب، ج ب ا متساویتان بخسمة الاولیٰ لتساوی السقین وحیث ان ج قائمة فکلتاھما نصف قائمة بلب منھا و ح ء ب قائمة بحکم العمودیة فرح ب نصف قائمة بلب فح ء،ء ب متساویان بسادسة الاولی،وکذا بعین البیان ح ء،ء ا فیکون ا ء،ء ب متساویین،فکل منھما نصف ا ب مساویالح ء۔	مان لیجئے کہ مثلث اح ب کازاویہ ح قائمہ متساویۃالساقین ہے تو عمود ح ا جواس زاویہ کے راس سے اس کے قاعدے پر ڈالا گیاہے وہ خط اب یعنی قاعدے کا نصف ہے۔اس کی بہت سی دلیلیں ہیں ایک دلیل مندرجہ ذیل ہے: ح اب اور ح ب ا میں ا ء ب دونوں زاویے مقالہ اولے کی پانچویں شکل (شکل مامونی) کی رو سے برابر ہیں کیونکہ اس مثلث کی دو ساقین اح اور ح ب برابر ہیں،اور جب ح زاویہ قائمہ ہے تو اس کے بقیہ دونوں زاویے یعنی ا اور ب نصف قائمہ ہوں گے مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے (اور زاویہ ج سے جو خط قاعدے تک آیا ہے اس سے دو مثلث بن گئے ہیں ا ء ح اور ح ء ب) اور اس خط کے عمودی ہونے کی وجہ سے زاویہ قائمہ ہے تو زاویہ ح نصف قائمہ ہوگا مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے،اور زاویہ ب پہلے ہی بیان سے نصف قائمہ ثابت ہو چکا ہے۔

	پس اس مثلث کی دو ساقین ح ء اور ء ب بھی مساوی ہوں گی مقالہ کی چھٹی شکل کی رو سے اور اسی بیان سے دوسرے مثلث کی دونوں ساقیں ح ء اور اء بھی مساوی ہوں گی تو قاعدے کے دونوں ٹکڑے ا ء اور ء ب مساوی ہوگئے۔ اور قاعدے اب کا نسف نصف ہوں گے اور خط ح ء کے بھی مساوی ہوں گے کہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔ تو ثابت ہوگیا کہ مثلث قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین کے راس سے قاعدے پر اترنے والا خط قاعدے کا نصف ہوتا ہے۔

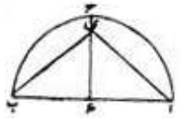
نمبر ۲ کی توضیح اور ثبوت



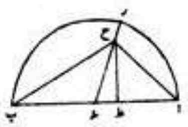
ثم لتكن ا ه ب قائمة مختلفة الساقين فنقول ه ر اصغر من نصف ا ب اعنی نصف القطر لان را ليس مركزًا والا لكان فی مثلثی ا ر ه،ه ر ب ضلعا ا ر،ر ب متساويين و ر ه مشترك وزاويتا ر قائمتان	ہم نے فرض کیا کہ مثلث اہ ب میں زاویہ ہ قائمہ مختلف الساقین ہے۔ تو ہمارا دعوی یہ ہے خط ہ ر نصف اب یعنی نصف قطر سے چھوٹا ہے اس لئے کہ ر یہاں مرکز نہیں، ورنہ پیش نظر دونوں مثلث یعنی ا ر ہ اور ہ ر ب میں دونوں خط ا ر اور ر ب برابر ہو جائینگے، اور ہ ر دنوں مثلثوں میں مشترک۔ اور دونوں مثلثوں میں ر زاویہ قائمہ (یعنی

فبرابعة الاولٰی یتساوی ا ہ ہ ب بف فلکن المرکز ء وقلتنا ہ ء نصف القطر فلو کان ہ ر مساویا له تساوت بلاماموني زايتار ء فاجتمع في مثلث قائمتان۔	دو قائمے) پس مقالہ اولیٰ کی شکل رابع سے لازم آئے گا کہ اہ او رہ ب دونوں ساقیں مساوی ہو جائیں گے اور یہ خلاف مفرض ہوگا (کہ ہم نے زاویہ قائمہ مختلف الساقین مانا تھا اور یہاں دونوں کا مساوی ہونا لازم آیا) جب ر کو مرکز ماننے پر خلاف مفروض لازم آیا، تو مان لیجئے کہ مرکز دراصل ء ہے اور ہ کو ملا کر نصف قطر کر لیجئے۔ اس صورت میں ہر ر ہ ء کے برابر ہو تو (مقالہ اولیٰ کی پانچویں شکل کے لحاظ سے زاویہ ر اور زایہ ء دونوں برابر ہوں گے تو ایک مثلث کے دو زاویے قائمہ ہو گئے (اور یہ محال ہے تو لامحالہ ہ ر، ہ ء دونوں ساقیں برابر نہیں۔)
وان کان ہ ر اکبر من ہ ء کانت ء الموترة بالاکبر اکبر من ر القائمة الموترة بالاسغر بحکم بح من الاولٰی فاجتمع فی مثلث قائمة ومنفرجة فلاجرم ان ہ ر اصغر من اء۔	ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہ ر کو ہ ء سے بڑا مانا جائے و مقالہ اولیٰ کی اٹھارھویں شکل سے لازم آئے گا کہ زایہ ء جس کے وتر ہ ر کو ہم نے ہ ء سے بڑا مانا ہے، چھوٹے وتر والے زایویہ قائمہ یعنی ر سے بڑا ہو جائے۔ اور زاویہ قائمہ سے جو زاویہ بڑا ہوگا وہ منفرجہ ہی ہوگا۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مثلث میں زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ دونوں جمع ہو گئے اور یہ بھی محال ہے اوہ ر کے نصف قطر سے بڑے اور برابر ہونے کی صورتیں محال ہو گئیں، تو لامحالہ ہ ر، ہ ء نصف قطرہ سے چھوٹا ہے اور ہم اسی کے مدعی تھے۔

نمبر ۳ کی توضیح اور ثبوت



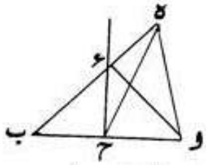
زاویہ منفرجہ میں اس خط نازل کا نصف قطرہ سے چھوٹا ہونا زیادہ واضح ہے زاویہ منفرجہ متساوی الساقین جیسے مثلث ای ب یا مختلف الساقین جیسے مثلث اح ب کیونکہ یہ زاویہ بہر تقدیر قوس کے اندر ہوگا، تو اس زاویہ سے جو عمود بھی قطر پر نازل ہوگا یا تو مثلث ای ب کی طرح مرکز سے ہو کر گزرے گا جیسے خط ء ی تو وہ یقیناً نصف قطر یعنی خط ء ح کا جزء ہوگا (اور اگر زاویہ مختلف الساقین میں ہوگا جیسے ح ط کہ یہ مرکز سے ہو کر نہیں گزرتا)	والامر فی المنفرجة اظهر سواء کانت متساویة الساقین مثل ا ی ب، او مختلفتهما مثل ا ح ب لانها تقع داخل القوس فالعمود النازل منها علی القطران مر بالمرکز مثل ی ء کان جزءً من نصف القطر ح ء وان لم یمر به مثل ح ط۔



تو ہم ح کو ء ک کی طرف لے چلیں گے (اور ء ک نصف قطر ہے) تو ء ح، ء ک سے چھوٹا ہوگا کیونکہ ء ک زاویہ قائمہ کا وتر ہے جس کو ح ط سے بڑا ہونا چاہیے جو ازاویہ حادہ کا وتر ہے مقالہ اولٰی کی شکل ۱۸ کی رو سے۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ مقدمہ خامسہ: ہر وہ خط جس کے نصف پر کوئی عمود قائم کیا جائے، اور پھر اس خط کے	اخرجنا ح الٰی ء ك کان ح ء الاصغر من ء ك نصف القطر لکونه وتر القائمة اکبر من ح ط وتر الحادة بحکم رط من الاولٰی وذٰلك ما اردناہ۔ الخامسة: کل خط اقیم علٰی نصف عمود غیر محمد ودواخرج

من طرفیه خطان یحدثان معه زاویتین مجموعهما اصغر من قائمتین فان تساوت الزاویان فملتقی لا خطین علی نفس العمود والافخارجہ وعلی کل تحتمل زاویۃ ملتقاھما ان تکون قائمۃ اوحادۃ اومنفرجۃ۔	دونوں کناروں سے ایسے دو خطوط کھینچیں جو پہلے خط پر ایسے دو زاویے پیدا کریں جس کا مجموعہ دو قائمہ سے کم ہو۔اور اس صورت میں یہ دونوں زاویے برابر ہوں تو خطین کا ملتقٰی عمود پر ہوگا۔اور برابر نہ ہوں تو دونوں خطوں کا ملتقٰی عمود سے باہر ہوگا۔اور ہر صورت میں اس کا احتمال ہے کہ ان دونوں خطوں کے ملتقٰی کا زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ ہو۔

(توضیح وثبوت)



فلیکن ا ب خطًا نصف علٰی ح و اقیم علیه عمود ح ء غیر محدودفاخرج من جنبیه خطا اء۔ب ء محدثین زایتی ا ب مساویتین فانهما یلتقیان علی نقطة ء من العمود والا فیلتقیا خارجه مثلاً علی ہ وصلناہ ح ففی مثلثی اح ہ ب حہ نصف اا ح ب ح متساویان بالفرض وکذا ا ہ ب ہ لخامسة الاولٰی لتساوی زاویتی اب	مان لیجئے کہ اب ایسا خط ہے جس کا نصف نقطہ ح ہے اور اس پر ایک غیر محدود عمود ح ء قائم کیا گیا، پھر اس خط کے دونوں کناروں سے دو خط اء اور ب ء ایسے کھینچے گئے جو خط اول کے اوپر دو برابر زاویے اب پیدا کرتے ہیں، تو وہ دونوں خطوط عمود کے نقطہ ء پر ملیں گے۔اور دونوں زاویے برابر نہ ہوں تو لامحالہ یہ دونوں خطوط عمود سے خارج ملیں گے۔مثلاً مانا گیا وہ نقطہ ہ پر ملے ہوئے ہیں ہم نے ہ ح کو ملادیا تو یاہیں دو مثلث اح ہ اور ب ح ہ پیدا ہوئے جس میں خط مفروض کے دونوں نصف ا ح اور ب ح بالفرض برابر ہیں، اور چونکہ زاویہ اور

بالفرض وہ ح مشترك فبثامنة الاولٰی تتساوی زاویتا ا ح ہ،ۃ ح ب بفحکم بح منھا کانتا قائمتین وقد کانت ا ح ء قائمۃ فتساوی الکل والجزء ہف۔	زاویہ ب برابر فرض کیا گیا ہے اس لئے مقالہ اولٰی کی شکل خامس سے جس طرح ا ح اور ب ح برابر ہیں اسی طرح ا ہ اور ب ہ بھی برابر ہونگے، اور ہ ح دونوں مثلث میں مشترک ہے۔ تو لامحالہ مقالہ اولٰی کی شکل ثام کی وجہ سے زاویہ ا ح ہ اور زاویہ ہ ح ب برابر ہونگے اور مقالہ اولے کی شکل ۱۸ سے ثابت ہے کہ دونوں مل کر دو قائمہ ہوں گے یعنی ہر زاویہ قائمہ ہوگا حالانکہ ا ح ء قائمہ ہے اور ا ح ہ بھی قائمہ ہوگیا (جو خود اس کا خبر ہے) اور اس صورت میں جزو کل مساوی ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔
ولیخرج عن جنبیہ ا ہ ب ہ عن زایتین مختلفین فملتقٰی ھما خارج العمود علٰی ہ والافیلتقیا علٰی ء من العمود ففی مثلثی ا ح ء، ء ح ب نصف ا ح، ح ب متساویان و ء ح متشرك و زایتاح قائمتان فبالرابع تتساوی زاویتا ا ب و قد فرضنا مختنفین ہف فالحکم ثابت وذٰلك ما اردناہ۔	**دوسری صورت** کی توضیح یہ ہے کہ ہم خط مفروض کے دونوں کناروں سے ایسے دو خط ا ہ اور ب ہ کھینچتے ہیں خط کے اوپر مختلف زاویے بناتے ہیں، تو ہمارا دعوی یہ ہے ملتقی عمود سے خارج نقطہ ہ پر ہوگا ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دونوں خط بھی عمود کے نقطہ ء پر ملے ہیں اور یہاں مثلث ا ح ء اور مثلث ء ح ب میں خط کے دونوں نصف ا ح اور ح ب برابر ہیں۔ اور ء ح دونوں مثلثوں میں مشترک اور زاویہ ح دونوں مثلث میں قائمہ، اس لئے بشکل رابع زاویہ ا ب برابر ہوئے حالانکہ ہم نے ان دونوں کو مختلف فرض کیا تھا، اور یہ خلاف مفروض دعوی کہ نا ماننے سے لازم آیا، تو دعوی ثابت ہوا۔

اما احتمال الزوایا الثلث فی الملتقٰی علٰی کل تقدیر فظاھر لان الزایتین الحاد ثتین منھما فحادۃ سواء کانت الزاویتان علی الخط الاول متساویتین او مختلفتین کل ذٰلك بلب من الاولٰی۔	**تیسری صورت** کہ دونوں قسم کے ملتقٰی پر تینوں ہی قسم کے زاویے کا احتمال ہے۔اس کی توضیح یہ ہے کہ دونوں کناروں سے کھینچے خطوط اور خط اول سے پیدا ہونے والے دونوں زاویوں کا مجموعہ اگر قائمہ کے برابر ہے تو ملتقٰی زاویہ قائمہ ہوگا اور مجموعہ زاویتین اگر قائمہ سے چھوٹا ہے و ملتقٰی کا زاویہ منفرجہ ہوگا،اور اگر مجموعہ قائمہ سے بڑا ہے تو ملتقٰی کا زاویہ حادہ ہوگا خواہ خط اول پر پیدا ہونے والے زاویے باہم برابر ہوں یا نہ ہوں۔یہ ساری باتیں مقالہ اولٰی کی شکل ۳۲ سے ثابت ہیں۔
اذا عرفت ھذا واعلمناك فی النفحۃ الاولی العودیۃ ان معنی بین یدیہ الترکیبی الفضاء المحقق المحصور بالجارحتین عند بسطھما اوالموھوم عند ارسالھما اعنی الخط النافذ علی الاستقامۃ من وسط احد کتفیك الی وسط الکتف الاخر ولایمکن ارادتہ ھنا وفی عامۃ استعمالات ھذا اللفظ بل ارید فیھا بالیدین الجھتان الواقعتان علی سمتھما ای تخرج من طرفی کتفیہ خطین	مذکورہ بلا توضیحات کی معرفت اور لفظ بین یدہ کے معنی کو دوبارہ ذہن میں تازہ کرلینے کے بعد (لفظ بین یدیہ کی وضاحت ہم اسی شمامہ کے نفحہ اولی میں کرآئے ہیں کہ بین یدیہ مرکب اضافی ہے۔تو ایک معنی مضاف اور مضاف الیہ کے تفصیلی ترجمہ کے لحاظ سے ہوں گے "دونوں ہاتھ سامنے پھیلائیں تو وہ فضا جو دونوں ہاتھ کے درمیان محصور ہے۔اور ایسے ہی پیچھے پھیلائیں تو پیچھے کی فضا کو جو دونوں ہاتھوں کے درمیان محصور ہے"اور "جب ہاتھ لٹکائیں تو دونوں مونڈھوں کے بیچ کی دوری جس کو ایک خط کے ذریعے

عمودین علی ذالك الخط الواصل بین کتفیه فھٰذان الخطان هما الجهتان المسامتان لیمین من اضیف الیه الیدان وشماله کما قدمنا ثمه عن الکشاف و المدارك وغیرهما فکل ماوقع بین هٰذین الخطین بشرط القرب اللائق بالشیئ المتفاوت تفاوتاشد یدا بحسب المقام فهو بین یدیه۔	" سمجھا جاسکتا ہے جو ایک مونڈھے کے وسط سے دوسرے مونڈھے کے وسط تک سیدھا فرض کیا جائے لیکن اس لفظ کے عام استعمال کا معاملہ ہو یا خاص بین یدی الخطیب کا موقع ہو عام طور سے اس لفظ کے معنی ترکیبی تفصیلی مراد نہیں ہوتے بلکہ دوسرے معنی اجمالی عرفی یالغوی مراد ہوتے ہیں جس میں دونوں لفظ کے علیحدہ علیحدہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ مرکب لفظ کو اکائی مان کر پورے مرکب کے ایک ہی اجمالی معنی کو یوں سمجھئے دونوں مونڈھوں کے درمیان جو سیدھا خط ہم نے فرض کیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم کے عرض میں ہی ہوگا، اس کے دونوں کناروں پر دو عمودی خطوط کو سامنے فرض کیا جائے جو اسی فاصلے پر بالکل متوازی سامنے چلے جائیں ان دونوں خطوں کے درمیان جو بھی ہے اسی کو بین یدیہ کہا جائے گا۔) اس مضمون پر مدارک اور کشاف کی شہادت بھی پیش کرچکے ہیں قہستانی کی مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملہ کا مطلب مکمل ہوگیا۔ "دوسری اذان بین یدیہ ہوگی یعنی ان دونوں متوازی جہتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں اور اس سے قریب ہو۔"
کما افدناك تحقیقه بمالامزید علی الی هنا اتم معنی کلام القهستانی الٰی قوله قریبامنه۔	یہاں قہستانی کے لفظ قریبًامنہ کے یہ معنٰی نہیں کہ مؤذن امام یامنبر کے متصل ہو بلکہ

	ایسا قریب مراد ہے جو محل استعمال کے مناسب ہے اور یہاں جب مسجد کے اندر مطلقاً اذان منع ہے تو لامحالہ یہاں قریب کا مطلب مسجد سے باہر مسجد کی حدود کے اندر ہوگا۔ گزشتہ اوراق میں لفظ قریب پر بھی ہم بھرپور روشنی ڈال چکے ہیں۔
ثم اذا نصفت الخط الواصل بين الكتفين ونسميه الخط الكتفي واقمت وعليه عمودًا ثالثا واياه نسمى العمودكان هو ومايقع عليه وسط الجهتين المذكورتين بينهما بلاتحريك وماكان بينهما منحازاعن العمود فهو وسطهما بالسكون ووسطهما بالسكون فيشمل مااذان اذن فی زاوية قائمة اوحادة منفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين [1]۔	اب ہم اس خط کو جو ہم نے دونوں مونڈھوں کے درمیان فرض کیا تھا اور جس کا نام ہم نے خط کتفی رکھا تھا اس کے ٹھیک بیچ میں ایک تیسرا عمود فرض کیں، تو یہ عمود دونوں متوازی خطوں کے بھی ٹھیک بیچ میں ہوگا جس کو اہل لغت وسط بالتحریک کہتے ہیں۔ اور ان دونوں متوازی خطوں کے درمیان جو کشادگی ہوگی اس کو وسط بالسکون کہاجاتاہے۔ علامہ قہستانی کی بقیہ عبارت مندرجہ ذیل ہے: "اذان ثانی دونوں جہتوں کے وسط بالسکون میں ہوگی تو یہ ان سب صورتوں کو شامل ہوگی جب مؤذن زاویہ قائمہ اور حادہ یا منفرجہ میں کھڑا ہو۔ یہ سب زاویے ان دونوں خطوں کے نکتہ ایصال پر پیدا ہونگے جو ان دونوں جہتوں سے نکل رہے ہیں۔
فالأن يريد الشيخ يفيد ان ليس شرط كون الشيئ بين يديك وقوعه، على العمود بل يكفى كونه بين خطى الجهة اينما كان فلاذا قال ووسطهما بالسكون وهو عطف على قريبًا	اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن کے خطیب کے سامنے کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ مؤذن کا عمود یعنی خط وسط پر کھڑا ہونا ضروری ہے بلکہ خط کتفی کے دونوں کناروں سے نکلنے والے خطوط متوازیہ کے درمیان کشادگی میں عمود وسط سے ادھر ادھر ہٹ کر کھڑا ہونا بھی

[1] جامع الرموز للقہستانی کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۸

منه لانه قریب منه او علیٰ بین الجهتین تفسیرًا له ثم فرع علیه جواز قیام المؤذن فی زاویة قائمة او حادة اومنفرجة وبیانه انه لایمکن جعل الخط الکتفی وتر زاویة قائمة اومنفرجة یقوم فیها ای بین ساقیها المؤذن لان مابین کتفی الانسان نحو زراع فان جعل وتر زویة غیر حادة کان مابینها وبین الکتفی شبرًا او اقل بحکم القاعدة الرابعة وقدم الانسان اکثر من شبر ولذا تعبر اهل الهیئة والمساحة ثلثی ذراع بالقدم حیث یقولون ان بارتفاع الناظر عن وجه الارض کذا قدما ینحط الافق کذا دقیقة کماذکرناضابطته وتفاریعها

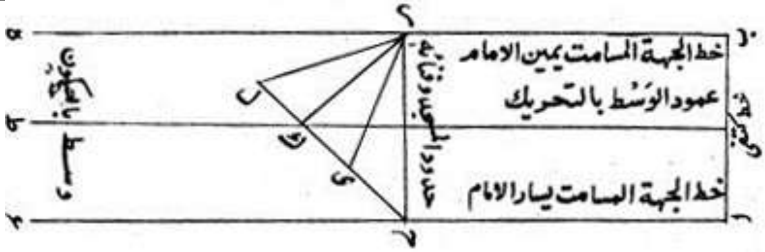
کافی ہے، جیساکہ شیخ قہستانی کے قول وسطهما بالسکون سے ظاہر ہے۔اب جی چاہے وسطهما کاعطف قریبًامنہ پر مانوکہ لفظ وسطهما اورقریبًا منه پاس پاس ہی ہیں یابین الجهتین پر عطف تفسیری مانو،ہر طرح معنی درست ہے۔اسی عمود وسط کے آزاد بازواور خطین متوازیین کے درمیان کھڑے ہونے کو قہستانی ریاضی کی زبان میں سمجھاناچاہتے ہیں کہ مؤذن چاہے زاویہ قائمہ پر کھڑاہو چاہے زاویہ حادہ پر اور چاہے منفرجہ پر، ہر طرح کھڑے ہونے کو بین یدی الخطیب کہا جائے گا۔سوال یہ ہے کہ یہ زاویے جن کی ساقوں کے درمیان مؤذن کھڑے ہو کر اذان دے سکتا ہے مسجد کے اندر اس طرح کہ مفروضہ خط کتفی کو ان مثلثوں کا وترمانا جائے اوراس کے دونوں کناروں سے نکل کر جو دو ۲ خط عمودوسط پر ملتے ہیں انہیں کہ نکتۂ اتصال پر تلے اوپر جوزاویہ منفرجہ اور قائمہ پیدا ہوتے ہیں وہی مؤذن کے کھڑے ہونے کا مقام ہو تو یہ ناممکن ہے، کیونکہ خط کتفی کل ایک ہاتھ لمباہوگا۔اوراس کا نصف ایک بالشت ہوگا،توزاویہ اور وتر کے درمیان ایک بالشت یااس سے بھی کم کی گنجائش ہوگی۔جیساکہ ہم مقدمہ رابعہ میں ثابت کر آئے ہیں،اور آدمی کے قدم کی لمبائی ایک بالشت سے زیادہ ہوتی ہے، جیساکہ اہل مساحت

النفیسة المحتاجة الیها فی علم الاوقات فی تحریرا تنا التوفیق فلذا لم یخرج الخطین المحدثین زاویة مقام المؤذن بالتفائهما ونسمیها خطی المقام عن یمین الامام وشماله بل عن موضع مامن امتداد خطی الهاتین وذلك قوله خارجین من هاتین الجهتین[1]۔	اور اہل ہیئت کا قول ہے کہ ایک قدم ذراع کا دو ثلث ہوتا ہے، جہاں وہ کہتے ہیں کہ زمین سے ناظر کی بلندی اتنے قدم پر ہو، یا وہ کہتے ہیں کہ خط افق سے اتنا قدم اور اتنا دقیقہ بلند ہو۔ان مسائل کے ضابطے اور تفریعیں بھی ہم اپنی فن توقیت کی تصانیف میں بخوبی بیان کرچکے ہیں۔توجب مؤذن کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے اور وتر زاویہ میں بالشت بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ ہے، تو وہاں مؤذن کیسے کھڑا ہوگا، اس جگہ پر تو خطیب ہی بیٹھا ہوگا اور وہاں امام کے دائیں بائیں بھی۔ان دونوں خطوط متوازیہ سے نکلنے والے خطوط سے کوئی ایسا زاویہ نہیں کل سکتا جس پر مؤذن کھڑا ہوا (جسکا نام ہم خط مقام رکھ لیتے ہیں) تو لامحالہ خط کتفی سے آگے بڑھ کر طرفین کے خطوط متوازیہ میں کہیں اس مثلث کا قاعدہ تسلیم کرنا پڑے گا جس کے زایوں کے اندر مؤذن کھڑا ہو۔اسی کا اشارہ قہستانی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "زاویہ قائمہ حادہ یا منفرجہ جو ان دونوں خطوط سے پیدا ہوتے ہیں جو امام کی جانب یمین اور شمال سے نکلے ہیں۔"
وهما كما ترى غیر محدودتین وانما یاتی التحدید من قبل قضیة المحل وهی هنا كما یبنا بدلائل قاهرة ونصوص باهرة	دونوں طرف کے یہ دونوں خطوط تو غیر محدود ہیں۔ان کی تحدید تو محل ومقام کے تقاضے کے موافق ہوگی، جسے ہم دلائل قاہرہ ونصوص باہرہ سے ثابت کرآئے ہیں کہ وہ مسجد سے خارج مسجد کے

[1] جامع الرموز للقهستانی کتاب الصلوٰۃ فصل صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۷

كونه خارج المسجد فی حدوده وفنائه فتعين هو وتر الزاوية المقام بحكم فقهاء الكرام وسنة الشارع سيد الانام عليه وأله افضل الصلوٰة والسلام فكان الشكل هذا:

حدود اور بیرونی صحن میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ مقام مؤذن کے زاویہ کا وتر فقہاء کے قول اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کے موافق مسجد کی آخری حد ہی ہوگی، اس کا شکل اس طرح ہوگی:



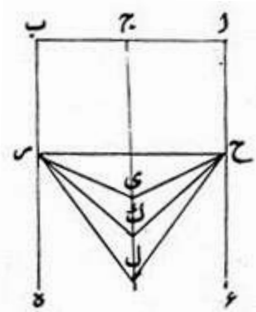
اب الخط الكتفی ا ء، ب ہ خطا الجهتين المسامتين ح ط العمود حر حد المسجد وفناؤه۔ اخرج م ح ر خطا المقام ح ك رك فالتقيا علی العمود واحدثا قائمة ك اوخطا ح ی ر ی فاهدثا ی المنفرجة او خطا ح ل ر ل فاحدثا حادة ل ففی ايها اذن المؤذن كان بين يديه والقيام فی ك غير متعين عليه۔

مذکورہ بالا صورت میں خط اب خط کتفی ہے اور ا ء، ب ہ دو خطوط جہت ہیں اور باہم متوازی ہیں اور ج ط خط کتفی کے نصف پر عمود وسط بالتحریک ہے۔ ح ر مسجد کی حدود اور اس کا صحن ہے۔ مقام ح ر سے دو خط مقام مؤذن کے ح ک اور ر ک اور دونوں عمود پر ملے اور اس سے زاویہ قائمہ ک پیدا ہوا اور دونوں خط ح ی ر ی مقام ی پر ملے تو زاویہ منفرجہ پیدا ہوا۔ اور دو خط ح ل ر ل مقام ل پر ملے تو زاویہ حادہ پیدا ہوا۔ (علامہ قہستانی یہی کہنا چاہتے ہیں) کہ مقام ک پر مؤذن کا کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ ان تینوں زاویوں میں سے جہاں بھی کھڑا ہو کر اذان دے گا بین یدی الخطیب ہوگا۔

فان قلت ھذا کمایشمل الزوایا یشمل ما اذاکان ظھر المؤذن الٰی وجہ الامام۔	**اگر یہ اعتراض** کیا جائے کہ یہ جس طرح زوایا ثلٰث کو شامل ہے اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن کی پشیت امام کی طرف ہو۔
قلنا نعم ھوداخل فی مفھوم بین یدیہ ولکن لیس کل مایشملہ مفھوم اللفظ یکون مرادًافان الاطلاق غیر العموم وقددلت القرائن ھٰھنا ان المراد المواجھۃ بین الامام والموذن لان الامام علی المنبر مستدبر القبلۃ والمؤذن بین یدیہ وقدامر ان یستقبل القبلۃ فی الاذان فتعین ان یکون وجھہ الٰی وجہ الامام کما ان مفھوم بین یدیہ یشمل المتصل والمنفصل والخارج عن المسجد والداخل لکن دلت الدلائل ان داخل المسجدغیر مقصود ولاالبعید بحیث الا یعداذانہ اذا نالھذا المسجدفتعین کونہ فی حدود المسجدوفنائہ مرادًا والاعتراض علیہ بشمول مفھوم اللفظ جھل بعید کشمولہ لمستدیر القبلۃ۔	جواب یہ ہے کہ بیشک بین یدیہ کے مفہوم میں یہ صورت بھی داخل ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ لفظ کا مفہوم جس جس چیز کو شامل ہو سب لفظ سے مراد بھی ہوں، کیونکہ اطلاق عموم کے مغایر ہے،اور یہاں قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ کا مراد و مطلب امام اور مؤذن میں سامنا ہے، اس لئے کہ امام منبر پر قبلہ کی طرف پیٹھ کئے ہوتا ہے، اور مؤذن کو اسکے سامنے ہو کر اذان میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔تو متعین ہوگیا کہ مؤذن کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہوگا۔اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ لفظ بین یدیہ کے مفہوم میں امام سے متصل اس سے منفصل اور خارج مسجد سبھی داخل ہے، لیکن دلائل سے یہ ثابت ہوگیا کہ داخل مسجد مراد نہیں، نہ مسجد سے اتنادور مراد ہے کہ اس اذان کو اس مسجد کی اذان کہا ہی نہ جاسکے تو متعین ہوگیا کہ بین یدیہ سے مراد حدود مسجد اور صحن مسجد ہے۔تو جیسے اس پر مفہوم یہ اعتراض کرنا غلط ہوگا کہ داخل مسجد مفہوم بین یدیہ میں داخل ہے،اسی طرح یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ یہ لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے اذان کرے۔
فان قلت قرینۃ امر	یہاں یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ موذن کے

المؤذن باستقبال القبلة لاتنفی ماذاکان ظهر المؤذن لظهر الامام بان قام المؤذن بین الامام والقبلة متوجهًا لکعبة وربمایترکون متسعاکبیرًا بین المنبر والقبلة کما هو مشاهد فی مکة المکرمة وذٰلك لان الجهتین المسامتین تمتدان خلف الیدین ایضا کما تمتدان امامهما۔	روبقبلہ اذان دینے کا قرینہ اس صورت کو نفی تو نہیں کرتا کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو،اور موذن امام اور قبلہ کے بیچ میں کعبہ کی طرف رخ کرکے کھڑا ہو۔ کیونکہ بہت سی مسجدوں میں لوگ منبر اور دیوار قبلہ کے بیچ میں کافی وسیع جگہ چھوڑدیتے ہیں۔خود مکہ میں مسجد حرام کے اندر بھی ایسی ہی ہے ہ دو طرف متوازی جہتیں امام کے آگے اور پیچھے دونوں طرف ہی ہو سکتی تھی۔
قلنا نعم هذا مشکل الاان یقل باخراجه بقرینه قول الماتن واستقبلوه فان المؤذن داخل فی عموم هذا الجمع وفیه نظر لان عبارة المتن واستقبلوه مستمعین وهذا بیان حال الخطبة والاذان قبلهاو لذا مرضه بقوله الا اذا قیل [1] الخ۔هذا شرح کلامه حسب مرامه۔**اقول:**وفیه **اولًا** لا تفریع شمول الزوایا الثلٰث علیتسکین الوسط بل لو کان بتحریکه لشملها ایضًا کما علمت فی الخامسة۔	یہ اعتراض ضرور مشکل ہے مگر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ متن میں سب کو امام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے،اور اس سب میں موذن بھی داخل ہے،اس لئے کہ اس کو بھی امام کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے،مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام کی طرف رخ کرنے کا حکم خطبہ کی حالت میں ہے نہ کہ اذان کی حالت میں۔قہستانی نے اسی لئے اس سوالکا جواب لفظ قیل سے دیا ہے جو جواب کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں تک قہستانی کی پوری عبارت کی توجیہ انہیں کے حسب منشا ہوئی مگر اس پر **پہلا شبہ** یہ ہے کہ زوایا ثلٰث کی وسط بالسکون کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں یہ تو عمود پر ملتقی ہونے کی صورت میں بھی متحقق ہوں گے۔یہ بات مقدمہ خامسہ میں ظاہر ہوچکی ہے

[1] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۹



الا تری عند تساوی زاویتی ح ر تقع الکل علی العمود لما تقدم فی الخامسة مع ان ی منفرجة وك قاءمة ول ل حادة الاان یقال لیس المراد مجرد شمول الاقسام بل الافراد والزوایا الثلث کما تحدث علی العمود کذا خارجة فانما یشملها بالسکون۔	مندرجہ ذیل صورت میں جب ح ر کے زاویے برابر ہوں گے تینوں زاویے عمود پر ہی واقع ہونگے۔اس کی توضیح بھی مقدمہ خامسہ میں ہوچکی ہے۔زاویہ ی منفرجہ ہے اور ک قائمہ ہے اور ل حادہ ہے مگر اس کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہاں اقسام کا شمول بتانا نہیں ہے۔افراد کا شمول بتانا ہے (یہ بتانا نہیں کہ تینوں زوایے کس صورت میں متحقق ہوسکتے ہیں اور کس میں نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ تینوں زاویے بیک وقت عمود اور اس کے اغل بغل میں وسط بالسکون میں متحقق ہوں گے۔
وثانیًا:الذی استشکله لیس بوارد اصلًافانك ان اردت المعنی الترکیب فالکل خارج وان اردت الاجمالی فهو للامام والقدام کما	**دوسرا شبہ** یہ ہے کہ قہستانی نے جس دوسرے اعتراض کو مشکل کہہ کر پیش کیا ہے وہ سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ "بین یدیہ "کے معنی تفصیلی واجمالی کے بیان میں ہم یہ بتاچکے ہیں کہ یہاں معنی تفصیلی مراد ہی نہیں ہیں۔تو

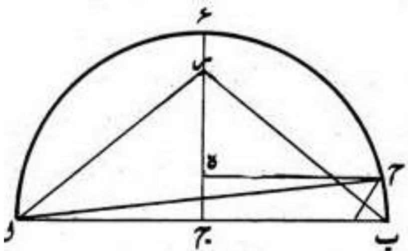
نصوا علیه وقدمناه ولا یقل سمت وجهك الا لجهة وجهك وان امكن مد الخط خلفًا وقدامًا ووجه یدیك الی جهة وجهك فلا یسامتهام الا الخط الممتد الی هٰذه الجهة فالصواب اسقاط هذا الاشكال، و الاصواب ان یقول ووسطهما بالسكون فشمل ما اذا كانت جهة المؤذن علی سمت جهة الخطیب اومنحرفة عنهما الی احدی كیفیه ما لم یخرج عن الخطین كما ان مستقبل القبلة مستقبل لها مالم یخرج عن الربع الذی الكعبة فی وسطه كما حققناه بتوفیق الله تعالٰی فی رسالتنا "هدایة المتعال فی حد الاستقبال "هذا مایتعلق بكلامه شرحًا وجرحًا۔	معنی تفصیلی کے ایک رخ سے اعتراض کے کیا معنی! اور معنی اجمالی مراد ہیں جس کا مطلب امام کے سامنے ہے۔ محاورہ میں سمت وجہت کہنے سے جدھر آپ کا چہرہ ہو وہی رخ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح آدمی کے ہاتھ کا رخ بھی اس کے چہرہ کی طرف ہی ہے۔ توخطوط اگرچہ امام کے آگے پیچھے سبھی طرف نکل سکتے ہیں لیکن ان ہاتھوں کے مقابل جو خط ہوگا وہ خطیب کے سامنے ہی ہوگا تو بہتر یہ ہے کہ سرے سے یہ اعتراض ہی ساقط کردیا جائے، اور وسطھما کے بجائے اوسطھام کہا جائے تاکہ عمود پر اور اس کے آزو بازو کے مقابل کھڑے ہونے کی سبھی صورتوں کو شامل ہو جب تک ان دو خطوں سے باہر نہ ہو جن کا استقبال کعبہ میں حکم ہے کہ دائرے کے جس ربع کے وسط میں کعبہ واقع ہے اس پورے ربع کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ استقبال قبلہ کا وافی اور کافی بیان بحمد اللہ ہماری کتاب "هدایة امتعال فی حد الاستقبال "میں ہے۔ یہاں تک قہستانی کی عبارت کی تشریح اور ان پر پڑنے والے شبہات کا بیان ختم ہوا۔
اما هٰؤلاء فتعرض لهٰذه العبارة منهم وهابیان ضالان واٰخران جاهلان وخامسًا من الطلبة۔	اب ہم آذانیان ہند کی تگ ودو کی طرف رخ کرتے ہیں۔ علامہ قہستانی کی اس عبارت پر خامہ فرسائی کرنے والے پانچ صاحبان سامنے آئے ہیں جن میں دو وہابی، دو جاہل،

اما احد الضالین واضلھما فجعله دلیلاعلی انه لاحاجة ای المحاذاة عینابین الخطیب المؤذن وجعله ردًا علی کلام اھل الحق من ھذه الجھة وھٰذا جھل منه شدیدفان المحاذاة سنة لاشك،وان اراد بھا مسامتة جھتی الموذن والامام فلا محاذاة مقصرة علیه ولا کلام اھل الحق یومی الیه لکن الجھلة لا یفھمون۔والباقون استدلوا بھا علٰی ان ھذا الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فان الضال الاٰخر فاقتصر علی الاستدلال بقوله قریبًامنه۔قد علمت ردہ مرارًاوفسرقوله الھتین لمسامتین الخ،بما بین جھتی الامام اما بیمینه او یسارہ۔اترٰی مثل ھٰؤلاء الجھلاء اھلا لمخاطبة۔وامان الذی یعد من الطلبة فزادفی الطنبور نغمة وفی الشطرنج	ایک نام نہاد طالب علم ہیں۔ایک وہابی صاحب نے قہستانی کی اس عبارت سے یہ استدلال کیاہے کہ اس عبارت سے ثابت ہے کہ مؤذن اور خطیب کا سامنا ضروری نہیں ہے،اور علمائے اہلسنت کے اس دعوی کا قہستانی کی یہ عبارت رد ہے اور یہ اسکا جہل شدید ہے۔"مؤذن اور خطیب کا سامنا بلا شبہ سنت ہے۔"ہاں اگر سامنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ دونوں کا چہرہ ٹھیک ایک دوسرے کے مقابل ہوناضروری ہے،تو یہ نہ سنت سے ثابت نہ اہل حق اس کے مدعی۔ہم "سامنے"کا مطلب کافی وضاحت سے سمجھاآئے لیکن جاہل کیا سمجھیں۔اور باقیوں نے اس عبات سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اذان ثانی مسجد کے اندر منبر سے متصل ہوگی۔دوسرے وہابی صاحب نے اس مدعا پر لفظ قریبًا منه سے استدلال کیا ہے(کہ عبارت قہستانی میں اس اذان کے "منبر کے قریب ہونے "کی تصریح کی ہے) لیکن اس سے کیاحاصل۔"قریب"کے لفظ پر تو ہم بار بار روشنی ڈال چکے ہیں کہ یہ اپنے معنی میں کس قدر وسعت رکھتا ہے۔اوراسی شخص نے قہستانی کے لفظ جہتین مسامتین کی تفسیر کی کہ امام کی یمین ویسار کی دوجہتوں کے درمیان۔بھلاایسے جاہل مخاطبہ کے لائق بھی ہیں۔اور نام نہاد طالب علم صاحب نے تواور گل کھلایا

بغلة فزعم ان القهستانی ذکر قوله ای قریبًامنه بعد قوله عند المنبر وهذا افتراء منه علیه فلیس هنا فی کلام القهستانی لفظة "عندالمنبر" اصلًاولا لفظة "ای"ولو کان لم یکن فیه مایقر عینه فلا القرب ینکر ولا فی جوف المسجد یحصر کما تبین مرارًاواما الجاهلان فقتحما خوض بحر اغرقهما فقال احدهما ان وتر المثلث عرض المنبر وقدعلمت رده ان المراد بالمنبر الامام اومابین کتفیه یستحیل ان یراد وترا وقال الاٰخر فی تفسیر کلام القهستانی یخرج خطان عن یمین الامام ویساره حتی یلتقیا علٰی زاویة قائمة اوحادة اومنفجرة فیقوم المؤذن فی هٰذه الزاویة ویؤذن قال وکان عرض منبررسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم	کہ شطرنج کی بساط پر خچر دوڑادیا۔آپ فرماتے ہیں کہ قہستانی نے لفظ قریبًا منہ کو لفظ عند المنبر کے بعد رکھا، حالانکہ یہاں قہستانی کے پورے کلام میں عند المنبر کا لفظ کہیں نہیں۔تو یہ طالب علم قہستانی پر افتراء کررہے ہیں، وہ افتراء بھی بے مزہ، کیونکہ قہستانی کی اصل عبارت میں یہ لفظ ہوتا تب بھی ان کی تسلی کا کوئی سامان نہ تھا کہ ہم کو قریب منبر ہونے سے کب انکار ہے، ہمارا تو کہنا یہ ہے کہ قریب بہت وسیع المعنٰی لفظ ہے، اس لئے قریب ہونے کیلئے اذان کا مسجد میں ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ باربار واضح ہوچکا اوران دو جاہل صاحبان نے (ریاضی کے) سمندر میں غوطہ لگایا جو خود انہیں کو لے ڈوبا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مثلث کا وتر منبر کی چوڑائی ہے، جبکہ ہم یہ طے کرآئے ہیں علماء کی تحریروں میں منبر کے لفظ سے بھی امام اور اس کے دونوں مونڈھوں کا بیچ مراد ہے۔اور یہ بھی ظاہر کرآئے ہیں کہ اس جگہ کا مذکورہ مثلث کا وتر ہونا محل ہے۔اور دوسرے جاہل صاحب کا خیال ہے کہ قہستانی کے بقول دونوں خط امام کے دائیں بائیں سے نکل کر زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ پر ملیں گے، اور موذن اسی زاویہ پر کھڑے ہو کر اذان دے گا، اس نے کہا چونکہ حضور کے عہد مبارک میں آپ کے منبر کی چوڑائی دوہاتھ کی تھی، اور آدمی کا قدم

ذراعین وقدم الانسان شبرورب ع شبرٍ فان اخذ المثلث متساوی الاضلاع تحدث زاویۃ حادۃ وکون الفصل ذراعین الا قلیلاًوفی القائمۃ اقل منہ وفی المنفرجۃ اقل من الاقل والحادۃ وان امکن اخرجھا خارج باب المسجد لکن یسقط ھذا الاحتمال قید ان یوذن المؤذن قائماً فی زاویۃ لان الباب ان بعدار بعین ذراعاًوالوتر کما تقدم ذراعان فالزاویۃ الحادثۃ خارج الباب تکون ضیقۃ جدا لاتسع عودا دقیقاً فضلا عن الانسان مع انا مقصود القھستانی ان تمکن الزوایا الثلاث ثمہ ولا امکان ھناك لغیر الحادۃاھ۔	سوابالشت کا ہوتا ہے اور وہاں مثلث متساوی الاضلاع بنایا جائے توزاویہ حادہ پیدا ہوگااور فاصلہ دوہاتھ سے ذرا کم ہوگا،اور قائمہ میں اسے کم،اور منفرجہ میں کم سے بھی کم۔اورزاویہ حادہ مسجد سے باہر بھی فرض کیاجاسکتاہے لیکن اس احتمال کو قہستانی کی یہ عبارت ساقط کردیتی ہے کہ موذن زاویہ کے اندر کھڑے ہو کراذان دے کیونکہ دروازہ مسجد اگر منبر سے چالیس ہاتھ کی دوری پر ہو۔اور مثلث کا وتر وہی دو ہاتھ کا ہوتو اس وتر پر چالیس ہاتھ کی دوری پر جوزاویہ حادہ پیدا ہوگا وہ بیحد تنگ ہوگا،وہاں ایک باریک لکڑی کی بھی گنجائش نہ ہوگی چہ جائیکہ انسان کی،حالانکہ قہستانی کا مقصد تو یہ ہے کہ وہاں تینوں زاویے پیدا ہوں اور اس صورت مذکورہ بالامیں باب مسجد پر سوائے حادہ کے اور کسی زاویہ کاامکان ہی نہیں۔
ھذیانہ المتعلق بالمبحث الھندسی وقد علمت انہ جھل منہ وسوء فھم۔	میری گزارش یہ ہے کہ یہ ریاضی کی بحث تو کیا ہوگی یہ تو ہذیان ہے جو جہل اور سوءِ فہمی کی پیداوار ہے۔
فاولاً:لم یخرج القھستانی خطی المقام عن کتفی الامام بل عن خطی الجھتین کمامرّ۔	**اولاً**: قہستانی نے مقام مؤذن کے خطوط کو امام کے دونوں مونڈھوں سے نکلنے کی بات نہیں کی بلکہ وہ تو جہتین کے دونوں خطوط سے نکلتی ہیں مونڈھوں سے نہیں۔جیسا کہ ہم واضح کرآئے۔

وثانیًا: لو اخرج من کتفیه استحال قیام المؤذن فی قائمة او منفرجة کما علمت۔	**ثانیًا:** اور اگر امام کے دونوں مونڈھوں سے خط نکالا جائے تو ان پیدا ہونے والے زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں موذن کا قیام نا ممکن ہے، جیسا کہ واضح کیا جاچکا ہے۔
وثالثًا: جری علٰی لسانه بعض الحق من حیث لا یدری ان الملحظ ھٰھنا یمین الامام، ثم عاد الی الباطل الصرف فجعل عرض المنبر مطمح النظر وقد علمت بطلانه۔	**ثالثًا:** اس جاہل کے منہ سے غفلت میں ایک سچی بات نکل گئی کہ لحاظ یہیں امام کے دائیں بائیں پلٹا تو اس نے منبر کی چوڑائی کو مطمح نظر بنایا حالانکہ اوسکا بطلان بھی ظاہر ہوچکا ہے۔
ورابعًا: تخصیصه الحادة بالمثلث المتساوی الاضلاع من ضیق العطن ولم یقدر علٰی تعیین قدر العمود فقال ذراعین الا قلیلًا والعلم ان نسبة الی ذرعین کنسبت ناحه نرماالط بد الی المرفوع ولو علم لقال فی القائمة ذراع او اقل ثم لایجب ان یکون الفصل فی المنفرجة اقل منه فی القائمة بل ربما یکون اکثر بکثیر مثلًا:	**رابعًا:** زاویہ حادہ کی مثلث متساوی الاضلاع کے ساتھ تخصیص بھی از خود نطاق میں تنگی پیدا کرنا ہے (کہ زاویہ حادہ کچھ متساوی الاضلاع کے ساتھ ہی خاص نہیں) یہ جاہل عمود کی مقدار بھی متعین نہ کرسکا۔ اس کو اندازہ سے بیان کیا کہ دو ذراع سے ذرا کم، حالانکہ عمود کی نسبت ذراعین کی طرف، مرفوع کی طرف ناحہ نرماالط بد کی نسبت کی طرح ہے۔ اگر وہ جانتا تو کہتا کہ عمود ایک ذراع یا اس سے کم ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ زاویہ منفرجہ میں زاویہ اور وتر کا فصل قائمہ سے کم ہو، حالانکہ بسا اوقات منفرجہ کا فاصلہ قائمہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:



ادرنا علیٰ ا ب القوس واقمنا علی نصفه ح عمود ح ء واخذنا ثمن ح ء فی الطرفین ح ہ ء ر ووصلنا ا ر ب ر فکانت ا ر ب منفرجة عمودها ح ر ورسمنا من ہ، ہ ح موازی ح ب وصلنا ا ح ب ح فکانت ا ح ب قائمة نزلنا منها عمود ح ط فکان مساویا لح ہ بحکم لد من اولیٰ الاصول وهو سبع ح ر بالفرض فکانت فصل المنفرجة سبعة امثال فصل القائمة ویمکن ان یکون الف ضعف والف الف ضعف کما لایخفی۔

خط اب پر ہم نے ایک قوس بنائی، اوراب کے نصف پر ہم نے ایک عمود ج ء قائم کیا، اور ہم نے عمود کی دونوں کناروں سے عمود کا ثمن ج ہ اور ء ر ممتاز کیا، اورل ر ب ر کو ہم نے خطوط سے ملادیا، تو ایک مثلث منفرج الزاویہ پیدا ہوا (کہ زاویہ کا راس قوس سے نیچے ہے) جس کا عمود ح ر ہے، پھر ح ب کے مقابل ہم نے ایک خط ہ ح کھینچا اور ہم نے اح ب ح کو بذریعہ خطوط ملادیا۔ یہ ایک مثلث بن گیا جس کا زاویہ ح قائمہ ہے، کیونکہ اس زاویہ کے راس پر قوس واقع ہے) اب ہم اس زاویہ قائمہ سے ایک عمود ح ط نازل کرتے ہیں تو یہ عمود مقالہ اولیٰ کی ۳۴ویں شکل کی روسے ح ہ کے برابر اس مقدار کو ہم ح ر کا ۱/۷ فرض کرآئے ہیں، تو یہاں منفرجہ کا فاصلہ زاویہ قائمہ اوراس کے وتر کے فاصلہ سے سات گنا بڑھ گیا ہے اور ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا بھی تفاوت ہو سکتا ہے تو یہ کہنا کہ منفرجہ کا وتر سے فاصلہ بنسبت قائمہ کے کم ہوگا مطلقاً صحیح نہیں ہوا۔ پس جب تینوں زاویوں کا حال یکساں ہے پھر حادہ کی تخصیص کیسی؟

خامسًا: من جهله الاشد حسبانه ان الزاویة القائمة او المنفرجة عند ملتقی خطیها تسع انسانا بخلاف الحادة الذی ذکر ولم یدران التقاء الخطین علٰی نقطة لاتتجزّٰی ولا سعة هناك لحبة خردل ولا لعشر عشیر معشارها مالم یبلغ الجوهر الفرد۔

وسادسًا: ر سم له قائمة ساقاها قدر شعیرة اونصفها مثل هذا امیج بنائی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

وقل له قم فی زاویة اب ج هذه بحیث تسعك ولا یبقٰی شیئ منك خارجها فان قال لااستطیع فقد کذب نفسه لانه کانت تسعه حادة المثلث المتساوی الاضلاع عند المنبر، وهذه اکبر منها بقدر نصفها لانها قائمة والقوائم کلها متساویة فکیف لاتسعك اکبرت او تخلخلت ام تکاثفت القائمة وضاقت حتی صارت اصغر من اصغر منها وحینئذ یصیر جهله

خامسًا: اس جاہل کا یہ گمان انتہائی جاہلانہ ہے کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو انسان کی گنجائش ہو سکتی ہے، مگر زاویہ حادۃ علی باب المسجد میں گنجائش نہیں ہوگی، اور یہ نہ سمجھ سکے کہ دو[۲] خطوں کا نقطہ اتصال تو جزء لایتجزی ہوتا ہے جہاں رائی کے ہزارویں حصہ کی بھی گنجائش نہیں تانکہ وہ جو ہر فرد نہ ہو جائے۔

سادسًا: اس جاہل نے کہا کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو آدمی کا کھڑا ہونا ممکن ہے زاویہ حادہ میں نہیں۔ تو انہیں سمجھانے کے لئے ایک مثلث بنایا جائے جس کی دونوں ساقیں جو یا نصف جو کے برابر ہوں اس طرح

امیج بنائی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

اور ان سے کہا جائے کہ یہ ایک زاویہ قائمہ ہے آپ اس میں یوں کھڑے ہو کر دکھایئے کہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ اس سے باہر نہ ہو تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر نہ ہو تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر ہے تو انہوں نے اپنی کہی ہوئی بات جھٹلائی کہ زاویہ قائمہ میں انسان سما سکتا ہے کہ وہ کہہ آئے ہیں کہ منبر کے پاس مثلث متساوی الاضلاع کے زاویہ حادہ میں آدمی سما سکتا ہے اور یہ زاویہ قائمہ اس حادہ سے دوگنا بڑا ہے کہ یہ زاویہ قائمہ ہے اور سارے ہی زاویے قائمے برابر ہوتے ہیں، تو وہاں تو حادہ میں وہ وسعت اور یہاں قائمہ تنگ پڑ گیا، پس یا تو آپ ہی بھاری بھر کم ہوگئے یا آپ میں تخلخل ہوگیا، یا قائمہ ہی تنگ و

بمرأی عینیه فیعترف به اضطرار التجربة علٰی نفسہٖ ومشاهدته جهارًا ولاحول ولا قوة الاباللہ العلی العظیم۔	متکاثف ہو گیا یہاں تک کہ اپنے سے چھوٹے سے بھی چھوٹا ہو گیا تب انہیں اپنی جہالت مشاہدہ میں آئیگی، اور خود بذاتہ علٰی رؤس الاشہاد تجربہ کرکے اعتراف کریں گے۔
وسابعًا: وزعمه ان لامکان هناك لغیر الحادة شهادة منه بجهله الشدید مبنی علی زعمه الطرید۔ ان الوتر عرض المنبر وقدعلمت مازهر الحق به فظهر و الحمدللہ العلی الاکبرولیکن هذا اٰخر الکلام وقد اتینا بحمداللہ تعالٰی علی جمیع ما ابد وامن الاوهام ولم نترك الاما یستنکف الهذیان ان شه به، وقد تکلف بالردعلی قضها وقضیضها رسائل اولادی و اصحابی فی هٰذه المسألة مثل "اذان من اللہ" و"وقایة اهل السنة" و"سلامة اللہ لاهل السنة" و"نفی العار" و "سیف القهار" و"تعبیرخواب" و"حق نما فیصله" و "اللطمات والاسواط" الٰی غیرذٰلك ماتافت عشرًا ولم تبق لاحدعزرًا والحمدللہ فی الاولٰی والاخرٰی فالمرجو من سادتنا واخوتنا العلماء الکرام ادام اللہ بهم نفع الاسلام ان ینظروا بعین الانصاف ویسمحوا برفع الخلاف ویظهروا الحق	**سابعًا:** اور ان کا یہ زعم کہ دروازہ پر زاویہ قائمہ اور منفرجہ متحقق نہیں ہوگا، اور بڑی جہالت ہے جس کا مبنٰی منبر کو وتر مثلث قرار دینا ہے، ورنہ ہم خوب ظاہر کرچکے ہیں کہ یہ تینوں زاویے خارج الباب کیسے پیدا ہو سکتے ہیں، اور یہ ہماری آخری بات ہے جو ان کے تمام اوہام کے ازالہ پر حاوی ہے۔ ان اوہام کی بات الگ ہے جس سے ہذیان بھی شرمائے۔ ویسے ان کی ہر چھوٹی بری کتھا کا رد میری اولاد اور میرے احباب کے رسائل میں ہے جیسے اذان من اللہ، وقایہ اہلسنت، سلامۃ اللہ لاہل السنۃ، نفی العار، سیف القہار، تعبیر خواب، حق نما فیصلہ واللطمات والاسواط وغیرہ جن کی تعداد دس تک پہنچتی ہے، اللہ تعالٰی کے لئے ابتداء اور اسی کیلئے انتہاء میں حمد ہے۔ ہمارے سرداروں اوران علمائے کرام سے (جن سے اللہ تعالٰی نے ہمیشہ نفع پہنچایا) امید ہے کہہ ہماری اس تحریر کا انصاف سے مطالعہ کریں اور رفع خلاف میں کوشش کریں اور حق تعالٰی کیلئے حق کا اظہار کریں۔ بزرگ وبرتر رب العالمین کے لئے حمد ہے، اور افضل درود اور مکمل سلام اس کے حبیب سید المرسلین خاتم النبیین اوران کے آل واصحاب عظام پر ہو

لاجل الحق تعالٰی الحق وجل الحق۔والحمدالله رب العالمین وافضل الصلوات واکمل السلام علی سید المرسلین خاتم البنیین وٰاله الکریم وصحبه العظام وابنه الکرام وحزبه اجمعین عددکل ذرۃ ذرۃ الف الف مرۃ فی کل اٰن وحین الی ابدالاٰبدین استراح القلم واستنار الحق ان شاء الکریم الاکرم لعشرخلون من شوال المکرم ۱۳۳۳ھ من الهجرۃ القدسیة علی صاحبها الکریم واٰله الکرام اکرم الصلٰوۃ والتحیۃ اٰمین۔ والحمدلله رب العالمین سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العٰلمین۔ قال بفمه ورقمه بقلمه احدکلاب باب عبدالقادر احمد رضا المحمدی السنی الحنفی البریلوی غفرالله له وحقق له امله واصلح عمله بجاہ المصطفٰی واهله صلی الله تعالٰی و بارك وسلم علیه وعلیهم ابدًاقدر حسنه وجماله وجودہ ونواله وافضاله اٰمین،والحمدلله رب العٰلمین۔	ان کے صاحبزادے اوران کی تمام جماعت پر ہو۔ہر ذرہ کے بدلے ہزار ہزار بار ہرآن وہر گھڑی ابدالآباد تک۔۱۰ شوال ۱۳۳۳ھ (صاحب ہجرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بزرگ تحیۃ اورسلام ہو) کو قلم نے آرام پایا اور حق روشن ہوا اللہ تعالٰی کیلئے حمد اور پاک پروردگار کے لیے پاکی ہے اس سے جو اسکے بارے میں وہ کہتے رہتے ہیں اورسلام ہے پیغمبروں پر، اوراسی کے لئے حمد ہے جو رب العالمین ہے۔اپنی زبان سے کہا،اپنے قلم سے لکھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دروازے کے کتے احمد رضا محمدی سنی حنفی بریلوی نے۔اللہ تعالٰی اس کو بخشے اس کی امیدیں پوری کرے اوراس کے اہل کو صلاح وفلاح دے حضور نبی اکرم کے عمل مقبول کے طفیل ان پر اوران کے آل واصحاب پر برکت وسلام اتارے،اپنے حسن وجمال اورجودونوال اورانعامات وکرامات کے حساب سے۔آمین!

اضافات افاضات

اعلم ان العبد الفقیر کان ختم الکتاب بحول الوھاب بما فیه غنیة لاولی الالباب، ثم کتابة فی الاخریات کشفت عن وجھھا النقاب وقد انطوٰی کتابنا. وللّٰه الحمد علی مایقضی علیھا بالتباب غیر ان زیادة خیر خیر للاحباب والتصریح احسن من التلویح لعامة الطلاب فاحببت اضافة افاضات تجلی الصواب وما توفیقی الا باللّٰه علیه توکلت والیه ماٰب۔ **نفحه۲۲:** متقاص فی اللداد والعناد وشیمة الحساد بقی صامتا الٰی ان تمت الردود علٰی	جاننا چاہئے کہ میں بندہ محتاج اپنی کتاب ختم کرچکا تھا جس میں سمجھداروں کے لئے بے نیازی تھی کہ ایک تحریر نے اخیر میں اپنے چہرہ سے نقاب الٹی، اور الحمدللہ ہماری کتاب میں وہ سب باتیں جمع ہیں جو اس تحریر کو سوخت کرسکتی ہیں لیکن احباب کے لئے بھلائی کی زیادتی بھلی ہے، اور عام طالب علموں کے لئے تصریح تلویح (اشارہ وکنایہ) سے بہتر ہے۔ میں نے ایسے افاضات کے اضافہ کو پسند کیا جو حق کو ظاہر کریں۔ میری توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، میرا بھروسا اسی پر ہے، اور میرا لوٹنا اسی کی طرف ہے۔ **نفحہ ۲۲:** خصومت وعناد اور خصلت وحساد میں انتہاء کو پہنچا ہوا، رد کے تمام ہونے پر خاموش رہا۔ اور پورے رد پر غور وخوض کرکے

كل مردود فنظر جميع ذٰلك وحاول ان يستخرج له مضرجا من كل تلك المهالك فوسوس اليه وسواسه ان يفزع الٰى عرف عوام يخترعه مخالفا للغة و الشرع واصطلاح الاصول جميعا ليردبه جميع ما سردنا من نصوص القرآن المجيد والحديث الحميد واقاويل ائمة التفسير وشروح الحديث وكبراء اللغة وعظماء الاصول فی تحقيق معانی "بين يديه" و "عند"۔ فزعم ان كل ذٰلك بمعزل عما هو فيه فان كلامنا فی العرف العام وفيه بين يديه وعند كلاهما للقرب وليس فيه القرب الا لذٰلك الوجه لمخصوص الذی يوجب التصاق الاذان بالمنبر۔ فتوهم بهٰذا النافذ قد خرج وشرد عن كل ماورد فان ما فی القراٰن و الحديث والتفسير والشروح كل ذٰلك معنی شرعی و ما فی كتب الاصول عرف خاص علمی والكلام فی العرب العام ولم يدر ان هٰذه حيلة هدمت كل ما بنی وضربت علٰی راس نفسها فقضت عليها بالفناء۔

فاوّلا استندت بقول الراغب فانما كتابه فی لغة العرب

اس کے مہلکات سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا رہا، تو اس کے شیطان نے یہ وسولہ ڈالا کہ لغت، شرع، اصطلاح اصول سب کے خلاف عرف عام کی پناہ لے۔ اور اسی ایک حربہ سے قرآن و حدیث واقاویل ائمۂ تفسیر وشروح حدیث اور ائمہ لغت و اصول نے جو کچھ بھی لفظ بین یدیہ اور ند کی تحقیق میں کہا ہے سب سے چھٹکارا حاصل کرے کہ ہمارا کلام تو عرف عام ہے، اور عرف عام میں بین یدیہ اور عند دونوں کے معنی "قریب" کے ہیں۔ اور قریب بھی وہ جو ہم کہہ رہے ہیں، جس سے اذان منبر کے نزدیک اور متصل ہو۔ اور سوچا کہ اس سوراخ میں داخل ہو کر ان الفاظ کے سلسلہ میں تمام ارشادات سے نجات مل جائے گی جو قرآن وحدیث اور تفسیر میں وارد ہوئے ہیں کہ وہ سب عند اور بین یدیہ کے معنی شرعی کو بتاتے ہیں اور لغات معنی لغوی کا اظہار کرتے ہیں۔ کتب اصول معنی اصطلاحی بیان کرتی ہیں، اور یہاں تو بحث عرف عام میں ہے اور یہ سمجھ نہ سکا کہ اس کی اس ایک حیلہ سازی نے اس کو ساری عمارت ہی ڈھادی اور کاتا کوتا کپاس کردیا۔

اوّلاً: آپ نے امام راغب اصفہانی کے قول سے استدلال کیا۔ ان کی کتاب

اوالمحاورات الکریمة القراٰنیة وقدعزلتهما معاً وقوله یقال ویستعمل[1] لایخرجه عن لغة العرب الی العرف الجدیدوان اخرج عندك فقد قال فی التاج" یقال بین یدیك لکل شیئ امامك[2]۔" وفی الرضی" وان عندیستعمل فی القریب والبعید[3]۔" **وثانیًا**:مافزعك الی الکشاف والمدارك اولیسامن التفاسیروانا ذکر اماذکر اشرحاللمحاورة القراٰنیة و هی عندك بمعزل عن الاستنادوقولهما"حقیقة قولهم[4]"والضمیرفیه للعرب والعرب لاتتکلم الا بلغتهاواللغة	تولغت عرب اور محاورات قرآن میں ہے،اورآپ نے ان دونوں کو چھوڑ کر عرف عوام کی پناہ لی (پھر آپ نے اپنے نئے عرف کے لئے ان کی کتاب سے کیسے استدلال کیا) امام راغب کا یہ قول کہ لفظ اس معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔اس لفظ کو لغت عرب سے نکال کر عرف جدید تھوڑا ہی بنادے گا۔ اور اگر آپ کو یہی اصرار ہے کہ استعمال کا مطلب جدید ہے، توتاج العروس اور رضی نحوی کے بارے میں کیا کہیں گے،وہ بھی توکہتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی "ہر وہ شے جو تمہارے سامنے ہو" (تاج) اور عند قریب اور بعید دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے (رضی)۔ **ثانیًا**:آپ نے انکشاف اور مدارک کی پناہ کیسے ڈھونڈی، کیا یہ تفاسیر میں سے نہیں،ان دونوں نے جو کچھ کہا ہے محاورۂ قرآن کی شرح ہے،اورآپ قران عظیم کے محاورہ کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔زمخشری یا امام نسفی نے اپنی تفسیروں میں جو فرمایا "**حقیقة قولهم**" (ان کے قول کی حقیقت) تو "ان" سے مراد عرب ہی ہیں،اور عرب کی

[1] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون لفظ"عند"نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۵۵۳

[2] تاج العروس فصل الباء من باب الواؤوالیاء تحت اللفظ"ید"داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/۴۱۹

[3] الرضی فی شرح الکافیة الظروف منها لدی ولدن دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۱۲۳

[4] مدارك التنزیل(تفسیرالنسفی)تحت الآیة ۴۹/۱ دارالکتاب العربی بیروت ۴/۱۶۵،تفسیرالکشاف تحت الآیة ۴۹/۱ دارالکتاب العربی بیروت ۴/۱۹ و۳۵۰

لاتثبت الا بکلامهافهما متلازمان وفی الاصل ولا امکان لادعاء النقل الابحجة وبرهان فصل کیف وان النقل خلاف الاصل۔ **وثالثًا:** کذٰلك القراٰن العظیم انما نزل بلسنان عربی مبین قال تعالٰی "اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا"[1] وقال تعالٰی "اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴿۲۳﴾"[2]۔ فمافیه الا کانوا یتحرونه فیما بینهم غیر ماثبت فیه النقل الشرعی فثبوت معنی فی القرآن ادل دلیل واجله علی محاورة العرب، اللّٰهم الان یثبت النقل الشرعی ودون ثبوته خرط القتادواوادعاؤہ جزافًا امر عظیم فی الفساد، قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح والبحرفی البحروالشامی فی ردالمحتار: "الخطاب	بول چال تو لغت عرب ہے (توپھر آپ لغت سے کیسے استدلال کرتے ہیں آپ تو عرف عام کے دعویدار ہیں) قصہ اصل یہ ہے کہ آپ کے عوام کا عرف بین یدیہ اور عند میں آگرچہ ہوگا تو معنی منقول، اور چونکہ نقل خالف اصل ہوتا ہے تو اس کے لئے بھی آپ کو دلیل لاناپڑے گی، وہ کہاں سے لائیں گے؟ **ثالثًا:** یونہی قرآن عظیم عربی مبین میں نازل ہوا، اس پاک کلام میں ہے "ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا" اور "یہ بیشک حق اور تمہارے ہی کلام کی طرح ہے۔" تو قرآن کریم میں عرب کے ہی محاورے ہوں گے۔ عربیوں کے محاوروں کے خلاف اگر کچھ ہو تو اس کے لئے نقل شرعی کا ثبوت درکار ہے۔ تو قرآن میں کوئی لفظ کسی معنی میں بولا جانا یہ ہاس بات کی سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ اس لفظ کے محاورۂ عرب میں یہ معنی ہیں، اور معنی شرعی کے لئے نقل کا ثبوت ضروری ہے۔ اور مسئلہ بین یدہ میں اس کا ثبوت محال، اور خالی دعوی لایعنی بڑ ہے۔ حضرت محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور صاحب بحر نے بحرالرائق میں، اور علامہ شامی نے رد المحتار میں فرمایا: "قرآن کا

[1] القرآن الکریم ۴۳/۳
[2] القرآن الکریم ۵۱/۲۳

انما باللغة العربیة ما لم یثبت نقل کلفظ الصلٰوۃ ونحوہ فیصیر منقولاً شرعیًا[1] اھ "وقال بحر العلوم فی فواتح الرحموت دعوی النقل دعوی علی اللہ تعالٰی فلابد لاثباتھا من قاطع و لیس ھٰھنا امارۃ ظنیۃ فضلا عن القاطع فلایلیق بحال مسلم ان یجترأ علی اللہ بما لم یعلم[2]۔	خطاب لغت عرب میں ہی ہے جب تک کہ نقل سے ثابت نہ ہو جیسے لفظ صلٰوۃ وغیرہ۔ ثبوت نقل کے بعد البتہ یہ منقول شرعی ہو جائے گا۔" حضرت مولانا عبدالعلی بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں: " نقل کا دعوی اللہ تعالٰی پر ایک دعوی ہے تو اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ضروری ہے اور فیما نحن فیہ علامت ظنی بھی نہیں چہ جائیکہ قطعی ہو تو مسلمان کیلئے یہ درست نہیں کہ بے جانے اللہ تعالٰی پر یہ جرات کرے۔" (توآپ جو یہ فرماتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی متصل منبر ہونا ہے۔ نہ محاورہ قرآنی ہے نہ حدیث کی بول چال ہے، نہ لغت واصول میں ہے۔ یہ تو عرف عوام ہے۔ بے ثبوت آپ کا یہ عرف عام پیدا کہاں سے ہوگا؟)
ورابعًا: کل کلام انما یحمل علی عرف التکلم کما نصوا علیہ فی غیر ما مقام وسیدنا ساءب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنھما من اھل اللسان ولایتکلم الاعلٰی عرفھم ولم یکن لہ اصطلاح خاص علی خلاف العرف العام وقد اطلق "بین یدیہ" علی اذان کان	**رابعًا:** ہر کلام میں متکلم کے محاور اور عرف عام کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ حضرت ساءب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اہل عرب اور صاحب لسان عرب ہیں۔ آپ کا کلام بھی عربی بول چال اور عربی محاورہ میں ہی ہوگا۔ عرف کے خلاف ان کی کوئی خاص اصطلاح نہ ہوگی۔ انہوں نے " بین یدیہ "کا لفظ مسجد کے دروازہ پر اذان کیلئے استعمال کیا، اور اسی معنی پر ہم نے

[1] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۷

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ فی ان الحقیقۃ الشرعیہ لاتحتاج الی قرینہ ۱/۲۲۳

علی باب المسجد وکذٰلك بينا فی "عند" عدۃ محاورات عامۃ لاینکرھا الاکابر فادعاء ان العرف العام خاص اللفظ بمایزعمونه جھل بالعرف اوفریۃ علیه۔	لفظ عند کے بھی کئی محاورے نقل کئے جس کا انکار ہٹ دھرمی ہے۔اس کے بعد یہ دعوی کرنا کہ عرف عام نے ان لفظوں کو بالکل پاس کے معنی میں خاص کیا ہے، یا تو جہالت ہے یا افتراء پردازی۔
وخامسًا:یاللعجب زعم ذاك امدعی فی ردکلمات ائمۃ الاصول المتواترہ المتظافرۃ علٰی ان عند للحضرۃ بقوله ان کل ذٰلك لغو لایجدی شیئًا انما النظر الی الحقیقۃ العرفیۃ وکل سمع باسم اصول الفقه یعلم ان مایذکرفیه اصول للفقه ولیس مصطلح الفقه مخالفًالما ذکر من معانی الالفاظ فی الاصول وانما البحث ھٰھنا عن لفظ"عند"الواقع فی کلام الفقہاء فان فرض ان ھناك عرفا جدیدا للعامۃ مخالفا لعرف الفقه والاصول لم یکن فیه ما یقرعینك فان کلام الفقہاء انما یحمل علٰی عرف الفقہاء انما دون العوام ولکن التعصب اذا تملك اھلك۔	**خامسًا**: علم اصول فقہ کا لفظ جو شخص سنے گا وہی یہ فیصلہ کرے گا کہ فن علم فقہ کے قواعد وضوابط اور مصطلحات کیلئے وضع ہے،اور یہ بھی یقین کرے گا کہ فقہاء اور علم اصول فقہ کی اصطلاحات میں کوئی اختلاف نہیں، جس لفظ کا جو معنٰی ائمہ اصول فقہ نے متعین کیا فقہاء کے نزدیک بھی وہ مسلم ہے۔ مسئلہ اذان ثانی میں فقہاء نے عند المنبر کا لفظ کتابوں میں استعمال کیا۔ائمہ اصول فقہ نے "عند" کے معنی "حضور" قرار دیے۔توظاہر ہے کہ فقہاء کے عرف میں بھی اس لفظ کے یہی معنٰی ہوں گے۔ بالفرض اس لفظ کے لئے کوئی دوسرا عرف بھی ہو اور اس نے کوئی اور معنٰی قرار دیے ہوں۔ تب بھی یہاں ضرورت تو فقہاء کے عرف کی ہے یہاں یہ لفظ انہیں کے کلام میں استعمال ہوا ہے، کسی دوسرے عرف سے کیا سروکار۔دوسرا عرف تو یہاں کے لئے بالکل بیکار ہے لیکن یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ مدعی کسی ڈھٹائی سے ائمہ اصول فقہ کی تصریحات سن کر کہتا ہے کہ یہ سب فضول ہے

	یہاں تو عرف عوام کی ضرورت ہے۔ بھلا کلامِ فقہاء میں عرف عوام کی کیا ضرورت! سچ یہ ہے کہ تعصب آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔
سادسًا: ماذا یقول المعاند فی قول العلامۃ خیر الدین الرملی رحمہ اللہ تعالٰی فی فتاواہ "فی رجل حلف بالطلاق الثلاث انہ لایشتی عند زوجتہ فی البلد فشتی فی جامعھا لایقع علیھا الطلاق لان الشرط کون التشتیۃ فی البلد عندھا ولم یوجد وعند للحضرۃ الا ان ینوی ذٰلک واللہ تعالٰی تعالٰی اعلم [1] اھ" بالالتقاط فھٰذہ مسئلۃ الحلف انما مبنی الحلف علی العرف وقد افصح فیہ ان عند للحضرۃ فظھر ان ما ذکر ائمۃ الاصول ھو العرف، وبالجملۃ فالحق ان لا خلف ھٰھنا بین اللغۃ ولسان الشرع والاصول و الفقہ والعرف کل ذٰلک متوارد علی ماذکرنا من معانی بین یدی وعند ولیس ھنا نقل ولا اشتراک و لا تجوز بل معنی مطلق منتخب علٰی مصادیقہ یتعین	**سادسًا:** آخر یہ معاند اس کا کیا جواب دیں گے کہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میری بیوی کو تین طلاقیں اگر میں جاڑے میں اس شہر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہوں۔ اور اس نے اس شہر کی جامع مسجد یں جاڑا گزارا، تو اس عورت پر طلاق نہ پڑے گی کیونکہ شرط جاڑے میں شہر میں بیوی کے ساتھ رہنے کی تھی، اور وہ نہیں پائی گئی۔ اور عند کا لفظ حضور کے لئے ہے بان ھذا البلد سے اس کی نیت جامع مسجد کی بھی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔ مسائل حلف کی نا عرف پر ہے۔ اور امام رملی نے صاف بیان کر دیا کہ عند حضور کے لئے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عند کے بارے میں ائمہ اصول نے جو فرمایا وہ بھی معنی عرفی ہی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں لغوی معنی کا کوئی نائب نہیں۔ اور زبان شرع اور اصول وفقہ اور عرف سب لغوی معنی کے ہی موافق ہیں، جیسا کہ ہم نے بین یدیہ اور عند کے معنی

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۸و۳۹

بعضها فی الکلام بقرائن الکلام کما فصلناه وللّٰه الحمد۔

وسابعًا: لئن تنزلنا عن ھذا کله فالذی لجاء الیه الحلیة امران الاول بین یدیه وعند للقرب وقد استدله بالراغب وغیره وقدمنا انه غیر مستنکر ولا یفیده ولا یضرنا والاٰخر ان القرب فی العرف العام خاص بما یلصق المؤذن بالخطیب کما یزعمون وھذا ھو الذی فیه مرامه ولم یستندفیه بشیئ سوٰی شقسقة اللسان وقد تقدم من المحاورات مایکذبه فلم یرجع سعیه الٰی طائل۔

وثامنًا: تنزلنا عن ھذا ایضا فرضنا ان ثمه عرفا کما تدعی لکن ان کان ففی نفر مثلك من العوام فمالك لاتفرق بین عرف العوام والعرف العام لانه الکلام ھٰھنا فی عرف الفقهاء الکرام فھل عندك دلیل انھم یحصرون القرب فیما تزعم کلا بل کلامھم

میں بیان کیا ہے، وللّٰہ الحمد۔

سابعًا: اگران سب باتوں سے قطع نظر بھی کرلی جائے تو مذکورہ حیلہ کی ڈھال دو باتیں ہیں یہ کہ عند اور بین یدہ کے معنی "قریب" کے ہیں۔ اس کے ثبوت میں راغب وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے ہم کوانکار نہیں۔ لیکن وہ آپ کو مفید نہیں اورا سے ہمار نقصان نہیں۔ دوسری بات یہ کہ قرب عرف عام میں خطیب کے بالکل متصل ہونے کے لئے خاص ہے، اوریہی مدعیوں کا خاص مقصد ہے، لیکن اس مقصد پر دراز لسانیوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں دی۔ اور ہم نے ایسے بہت سے محاورات ذکر کر چکے ہیں جس سے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے تو یہ ساری دراز لسانیاں بے فائدہ۔

ثامنًا: اگراس سے بھی قطع نظر کرکے مان لیا جائے کہ یہاں حسب ادعائے مدعی کوئی عرف ہے تو عوام کے کسی گروہ کا ہوگاتوایک بات تو یہ ہے کہ مدعی یہاں عرف عوام اور عرف عام میں فرق نہیں کرتا۔ دوسری بات یہ کہ یہاں ضرورت تو فقہاء کرام کے عرف کی ہے (نہ کہ عرف عوام یا عرف عام کی) تو کیاآپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے ثابت ہو کہ فقہاء قرب کواسی خاص معنٰی

ناطق ببطلان ماتحکم ولنسرد علیك شیئا منه فستهدی الی الحق ان اراد الله والا فیستهدی غیرك ممن هدی الله۔	میں بولتے ہیں۔آپ کے اس دعوی کے بطلان پر بہت سے دلیلیں ہیں ان میں سے چند کو ہم بیان کرتے ہیں ممکن ہے آپ کو حق کی ہدایت ہو اور اگر مرضی الٰہی یہ نہ ہو تو کسی دوسرے کو ہی ہدایت ہو گی۔
فاقول: وبالله التوفیق لاشك ان القرب امر اضافی فاذا ذکر الحاشیتان والتفاصل بینهما فلا یمتری غیر مجنون ان القرب لاینتهی الی حد لا یتجاوزه مالم ینقطع العالم کله فکل بعید من شیئ مهما بعد اقرب الیه بالنسبة الٰی ماهو بعد منه کالکرسی اقرب الی الارض من العرش مع انه ابعد الاجسام من الفرش بعد العرش بحیث لایقدر بعده الا خالقه عزوجل ثم من علمه لکن ربما کون للشیئ بالنظر الٰی اٰخر حالة یطلق علیه بالنسبة الیه لفظ القریب مطلقا بدون لحاظ اضافته الٰی شیئ ثالث وله وجوه کثیرة مختلفة باختلاف المقام۔منها "قرب التناول" ان	**فاقول:** وبالله التوفیق (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں) بلاشبہ قرب ایک اضافی چیز ہے،تو جب دونوں حدوں کا ذکر کر دیا جائے تو پاگل ہی یہ خیال کرے گا کہ قرب اسی پر ختم ہے،اور اس سے متجاوز نہ ہوگا ورنہ جب تک کل عالم ختم نہ ہو جائے۔ہر اگلی منزل قریب ہو سکتی ہے کیونکہ کوئی چیز جو کسی چیز سے دور ہو۔جب ہم اس کو اس سے دور والی چیز کی نسبت سے دیکھیں گے،تو یہ قریب ہو جائے گی،جیسے کرسی زمین سے بہ نسبت عرش کے قریب ہے اور وہ بہ نسبت اجسام عرش کے بعد زمین سے سب سے زیادہ دور ہے،اتنا دور کہ اس کی دوری کا اندازہ اس کا پیدا کرنے والا ہی کر سکتا ہے یا وہ جسے اللہ تعالٰی بتائے۔لیکن بسا اوقات ایک چیز کو بہ نسبت دوسری چیز کے ایسی حالت ہوتی ہے جس پر لفظ قریب کا اطلاق ہوتا ہے،اور اس میں کسی تیسری چیز کی طرف اضافت کا لحاظ نہیں ہوتا۔اس قرب کی اختلاف مقام کے لحاظ سے مختلف کثیر قسمیں ہیں۔ان سے ایک قرب تناول ہے۔اس کا مطلب

یکون الشیئ منك بحیث تصل یدك الیه کقوله تعالٰی" فَرَاغَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍۙ(۲۶) فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ٘(۲۷)"[1]۔" ومنها"قرب السمع ان یبلغه صوتك۔ومنها قرب السیر"ان لایلحقك کبیر حرج فی الوصول الی۔فلو خص الفقهاء القرب لقرب التناول صلح کلامك وحصل مرامك لکنهم براء عنه قطعًا اکبر کلماتهم تراهم یطلقون القرب و یعنون به احدالوجوه الثلثة الاخیرة حتی تافت عباراتهم فی تفسیر القرب المطلق عشرًافیما یحضر فی الاٰن ولعل مالم اتذکرنحوها او اکثر۔ وبیان ذالك فی مسائل۔

یہ ہوتاہے کہ وہ شے ایسی جگہ ہے جہاں تمہارا ہاتھ پہنچ سکے۔جیسے اللہ تعالٰی فرماتاہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہل کی طرف گئے اورایک گرم بُھنا ہوا بچھڑا لائے اوراسے فرشتوں کے قریب کیا اوران سے کہا کیوں نہیں کھاتے ہو۔"اوران سے ہے "قرب سمع" جہاں تک آپ کی آواز پہنچ سکے اوران سے ہے "قرب سیر" یہ کہ وہاں تک پہنچنے میں آپ کو زیادہ حرج نہ لاحق ہو۔تو اگر فقہاء نے اپنے کلام میں قرب کو قرب تناول تک ہی خاص کیا ہوتاتو آپ کا کلام درست ہوا اورآپ کا مقصد حاصل ہوتا،لیکن "حضرت اس سے قطعی طور پر بری ہیں انکے بیشتر کلمات میں قرب کا لفظ بقیہ تین معنوں میں سے سی ایک کے لئے استعمال ہوا ہے۔فی الوقت قرب مطلق کی تفسیر میں فقہاء کی دس عبارتیں مجھے یاد ہیں(اورجو متحضر نہیں وہ بھی اس سے زائد ہوں گی)جن کا بیان مندرجہ ذیل مسائل میں ہے:

المسألة الاولٰی:اطبقوا ان الماء ان کان قریبًا لم یجز التیمم للمسافروان کان بعیدًا اجاز واختلفوا ان ای ماء یسمّٰی قریبا بالاتفاق علی ان المراد قرب

مسئلہ ۱:سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہوت ومسافر کر تیمّم جائز نہیں،اور دور ہوتو جائز ہے اورقرب وبعد مسافت میں اس کے باوجود اختلاف ہوا کہ قرب سے مراد سب کے نزدیک وہی مسافت ہے جو

[1] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۶۔۲۷

السیر والاجماع علی ان لیس المراد قرب التناول قال فی العنایۃ المنصوص علیہ کون الماء معدوما وھٰھنا معدوم حقیقۃ لکن نعلم بیقین ان عدمہ مع القدرۃ علیہ بلاحرج لیس بمجوز للتیمم والالجاز لمن سکن بشاطئ البحر وقد عدم الماء من بیتہ فعلنا الحد الفاصل بین البعد والقرب لحوق الحرج [1] اھ۔ وفی البنایۃ لیس لہ ان یتیمم اذا کان الماء قریبًا منہ [2] اھ وفیھا(م) "المیل ھو المختار فی المقدار" (ش) ای مقدار بعد الماء وجہ کونہ مختارًا ان المسافۃ القریبۃ جدا مانع من جواز التیمم والبعد یجوز لہ فقدر البعد بالمیل لالحاق الحرج الٰی وصول الماء، و عند محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرطہ ان یکون بینہ وبین المصر میلان وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لو ذھب الیہ وتوضأ تذھب	آسان ہو، مگر اس پر اجماع ہے قرب تناول مراد نہیں۔ صاحب عنایہ فرماتے ہیں: "یہ بات شرع میں منصوص ہے کہ تیمّم کے لئے پانی کا معدوم ہونا عذر ہے۔ اور صورت مسئولہ میں پانی حقیقۃً معدوم بھی ہے لیکن یہ بھی یقینا معلوم ہے کہ پانی نہ ہو مگر بآسانی دستیاب ہو جائے۔ تو یہ جواز تیمّم کے لئے عذر نہیں، ورنہ دریا کے کنارے گھر بنانے والے کے گھر میں پانی نہ ہو تو وہاں بھی وہ تیمّم کرنے لگے گا۔ اس لئے قرب وبُعد میں حد فاصل حرج کو قرار دیا گیا۔" بنایہ میں ہے کہ پانی قریب ہو تو آدمی کو تیمّم کی اجازت نہیں۔" اسی میں ہے "مقدار میں ایک میل کی مسافت معتبر ہے" یعنی پانی کی دوری کی مقدار میں اور اس مقدار کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی کا بہت قریب ہونا جواز تیمّم کو مانع ہے اور بعد سے تیمّم جائز ہوتا ہے۔ تو اس کی مقدار ایک میل مقرر کی گئی کہ اس سے زائد حد مقرر کرنے میں مکلّف کو پانی تک پہنچنے میں حرج لاحق ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسافر اور شہر کے درمیان دو میل کا فاصلہ شرط ہے۔ اور قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے یہاں دوری کی حد یہ ہے کہ پانی کی تلاش کیلئے

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الطہارۃ باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۰۸

[2] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الطہارۃ باب التیمم المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹

القافلة وتغيب عن بصره ويجوز التيمم وهذا احسن جدًا، وقيل اذا كان نائيًا عن بصره واختلفوا في النائي قيل قطع ميل، وعن محمد قطع ميلين وقيل فرسخ وقيل جواز قصر الصلٰوة، وقيل عدم سماع الاذان، وقيل عدم سماع اصوات الناس، وقيل لو نودي من اقصى المصر لايسمع، وفي البدائع ان ذهب اليه لاينقطع عنه جلبة البعير ويحس اصواتهم واصواب وراء فهو قريب، وقيل ان كان بحيث يسمع اصوات اهل الماء فهو قريب۔ قال قاضي خاں واكثر المشائخ عليه وكذا ذكره الكرخي واقرب الاقوال اعتبار الميل، فان قلت النص مطلق عن اشتراط المسافة فلايجوز تقييده بالرای قلت المسافة القريبة غير مانعة بالاجماع والبعيدة غير مانعة

آنے جانے میں قافلہ نگاہوں سے اوجھل ہوجائے تو تیمّم جائز ہوگااور یہ بہت عمدہ ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ کہ پانی نگاہوں سے دور ہو۔دوری کی تعیین میں پھر اختلاف ہوا، تو کسی نے ایک میل کہا، امام محمد نے دو میل فرمایا۔ایک قول ایک فرسنگ کا ہے۔اور کہا گیا کہ اتنی دور جس کے بعد نماقصر کی جاتی ہے۔ کسی نے کہا کہ جہاں تک اذان کی آواز نہ پہنچے۔ کسی نے کہا کہ اتنی کہ وہاں سے آبادی کا شور نہ سنائی دے اور کہا گیا کہ اتنی دور کہ شہر کے کنارے کھڑے ہو کر پکارا جائے تو مخاطب سن نہ سکے۔بدائع میں لکھا ہے: "اتنی دور کہ وہاں جانے پر قافلہ کا شور وغوغا سنتا رہے اور پیچھے والوں کی آواز بھی آتی رہی تو قریب ہے۔"ایک قول یہ بھی ہے کہ پانی کے پاس رہنے والوں کی آواز آتی رہے تو قریب ہے۔ قاضیخان نے فرمایا کہ اکثر مشائخ اسی کو مانتے ہیں۔ایسا ہی امام کرخی نے فرمایا۔ اور ہمارے نزدیک اقرب الاقوال ایک میل کااعتبار ہے۔اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیت قرآنی تومسافت کے اشتراط کے بارے میں مطلق ہے، اس کو رائے سے مقید کرنا کیسے جائز ہوگا، تو میں کہوں گاکہ قریب کامانع ہونا اور بعید کانہ مانع ہونا ایک اجماعی مسئلہ

بالاجماع فجعلنا الفاصل بينهما الميل[1] اهـ **المسألة الثانية**: فی التنویر لوکانت البئر اوالحوض او النهر فی ملك رجل فله ان یمنع مرید الشفة من الدخول فی ملکه اذاکان یجد ماء بقربه[2] (قال العلامة الشامی) قال العلامة المقدسی ولم ار تقدیر القرب وینبغی تقدیره بالمیل کما فی التیمم[3] اھ، و رأیتنی کتبت علیه اقول فیه تامل فان العطشان ربما یتضرر بذهابه میلاً ولا فی طلب الماء کذٰلك المحدث فینبغی احالة الامر علی حالته ولعلهم لذا ارسلوه ولم یقدروه۔ **المسألة الثالثة** : فی شهادات الدرالمختار یجب اداؤها بالطب بشروط سبعة مبسوطة فی البحر وغیره منها عدالة	ہے اس لئے حد فاصل ایک میل کو قرار دیا گیا اھ۔ **مسئلہ ۲**: تنویر الابصار میں ہے: "کنواں یا حوض یا نہر کسی آدمی کی ملک ہوں، اس سے قریب ہی کیوں اور پانی ہو تو کھانے، پینے، دھونے اور جانوروں کو پلانے والوں کو وہ اپنے کنویں وغیرہ سے روک سکتا ہے۔" علامہ شامی علامہ مقدسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "قرب کی مقدار کہیں نظر سے نہیں گزری تو تیمّم کی طرح یہاں بھی ایک میل کو ہی حد فاصل مقرر ہونا چاہئیے۔" میں نے شامی کی اس تحریر پر حاشیہ لکھا یہاں ایک میل کی مسافت میں تامل ہے کہ پیاسوں میں بسااوقات اتنی دور جانے کی تاب نہیں رہتی، اور محدث کا یہ حال نہیں، شاید اسی وجہ سے علماء نے کوئی مقدار متعین نہیں کی۔ اور مقدار کا معاملہ مبہم چھوڑدیا، تو ہر ضرورت منداپنی ضرورت کے حساب سے قرب وبعد کی مقدار مقرر کرے۔ **مسئلہ ۳**: درمختار کے باب الشہادات میں ہے: "مدعی کے طلب پر گواہ کو سات شرطوں کے ساتھ گواہی دینا واجب ہے جن کا ذکر بحر الرائق وغیرہ میں تفصیل سے ہے جس میں

---

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الطهارة باب التیمم المکتبة الامدادیة مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب احیاء الموات فصل الشرب مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۷

[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات فصل الشرب دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۸۳

القاضی وقرب مکانه [1] اھ.قال البحر ثم الشامی فان کان بعیدا بحیث لا یمکنه ام یغدوا الی القاضی لاداء الشهادة و یرجع الی اهله فی یومه ذلك قالوا لا یاثم لانه یلحقه الضرر بذلك و قال الله تعالٰی ولا یضار کاتب ولا شهید [2] اھ	ایک قاضی کی عدالت اور ادائے شہادت کی جگہ کا قریب ہونا ہے۔شامی اور بحر الرائق دونوں میں ہی تصریح ہے کہ "اگر قاضی دور ہو کہ دن بھر میں گواہی دے کر گواہ اپنے گھر واپس نہ پہنچ سکے تو گواہی دینا واجب نہیں کہ اتنی دور تک آنے جانے سے گواہ کو ضرر پہنچے گا،اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہیں دیا جائے گا۔" دیکھئے ان تینوں مثالوں میں قرب سے مراد قرب میسر ہے۔(قرب تناول مراد نہیں ہے۔)
المسألة الرابعة: فی الذخیرة ثم العالمگیریة اذا کان المدعی علیه خارج المصر انه علی وجهین الاول ان یکون قریبًا من المصر فیعدیه بمجرد الدعوی وان کان بعیدا لایعدیه والفاصل بین القریب والبعید انه اذا کان بحیث لو ابتکر من اهله امکنه ان یحضر مجلس الحکم ویجیب خصمه ویبیت فی منزله فهٰذا قریب وان کان یحتاج الٰی ان یبیت	**مسئلہ ۴:** ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے جب مدعا علیہ شہر سے باہر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں،اگر وہ شہر کے قریب ہے تو قاضی مجرد دعوی کی بنا پر اس کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم بھیجے گا اور اگر وہ دور ہے تو ایسا نہیں کرے گا،قریب و بعید میں فرق یہ ہے کہ اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں وہ صبح اپنے گھر والوں سے نکلے تو مجلس قضا میں حاضر ہو کر اپنے خصم کو جواب دے کر واپس اپنے گھر والوں کو آکر رات گزارنا ممکن ہو تو قریب شمار ہوگا اور اگر رات کہیں راستے میں گزارنا پڑے تو بعید شمار ہوگا۔ذخیرہ میں یونہی

[1] الدر المختار کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الشهادة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

فی الطریق فھٰذا بعید [1] ۔ کذا فی الذخیرۃ ملتقطًا۔	ہے (التقاط)
المسألة الخامسة: قال امامنا الثانی ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنه فی کتاب الخراج: ثم حمل الاموال (ای الضحاك بن عبدالرحمن الاشعری) علی قدر قربھا وبعدھا فجعل علی کل مائة جریب زرع مما قرب دینارًا، وعلی کل الف اصل مما بعد دینارًا (ومثله ذکر الفرق بین القریب والبعید من الزیتون) وکان غایة البعد عندہ مسیرۃ الیوم والیومین واکثر من ذلك وما دون الیوم فھو فی القرب وحملت الشام علی مثل ذلك وحملت الموصل علی مثل ذٰلك [2] (فھٰذہ کلھا قرب السیر)	**مسئلہ ۵**: ہمارے امام ثانی امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الخراج میں فرمایا: پھر اس (ضحاک بن عبدالرحمٰن اشعری) نے اموال کو ان کے قرب وبعد کی مقدار پر محمول کیا، چنانچہ قریبی کھیتی کے ہر سو جریب پر ایک دینار، قریبی باغ کے انگوروں کی ہر ہزار بیلوں پر ایک دینار، اور دوری کی صورت میں ہر دو ہزار بیلوں پر ایک دینار مقرر فرمایا (اور اسی طرح زیتون میں بھی قریب وبعید کے فرق کو ذکر کیا) اور بُعد کی حد ایک یا دو یا زیادہ دنوں کی مسافت ہے، جو اس سے کم تر ہو وہ قریب ہے۔ شام اور موصل بھی اسی پر محمول ہیں۔
المسألة السادسة: فی مختار الفتاوٰی ثم الھندیة ان کان فی کرم أو ضیعة یکتفی باذان	**مسئلہ ۶**: مختار الفتاوٰی پھر ہندیہ میں ہے: اگر کوئی شخص اپنی جائداد یا باغ میں ہے، تو اس کے لئے اپنی بستی یا شہر کی اذان کافی

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الادب القاضی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۵ و ۳۳۶

[2] کتاب الخراج فصل فی ارض الشام والجزیرۃ دار المعرفة بیروت ص ۴۱

القریۃ اوالبلدۃ ان کان قریبا والافلا .وحدالقریب ان یبلغ الاذان الیہ منھا[1]۔	ہے بشرطیکہ قریب ہو ورنہ کافی نہ ہوگی اور قریب ہونے کی حد یہ ہے کہ وہاں سے اذان کی آواز اس تک پہنچ سکتی ہو۔
المسألۃ السابعۃ: قال المحقق فی الفتح یحرم فی الخطبۃ الکلام و ان کان امرًا بمعروف اوتسبیحًا او الاکل والشرب والکتابۃ(الٰی ان قال)ھذا کلہ اذا کان قریبًا بحث یسمع فان کان بعیدًا بحیث لایسمع اختلف المتأخرون فیہ فمحمد بن مسلمۃ اختار السکوت ونصیر بن یحیٰی اختار القراءۃ[2] الخ۔	**مسئلہ ۷:** محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا: خطبہ کی حالت میں کلام منع ہے گو امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو، یونہی تسبیح یا کھانا پینا اور کتابت سبھی منع ہے (الٰی ان قال) یہ احکام اس وقت ہیں کہ مقتدی امام کے اتنا قریب ہو کہ امام کی آواز سن رہا ہو، اور اگر دور ہو کہ امام کی آواز نہیں سن رہا تو متاخرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، حضرت محمد ابن مسلمہ سکوت پسند کرتے ہیں اور نصیر الدین یحیٰی قراءت پسند کرتے ہیں۔
المسألۃ الثامنۃ: فی الھندیۃ من تکبیرات العیدین عن المحیط عن محمد یری تکبیر ابن مسعود فکبر الامام غیر ذٰلک اتبع الامام الا اذا کبر الامام تکبیرًا لم یکبرہ احد من الفقھاء[3] اھ(ثم نقل عن البدائع) لکن ھذا اذا کان بقرب الامام	**مسئلہ ۸:** عالمگیری کے باب تکبیرات عیدین میں ہے کہ "امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نماز عید میں تکبیرات زوائد کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو پسند کرتے تھے (یعنی چھ زائد تکبیریں) امام اگر اس کے علاوہ اتنی تکبیریں کہے جو کسی فقیہ کا مذہب نہ ہو تو مقتدی امام کی پیروی نہ کرے۔" پھر بدائع سے نقل کیا" یہ اس وقت ہے جب

---

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الصلٰوۃ الباب الثانی فی الاذان نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴

[2] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۸۔۳۷

[3] الفتاوی الھندیۃ کتاب الصلٰوۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۱

يسمع الكبيرات منه فاما اذاكان يبعد منه يسمع من المكبرين ياتى بجميع مايسمع وان خرج من اقاويل الصحابة رضى الله تعالٰى عنهم لجوازان الغلط من المكبرين فلو ترك شيئامنها ربما كان المتروك ما اتى به الامام [1]۔	مقتدی امام کے قریب ہو کہ خود اس کے آواز سن رہا ہو، اور اتنی دور ہو کہ خود اس کی نہ سنتا ہو، بلکہ مکبّروں سے سن کر ادا کرتا ہو تو جتنی سنے سب ہی ادا کرے اگرچہ وہ اقوال صحابہ سے بھی باہر ہو، کیونکہ غلطی کا امکان مکبّروں کی طرف سے بھی ہے، و کچھ تکبیریں چھوڑنے میں خطرہ یہ ہے کہ کہیں امام کی کہی ہوئی تکبیریں ہی نہ چھوٹ گئی ہوں۔"
المسألة التاسعة: فى جمعة البحرالرائق ذكر فى المضمر اتقال الشيخ الاجل الامام حسام الدين تجب علٰى اهل المواضع القريبة الى البلدالتى هى توابع العمران الذين يسمعون الاذان على المنارة باعلى الصوت [2]۔	**مسئلہ ۹:** بحر الرائق کے باب الجمعہ میں ہے: "مضمرات میں ذکر کیا کہ شیخ امام اجل حسام الدین نے فرمایا کہ جمعہ شہر سے قریب والے مواضع کے باشندوں پر واجب ہے جو اتنے قریب ہوں کہ منارہ پر بلند آواز سے اذان کہی جائے تو سنیں۔"
المسألة العاشرة: فى تنوير الابصار لانقتل من امنه حرًا اوحرة لو فاسقا بشرط سماعهم ذٰلك من المسلين فلاامان لوكان بالبعد منهم [3]۔	**مسئلہ ۱۰:** تنویر الابصار میں ہے: "جس کافر کو کسی مسلمان آزاد مرد یا عورت نے امن دے دیا گو امن دینے والے فاسق ہی کیوں نہ ہوں اس کا قتل منع ہے اس شرط کے ساتھ کہ امن دینے والوں کی آواز انہوں نے خود سنی ہو، تو دور والوں کو امن نہیں ملے گا۔"

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الصلوٰة الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۱

[2] بحر الرائق کتاب الصلوٰة باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۴۱

[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الجهاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۱

المسألة الحادية عشرة: وفی شرح الدرروفی الدر المختار اذا احیٰی مسلم اوذمی ارضًاغیر منتفع بھا و لیست بمملوکة لمسلم ولا ذمی وھی بعیدة من القریة اذا صاح من باقصٰی العامر (وھو جھوری الصوت، بزازیة)لایسمع بھا صوته ملکھا[1] الخ۔ و فی الکفایة من الذخیرة الفاصل بین القریب والبعید مروی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی یقوم رجل جھوری الصورت من اقصٰی العمرانات علی مکان عال وینادی باعلٰی صوته فای لموضع الذی لایسمع فیه یکون بعیدًا[2]۔ **المسالة الثانية عشرة**: وفی الدر المختار لوجد قتیلا فی الشارع الاعظم والسجن والجامع لاقسامة و الدیة علی بیت المال ان کان نائیًا ای بعیدا عن المحلات والایکن نائیا بل قریبا منھا فعلی اقرب المحلات الیه[3] (قال الشامی قوله قریبا منھا) الظاھر ان	**مسئلہ ۱۱**: شرح درراور درمختار میں ہے: "کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی بنجر زمین آباد کی اور وہ کسی کی ملک نہ ہو، نہ مسلمان کی نہ ذمی کی۔ اور یہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ کنارہ آبادی سے پکارا جائے اور پکارنے والا بلند آواز ہو، بزازیہ تو آواز سننے میں نہ آئے، تو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہوگا۔" اور کفایہ میں ذخیرہ سے مروی ہے: "قریب وبعید کے درمیان حد فاصل حضرت قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ایک بلند آواز آدمی آبادی کے انتہائی سرے سے کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر پوری طاقت سے پکارے اور آواز وہاں نہ پہنچے تو وہ بعید ہے۔" **مسئلہ ۱۲**: درمختار میں ہے: "اگر کوئی مقتول شارع عام میں، قید خانہ میں اور مسجد جامع میں پایا گیا تو اس کا تاوان کسی پر نہیں ہے البتہ اُس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ یہ جب ہے کہ وہ جگہیں محلوں سے بعید ہوں۔ اور اگر قریب ہوں تو جو محلّہ وہاں سے سب سے قریب ہو اس پر تاوان ہے۔" امام شافعی نے فرمایا کہ "ظاہر

[1] الدر المختار کتاب احیاء الموت مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۵

[2] الکفایة مع فتح القدیر کتاب احیاء الموت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/۲

[3] الدر المختار کتاب الدیات باب القسامة مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۲

المعتبر فیه سماع الصوت[1]۔	یہی ہے کہ یہاں قرب سے مراد آواز سننے کا قرب ہے۔"
المسألة الثالثة عشرة: فی الهداية وان وجد فی برية ليس بقربها عمارة فهو هدر وتفسير القرب ماذكرنا من استماع الصوت[2]۔ فهٰذه كلها قرب السمع۔	**مسئلہ ۱۳**: ہدایہ میں ہے: اور اگر ویرانہ میں مقتول پایا گیا جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون ضائع ہے۔ اور "قریب" کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ وہاں سے آواز سنی جارہی ہو۔" یہ سب مثالیں قرب سماع کی ہیں۔
المسألة الرابعة عشرة: ماقدمنا عـــه	**مسئلہ ۱۴**: نفحہ ثانیہ عودیہ میں ہم ذکر

عـــه: وفی الهندية من الفتاوی الكبرٰی وهی المسئلة الخامسة عشرة جری بينه وبين امرأته تشاجر من قبل اخته فقال لها ان سبت اختی بين يدی فانت طالق ثلثا ثم دخل الزوج عليها وهی تشاجر مع اخته وتسبها فسمع الزوج ان سبتها وهی تراه طلقت لانها سبتها بين يديه[3] كذا فی الفتاوی الكبرٰی۔

ہندیہ میں بحوالہ فتاوٰی کبرٰی وارد ہے، اور یہ پندرھواں مسئلہ ہے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان خاوند کی بہن کے بارے میں جھگڑا واقع ہوا تو خاوند نے کہا اگر تو نے میرے سامنے میری بہن کو گالی دی تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ پھر خاوند اپنی بیوی کے ہاں آیا اور انحالیکہ وہ اس کی بہن کے ساتھ جھگڑا کررہی تھی اور اسے گالیاں دے رہی تھی جنہیں خاوند نے سنا۔ اگر گالی دیتے وقت بیوی خاوند کی طرف دیکھ رہی تھی تو طلاق واقع ہوگئی کیونکہ اس نے خاوند کے سامنے اس کی بہن کو گالی دی۔ فتاوٰی کبرٰی میں یونہی ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الدیات باب القسامة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۰۷

[2] الهداية کتاب الدیات باب القسامة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۶۳۸

[3] الفتاوی الهندية کتاب الطلاق الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۳

فی النفحۃ الثانیۃ العودیۃ عن الجوھرۃ النیرۃ ھذا اذا کان الحافظ قریبًا منہ ای بحیث یراہ اما اذا بعد بحیث لایراہ فلیس بحافظ[1]۔ فھذا قرب البصر ھذہ مصادیق القرب المطلق فی عرف الفقھاء الکرام فان کان الرسم لدیکم ان خطیبکم یاکل المؤذن او مؤذنکم یبتلع المنبر فنعم لابدمن قرب التناول والافما المعین لہ والحامل علیہ نسأل اللہ اراءۃ الحق والھدایۃ الیہ اٰمین۔	کرآئے ہیں کہ جوہرہ نیرہ میں ہے: "یہ حکم تب ہے کہ نگراں اس سے اتنی قریب ہو کہ اسے دیکھ رہا ہوا اور اتنی دور ہو کہ نہ دیکھے تو وہ حافظ اور نگراں ہی نہیں۔" یہ قرب بصر کی مثال ہے اور فقہاء کرام کے عرف میں یہ سارے مصادیق قرب مطلق کے ہیں، تو اگر آپ کے وہاں یہ رسم ہو کہ خطیب موذن کو کھاتا ہو یا مؤذن منبر کو نگلتا ہو تو ضرور یہاں قرب سے قرب تناول امر و ہوگا، ورنہ یہاں قرب تناول کو متعین کرنے اور اس پر برانگیختہ کرنے والی کیا چیز ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے حق وہدایت کے طالب ہیں۔
وتاسعًا قداعترف الرجل ان فی العرف لعندفی کل محل حد علیحدۃ للقرب بقرینۃ القیام فکان علیہ ان یثبت بالدلیل ان قضیۃ مقام الاذان فی القرب عن الامام الحد الفلانی، لکنہ ادعی وقنع بالادعاء اللسانی ولو کفت الدعوی للثبوت لقام بالبرھان کل مبھوت، فمالك تقر ولا تقر وتمیل الی الحق ثم تفر۔	**تاسعًا:** یہ شخص اعتراف کرچکا ہے کہ عند ہر مقام پر قرینہ کے لحاظ سے علٰحدہ علٰحدہ قرب کے لئے ہے۔ تو اس کو دلیل سے یہ ثابت کرنا چاہئیے تھا کہ مسئلہ مقام اذان میں امام سے قرب کی یہ حد ہے لیکن اس نے ایک دعوی کیا اور ثبوت کے لئے اسی دعوی کا کافی سمجھا۔ اگر ثبوت کے لئے صرف دعوی کافی ہوتا تو ہر مبھوت دلیل والا ہوتا لیکن ان کا عجیب شیوہ ہے کہ اقرار کرکے انکار کرتے ہیں اور حق کی طرف مائل ہو کر اسی سے گریز بھی کرتے ہیں۔
وعاشرًا: وقال اللہ	**عاشرًا:** اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

[1] الجوھرۃ النیرۃ کتاب السرقۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۶۱

عزوجل"وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ"[1] ولکل شیئ قسطاس وقسطاس الکلام له کفتان، الشرع والعقل، فمن رزق حظًامنهما لایحمله الا علی مایوفقهما، اما الجاهل فلابیده میزان ولا هو یعرف الاوزان فاذا امره مر یفترض علیه طاعته ان قم فصل رکعتین فلاتتأخر لمحة، فلعله یقول امر نی بالصلٰوة بغیر وضوء اذل وذهبت اسکب الماء ثم توضأت ثم الی محل الصلٰوة رجعت لفات الفور وقدنبأنی ان لا تأخر لحظة۔

ولوحلف زید والله لایسکن هذه الدار فتاهب من فوره للخروج وجعل ینقل المتاع ولم یقصر ومکث فی هذا یومًامثلاً، یظن الجاهل انه قد حنث لانه لم ینقل یومًالکن العالم یعلم ان قدر الوضوء مستثنٰی فی الاول شرعا وقدر ماتیسر له فیه النقل مستثنی فی الثانی عقلافلاینتفی بهما الفور، فی الخانیة ثم الهندیة رجل حلف لایسکن هٰذه الدار

"درست میزان سے تولو۔"اور میزان ومعیار تو ہر چیز کے لئے ہے۔ چنانچہ زبان کے ترازو کے دو پلڑے ہیں: شرع اور عقل تو جسے ان دونوں سے حصہ ملا ہے وہ ہر بات کو اسی کے موافق محمول کرے گا۔ اور جاہل کے ہاتھ میں نہ میزان ہے نہ وہ اوزان کو جانتا ہے۔ تو جب اس سے کوئی اس کا زبردست حاکم کہے کہ اٹھو اور ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر نماز پڑھو تو وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ مجھے تو فی الفور نماز پڑھنے کا بغیر وضو کے حکم ہے اگر میں وضو کرنے کے لئے پانی بہاؤں پھر محل نماز کی طرف لوٹوں تو تاخیر ہوجائیگی حالانکہ مجھے ایک لمحہ بھی تاخیر کی اجازت نہیں۔

یونہی اگر زید نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔ اور فوراً ہی نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔ سامان منتقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اسی میں ایک دن لگ گیا، تو جاہل گمان کرے گا کہ زید تو حانث ہوگیا کہ قسم کے بعد بھی ایک دن اسی گھر میں رہا۔ لیکن عالم خوب جانے گا کہ پہلی صورت میں وضو کرنے کی مقدار شرعًا مستثنٰی ہے، اور دوسری صورت میں آسانی سے سامان جتنی دیر میں منتقل ہوسکے عقلاً مستثنٰی ہے تو اس دیر سے فوراً میں خلل نہیں پڑے گا۔ خانیہ اور ہندیہ میں ہے: "جس شخص نے

[1] القرآن الکریم ۱۷/۳۵

فخرج بنفسه واشتغل بطلب داراخرى لينقل اليها الاهل والمتاع فلم يجد دارًا اخرى ايامًا ويمكنه ان يضع المتع خارج الدار لايكون حانثا، وكذالو خرج واشتغل بطلب دابة لينقل عليها المتاع فلم يجد اوكانت اليمين فى جوف الليل ولم يمكنه الخروج حتى الصبح اوكانت الامتعة كثيرة فخرج وهو ينقل الامتعة بنفسه ويمكنه ان يستكرى الدواب فلم يستكر لايحنث فى جميع ذٰلك، هذا اذا نقل الامتعة بنفسه كما ينقل الناس فان نقل لا كماينقل الناس يكون حانثا[1] اھ۔ وكذٰلك اذ جلس عالم يفيد ويلقى الدرس او المسائل والناس جلوس صفوفاحتى الباب فجاء احد من الطلبة اوسائل المسائل فعاقته هيبة المجلس عن الاقتراب بهم وجعل يستمع من بعد	قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا، تو وہ خود گھر سے باہر ہوگیا، اور منتقل ہونے کے لئے دوسرا گھر تلاش کرنے لگا جو چند دن نہ مل سکا۔ اہل وعیال اور اسباب اسی گھر میں رہے۔ اور ایسا ممکن تھا کہ اس مکان سے وہ اسباب باہر نکال لے مگر نہیں نکالا، تب بھی حانث نہیں ہوگا، یونہی سواری کی تلاش میں چند روز کی تاخیر ہوئی جس پر سامان لاد کرلے جائے، یا قسم رات میں کھائی، اور رات کی وجہ سے صبح تک نکلنا ممکن نہ ہوسکا۔ یوں ہی سامان زیادہ تھا جسے وہ خود ہی اٹھا کر منتقل کرنے لگا اس میں تاخیر ہوئی وہ سواری کرسکتا تھا مگر سواری نہیں کی۔ ان سب صورتوں میں وہ شخص حانث نہ ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے از خود سامان اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو، معمولاً جیسا اٹھاتے ہیں ویسا ہی اٹھایا، ورنہ حانث ہوگا۔" ایسے ہی کوئی عالم افادہ و تعلیم یا درس مسائل کے لئے خطاب کررہا تھا اور سامعین دروازہ تک صف در صف بیٹھے ہوئے تھے، کوئی طالب علم یا سائل مسئلہ پوچھنے آیا اس کو مجلس کی ہیبت نے عالم کے قریب ہونے نہیں دیا، تو خود عالم نے اسے قریب ہونے کا حکم دیا،

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الایمان الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۷۵

فامرہ العالم ان یقترب اوامر السلطان بعض حواشیہ بالقرب،فالجاھل یقول القرب مطلق و المراد بہ فی العرف اقصی مایکون فیرکب اکتاف الناس ویتخطی رقابھم حتی یصل الی العالم و یجلس فی حجرہ ویطأفراش الملك ویطلع سریرہ الٰی ان یلزق جنبہ بجنبہ فیستحق التعذیر فی الدنیا والتعذیب فی الاٰخرۃ،والعیاذباللہ تعالٰی،والعاقل یعرف ان لیس المراد الا القرب السائغ شرعًاوعرفًا فالسائل لینتھی عندالباب دون مجلس العالم و الحاشیۃ یتقدم الٰی منتھٰی منصبہ والبواب الی الباب، والوزیر الٰی قرب السریر ثم یقف ویعلم ان الجاھل المستند بالعرف ھوالذی اخطأ العرف فان لمفھوم بالقرب المطلق ھو القدر القدرالسائغ دون تحدی الحد۔	یا بادشاہ نے اپنے بعض حاشیہ نشینوں کو اپنے نزدیک آنے کا حکم دیا، تو جاہل تو یہی کہے گا کہ مطلقًا قریب ہونے کا حکم ہے اور عرف میں اس سے انتہائی قرب مراد ہوتا ہے۔ تو وہ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوتے اور گردنیں پھلانگتے ہوئے عالم کی گود میں جابیٹھے گا،اور بادشاہ کے دربار میں فرش کو روندتا تخت پر چڑھ جائے گااور بادشاہ کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ جائے گا اور بادشاہ کی تعزیر اور آخرت کی تعذیب کا مستحق ہوگا۔ معاذاللہ اور عقلمند خوب سمجھے گا کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جس کی شرعًااور عرفًا گنجائش ہے،تو سائل دروازہ کے پاس مجلس عالم سے پرے اور بادشاہ کا حاشیہ نشین اپنے منصب تک، دربان دروازے تک اور وزیر تخت کے قریب کھڑا ہو جائے گا، اور پتا چل جائے گا کہ عرف کے ساتھ دلیل پکڑنے والے جاہل نے عرف کے سمجھنے میں غلطی کی،اس لئے کہ مطلقًا قرب کا مطلب وہ مقدار ہے جہاں تک بڑھنے کی گنجائش ہو،نہ کہ تمام حدود کو پھلانگنے کا نام ہے۔
وبالجملۃ الطباق الشرع والعقل والعرف جمیعًاان الشیئ یذکر مرسلا ولایراد الاعلٰی ماعرف منشروطہ وقیودہ وادابہ ومن یقطع النظر عن کل ذٰلك مقتصرًا علی القدر الملفوظ فاسم المجنون اخف القابہ قال الامام الزیلعی فی ذبائح التبیین	خلاصہ کلام یہ کہ لفظ مطلقًا بولا جاتا ہے اور عقل و شرع اور عرف سب اس پر متفق ہیں کہ مراد تمام شروط وقیود وآداب کو ملحوظ رکھنے والا مقام ہوتا ہے۔اور جو ان سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لفظ کو دیکھے گاتو ایسے آدمی کا سب سے ہلکا لقب پاگل ہوتا ہے۔امام زیلعی تبیین الحقائق کی کتاب الذبائح میں فرماتے ہیں

الشیئ اذاعرف شروطہ وذکر مطلقًاینصرف الیھا کقول اللہ تعالٰی اقم الصلٰوۃ ای بشروطھا[1] اھ۔

واذاعرفت ھذا فلئن فرضنا فرض باطل ان الفقہاء اذا اطلقوا القرب ارادوبہ اقصٰی مایکون من القرب لم یکن فیہ الا مایسخن عین السفیہ فانہ لایرادالا اقصٰی قرب سائغ شرعا۔وقد عرف من الشریعۃ المطھرۃ کراھۃ الاذان فی المسجد فمنتھی قرب المؤذن علٰی حدودالمسجد ثم فی الحد ایضا استماع و اقرب مواضعہ من المنبرماکان علٰی محاذاتہ لانا اذا خرجنا من المنبر خطوطًا الٰی اسفل المسجد کان الخط الذاھب علی استقامۃ سمتہ وترالحادۃ وسائرھن اوتار القائمۃ فان قام المؤذن فی احد الطرفین کان بعیدا عن المنبر وان قام بحذائہ کان قریبًامنہ بحیث لااقرب فوقہ فکان ھذا معنی قولھم عندالمنبروھو

"کہ کسی شے کے شرائط معروف ہوں اوراسے مطلق بولا جائے توانہیں شرائط کے ساتھ ملحوظ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ نماز قائم کرو، تواس کا مطلب یہ ہے کہ نماز" کو شرائط کے ساتھ قائم کرو۔"

جب صورت حال یہ ہے تومان لو کہ فقہاء نے قریب المنبر کہہ کر انتہائی قرب مراد لیا لیکن اس پر نادانوں کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہونا چاہئیے، کیونکہ اس انتہائی قرب سے مراد بھی وہی قرب ہوگا جس کی شریعت میں گنجائش ہو،اور شرع مقدس کا یہ حکم شائع اور ذائع ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے،ایسی صورت میں قرب کی انتہا حدود مسجد تک ہوگی،اوراس حد میں بھی سماعت کی گنجائش ہے کہ منبر سے سب سے قریب وہ مقام ہوگا جواس کے ٹھیک مقابل ہواس لئے کہ جب ہم منبر سے مسجد کی نچلی طرف خطوط کھینچیں توجو خط سیدھا اس کی طرف جائے وہ حادہ کا وتر ہوگا۔اوربقیہ خطوط قائمہ کے وتر ہوں گے۔تو مؤذن اگرادھر اُدھر کے خطوط پر کھڑا ہوگا تومنبر سے دور ہوگا کہ اس سے زیادہ قرب ممکن نہیں، تو فقہاء کے قول قریبًامنہ کے یہ معنی ہوئے کہ قریب ہونے کی جو انتہائی

[1] تبیین الحقائق کتاب الذبائح دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/۴۶۵

اقصٰی مایسوغ لہ من القرب فوضح الحق۔ وللہ الحمد وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین افضل صلٰوۃ المسلمین واکمل سلام المسلمین والحمدللہ رب العالمین۔	گنجائش نکل سکتی ہے، وہاں کھڑا ہو، تو حق ظاہر ہو گیا۔ اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے اور ہمارے سردار سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوران کے آل وجمیع اصحاب پر پڑھنے والوں کا بہترین درودوسلام ہو۔آخری دعایہ ہے کہ حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

رسالہ

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

ختم ہوا

فضائل ومناقب

مسئلہ ۴: بعض اردو کتابوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا حیض ونفاس سے مبرا منزہ تھیں، یہ سچ ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ حدیث میں آیا ہے:

ان ابنتی فاطمۃ حوراء اٰدمیۃ لمیحض ولم تطمث [1]	بیشک میری صاحبزادی بتول زہرا انسانی شکل میں حوروں کی طرح حیض ونفاس سے پاک ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵: از بنگلور جامع مسجد سید شاہ مرسلہ قاضی عبدالغفار صاحب مورخہ ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے "قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ [2]" (میرا یہ

[1] کنز العمال برمز خط عن ابن عباس حدیث ۳۴۲۲۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۱۰۹

[2] بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار ذکر تعظیم الاولیاء لہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۸

قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ت) فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کی تفصیل قرآن واحادیث سے منصوص نہیں ایسے ماوراء متقدمین ومتاخرین سے ان کو فضیلت ہے۔اور حضرت شیخ احمد سرہندی کے آخر مکتوبات میں ہے کہ مجدد نائب مناب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے ہیں اصل منبع فیوض حضرت غوث الثقلین ہیں[1]۔

پس اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث الاعظم ان سب اولیاء سے افضل اوران کے بعد خواجہ خواجگان بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ وحضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ سب کے سب حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نائب ہیں تو یہ عقیدہ بخیال صوفیہ جائز ہے یا جائز نہیں؟

الجواب:

عقیدہ وہ چیز ہے جس کا اعتقاد ومدار سنیت اور اس کا انکار بلکہ اس میں تردد گمراہی وضلالت، اس قسم کے امور ان مسائل سے نہیں ہوتے، ہاں وہ مسلک جو ہمارے نزدیک محقق ہے اور بشادت اولیاء وشہادت سید ناخضر علیہ الصلٰوۃ والسلام وبمرویات اکابر ائمہ کرام ثابت ہے یہ ہی ہے کہ باستثناء انکے جن کی افضیلت منصوص ہے جیسے جملہ صحابہ کرم وبعض اکابر تابعین عظام کہ "وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ" [2] (اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے۔ت) ہیں، اور اپنے ان القاب سے ممتاز ہیں ولہٰذا اولیاء وصوفیہ ومشائخ ان الفاظ سے ان کی طرف ذہن نہیں جاتا اگرچہ وہ خود سرداران اولیاء ہیں، وہ کہ ان الفاظ سے مفہوم ہوئے ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں ہوں جیسے سائر اولیائے عشرہ کہ احیائے موتٰی فرماتے تھے، خواہ حضور سے متقدم ہوں جیسے حضرت معروف کرخی وبایزید بسطامی وسید الطائفہ جنید وابوبکر شبلی وابو سعید خراز، اگرچہ وہ خود حضور کے مشائخ ہیں، اور جو حضور کے بعد ہیں جیسے حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند وحضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی وحضرت سیدنا بہاؤالملۃ والدین نقشبند اوان اکابر کے خلفاء ومشائخ وغیرہم قدس اللہ اسرارھم وافاض علینا برکتھم وانوارھم (اللہ تعالٰی انکے اسرار کو مقدس بنائے اوران کی برکات وانوار ہمیں عطافرمائے۔ت) حضور سرکار غوثیت مدار بلااستثنا ان سب سے اعلٰی واکمل وافضل ہیں، اور حضور کے بعد جتنے اکابر ہوئے اور تازمانہ سیدنا امام مہدی ہوں گے کسی سلسلہ کے ہوں یا سلسلہ سے جدا افراد ہوں غوث، قطب، امامین، اوتاد اربعہ، مبدلائے سبعہ، ابدال سبعین، نقبا، نجبا، ہر دورہ کے عظماء، کبرا سب حضور

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۲۳ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/۲۴

[2] القرآن الکریم ۹/۱۰۰

سے مستفیض اور حضور کے فیض سے کامل و مکمل ہیں ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پر تو آں ہر کجا مینگری انجمنے ساختہ اند

(اس گھر میں ایک ہی چراغ ہے اس کی روشنی کے سے جہاں کہیں تو دیکھے انجمن بنائے ہوئے ہیں۔ت) ؎

یہ چشتی نقشبندی، سہروردی ہر اک تیری طرف آئل ہے یاغوث [1]

ملائک کے بشر کے جن کے حلقے تیری ضوماہ ہر منزل ہے یاغوث

بخارا و عراق و چشت و اجمیر تیری لو شمع ہر محفل ہے یاغوث [2]

شجر سروسہی کس کے اُگائے تیرے معرفت پھول سہی کسی کا کھلایا تیرا

تو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار لائی ہے فصل سمن گوندھ کے سہرا تیرا

نہیں کس چاند کی منزل میں تیرا جلوۂ نور نہیں کس آئینہ کے گھر میں اجالا تیرا

مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

کس گلستاں کو نہیں فصل بہاری سے نیاز کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا

راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا [3]

یہ ضرور ہے کہ ہر شخص اپنی سرکار کی بڑائی چاہتا ہے مگر من و تو زید و عمرو کے چاہے کچھ نہیں ہوتا، چاہنا اس کا ہے جس کے ہاتھ میزان فضل ہے، غلبۂ شوق اور چیز ہے اور ثبوت دلائل اور۔ ہم جو کہتے ہیں خود نہیں کہتے بلکہ اکابر کا ارشاد ہے اجلۂ اعاظم کا جس پر اعتماد ہے، ایک تو خود حضور والا کا وہ فرمان واجب الاذعان کہ **قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ** [4] (میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ت)

---

[1] حدائق بخشش وصل سوم مکتبہ رضویہ کراچی ۲/۱۰

[2] حدائق بخشش وصل اول فضائل سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ۲/۸

[3] حدائق بخشش وصل سوم در حسن معافرت سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱/۷

[4] بہجۃ الاسرار و معدن الانوار ذکر اخبار المشائخ عنہ بذلك مصطفٰی البابی مصر ص ۴

کہ حضور والا سے متواتر ہوا اور اکابر اولیاء نے بحکم الٰہی اسے قبول کیا اور قدمِ اقدس اپنی گردنوں پر لیا، نیز ارشاد اقدس:

الانس لھم مشائخ والجن لھم مشائخ والملئکة لھم مشائخ وانا شیخ الکل لاتقیسونی باحد ولا تقیسوا علیّ احدًا۔ رواہ الامام الاوحد ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی نور الملة والدین ابوالحسن قدس سرہٗ فی بھجة الاسرار قال اخبرنا ابو علی الحسن بن نجم الدین الحورانی قال اخبرنا الشیخ العارف ابو محمد علی بن ادریس الیعقوبی قال سمعت الشیخ عبدالقادر[1] رضی اللہ تعالٰی عنہ فذکرہ۔	آدمیوں کیلئے شیخ ہیں اور جن کیلئے شیخ ہیں اور فرشتوں کیلئے شیخ ہیں اور میں ان سب کا شیخ ہوں، مجھے کسی پر نہ قیاس کرنہ کسی کو مجھ پر قیاس کرو (اس کو روایت کیا امام یکتا ابوالحسن علی بن یوسف بن حریر لخمی شطنوفی نور الملۃ والدین قدس سرہٗ نے بہجۃ الاسرار میں، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو علی حسن بن نجم الدین حورانی نے، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی شیخ عارف ابو محمد علی بن ادریس یعقوبی نے، انہوں نے کہا میں نے شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا (آگے وہی حدیث ذکر کی)۔ ت)

حضور کے زمانہ اقدس کے دو ولی جلیل حضرت سید ابوالسعود بن احمد بن ابی بکر حریمی و حضرت سیدی ابو عمرو عثمٰن الصریفینی قدس اللہ سرھما فرماتے ہیں:

واللہ مااظھر اللہ تعالٰی ولایضھر الی الوجود مثل الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ رواہ ایضًا فی بھجة الاسرار[2]۔	خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے کوئی ولی ظاہر کیا نہ ظاہر کرے مثل شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے۔ (اس کو بھی بہجۃ الاسرار میں روایت کیا ہے۔ ت)

سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام فرماتے ہیں:

مااوصل اللہ تعالٰی ولیا الٰی مقام الا وکان الشیخ عبد القادر اعلاہ	اللہ سبحانہ وتعالٰی نے جس ولی کو کسی مقام تک پہنچایا شیخ عبد القادر اس سے اعلٰی رہے،

---

[1] بھجة الاسرار ومعدن الانوار ذکر کلمات اخبر بھا عن نفسه محدثا بنعمة رب مصطفی البابی مصر ص ۲۳، ۲۲

[2] بھجة الاسرار ومعدن الانوار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ من عجائب احواله الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

ولاوهب الله المقرب حالاالاوكان الشيخ عبدالقادر اجله وما اتخذ الله وليا كان اويكون الاوهومتأدب معه الى يوم القيمة۔رواه ايضاًفي بهجة الاسرار[1] عن الشيخ القدرة جمال الدين بن ابی محمد بن عبد البصری رضی اللہ تعالٰی عنه سيدنا الخضر عليه الصلوٰة والسلام مشافة بلاوسطة۔والله تعالٰی اعلم۔	اور جس مقرب کو کوئی حال عطا کیا شیخ عبدالقادر اس سے بالا رہے،اللہ کے جتنے اولیا ہوئے اور جتنے ہوں گے قیامت تک سب شیخ عبدالقادر کا ادب کرتے ہیں۔(اس کو بھی بہجۃ الاسرار میں شیخ مقتدا جمال الدین بن ابو محمد بن عبدالبصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے اس کو سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام سے بالمشافہ بلاواسطہ روایت فرمایا۔واللہ تعالٰی اعلم۔)

مسئلہ ۶ تا ۱۰: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ان مسائل میں کہ:

(۱) جناب باری عزّاسمہٗ کے کتنے نام ہیں اور شہنشاہ جہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کتنے؟

(۲) سورہ فاتحہ وسورہ اخلاص میں صرف خدا ہی کی تعریف ہے یا رسول کی بھی؟

(۳) جو بزرگ عالم حیات میں اپنے معتقدوں کو تعلیم فرماتے ہیں اگر بعد وصال کے خواب میں تعلیم کرے تو اس پر یعنی خواب کی باتوں پر شرع کی رو سے چلنا کیسا ہے؟

(۴) سنا ہے کہ حضرت مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لال کافر کو مارا اور وہ بھاگا اور ہنوز زندہ ہے،آیا اس کی کوئی خبر حدیث سے ہے؟اور کب تک زندہ رہے گا؟پھر ایمان لائے گا یا نہیں؟

(۵) حنانہ لکڑی جو آپ کے فرق میں نالاں تھی قیامت کے دن اس کا کیا حال ہوگا؟

الجواب:

(۱) اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں کہ اسما مسمّی سے ناشی ہے،آٹھ سو ۸۰۰ سے زائد

---

[1] بهجة الاسرار ومعدن انوار ذكر الشيخ ابو محمد القاسم بن عبدالبصری مصطفٰی البابی مصر ص ۱۷۳

مواہب وشرح مواہب میں [1] ہیں، اور فقیر نے تقریبًا چودہ سو ۱۴۰۰ پائے، اور حصر نا ممکن۔

(۲) سورۂ فاتحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح مدح ہے الصراط المستقیم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اوران کے اصحاب ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، **انعمت علیھم** چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں انبیاء کے سردار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ شیخ محقق نے اخبار الاخیار میں بعض اولیاء کی ایک تفسیر بتائی جس میں انہوں نے ہر آیت کو نعت کردیا ہے اس میں سورہ اخلاص بھی داخل ہے۔

(۳) اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو۔

(۴) یہ بے اصل ہے۔

(۵) وہ (استن حنانہ) جنت کا ایک درخت کیا جائے گا، **کما فی حدیث** [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی دار المعرفہ بیروت ۳/ ۱۱۲ تا ۱۵۱

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی دار المعرفہ بیروت ۳/ ۱۱۲ تا ۱۵۱

رسالہ

طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی ۱۳۳۶ھ

(سانپوں (موذیوں) کو دور کرنا اس ہادی کی بارگاہ سے جس نے امام رفاعی کو رفعت بخشی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۱: از بڑودہ ملک گجرات محلّہ راجپورہ متصل مانڈوی مرسلہ میاں محمد عثمان ولد عبدالقادر ۲۶ شوال ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جناب قطب الاقطاب غوث الثقلین میراں محی الدین ابو محمد سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ اپنے وقت میں غوث یا قطب الاقطاب نہیں تھے بلکہ سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب اور غوث الثقلین تھے اور جناب سید عبدالقادر جیلانی نے جناب سید احمد کبیر رفاعی سے مدینہ منورہ میں چند اولیاء کے ہمراہ بیعت کی ہے یہ بیعت اس وقت ہوئی کہ جب سید احمد کبیر رفاعی کے لئے مزار انور سے دست مبارک نکلا تھا، اور اکثر عرب میں سید عبدالقادر جیلانی کو مرقومۂ بالا صفتوں سے کوئی نہیں مانتا، ہاں سید احمد کبیر رفاعی کو مانتے ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ سیدنا احمد کبیر رفاعی کی ولایت اور قطبیت میں ہمیں بالکل کلام نہیں، مگر ان کی تفضیل سیدنا جناب سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ پر نہیں ہو سکتی، اور مدینہ منورہ کی بیعت کا کسی جگہ ثبوت نہیں ملتا، اور اکثر عرب سید عبدالقادر جیلانی

قدس سرہ کی بہت قدر و منزلت کرتے ہیں اور قطب الاقطاب و غوث الثقلین کی صفتیں حضرت پیران پیر صاحب ہی پر برتی جاتی ہیں۔

اس مضمون پر رودہ میں خفیہ خفیہ بحثیں ہوا کرتی ہیں، زید کے پیر مرحوم بڑودہ کے رفاعی خاندان کے سجادہ نشین تھے چند روز ہوئے انتقال ہوگیا ہے، یہ انہیں کی تحریک و تحریص کا نتیجہ ہے۔ ہم مستفسر نیچے دستخط کرنے والے نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ سید احمد کبیر اور سید عبدالقادر میں قطب الاقطاب اور غوث اعظم کون ہے، اور علمائے ماسلف وحال کس کو مانتے ہیں۔

دوسرے مدینہ منورہ کی بیعت کا اور غوث پاک کی نسبت عقائد اہل عرب کا وافی وکافی ثبوت کتب معتبرہ سے تحریر فرما کر مرہون منت فرمائیں، آپ کے فتوے کے آنے کے بعد ان شاء اللہ اندرونی تقسیم کا بہت سہولت سے فیصلہ ہوجائے گا اور یہ ابتدائی مواد بڑھ کر مرض مہلک تک نہ پہنچے گا۔

محمد عثمان ولد عبدالقادر بقلم خود، منشی سید قطب الدین، عظیم الدین بقلم خود، چھوٹے خاں، امام خان بقلم خود، ننھے بھائی، رسول بھائی دستخط خود۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم ط

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط"[1]	تم فرمادو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

اس آیہ کریمہ سے مسلمان کو دو[2] ہدایتیں ہوئیں۔

ایک یہ کہ مقبولات بارگاہ احدیت میں اپنی طرف سے ایک کو افضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے کہ فضل تو اللہ تعالٰی کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

دوسرے یہ کہ جب دلیل مقبول سے ایک کی افضلیت ثابت ہو تو نفس کی خواہش اپنے ذاتی علاقہ نسب یا نسبت شاگردی یا مریدی وغیرہ کو اصلاً دخل نہ دے کہ فضل ہمارے ہاتھ نہیں

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷۳

کہ اپنے آباواساتذہ ومشائخ کواوروں سے افضل ہی کریں جسے خدانے افضل کیاوہی افضل ہے اگرچہ ہمارا ذاتی علاقہ اس سے کچھ نہ ہو اور جسے مفضول کیاوہی مفضول ہے اگرچہ ہمارے سب علاقے اس سے ہوں۔ یہ اسلامی شان ہے مسلمان کو اسی پر عمل چاہئے، اکابر خود رضائے الٰہی میں فنا تھے جسے اللہ عزوجل نے ان سے افضل کیا، کیا وہ اس پر خوش ہوں گے کہ ہمارے متوسل ہمیں اس افضل بتائے۔ حاش للہ! وہ سب سے پہلے اس پر ناراض اور سخت غضبناک ہوں گے تو اس سے کیا فائدہ کہ اللہ عزوجل کی عطا کا بھی خلاف کیا جائے اور اپنے اکابر کو بھی ناراض کیا جائے۔ حضرت عظیم البرکۃ سیدا سید احمد کبیر رفاعی قدسنا اللہ بسرہ الکریم بیشک اکابر اولیاء واعاظم محبوبان خدا سے ہیں، امام اجل اوحد سیدی ابوالحسن علی بن یوسف نور الملۃ والدین لخمی شطنوفی قدس سرہ العزیز کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں فرماتے ہیں:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ھٰذاالشیخ من اعیان مشائخ العراق واجلاء العارفین او عظماء المحققین وصدار المقربین صاحب المقامات العلیۃ والجلالۃ العظیمۃ والکرامات الجلیلۃ والاحوال السنیۃ والافعال الخارقۃ و الانفاس الصادقۃ صاحب الفتح الموفق والکشف المشرق و القلب الانوار والسرا الظھر والقدر الاکبر[1]۔	یعنی حجر سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار ان مشائخ واکابر عارفین واعاظم محققین وافسران مقربین سے ہیں جن کے مقامات بلند اور عظمت رفیع اور کرامتیں جلیل اور احوال روشن اور افعال خارق عادات اور انفاس سچے عجیب فتح اور چمکا دینے والے کشف اور نہایت نورانی دل اور ظاہر تر سر اور بزرگ تر مرتبہ والے۔

یوں ہی دو ورق میں اس جناب رفعت قباب کے مراتب عالیہ ومناقب سامیہ وکرامات بدیعہ وفضائل رفیعہ ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت ممدوح قدس سرہ الشریف کا روضۂ انور سید اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہونا اور یہ اشعار عرض کرنا ہے: ؎

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا — تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھٰذہ دولۃ الاشباح قد حضرت — فامدد یمینك کی تحظی بھا شفتی[2]

---

[1] بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۵

[2] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلك فی امکان رؤیۃ النبی والملك دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۶۱

(زمانۂ دوری میں میں اپنی روح کو حاضر کرتا تھا وہ میری طرف سے زمین بوسی کرتی، اب جسم کی نوت ہے کہ حاضر بارگاہ ہے حضور دست مبارک بڑھائیں کہ میری لب سعادت پائیں۔)

اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک روضۂ انور سے باہر کرنا اور حضرت احمد رفاعی کا اس کے بوسہ سے مشرف ہونا مشہور وماثور ہے، تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک للامام الجلیل السیوطی میں ہے:

لما وقف سید احمد الرفاعی تجاہ الحجرۃ الشریفۃ قال:۔ فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا تقبل الارض عنی وھی نائبتی وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامد یمینك کی تحظی بھا شفتی فخرجت الیہ الید الشریفۃ فقبلھا[1]۔	جب میرے سردار احمد رفاعی حجرہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہوئے تو یوں کہا: جب میں دور ہوتا تو اپنی روح کو بھیجتا تھا جو میری نائب ہو کر میری طرف سے زمین بوسی کرتی تھی، یہ زیارت کا وقت ہے میں خود حاضر ہوا ہوں اپنا دست اقدس بڑھائیں تاکہ میری ہونٹ دست بوسی کی سعادت پائیں۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک آپ کی طرف نکلا جس کو آپ نے چوما۔(ت)

اور بعینہٖ یہی کرامت جلیلہ حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے بھی مذکور ومزبور ہے۔ کتاب تفریح الخاطر مناقب الشیخ عبدالقادر میں ہے:

ذکروا ان الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جاء مرۃ الی المدینۃ المنورہ وقرأبقرب الحجرۃ الشریفہ ھٰذین البیتین (فذکرھما کما مر وقال) فظھرت یدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصافحھا ووضعھا علی رأسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔	یعنی راویوں نے ذکر کیا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ایک بار حاضر سرکار مدینۂ نور بار ہو کر روضۂ انور کے قریب وہ دونوں شعر پڑھے اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دست انور ظاہر ہوا حضرت غوث نے مصافحہ کیا اور بوسہ لیا اور اپنے سر مبارک پر رکھا۔

اور تعدد سے کوئی مانع نہیں حضور سرکار غوثیت نے پہلا حج ۵۰۹ھ (پانسو نو ہجری) میں فرمایا ہے جب عمر شریف اڑتیس ۳۸ سال تھی، حضور سیدی عدی بن مسافر رضی اللہ تعالٰی عنہ اس سفر میں ہم رکاب تھے حضرت

[1] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلك فی امکان رؤیۃ النبی والملك دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۶۱

[2] تفریح الخاطر مترجم معہ اصل عربی متن المنقبۃ الثانیۃ والعشرون سنی دار الاشاعت فیصل آباد ص ۵۶ و ۵۷

سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس وقت ام عبیدہ میں خورد سال تھے حضرت کو گیارہواں ؏ سال تھا، ممکن کہ اس بار حضور سرکار غوثیت نے یہ اشعار بارگہ عرش جاہ میں عرض کئے اور ظہور دست اقدس وبوسہ مصافحہ سے مشرف ہوئے ہوں۔
جب حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ جوان ہوئے اور حج کو حاضر ہوئے باتباع سرکار غوثیت انہوں نے بھی وہ اشعار عرض کئے اور سرکار کرم کے اس کرم سے مشرف ہوئے ہوں، بہر حال اس پر وہ فقرہ تراشیدہ کہ اس وقت حضور قطب العالمین غوث العارفین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت رفیع رفاعی کے ہاتھ پر معاذ اللہ بیعت فرمائی کذب وافتراء خالص ودروغ بیفروغ ہے اور اللہ واحد قہار جھوٹ کو دشمن رکھتا ہے نہ کہ ایسا جھوٹ جس سے زمین آسمان ہل جاءیں "قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾" [1] لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو، "فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾" [2] پھر جب وہ گواہان عادل نہ لاسکے تو جو ایسا دعوی کریں اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں، "وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾" [3] خاب وخاسر ہوا جس نے افتراء باندھا۔ حضرت رفیع ورفاعی کی قطبیت سے کسے انکار ہے، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال اقدس کے بعد حضرتسیدی علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ قطب ہوئے، اور سرکار غوثیت کی عطا سے حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے مرتبۂ قطبیت پر فائز ہوئے۔ حضرت علی بن ہیتی کا وصال وصال اقدس سرکار غوثیت سے تین سال بعد ۵۶۴ھ میں ہے، پھر حضرت سید رفاعی قطب ہوئے

؏: ابن خلکا کی روایت میں چند مہینے ہی کے تھے زیادہ سے زیادہ، یا ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

حیث قال احمد بن ابی الحسن المعروف بابن الرفاعی توفی یوم الخمیس الثانی والعشرین من جمادی الاولی سنة ثمان وسبعین وخمسائة بام عبیدة وھو فی عشر السبعین رحمة اللہ تعالٰی [4]۔	اس نے کہا کہ احمد ابن ابوالحسن جو کہ ابن رفاعی کے نام سے مشہور ہیں، کا وصال ۲۲ جمادی الاولٰی ۵۷۸ھ بروز جمعرات ام عبیدہ کے مقام پر ہوا، چنانچہ آپ ستر کی دہائی میں ہوئے رحمہ اللہ تعالٰی۔ (ت)

مگر بروایت بہجۃ الاسرار عنقریب آتی ہے اس پر ۵۰۹ھ میں سات آٹھ برس کے ہونگے انتہا درجہ دس ۱۰ سال کے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/۱۱۱
[2] القرآن الکریم ۲۴/۱۳
[3] القرآن الکریم ۲۰/۶۱
[4] دفیات الاعیان ترجمہ ۱۷۰ ابن الرفاعی دار الثقافت بیروت ۱/۱۷۲

اور ۵۷۸ھ میں وصال ہوا۔ بہجہ مبارکہ میں ہے:

الشیخ علی بن الهیتی رضی الله تعالٰی عنه احد من تذکر عنه القطبیة، سکن بلدة من اعمال نهر الملك الٰی ان مات بها سنة اربع وستین وخمسمائة [1]۔	جنکی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جو نہر الملک کے ایک قریہ میں سکونت پذیر ہوئے یہاں تک کہ اسی قریہ میں ۵۶۴ھ میں وصال فرمایا۔(ت)

اسی میں ہے:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی احد من تذکر عنه القطبیة، سکن بام عبیدة قریة بارض البطائح الی ان مات بها فی سنة ثمان وسبعین وخمسمائة و قدنا هذا الثمانین [2]۔	جن کی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی ہیں جو سرزمین طبائح کے قریبہ ام عبیدہ میں ساکن تھے اور وہاں ہی ۵۷۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ نے اسی برس کے قریب عمر پائی۔(ت)

اسی میں ہے حضرت شیخ جاگیر مرید جلیل تاج العارفین ابوالوفاء نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رفعت شان و بے مثلی بیان کرکے فرمایا:

منه انتقلت القطبیة الی سیدی علی الهیتی رضی الله تعالٰی عنه [3]۔	ان سے قطبیت میرے سردار شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منتقل ہوئی۔(ت)

اسی میں ہے:

اخبرنا الشیخ الشریف ابوجعفر محمد بن ابی القاسم العلوی الحسنی قال اخبرنا الشیخ العارف ابو الخیر محمد بن محفوظ قال کنت انا(وفلان و فلان عدعشرة انفس من طالبی الاٰخرة وثلثة من اهل الدنیا)حاضرین	ہمیں شیخ شریف ابوجعفر محمد بن ابوالقاسم علوی حسنی نے بحوالہ شیخ ابوالخیر خبر دی کہ ایک روز عارف باللہ محمد بن محفوظ اور دس حضرات اور طالبان آخرت اور تین شخص طالبان وزارت وغیرہا مناصب دنیا حاضر بارگاہ عالم پناہ سرکار غوثیت تھے حضور نے

---

[1] بهجة الاسرار ذکر الشیخ علی بن الهیتی دارالکتب العلمیة بیروت ص ۲۸۹تا۲۹۴

[2] بهجة الاسرار ذکر الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفٰی البابی مصر ص ۲۳۵تا۲۳۷

[3] بهجة الاسرار ذکر الشیخ جاکیر رضی الله عنه مصطفٰی البابی مصر ص ۱۶۹

عند شیخنا الشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنه فقال لیطلب کل منکم حاجة اعطیها له(فذکر حوائجهم منها)قال الشیخ خلیل بن الصرصری اریدان الاموت حتی انال مقام القطبیة قال فقال الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنه "کلا نمد ھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربك وما کان عطاء ربك محظورا۔"قال فواللہ لقد نالوا کلھم ماطلبوا [1]۔	ارشاد فرمایا ہر ایک اپنی حاجت عرض کرے میں اسے عطا فرماؤں، سب نے اپنی اپنی دینی ودنیوی مرادیں عرض کیں، ان میں شیخ خلیل صرصری کی عرض یہ تھی کہ میں اپنی زندگی میں مرتبۂ قطبیت پاؤں۔ حضور نے فرمایا "ہم ان کی اور انکی سب کی مدد کرتے ہیں رب کی عطا سے اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں۔" عارف موصوف فرماتے ہیں خدا کی قسم جس نے جو مانگا تھا پایا۔

اسی میں حضرت سید ابو عمرو عثمٰن بن یوسف وحضرت علی بن سلیمٰن خباز وحضرت ابو الغیث ابن جمیل یمنی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے کہ ان سب نے فرمایا:

قطب الشیخ خلیل الصرصری رحمه اللہ تعالٰی قبل موته بسبعة ایام [2]۔	حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے قطب کئے گئے۔

یہ قطبیت بمعنی غوثیت ہے اور اقطاب اصحاب خدمت کو بھی کہتے ہیں جو ہر شہر وہر لشکر میں ہیں شک نہیں کہ ہر غوث اپنے دورہ میں ان سب اقطاب کا افسر وسرور ہے کہ وہ تمام اولیائے دورہ کا سردار ہوتا ہے تو اس معنٰی پر ہر قط یعنی غوث قطب الاقطاب ہے بلکہ غوث کے نیچے جو عہدہ داران تمام اصحاب خدمت کا افسر ہو بایں معنی قطب الاقطاب ہے، مگر قطب الاقطاب بمعنی اول یعنی غوث الاغواث کہ دوروں کے غوثوں کا غوث ہو، غوثوں کو غوثیت اس کی عطا سے ملیت ہو اور غوث اپنے اپنے دورے میں اس کی نیابت سے غوثیت کرتے ہوں وہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد حضور پر نور محی الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ والدین ابو محمد ولی الاولیاء، امام الافراد، غوث الاغواث، غوث الثقلین، غوث الکل، غوث اعظم سید شیخ عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں اور تا ظہور سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ مرتبہ عظمٰی اسی سرکار غوثیت بار کے لئے رہے گا۔ حضرت رفاعی اور ان کے امثال قبل وبعد کے قطبوں کو حضور پر تفضیل دینی ہوس باطل ونقصان دینی ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اس کے بیان کو ہم چند احادیث مرفوعۃ الاسانید امام اجل اوحد

[1] بھجة الاسرار ذکر فصلو منکالمه مرصعابشئی من عجائب اھواله مختصرًا مصطفٰی البابی مصر ۳۰و۳۱

[2] بھجة الاسرار ذکر فصول من کالمه مرصعا بشئی من عجائب اھواله مختصرًا مصطفٰی البابی مصر ۳۲

سیدی نورالملۃ والدین ابوالحسن علی شطنوفی قدس سرہٗ الشریف کی تکاب مستطاب بہجۃ الاسرار معدن الانوار سے ذکر کرتے ہیں اوراس سے پہلے اتنا واضح کردیں کہ یہ امام جلیل صرف دو واسطہ سے حضور سرکار غوثیت کے مستفیضین بارگاہ میں ہیں ان کو محدث جلیل القدر ابوبکر محمد ابن امام حافظ تقی الدین انماطی سے تلمذ ہے ان کو امام اجل شہیر علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسہ سے ان کو حضور قطب الاقطاب غوث الاغواث غوث الثقلین غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، نیز ان کو امام قاضی القجاۃ محدم ابن امام ابراہم بن عبدالواحد مقدسی سے ان کو امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن منصور نقیب السادات سے ان کو حضور سید السادات سے، نیز ان کو شیخ جنید ابو محمد حسن بن علی لخمی سے ان کو ابوالعباس احمد بن علی دمشقی سے ان کو سرکار غوثیت سے، نیز ان کو امام صفی الدین خلیل بن ابی بکر مراعی وامام عبدالواحد بن علی بن احمد قرشی سے ان دونوں کو امام اجل بونصر موسٰی سے ان کو اپنے والد ماجد حضور سیدنا غوث اعظم سے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اوان کے سوااور بہت طرق سے ان امام جلیل کی سند حضور تک ثنائی یعنی صرف دو واسطہ سے ہے، ۷۱۳ھ میں ان کا وصال شریف ہے، اکابر اجلاء نے انہیں امام مانا یہاں تک کہ امام فن رجال شمس ذہبی نے باآنکہ **اولاً** ان کی نگاہ دربارۂ رجال کس درجہ بلند ودشوار پسند واقع ہوئی ہے۔

ثانیاً انہیں حضرات صوفیہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اورانکے علوم الٰہیہ سے،ہتیم عقیدت بلکہ تقریبًا بلاکلیہ مجانبت ہے۔

ثالثاً اشاعرہ کے ساتھ انکا برتاؤ معلوم ہے خود انکے تلمیذ اجل امام تاج الدین سبکی ابن امام اجل برکۃ الانام تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی قدس رہما نے تصریح فرمائی کہ **شیخنا الذھبی اذا مر باشعری لایبقی ولا یذر**[1] ہمارے استاذ ذہبی جب کسی اشعری پر گزرتے ہیں تو لگی نہیں رکھتے کچھ باقی نہیں چھوڑتے۔اورامام اجل صاحب بہجہ اشعری ہی ہیں۔

رابعاً معاصرت دلیل منافرت ہے اور ذہبی ان اماما جلیل کے زمانے میں تھے انکی مجلس مبارک میں حاضر ہوئے ہیں بایںہمہ انکے مداح ہوئے اوراپنی کتاب طبقات المقرئین میں ان کو الامام الاوحد کے لفظ سے یاد فرمایا یعنی امام یکتا، امام الشان ذہبی کے یہ دو لفظ تمام مدائح ومدارج توثیق وتعدیل واعتماد وتعویل کو جامع ہیں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا

1

الامام الاوحد المقری نور الدین شیخ القراء بالدیار المسریۃ ابو الحسن اصلہ من الشام و مولدہ بالقاھرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء والتدیس بالجامع الازھر وقدر حضرت مجلس اقرائہ واستانست بسمتہ وسکوتہ[1]۔	صاحب تعلیم فرقان حمید تمام بلاد مصر یں شیخ القراء ابوالحسن کنیت انکی اصل شام سے اور ولادت قاہرہ میں ۶۴۴ھ چھ سو چوالیس میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں درس و تعلیم کی صدارت فرمائی مین انکی مجلس درس میں حاضر ہوا اور انکی روش وخاموشی سے انس پایا۔

امام جلیل عبداللہ بن سعد یافعی قدس سرہ الشریف مرأۃ الجنان میں فرماتے ہیں:

اما کرامتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فخارجۃ عن الحصر وقد ذکرت شیئا منھا فی کتاب نشر المحاسن وقد اخبرنی من ادرکت من اعلام الائمۃ الاکابر ان کرامتہ تواترت وقریب منالتواتر ومعلوم بلا اتفاق انہ لم یظھر ظھور کراماتہ لغیرہ من شیوخ الآفاق، وھا انا اتصر فی ھٰذا الکتاب علی واحدۃ منھا وھی ماروی الشیخ الامام الفقیہ العالم المقری ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر بن معضاد الشافعی اللخمی فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسندہ من خمس طرق وعن جماعۃ من الشیوخ الجلۃ اعلام الھدی العارفین المقتنین للاقتداء	یعنی حضور پرنور سید نا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کرامات شمار سے زیادہ ہیں انہیں سے کچھ ہم نے اپنی تکاب نشر المحاسن میں ذکر کیں اور جتنے مشاہیر اکابر امام وں کے وقت میں نے پائے سب نے مجھے یہی خبر دی کہ سرکار غوثیت کی کرامات متواتر یا قریب تواتر ہیں اور بالاتفاق ثابت ہے کہ تمام جہان کے اولیاء میں کسی سے ایسی کرامتیں ظاہر نہ ہوئیں جیسی حضور پرنور سے ظہور میں آئیں اس کتاب میں ان میں سے صرف ایک ذکر کرتاہوں وہ جسے روایت کیا شیخ امام فقیہ العالم مقری ابوالحسن علی بن یوسف بن جریری بن معضاد شافعی لخمی نے مناقب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ (کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف) میں اپنی پانچ سندوں سے اور عظیم اولیاء ہدایت کے نشانوں عارفین باللہ کی ایک جماعت (یعنی سیدی ۱عمران کیمیانی و۲سیدی عمر زار و۳سیدی ابوالسعود)

[1] طبقات المقرئین

قالوا جاءت امرأۃ بولدھا الحدیث۔	مدلل و سیدی ابوالعباس احمد صرصری وامام اجل سیدنا تاج الملۃ والدین ابوبکر عبدالرزاق وسیدی امام ابوعبداللہ محمد بن ابی المعالی بن قائد اوانی رضی اللہ تعالٰی عنہم)

وقد خرجت عن حقی فیه لله عزوجل ولک) سے کہ ایک بی بی اپنا بیٹا خدمت اقدس سرکار غوثیت میں چھوڑ گئیں کہ اس کا دل حضور سے گرویدہ ہے میں اللہ کے لئے اور حضور کے لئے اس پر اپنے حقوق سے در گزری، حضور نے اسے قبول فرما کر مجاہدے پر لگادیا ایک روز اس کی ماں آئیں دیکھا لڑکا بھوک اور شب بیداری سے بہت زار نزار زرد رنگ ہوگیا ہے اور اسے جو کی روٹی کھاتے دیکھا، جب بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں دیکھا حضور کے سامنے ایک برتن میں مرغی کی ہڈیاں رکھی ہیں جسے حضور نے تناول فرمایا ہے، عرض کی اے میرے مولی! حضور تو مرغ کھائیں اور میرا بچہ جو کی روٹی۔ یہ سن کر حضور پرنور نے اپنا دست اقدس ان ہڈیوں پر رکھا اور فرمایا:

قومی باذن اللہ تعالٰی الذی یحیی العظام	جی اٹھ اللہ کے حکم سے جو بوسیدہ ہڈیوں کو جِلائے گا۔

یہ فرمانا تھا کہ مرغی فوراً زندہ صحیح سالم کھڑی ہو کر آواز کرنے لگی، حضور اقدس نے فرمایا: جب تیرا بیٹا ایسا ہوجائے وہ جو چاہے کھائے[1]۔

اور انہیں سب ائمہ عارفین نے فرمایا کہ ایک بار حضور کی مجلس وعظ پر ایک چیل چلّاتی ہوئی گزری اس کی آواز سے حاضرین کے دل مشوّش ہوئے حضور نے ہوا کو حکم دیا: اس چیل کا سر لے۔ فوراً چیل ایک طرف گری اور اس کا سر دوسری طرف۔ پھر حضور نے کرسی وعظ سے اتر کر اس چیل کو اٹھا کر اس پر دست اقدس پھیرا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا فوراً وہ چیل زندہ ہو کر سب کے سامنے اڑتی چلی گئی[2]۔ ع

قادرا قدرت توداری ہرچہ خواہی آں کنی ‌ ‌ ‌ مردہ راجانے دہی وزندہ رابے جاں کنی

(اے قادر! تو قدرت رکھتا ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، مردہ کو تو جان دیتا ہے اور زندہ کو بے جان کرتا ہے۔ت)

امام محدث شیخ القراء شمس الملۃ والدین ابوالخیر محمد محمد محمد ابن الجزری رحمہ اللہ تعالٰی کتاب نہایۃ الدرایات

---

[1] مرأۃ الجنان سنۃ احدی وستین وخمس مائۃ ذکر نسبہ ومولدہ الخ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/۲۶۸

[2] بھجۃ الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشئی من عجائب احوالہ مختصرًا مصطفی البابی مصر ص ۶۵

فی اسماء رجال القراءات میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر فضل بن معضاد نور الدین ابوالحسن اللخمی الشطنوفی الشافعی الستاذ المحقق البارع شیخ الدیار المصریۃ ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء بالجماع الازھر و تکاثر علیہ الناس الاجل الفوائد والتحقیق وبلغنی انہ عمل علی الشاطبیۃ شرحًا فلو کان ظھر لکام اجود شروحھا ولہ تعالیق مفیدۃ، قال الذھبی وکان ذا عزام بالشیخ عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ جمع اخبارہ ومناقبہ فی ثلاث مجلدات، قلت وھذا الکتاب موجود بالقاھرۃ بوقف الخانقاہ الصلاحیۃ و اخبرنی بہ و اجازہ شیخنا الحافظ محی الدین عبد القادر الحنفی وغیرہ توفی یوم السبت اوان الظھر و دفن یوم الاحد العشرین من ذی الحجۃ سنۃ ثلاث عشرۃ وسبعمائۃ رحمہ اللہ تعالٰی[1]۔	یعنی علی بن یوسف بن جریر بن فل بن معضاد نورالدین ابو الحسن لخمی شطنوفی شافعی استاد محقق بارع یعنی ایسے جلیل فضائل والے کہ انہیں دیکھ کر آدمی حیرت میں رہ جائے۔ تمام بلاد مصریہ کے شیخ ۶۴۴ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں مسند درس پر جلوس فرمایا اور ان کے فوائد و تحقیق کے باعث لوگوں کا پر ہجوم ہوا اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ شاطبیہ مبارکہ پر انکی شرح ہے اگر یہ شرح ملتی تو اس کی سب شرحوں سے بہترین شروح میں ہوتی۔ ان کے حواشی فائدہ بخش ہیں۔ ذہبی نے کہا ان کو سرکار غوثیت سے عشق تھا۔ حضور کے حالات و کمالات تین مجلد میں جمع کئے ہیں۔ میں شمس جزری کہتا ہوں کہ یہ کتاب قاہرہ میں خانقاہ حضرت صلاح الدین انار اللہ برہانہٗ کے وقف میں موجود ہے۔ ہمارے استاذ حافظ الحدیث محی الدین عبدالقادری حنفی وغیرہ استاذوں نے ہمیں اس کتاب کی روایات کی خبر و مضامین کی اجازت دی۔ حضرت مصنف کتاب ممدوح کا روز شنبہ وقت ظہر وصال ہوا اور روز یکشنبہ ذی الحجہ ۷۱۳ھ کو دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

امام عمر بن عبدالوہات عرضی حلبی نے اپنے نسخہ میں کتاب مبارکہ بہجۃ الاسرار شریف میں لکھا:

قد تتبعتھا فلم اجد فیھا نقلا الا ولہ	یعنی بیشک میں نے اس کتاب بہجۃ الاسرار شریف کو

[1] نہایۃ الرایات فی اسماء رجال القراءات

فیه متابعون وغالب ما اورده فیها نقله الیافعی فی اسنی المفاخر وفی نشر المحاسن وروض الریاحین عــــه وشمس الدین الزکی الحلبی ایضا فی کاب الاشراف وعظم شئی نقل عنه انه احیی الموتی کاحیائه الدجاجة ولعمری ان هذه القصه نقلها تاج الدین السبکی ونقل ایضا عن ابن الرفاعی وغیره و انّٰی لغبی جاهل حاسد ضیع عمره فی فهم ما فی السطور وقنع بذٰلك عن تزکیة النفس واقبالها علی الله سبحٰنه وتعالٰی وان یفهم مایعطی الله سبحٰنه وتعالٰی اولیاءه من التصریف فی الدنیا والاٰخرة ولهذا قال الجنید التصدیق بطریقتنا ولایة[1]۔	اول تاآخر جانچا تو اس میں کوئی روایت ایسی نہ پائی جسے اور متعدد اصحاب نے روایت نہ کیا ہو اور اس کی اکثر روایتیں امام یافعی نے اسنی المفاخر و نشر المحاسن و روض الریاحین میں نقل کیں۔ یوں ہی شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں اور سب سے بڑی چیز جو بہجہ شریفہ میں نقل کی حضور کا مردے جلانا ہے۔ جیسے وہ مرغ زندہ فرمادیا، اور مجھے اپنی جان کی قسم یہ روایت امام تاج الدین سبکی نے بھی نقل کی، اور یہ کرامت ابن الرفاعی وغیرہ اولیاء سے بھی منقول ہوئی، اور کہاں یہ منصب کسی غبی جاہل حاسد کو جس نے اپنی عمر تحریر سطور کے سمجھنے میں کھوئی اور تزکیہ نفس وتوجہ الی اللہ چھوڑ کر اسی پر بس کی کہ اسے سمجھ سکے جو کچھ تصرفوں کی قدرت اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں کو دنیا وآخرت میں عطا فرماتا ہے، اسی لئے سیدنا جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہمارے طریقے کا سچ ماننا بھی ولایت ہے۔

اقول: بحمداللہ یہ تصدیق ہے امام مصنف قدس سرہٗ کے اس ارشاد کی خطبہ بہجہ کریمہ میں فرمایا کہ:

لخصته کتابا مفردامرفوع الاسانید معتمد افیها علی الصحة دون	یعنی میں نے اس کتاب یکتا کرکے مہذب و منقح فرمایا اور اس کی سندیں منتہٰی تک پہنچائیں جن میں خاص اس صحت پر اعتماد کیا کہ شذوذ

عــــه: یرید تکملته ۱۲ منہ غفرلہ۔

[1] حاشیة امام عمر بن عبدالوهاب علی ابهجة الاسرار

الشذوذ[1]۔	سے منزہ ہو، یعنی خالص صحیح ومشہور روایات لیں جن میں نہ ضعیف ہے، نہ غریب وشاذ۔ والحمدللہ رب العالمین۔

امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد نور الدین ابوالحسن شیخ القراء بالدیار المصریۃ ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع اربعین وستمائۃ و تصدر للاقراء بالجامع الازھر وتکاثر علیہ الطلبۃ مات فی ذی الحجۃ سنۃ ثلاث عشر وسبعمائۃ[2]۔	علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا نورالدین ابوالحسن دیار مصر میں شیخ القراء قاہرہ یں ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے، اور جامع ازہر میں مسند تدریس پر جلوس فرمایا طلبہ کا ہجوم ہوا، ذی الحجہ ۷۱۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ زبدۃ الآثار میں فرماتے ہیں:

بھجۃ الاسرار من تصنیف الشیخ الامام الاجل الفقیہ العالم المقری الاوحد البارع نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف الشافعی اللخمی وبینہ وبین الشیخ واسطتان[3]۔	بہجۃ الاسرار تصنیف شیخ امام اجل فقیہ عالم مقری یکتا بارع نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف شافعی لخمی ان میں اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں دوواسطے ہیں۔

نیز اپنے رسالہ صلاۃ الاسرار میں فرماتے ہیں:

کتاب عزیز بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار معتبر ومقرر ومشہور و مذکورست ومصنف آں کتاب از مشاہیر مشائخ وعلماء ست، میان وے وحضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ دو واسطہ است و مقدم است برامام عبداللہ یافعی	کتاب عزیز "بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار" قابل اعتبار، پختہ اور مشہور ومعروف ہے۔ اس کتاب کے مصنف علیہ الرحمہ مشہور علماء ومشائخ میں سے ہیں۔ آپ کے اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درمیان دوواسطے ہیں، آپ امام عبداللہ

[1] بھجۃ الاسرار خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۲

[2] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاھرۃ

[3] زبدۃ الآثار مقدمۃ الکتاب بکسنگ کمپنی واقع جزیرہ ص ۵

رحمۃ اللہ علیہ کہ ایشان نیز از منتسبان سلسلہ ومحبان جناب غوث الاعظم اند[1]۔	یافعی علیہ الرحمہ پر مقدم ہیں۔امام یافعی علیہ الرحمہ بھی سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلہ عالیہ سے نسبت رکھنے والوں اور آپ سے محبت رکھنے والوں میں سے ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

ایں فقیر درمکہ معظّمہ وددرخدمت شیخ اجل اکرم اعدل شیخ عبدالوہاب متقی کہ مرید امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہما بودند فرمودند بہجۃ الاسرار کتاب معتبرست،مانزیک ایں زمان مقابلہ کردہ ایم وعادت شریف چناں بودکہ اگرکتابے مفید ونافع باشد مقابلہ می کردند وتصحیح می نمودند دریں وقت کہ فقیر رسید بمقابلۂ بہجۃ الاسرار مشغول بودند[2]۔	یہ فقیر مکہ مکرمہ میں انتہائی جلالت،کرم اور عدل کے مالک شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت اقدس میں حاضر تھا جو امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہ کے مرید ہیں،آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بہجۃ الاسرار" ہمارے نزدیک معتبر کتاب ہے جس کا ہم نے حال ہی میں مقابلہ کیا ہے۔آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ اگر کوئی کتاب فائدہ منداور نفع بخش ہوتی تو اس کا مقابلہ کرتے اور تصحیح فرماتے تھے،جس وقت یہ فقیر وہاں پہنچا تو آپ بہجۃ الاسرار کے مقابلہ میں مصروف تھے۔(ت)

الحمدللہ ان عبارات ائمہ واکابر سے واضح ہوا کہ [۱]امام ابوالحسن علی نورالدین مصنف کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار امام اجل امام یکتا محقق بارع فقیہ شیخ القراء منجملہ مشاہیر مشاءخ علماء ہیں،اور یہ [۲]کتاب مستطاب معتبر ومتعمد کہ اکابر ائمہ نے اس سے استناد کیا اور کتب حدیث کی طرح اس کی اجازتیں دیں۔ [۳]کتب مناقب سرکار غوثیت میں باعتبار علو اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتب حدیث میں موطائے امام مالک کا۔اور [۴]کتب مناقب اولیاء میں باعتبار صحت اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتب حدیث میں صحیح بخاری کا،بلکہ صحاح میں بعض شاذ بھی ہوتی ہیں اور اس میں کوئی حدیث شاذ بھی نہیں،امام بخاری نے صرف صحت کا التزام کیا اور ان امام جلیل نے صحت وعدم شذوذ دونوں کا،اور بشہادت علامہ عمر حلبی وہ التزام تام ہوا کہ اس کی ہر حدیث

---

[1] رسالہ صلٰوۃ الاسرار

[2] رسالہ صلٰوۃ الاسرار

کے لئے متعدد متابع موجود ہیں والحمدللہ رب العالمین ایسے امام اجل اوحد نے ایسی کتاب جلیل معتمد میں جو احادیث صحیحہ اس باب میں روایت فرمائیں ہیں یہاں عدد مبارک قادریت سے تبرک کے لئے ان سے گیارہ حدیثیں ذکر کرکے باذنہٖ تعالٰی برکات دارین لیں وباللہ التوفیق۔

حدیث اول: قال رضی اللہ تعالٰی عنه اخبرنا ابو محمد سالم بن علی الدمیاطی قال اخبرنا الاشیاخ الصلحاء قداۃ العراق الشیخ ابو طاھر بن احمد الصرصری والشیخ ابوالحسن الخفاف البغدادی والشیخ ابو حفص عمر البریدی والشیخ ابوالقاسم عمر الدردانی والیشخ ابوالولید زید بن سعید والشیخ ابو عمر وعثمٰن بن سلیمٰن قالوا اخبرنا(الشیخان) ابو الفرج عبدالرحیم وابوالحسن علی ابنا اخت الشیخ القدوۃ احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنه،قالا کنا عند شیخنا الشیخ احمد بن الرفاعی بزاویته بام عبیدۃ فمد عنقه وقال علی رقبتی،فسئلناہ عن ذٰلك فقال قد قال الشیخ عبدالقادر الاٰن ببغداد قدمی ھذہٖ علی رقبة کل ولی اللہ [1]۔	مصنف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ ہم سے ابو محمد سالم بن علی ومیاطی نے حدیث بیان کی،کہا ہم کو چھ مشائخ کرام پیشوایان عراق حضرت ابو طاہر صرصری وابوالحسن خفاف وابو حفص بریدی وابوالقاسم عمر و ابوالید زید وابوعمرو عثمان بن سلیمان نے خبر دی ان سب نے فرمایا کہ ہم کو حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دونوں بھانجوں حضرت ابو الفرج عبدالرحیم وابوالحسن علی نے خبر دی کہ ہم اپنے شیخ حضرت رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ان کی خانقاہ مبارک میں میں ام عبیدہ میں ہے حاضر تھے حضرت رفاعی نے اپنی گردن مبارک بڑھائی اور فرمایا: علی رقبتی میری گردن پر۔ہم نے اس کا سبب پوچھا،فرمایا:اسی وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں تمام اولیاء اللہ کی گردن پر۔
حدیث دوم: (قال قدس سرہ)اخبرنا الشریف الجلیل ابوعبداللہ محمد بن الخضر بن عبداللہ بن یحیٰی بن محمد الحسینی الموصلی قال:اخبرنا ابوالفرج عبدالمحسن ویسمّٰی حسن ابن محمد بن احمد بن	مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے شریف جلیل ابو عبداللہ محمد بن خضر بن عبداللہ بن یحیٰی بن محمد حسینی موصلی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ ابوالفرج عبدالمحسن حسن بن محمد بن احمد بن دویرہ مقری حنبلی نے خبر دی کہ شیخ ابو بکر عتیق بن ابوالفضل محمد بن عثمٰن بن

[1] بهجة الاسرار ذکر من حنار أسه من المشایخ عند ما قال ذلك الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۳

الدويرة المقرى الحنبلى البصرى قال:قال الشيخ ابوبكر عتيق بن ابى الفضل محمد بن عثمٰن بن ابى الفضل البندلجى الاصل البغدادى المولد والدار و الازجى المعروف بمعتوق زرت الشيخ سيد احمد بن ابى الحسن الرفاعى رضى الله عنه بام عبيدة فسمعت اكابر اصحابه وقدماء مريديه يقولون:كان الشيخ يومًاجالسًا فى هذا الموضع،فحنارأسه وقال:على رقبتى،فسألوه عن ذٰلك فقال:قد قال الشيخ عبد القادر الاٰن ببغداد:قدمى هذه علٰى رقبة كل ولى الله ، فارخنا ذٰلك الوقت فكان كما قال فى ذٰلك الوقت بعينه[1]۔

ابوالفضل بندلجی الاصل بغدادی المولدازجی المعروف بہ معتوق نے کہا کہ میں نے شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی رضی اللہ عنہ کی ام عبیدہ میں زیارت کی تو میں نے آپ کے اکابر اصحاب اور قدیم مریدوں کو کہتے ہوئے سنا کہ آج شیخ اس جگہ (برآمدے کی طرف انہوں نے اشارہ کیا) تشریف فرما تھے کہ اپنا سر جھکا دیااور فرمایا کہ میری گردن پر۔جب آپ سے لوگوں نے اس کے بارے میں پوچھاو فرمایا کہ ابھی ابھی بغداد میں شیخ سید عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے: میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ہم نے اس تاریخ کو محفوظ رکھا تو جیساآپ نے کہا بعینہٖ وہ اسی وقت رونما ہوا تھا۔(ت)

حدیث سوم:اخبرنا الشيخ الصالح ابوحفص عمر بن ابى المعالى نصر بن محمد ابن احمد القرشى الهاشمى الطفسونجى المولد والدارالشافعى قال:اخبرنا الشيخ الاصل الصالح ابوعبدالله محمد بن ابى الشيخ الصالح ابى حفص عمر بن الشيخ القدوة ابى محمد عبدالرحمن الطفسونجى قال:اخبرنا ابوعمر قال:حنا ابى يومًاعنقه بين اصحابه بطفسونج وقال: على رأسى،فسألناه فقال:قدقال الشيخ عبد القادر الاٰن

ہمیں شیخ صالح ابو حفص عمر بن ابوالمعالی نصر بن محمد بن احمد قرشی ہاشمی طفسونجی شافعی نے خبر دی کہ ہم سے شیخ اصل صالح ابوعبداللہ محمد بن ابوالشیخ صالح ابو حفص عمربن شیخ قدوۃابو محمد عبدالرحمٰن طفسونجی نے حدیث بیان کی کہ ہم سے ابوعمرنے حدیث بیان کی کہ ایک دن طفسونج میں میرے والد نے اپنے مریدوں کے درمیان گردن جھکائی اور کہا کہ میرے سر پر۔ہمارے پوچھنے پر فرمایا کہ ابھی شیخ سید عبد القادر علیہ الرحمۃ نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن

[1] بهجة الاسرار ذكر من حنارأسه من المشائخ عند ما قال ذٰلك الشيخ الخ مصطفٰى البابى مصر ص ۱۳

ببغداد:قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ ،فأرخناہ عندنا، ثم جاء الخبرمن بغداد انہ قال ذٰلك فی الیوم الذی أرخناہ[1]۔	پر ہے۔ہم نے اپنے پاس تاریخ نوٹ کرلی پھر بغداد سے خبر موصول ہوئی کہ شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے بالکل اسی دن یہ اعلان فرمایا تھاجو تاریخ ہم نے نوٹ کر رکھی تھی۔(ت)
حدیث چہارم:اخبرنا الفقیہ ابوعلی اسحٰق بن علی بن عبداللہ بن عبدالدائم بن صالح الھمدانی الصوفی الشافعی المحدث قال:اخبرنا الشیخ الجلیل الاصل ابو محمد عبداللطیف ابن الشیخ ابی النجیب عبد القاھر بن عبداللہ بن محمد بن عبد اللہ السھروردی ثم البغدادی الفقیہ الشافعی الصوفی قال:حضرابی ابو النجیب ببغدادبمجلس الشیخ عبد القادر رضی اللہ عنھما،فقال الشیخ عبدالقادر قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ،فطأطأبی رأسہ حتی کادت تبلغ الارض،وقال علی رأسی علی رأسی علی رأسی یقولھاثلاثا[2]۔	ہم سے فقیہ ابوعلی اسحاق بن علی بن عبداللہ بن عبدالدائم بن صالح ہمدانی صوفی شافعی محدث نے حدیث بیان کی کہ ہم سے شیخ جلیل الاصل ابو محمد عبداللطیف بن شیخ ابونجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ سہروردی ثم بغدادی فقیہ شافعی صوفی نے حدیث بیان کی کہ میرے والد ماجد ابوالنجیب بغداد میں شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مجلس میں حاضر تھے شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجلس میں فرمایا: میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔تو میرے والد نے اس حد تک سر جھکایا کہ وہ زمین کے قریب جا پہنچااور تین بار کہا: میرے سر پر، میرے سر پر، میرے سر پر عــــہ (ت)

عــــہ: نوٹ:اعلٰی حضرت علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی کہ یہاں ہم بہجۃالاسرار سے گیارہ" حدیثیں ذکر کرینگے مگر حدیث دوم،سوم اور چہارم تین حدیثیں اصل(فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ۱۲)میں موجود نہیں ہیں بلکہ انکی جگہ بیاض چھوڑاہوا ہے۔حدیث دوم کی سند کا ابتدائی حصہ اصل میں مذکور ہونے کی وجہ سے اس کی نشان دہی ہو گئی مگر حدیث سوم وچہارم کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کون سی تھیں،تاہم احادیث مذکورہ کے مضمون کو دیکھتے ہوئے حدیث دوم کے متصل بعد والی دو حدیثیں ہم نے بہجۃالاسرار سے نقل کردی ہیں جن کا مضمون کافی حد تک احادیث مذکورہ سے یگانگت رکھتا ہے۔اس طرح گیارہ احادیث پوری ہو گئیں۔واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال۔(مترجم)

---

[1] بھجۃ الاسرار ذکر من حنارأسہ من المشائخ عندماقال ذالك الشیخ الخ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۳

[2] بھجۃ الاسرار ذکر من حنارأسہ من المشائخ عندماقال ذالك الشیخ الخ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۳و۱۴

حدیث پنجم: اخبرنا الفقیه الجلیل ابوغالب رزق الله ابن ابی عبدالله محمد بن یوسف الرقی قال اخبرنا الشیخ الصالح ابواسحٰق ابراهیم الرقی قال اخبرنا منصور قال اخبرنا القدوة الشیخ ابوعبدالله محمد بن ماجد الرقی ح واخبرنا عالیا ابوالفتوح نصرالله بن یوسف بن خلیل البغدادی المحدث قال اخبرنا الشیخ ابوالعباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزة الازجی قال اخبرنا الشیخان ابوالمظفر منصوربن المبارك والامام ابو محمد عبدالله بن ابی الحسن الاصبهانی قالوا سمعنا السید الشریف الشیخ القدوة ابا سعید القیلوی رضی الله تعالٰی عنه یقول لما قال الشیخ عبدالقادر قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله تجلی الحق عزوجل علٰی قلبه وجاء ته خلعة من رسول الله صلی الله تعالٰی علیه و سلم علٰی یدطائفة من الملٰئکة المقربین والبسها بمحضر من جمیع الاولیاء من تقدم منهم وما تاخر الاحیاء باجسادهم والاموات بارواحهم وکانت الملٰئکة ورجال الغیب حافین بمجلسه واقفین فی الهو أصفوفاحتی استد الافق بهم ولم یبق ولی فی الارض الاحناعنقه[1]۔

مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے فقیہ جلیل القدر رزق اللہ بن ابو عبداللہ محمد بن یوسف رقی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ صالح ابواسحٰق ابراہیم رقی نے خبر دی کہ ہم کو شیخ امام ابوعبداللہ محمد بن ماجد رقی نے خبر دی۔ نیز ہمیں سند عالی سے ابوالفتح نصراللہ بن یوسف بن خلیل بغدادی محدث نے خبر دی کہ ہم کو شیخ اوالعباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزہ ازجّی نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابوالمظفر منصور بن مبارک وامام ابو محمد عبداللہ بن ابی الحسن اصبہانی نے خبر دی ان سب حضرات نے فرمایا کہ ہم نے سید شریف شیخ امام ابو سعید قیلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا کہ جب حضرت شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ اس وقت اللہ عزوجل نے ان کے قلب مبارک پر تجلّی فرمائی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ ملائکہ مقربین کے ہاتھ انکے لیے خلعت بھیجی اور تمام اولیائے اولین وآخرین کا مجمع ہوا، جو زندہ تھے وہ بدن کے ساتھ حاضر ہوئے اور جو انتقال فرماگئے تھے ان کی ارواح طیبہ آئیں، ان سب کے سامنے وہ خلعت حضرت غوثیت کو پہنایا گیا، ملائکہ اور رجال الغیب کا اس وقت ہجوم تھا ہوا میں پَرے باندھے کھڑے تھے، تمام افق ان سے بھر گیا تھا اور روئے زمین پر کوئی ولی ایسا نہ تھا جس نے گردن نہ جھکادی ہو۔ (ت) والحمدللہ رب العالمین۔

[1] بهجة الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن هیئة الحال حین قال ذٰلك مصطفٰی البابی مصر ص ۸و۹

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا — اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا[1]
تاج فرق عرفا کس کے قدم کو کہئے — سر جسے باج دیں وہ پاؤں ہے کس کا تیرا
گردنیں جھک گئیں سر بچھ گئے دل ٹوٹ گئے — کشف ساق آج کہاں یہ تو قدم تھا تیرا[2]

حدیث ششم: (قال اعلی اللہ تعالٰی مقاماتہ) اخبرنا ابو محمد الحسن بن احمد بن محمد وخلف بن احمد بن محمد الحریمی قال اخبرنا جدی محمد بن دنف قال اخبرنا الشیخ ابو القاسم بن ابی بکر بن احمد قال سمعت الشیخ خلیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وکان کثیرا الرؤیا لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلت لہ یارسول اللہ لقد قال الشیخ عبدالقادر قدمی ھٰذہ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ ،فقال صدق الشیخ عبدالقادر وکفی لاوھو القطب وانا ارعاہ[3]۔	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی اس کے مرتبے بلند فرمائے) کہ ہم کو ابو محمد حسن بن احمد بن محمد اور خلف بن احمد بن محمد حریمی نے خبر دی کہ ہم کو میرے جد محمد بن دنف نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابو القاسم بن ابی بکر احمد نے خبر دی کہ میں نے شیخ خلیفہ اکبر ملکی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا اور وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیدار مبارک سے بکثرت مشرف ہوا کرتے تھے فرمایا خدا کی قسم بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا عرض کی یارسول اللہ ! شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ میرا پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "عبدالقادر نے سچ کہا اور کیوں نہ ہو کہ وہی قطب ہیں اور میں ان کا نگہبان۔"

کلب باب عالی عرض کرتا ہے **الحمدللہ** ! اللہ نے ہمارے آقا کو اس کہنے کا حکم دیا، کہتے وقت ان کے قلب مبارک پر تجلی فرمائی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خلعت بھیجا، تمام اولیاء اولین وآخرین جمع کئے گئے، سب کے مواجہ میں پہنایا گیا۔ ملائکہ کا جمگھٹ ہوا، رجال الغیب نے سلامی دی۔ تمام جہان کے اولیاء نے گردنیں جھکادیں۔ اب جو چاہے راضی ہو، جو چاہے ناراض۔ جو راضی ہو اس کے لئے رضا، جو ناراض ہو اس کیلئے ناراضی۔ جس کا جی جلے اس سے کہو "مُوۡتُوۡا بِغَیۡظِکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ

---

[1] حدائق بخشش وصل دوم در منقبت آقائے اکرم غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۴و۸
[2] حدائق بخشش وصل دوم در منقبت آقائے اکرم غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۴و۸
[3] بھجۃ الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن ھیئۃ الحال حین قال ذٰلک مصطفی البابی مصر ص ۱۰

الصُّدُوۡرِ﴿۱۱۹﴾ "[1] مر جاؤ اپنی جلن میں بے شک اللہ دلوں کی جانتا ہے۔وللہ الحجۃ البالغہ۔

حدیث ہفتم:(قال بیض اللہ تعالٰی وجھہ)اخبرنا الحسن بن نجیم الحورانی قال اخبرنا الشیخ العارف علی بن ادریس الیعقوبی قال سمعت الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول الانس لھم مشائخ والملئکۃ لھم مشائخ وانا شیخ الکل،قال وسمعتہ فی مرض موتہ یقول لاولادہٖ بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعد مابین السماء والارض لاتقیسونی باحد ولا تقیسوا علیّ احدا[2]۔	مصنف نے کہا(اللہ تعالٰی اس کے چہرے کو روشن کرے)کہ ہم سے حسن بن نجیم حورانی نے حدیث بیان کی،کہا ہم کو ولی جلیل حضرت علی بن ادریس یعقوبی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خبر دی،کہا میں نے حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سنا کہ فرماتے تھے:آدمیوں کے لئے پیر ہیں،قوم جن کے لئے پیر ہیں،فرشتوں کے لئے پیر ہیں،اور میں سب کا پیر ہوں،اور میں نے حضور کو اس مرض مبارک میں جس میں وصال اقدس ہوا سنا کہ اپنے شاہزادگان کرام سے فرماتے تھے:مجھ میں اور تم میں اور تمام مخلوقات زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان وزمین میں۔مجھ سے کسی کو نسبت نہ دو اور مجھے کسی پر قیاس نہ کرو۔اے ہمارے آقا!آپ نے سچ کہا،خدا کی قسم!آپ صادق مصدوق ہیں۔(ت)
حدیث ہشتم:(قال طیب اللہ تعالٰی ثراہ)اخبرنا ابو المعالی صالح بن احمد المالکی قال اخبرنا الشیخ ابو الحسن البغدادی المعروف بالخفاف والشیخ ابو محمد عبداللطیف البغدادی المعروف بالمطرز قال ابوالحسن اخبرنا شیخنا الشیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر الحریمی سنۃ ثمانین وخمسائۃ وقال ابو محمد	مصنف(اللہ تعالٰی اس کی قبر کو خوشبودار بنائے)نے کہا کہ ہم کو ابوالمعالی صالح بن احمد مالکی نے خبر دی کہ ہم کو دو مشائخ کرام نے خبر دی،ایک شیخ ابوالحسن بغدادی معروف بہ خفاف،دوسرے شیخ ابو محمد عبداللطیف بغدادی معروف بہ مطرز۔اول نے کہا ہمارے پیر ومرشد حضرت شیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر حریمی قدس سرہٗ نے ہمارے سامنے ۵۸۰ھ میں فرمایا،اور دوم نے کہا ہم کو ہمارے

[1] القرآن الکریم ۳/۱۱۹

[2] بھجۃ الاسرار ذکر کلمات اخبربھا عن نفسہ الخ مصطفی البابی مصر ص۲۲و۲۳

اخبرنا شیخنا عبدالغنی بن نقطة قال اخبرنا شیخنا ابوعمروعثمٰن الصریفینی قالا واللہ ما اظھراللہ تعالٰی ولا یظھرالی الوجود مثلاالشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ[1]۔	مرشد حضرت عبدالغنی بن نقطہ نے خبر دی کہ ان کے سامنے ان کے مرشد حضرت شیخ ابوعمرو عثمان صریفینی قدس سرہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ عزوجل نے اولیاء میں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مثل نہ پیدا کیا نہ کبھی پیدا کرے۔

بقسم کہتے ہیں شاہان صریفین وحریم
کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا[2]

حدیث نہم:(قال رفع اللہ تعالٰی کتابہ فی علیین) اخبرنا الشیخ ابو المحاسن یوسف بن احمد البصری عقال سمعت الشیخ العالم اباطالب عبد الرحمٰن بن محمد الھاشمی الواسطی قال سمعت الشیخ القدوۃ جمال الدین ابا محمد بن عبد البصری بھا یقول وقد سئل عن الخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام أحی ھو ام میت قال اجتمعت بابی العباس الخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام وقلت اخبرنی عن حال الشیخ عبدالقادر قال ھو فرد الاحباب وقطب الاولیاء فی ھذا الوقت وما واللہ تعالٰی ولیا الی مقام الاوکان الشیخ عبدالقادر اعلاہٗ ولا سقی اللہ حبیبًاکأسامن حبہ الا وکان للشیخ عبدالقادر	مصنف(اللہ تعالٰی اس کے نامۂ اعمال کو علیین میں بلند کرے) نے کہا کہ ہم کو شیخ ابوالمحاسن یوسف بن احمد بصری نے خبر دی کہ میں نے شیخ ابوطالب عبدالرحمٰن بن محمد ہاشمی واسطی سے سنا کہتے تھے میں نے شیخ امام جمال الملۃ والدین حضرت ابو محمد بن عبد بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بصرہ میں سنا،ان سے سوال ہوا تھا کہ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں یا انتقال ہوا؟ فرمایا: میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا اور عرض کی: مجھے حضرت شیخ عبدالقادر کے حال سے خبر دیجئے۔ حضرت خضر نے فرمایا: وہ آج تمام محبوبوں میں یکتا اور تمام اولیاء کے قطب ہیں اللہ تعالٰی نے کسی ولی کو کسی مقام تک نہ پہنچایا جس سے اعلٰی مقام شیخ عبد القادر کو نہ دیا ہو نہ کسی حبیب کو اپنا جام محبت پلایا جس سے خوشگوار تر شیخ عبدالقادر

[1] بھجة الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعًا بشیئ من عجائب احوالہ مختصرًا مصطفی البابی مصر ص ۲۵
[2] حدائق بخشش فصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۶

اهناه، ولا وهب الله لمقرب حالا الا وكان الشيخ عبد القادر اجلهٗ، وقد اودعه الله تعالٰی سرا من اسرارہ سبق به جمهور الاولياء وما اتخذالله وليا كان اول يكون الا وهو متأدب معه الٰی يوم القيٰمة [1]۔	نے نہ پیا ہو، نہ کسی مقرب کو کوئی حال بخشا کہ شیخ عبدالقادر اس سے بزرگ تر نہ ہوں۔ اللہ نے ان میں اپنا وہ راز ودیعت رکھا ہے جس سے وہ جمہور اولیاء پر سبقت لے گئے، اللہ نے جتنوں کو ولایت دی اور جتنوں کو قیامت تک دے سب شیخ عبدالقادر کے حضور ادب کئے ہوئے ہیں۔

؎ جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا [2]

حدیث دہم: قال رفع الله تعالٰی درجاته فی الفردوس اخبرنا الشريف ابو عبدالله محمد بن الخضر الحسينی الموصلی، قال سمعت ابی يقول كنت يوما جالسا بين يدی سيدی الشيخ محی الدين عبد القادر رضی الله تعالٰی عنه فخطر فی قلبی زيارة الشيخ احمد رفاعی رضی الله عنه فقال لی الشيخ احمد؟ قلت نعم فاطرق يسيرًا، ثم قال لی ياخضرها الشيخ احمد فاذا انا بجانبه فرأيت شيخًا مهابا فقمت اليه وسلمت عليه، فقال لی ياخضرو من يری مثل الشيخ عبد القادر سيد الاولياء يتمنی رؤية مثلی وهل انا الامن رعيته ثم غاب وبعدوفاة الشيخ انحدرت	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی جنت فردوس میں اس کے درجے بلند فرمائے) کہ ہم کو سید حسینی ابو عبداللہ محمد بن خضر موصلی نے خبر دی کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سنا کہ ایک روز میں حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور حاضر تھا میرے دل میں خطرہ آیا کہ شیخ احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زیارت کروں، حضور نے فرمایا: کیا شیخ احمد کو دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی: ہاں۔ حضور تھوڑی دیر سر مبارک جھکایا پھر مجھ سے فرمایا: اے خضر! لو یہ ہیں شیخ احمد۔ اب جو میں دیکھوں تو اپنے آپ کو حضرت احمد رفاعی کے پہلو میں پایا اور میں نے اُن کو دیکھا کہ رعب دار شخص ہیں میں کھڑا ہوا اور انہیں سلام کیا۔ اس پر حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا: اے خضر! وہ جو شیخ عبدالقادر

[1] بهجة الاسرار ذكر الشيخ ابو محمد القاسم بن عبدالبصری مصطفٰی البابی مصر ص ۱۷۳

[2] حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۶

من بغداد الی ام عبیدة لازوره، فلما قدمت علیه اذا هو الشیخ الذی رأیته فی جانب الشیخ عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه فی ذٰلك الوقت لم تجدد رؤیته عندی زیادة معرفة به فقال لی یاخضر الم تکفك الاولٰی[1]۔	کو دیکھے جو تمام اولیاء کے سردار ہیں وہ میرے دیکھنے کی تمنا میں تو انہیں کی رعیت میں سے ہوں۔ یہ فرماکر میری نظر سے غائب ہوگئے پھر حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال اقدس کے بعد بغداد شریف سے حضرت سیدی احمد رفاعی کی زیارت کو ام عبیدہ گیا انہیں دیکھا تو وہی شیخ تھے جن کو میں نے اس دن حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پہلو میں دیکھا تھا۔ اس وقت کے دیکھنے نے کوئی اور زیادہ ان کی شناخت مجھے نہ دی۔ حضرت رفاعی نے فرمایا: اے خضر! کیا پہلی تمہیں کافی نہ تھی!
حدیث یازدہم: (قال جمعنا الله تعالٰی وایاه یوم الحشر تحت لواء الحضرة الغوثیة) اخبرنا ابو القاسم محمد بن عبادة الانصاری الحلبی قال سمعت الشیخ العارف اباسحٰق ابراهیم بن محمود البعلبکی المقری قال سمعت شیخنا الامام اباعبدالله محمد البطائحی، قال انحدرت فی حیاة سید الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه الی ام عبیدة، واقمت برواق الشیخ احمد رضی الله تعالٰی عنه ایامًا فقال لی الشیخ احمد یومًا اذکر لی شیئًا من مناقب الشیخ عبدالقادر وصفاته فذکرت له شیئًا منها، فجاء رجل فی اثناء حدیثی فقال لی مه لاتذکر عندنا مناقب غیر مناقب هذا، اواشار الی الشیخ احمد فنظر	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی ہمیں اور اسے یوم محشر کو غوث اعظم کے جھنڈے کے نیچے جمع فرمائے) کہ ہم کو ابوالقاسم محمد بن عبادہ انصاری حلبی نے خبر دی کہ میں نے شیخ عارف باللہ ابواسحٰق ابراہیم بن محمود بعلبکی مقری کو فرماتے سنا، کہا میں نے اپنے مرشد امام ابوعبداللہ بطائحی کو سنا کہ فرماتے تھے: میں حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ام عبیدہ گیا اور حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خانقاہ میں چند روز مقیم رہا ایک روز حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا ہمیں حضرت شیخ عبدالقادر کے کچھ مناقب واوصاف سناؤ، میں نے کچھ مناقب شریف ان کے سامنے بیان کئے میرے اثنائے بیان میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے کہا کیا ہے اور حضرت سید رفاعی کی طرف اشارہ کرکے کہا ہمارے سامنے ان کے سوا کسی کے

[1] بهجة الاسرار ذکر احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۷، ۲۳۸

الیه الشیخ احمد مغضبا، فرفع الرجل من بین یدیه میتًا ثم قال ومن یستطع وصف مانقب الشیخ عبد القادر ومن یبلغ مبلغ الشیخ عبدالقادر ذٰلك رجل بحر الشرعة عن یمینهٖ، وبحر الحقیقة عن یسارہ، من ایهما شاء اغترف الشیخ عبدالقادر لاثانی له فی عصرنا هٰذا، قال وسمعته یوما یوصی اولاد اختهٖ و اکابر اصحابه، وقدجاء رجل یودعه مسافرًا الی بغداد قال له اذا دخلت الی بغداد فلا تقدم علی زیارة الشیخ عبدالقادر شیئًا ان کان حیا ولا علی زیارة قبره ان کان میتا، فقد اخذله العهد ایما رجل من اصحاب الاحوال دخل بغداد ولم یزرہ سلب حاله ولو قبیل الموت، ثم قال والشیخ محی الدین عبدالقادر حسرة علی من لم یرہ رضی الله عنه [1]۔	مناقب ذکر نہ کرو، یہ سنتے ہی حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس شخص کو ایک غضب کی نگاہ سے دیکھا کہ فورًا اس کا دم نکل گیا لوگ اس کی لاش اٹھا کر لے گئے، پھر حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر کے مناقب کون بیان کرسکتا ہے، شیخ عبدالقادر کے مرتبہ کو کون پہنچ سکتا ہے، شریعت کا دریا ان کے دَہنے ہاتھ پر ہے اور حقیقت کا دریا ان کے بائیں ہاتھ پر جس میں سے چاہیں پانی پی لیں، ہمارے اس وقت میں شیخ عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں۔ امام ابوعبداللہ فرماتے ہیں ایک دن میں نے حضرت رفاعی کو سنا کہ اپنے بھانجوں اور اکابر مریدین کو وصیت فرماتے تھے ایک شخص بغداد مقدس کے ارادے سے ان سے رخصت ہونے آیا تھا فرمایا جب بغداد پہنچو تو حضرت شیخ عبدالقادر اگر دنیا میں تشریف فرماہوں تو ان کی زیارت اور پردہ فرماجائیں تو ان کے مزار مبارک کی زیارت سے پہلے کوئی کام نہ کرنا کہ اللہ عزوجل نے ان سے عہد فرمارکھا ہے کہ جو کوئی صاحب حال بغداد آئے اور ان کی زیارت کو نہ حاضر ہو اس کا حال سلب ہوجائے اگرچہ اس کے مرتے وقت پھر حضرت رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر حسرت ہیں اس پر جسے انکا دیدار نہ ملا۔

[1] بهجة الاسرار ذکر الشیخ احمد بن الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص۲۳۸

یہ کمینہ بندہ بارگاہ عرض کرتا ہے:۔

اے حسرت آنانکہ ندیدند جمالت　　　محروم مداراایں سگ خود راز نوالت [1]

(جنہوں نے آپ کا جمال نہ دیکھا ان پر حسرت ہے، اپنے اس کتے کو اپنی عطا سے محروم نہ رکھیں۔ت)

بحرمة جدك الكريم عليه ثم عليك الصلٰوة والتسليم (اپنے کریم نانا کے صدقے میں۔ان پر پھر آپ پر درود وسلام ہو۔ت)

مسلمان ان احادیث صحیحہ جلیلہ کو دیکھے اوراس شخص کے مثل اپنا حال ہونے سے ڈرے جس کا خاتمہ حضرت غوثیت کی شان میں گستاخی اور حضرت سید رفاعی کے غضب پر ہوا، **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔اے شخص! ظاہر شریعت میں حضرت سرکار غوثیت کی محبت بایں معنٰی رکنِ ایمان نہیں کہ جو ان سے محبت نہ رکھے شرع اسے فی الحال کافر کہے یہ تو صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کے لئے ہے مگر واللہ کہ ان کے مخالف سے اللہ عزوجل نے لڑائی کا اعلان فرمایا ہے خصوص کا انکار نصوص کے انکار کی طرف لے جاتا ہے، عبدالقادر کا انکار قادر مطلق عزجلالہٗ کے انکار کی طرف کیوں نہ لے جائے گا۔

باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی　　　دیکھ اڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے　　　کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا [2]

والعیاذ باللہ القادر رب الشیخ عبدالقادر وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علی جد الشیخ عبدالقادر ثم علی الشیخ عبدالقادر اٰمین۔	شیخ عبدالقادر کے قدرت والے معبود کی پناہ، شیخ عبدالقادر کے نانا جان پھر خود شیخ عبدالقادر پر اللہ تعالٰی درود، برکت اور سلام نازل فرمائے، آمین۔

تذئیل: اخیر میں ہم دو جلیل القدر اجلۃ المشاہیر علماء کبار مکہ معظّمہ کے کلمات ذکر کریں جن کی وفات کو تین تین سو برس سے زائد ہوئے، **اوّل** امام اجل ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی، **دوم** علامہ علی قاری مکی حنفی صاحبِ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہا کتب جلیلہ۔دو غرض سے:

ایک یہ کہ اگر دو مطرودوں، مخذولوں، گمناموں، مجہولوں واسطی وقرمانی کی طرح کسی کے دل میں

1

2 حدائق بخشش وصل چہارم در منافحت اعداء واستعانت از آقا رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۹

کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف سے آگ ہو تو ان سے لاگ کی تو کوئی وجہ نہیں یہ بالاتفاق اجلہ اکابر علماء ہیں۔

دوسرے یہ کہ دونوں صاحب اکابر مکہ معظّمہ سے ہیں، تو اس افتراء کا جواب ہوگا جو مخالف نے اہل عرب پر کیا حالانکہ غالبًا تاریخ الحرمین وغیرہ میں ہے، اور حاضری حرمین طیبین سے مشرف ہونے والا جانتا ہے کہ اہل حرمین طیبین بعد حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اٹھتے بیٹھتے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذکر کرتے ہیں اور حضور کے برابر کسی کا نام نہیں لیتے۔ ان حضرات کی بھی گیارہ ہی عبارات نقل کریں۔:

(۱) علامہ علی قاری حنفی مکی متوفی ۱۰۱۴ھ کتاب نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبدالقادر میں فرماتے ہیں:

لقد بلغنی عن بعض الاکابر ان الامام الحسن ابن سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما لما ترك الخلافۃ لما فیہا من الفتنۃ والاٰفۃ عوضہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی القطبیۃ الکبرٰی فیہ وفی نسلہ وکان رضی اللہ تعالٰی عنہ القطب الاکبر سیدنا السید الشیخ عبدالقادر ھو القطب الاوسط والمھدی خاتمۃ الاقطاب[1]۔	بیشک مجھے اکابر سے پہنچا کہ سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب بخیال فتنہ وبلایہ خلافت ترک فرمائی اللہ عزوجل نے اس کے بدلے ان میں اور انکی اولاد امجاد میں غوثیت عظمٰی کا مرتبہ رکھا۔ پہلے قطب اکبر خود حضور سید امام حسن ہوئے اور اوسط میں صرف حضور سیدنا سید عبدالقادر اور آخر میں حضرت امام مہدی ہوں گے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

(۲) اسی میں ہے:

من مشائخہ حماد الدباس رضی اللہ تعالٰی عنہ روی ان یوما کان سیدنا عبدالقادر عندہ فی رباطہ ولما غاب من حضرتہ قال ان ھذا الاعجمی الشریف قدمًا یکون علی رقاب اولیاء اللہ یصیر مامورا من عند مولاہ	حضرت حماد دباس حضور سیدنا غوث اعظم کے مشائخ سے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ایک روز انہوں نے سرکار غوثیت کی غیبت میں فرمایا، ان جوان سید کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا انہیں اللہ عزوجل حکم دے گا کہ فرمائیں میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ

[1] نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص۶

بان یقول قدمی ھٰذا علی رقبۃ کل ولی اللہ ویتواضع لہ جمیع اولیاء اللہ فی زمانہ ویعظمونہ لظھور شانہ[1]۔	کی گردن پر، اور ان کے زمانے میں جمیع اولیاء اللہ انکے لئے سر جھکائیں گے، اور ان کے ظہور مرتبہ کے سبب ان کی تعظیم بجا لائیں گے۔

مامور من اللہ ہونا ملحوظ رہے اور جمیع اولیاء زمانہ میں بے شک حضرت سیدی رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی داخل۔

(۳) اسی میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا "قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ "[2] فرمانا اور اولیاء حاضرین و غائبین کا گردنیں جھکانا اور قدم مبارک اپنی گردنوں پر لینا اور ایک شخص کا انکار کرنا اور اس کی ولایت سلب ہو جانا بیان کرکے فرماتے ہیں:

وھذا تنبیہ بینۃ علی انہ قطب الاقطاب والغوث الاعظم[3]۔	یہ روشن دلیل قاطع ہے اس پر کہ حضور تمام قطبوں کے قطب اور غوث اعظم ہیں۔

(۴) اسی میں ہے:

ومن کلامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تحدثا بنعم اللہ تعالٰی علیہ بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعد مابین السماء والارض فلاتقیسونی باحد ولاتقیسوا علی احدًا یعنی فلایقاس الملوك بغیر ھم وھٰذا کلہ من فتوح الغیب المبرء من کل عیب۔	حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اللہ عزوجل کی اپنے اوپر نعمتیں ظاہر فرمانے کا جو کلام ارشاد فرمائے ان میں سے یہ ہے کہ فرمایا مجھ میں اور تمام مخلوقات زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان وزمین میں، مجھے کسی سے نسبت نہ دو اور مجھ پر کسی کو قیاس نہ کرو۔ اس پر علامہ علی قاری فرماتے ہیں اس لئے کہ سلاطین کا رعیت پر قیاس نہیں ہوتا اور یہ سب غیب کے فتوحات سے ہے جو ہر عیب سے پاک وصاف ہے۔

[1] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص۸
[2] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص۹و۱۰
[3] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص۹و۱۰

(۵) اسی میں ہے:

وعن عبداللّٰہ بن علی بن عصرون التمیمی الشافعی قال دخلت وانا شاب الٰی بغدادفی طلب العلم وکان ابن السقایومئذ رفیقی فی الاشتغال بالنظامیة وکنا نتعبد ونزور الصالحین وکان رجل ببغدادیقال له الغوث، وکان یقال عنه انه یظهر اذا شاء وخفی اذا شاء فقصدت انا وابن السقا والشیخ عبدالقادر الجیلانی وھو شاب یومئذالٰی زیارته فقال ابن السقاونحن فی الطریق الیوم اسأله عن مسئلة لایدری لها جوابا، فقلت وانا اسئله[1](نزھة الخاطروالفاتر فی ترجمة سید الشریف عبدالقادر(قلمی نسخه) ص۳۰)عن مسئلة فانظر ماذایقول فیها وقال سیدی الشیخ عبد القادر قدس سره الباھر معاذ اللّٰہ ان اسأله شیئا، وانا بین یه اذًا انظر برکات رویته فلما دخلنا علیه لم نره فی مکانه فمکثنا ساعة فاذا ھوجالس فنظر الی ابن السقا مغضباوقال له ویلك یا ابن السقا تسألنی عن مسئلة لم أردلها جوابا، ھی کذا وجوابها کذا، انی لاری نارالکفر تلھب فیك۔ ثم نظر الی وقال	امام عبداللّٰہ بن علی بن عصرون تمیمی شافعی سے روایت ہے میں جوانی میں طلب علم کے لئے بغداد گیااس زمانے میں ابن السقا مدرسہ نظامیہ میں میرے ساتھ پڑھا کرتا تھا، ہم عبادت اور صالحین کی زیارت کرتے تھے، بغداد میں ایک صاحب کو غوث کہتے، اور ان کی یہ کرامت مشہور تھی کہ جب چاہیں ظاہر ہوں جب چاہیں نظروں سے چھپ جائیں، ایک دن میں اور ابن السقااوراپنی نوعمری کی حالت میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ان غوث کی زیارت کو گئے، راستے میں ابن السقا نے کہا آج ان سے وہ مسئلہ پوچھوں گا جس کا جواب انہیں نہ آئے گا۔ میں نے کہا میں بھی ایک مسئلہ پوچھوں گا دیکھوں کیاجواب دیتے ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ الاعلی نے فرمایا معاذاللہ کہ میں ان کے سامنے ان سے کچھ پوچھوں میں تو انکے دیدار کی برکتوں کا نظارہ کروں گا۔ جب ہم ان غوث کے یہاں حاضر ہوئے ان کو اپنی جگہ نہ دیکھا تھوڑی دیر میں دیکھا تشریف فرما ہیں ابن السقا کی طرف نگاہ غضب کی اور فرمایا: تیری خرابی اے ابن السقا! تو مجھ سے وہ مسئلہ پوچھے گا جس کا مجھے جواب نہ آئے تیرا مسئلہ یہ ہے اوراس کاجواب یہ ہے، بے شک میں کفر کی آگ تجھ میں بھڑکتی دیکھ رہا ہوں۔ پھر میری طرف نظر کی اورفرمایا

[1] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۳۰

یاعبدالله تسألنی عن مسألة لتنظر مااقول فیها هی کذا وجوابها کذا لتخرن علیك الدنیا الٰی شحمتی اذنیك باساءة ادبک۔ثم نظر الٰی سید عبدالقادر و ادناہ منه واکرمه وقال له یا عبدالقادر لقد ارضیت الله ورسوله بادبك کانّی اراك ببغداد وقد صعدت علی الکرسی متکلما علی الملا وقلت قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبة کل ولی الله ،وکانّی اری الاولیاء فی وقتك وقد حنوا رقبھم اجلالا لک.ثم غاب عنا لوقته فلم نرہ بعد ذٰلک، قال واما سیدی الشیخ عبدالقادر فانه ظهرت امارة قربه من الله عزوجل واجتمع علیه الخاص والعام، وقال قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبة کل ولی الله واقرت الاولیاء بفضله فی وقته واما ابن السقافرأی بنتا للملك حسینة ففتن بها وسأل ان یزوجها به فابٰی الاان یتنصّرفاجابه الٰی ذٰلک۔والعیاذبالله تعالٰی۔واما انا فجئت الٰی دمشق واحضرنی السلطان نورالدین الشھید وولانی علی الاوقات فولیتها واقبلت علی الدنیا اقبالا کثیرااقدصدق	اے عبداللہ ! تم مجھ سے مسئلہ پوچھوگے کہ میں کیاجواب دیتا ہوں تمہارامسئلہ یہ ہےاور اس کاجواب یہ، ضرور تم پر دنیااتنا گوبر کرے گی کہ کان کی لُوتک اس میں غرق ہوگے، بدلہ تمہاری بے ادبی کا۔ پھر حضرت شیخ عبدالقادر کی طرف نظر کی اور حضور کو اپنے نزدیک کیااور حضور کااعزاز کیااور فرمایا: اے عبدالقادر ! بے شک آپ نے اپنے حسن ادب سے اللہ و رسول کو راضی کیا گویامیں اس وقت دیکھ رہاہوں کہ آپ مجمع بغداد میں کرسی وعظ پر تشریف لے گئے اور فرمارہے ہیں کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، اور تمام اولیائے وقت نے آپکی تعظیم کیلئے گردنیں جھکائی ہیں۔ وہ غوث یہ فرما کر ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئے پھر ہم نے انہیں نہ دیکھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تو نشان قرب ظاہر ہوئے کہ وہ اللہ عزوجل کے قرب میں ہیں خاص وعام ان پر جمع ہوئے اورانہوں نے فرمایا: میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ اور اولیاء وقت نے اس کا ان کے لئے اقرار کیا، اورابن السقا ایک نصرانی بادشاہ کی خوبصورت بیٹی پر عاشق ہوااس سے نکاح کی درخواست کی اس نے نہ مانامگر یہ نصرانی ہوجائے، اس نے یہ نصرانی ہونا قبول کرلیا، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ رہامیں، میرا دمشق جاناہوا وہاں سلطان نورالدین شہید نے مجھے افسر اوقاف کیا اوردنیا بکثرت میری طرف آئی۔ غوث کا ارشاد ہم سب کے بارے میں

کلام الغوث فیناکلنا۔	جو کچھ تھا صادق آیا۔

اولیاءِ وقت میں حضرت رفاعی بھی ہیں۔ یہ مبارک روایت بہجۃ الاسرار شریف[1] میں دو سندوں سے ہے، اور ایک یہی کیا۔ علامہ علی قاری نے اس کتاب میں چالیس ۴۰ روایات اور بہت کلمات کہ ذکر کئے سب بہجۃ الاسرار شریف سے ماخوذ ہیں، یونہی اکابر ہمیشہ اس کتاب مبارک کی احادیث سے استناد کرتے آئے مگر محروم محروم۔

(٦) اسی میں ہے:

قال رضی اللہ تعالٰی عنه وعزّۃ ربّی ان السعداء و الاشقیاء یعرضون علی وان بؤبؤ عینی فی اللوح المحفوظ انا حجۃ اللہ علیکم جمیعکم انا نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ووارثه فی الارض و یقول الانس لھم مشائخ والجن لھم مشائخ و الملئکة لھم مشائخ وانا شیخ الکل، رضی اللہ تعالٰی عنه، ونفعنابه[2]۔	حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا "مجھے عزت پروردگار کی قسم! بے شک سعید و شقی مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، بیشک میری آنکھ پُتلی لوح، محفوظ میں ہے، میں تم سب پر اللہ کی حجت ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب اور تمام زمین میں ان کا وارث ہوں۔ اور فرمایا کرتے: آدمیوں کے پیر ہیں، قوم جن کے پیر ہیں، فرشتوں کے پیر ہیں اور میں ان سب کا پیر ہوں۔" علی قاری اسے نقل کر کے عرض کرتے ہیں: اللہ عزوجل کی رضوان حضور پر ہو اور حضور کے برکات سے ہم کو نفع دے۔

(۷) اسی میں ہے:

روی عن السید الکبیر القطب الشھیر سید احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنه انه قال الشیخ عبد القادر بحر الشریعة عن یمینه وبحر الحقیقة عن یسارہ من ایھماشاء اغترف السید	سید کبیر قطب شہیر سید احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: شیخ عبدالقادر وہ ہیں کہ شریعت کا سمندر ان کے دہنے ہاتھ ہے اور حقیقت کا سمندر ان کے بائیں ہاتھ، جس میں سے چاہیں پانی پی لیں۔ اس ہمارے

[1] بهجة الاسرار ذکر اخبار المشایخ منه بذلك مصطفی البابی مصر ص٦

[2] نزهة الخاطر الفاتر فی ترجمة سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ۳۲

عبدالقادر لاثانی لہ فی عصرنا ھذا رضی اللہ تعالٰی عنہ[1]۔	وقت میں سید عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۸) امام ابن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

انھم قد یؤمرون تعریفا لجاھل اوشکرا وتحدثا بنعمۃ اللہ تعالٰی کما وقع الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ بینما ھو بمجلس وعظہ واذا ھو یقول قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ تعالٰی فاجابہ فی تلک الساعۃ اولیاء الدنیا قال جماعۃ بل واولیاء الجن جمیعھم وطأطئوا رءوسھم وخضعوالہ واعترفوا بما قالہ الارجل باصبھان فابٰی فسلب حالہ[2]۔	کبھی اولیاء کو کلمات بلند کہنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جو ان کے مقامات عالیہ سے ناواقف ہے اسے اطلاع ہو یا شکر الٰہی اور اس کی نعمت کا اظہار کرنے کے لئے جیسا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ہوا کہ انہوں نے اپنی مجلس وعظ میں دفعۃً فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، فورًا تمام دنیا کے اولیاء نے قبول کیا (اور ایک جماعت کی روایت ہے کہ جملہ اولیاء جن نے بھی) اور سب نے اپنے سر جھکادئے اور سرکار غوثیت کے حضور جھک گئے اور ان کے اس ارشاد کا اقرار کیا مگر اصفہان میں ایک شخص منکر ہوا فورًا اس کا حال سلب ہوگیا۔

(۹) پھر فرمایا:

وممن طأطأ رأسہ ابوالنجیب[۱] السھروردی وقال علٰی رأسی واحمد[۲] الرفاعی قال علی رقبتی وحمید منھم وسئل فقال الشیخ عبدالقادر یقول کذا وکذا، وابو مدین[۳] فی المغرب وانا منھم اللھم انی اشھدک واشھد ملٰئکتک	حضور کے ارشاد پر جنہوں نے اپنے سر جھکائے ان میں سے (سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے پیران پیر) حضرت سید عبدالقاہر ابوالنجیب سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے اپنا سر مبارک جھکادیا اور کہا (گردن کیسی) میرے سر پر میرے سر پر۔ اور ان میں سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے کہا میری گردن پر، اور کہا

[1] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ۳۴

[2] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ھذہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

انی سمعت واطعت، وکذا الشیخ عبدالرحیم القناوی مدّ عنقه وقال صدق الصادق المصدوق[1]۔	یہ چھوٹا سا احمد بھی انہیں میں ہے جن کی گردن پر حضور کا پاؤں ہے، اس کہنے اور گردن جھکانے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد مقدس میں ارشاد فرمایا ہے کہ "میرا پاؤں ہر ولی کی گردن پر" لہذا میں نے بھی سر جھکایا اور عرض کی کہ یہ چھوٹا سا احمد بھی انہیں میں ہے، اور انہیں میں حضرت سید ابو مدین شعیب مغربی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے سر مبارک جھکایا اور کہا میں بھی انہیں میں ہوں الٰہی میں تجھے اور تیرے فرشتوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے قدمی کا ارشاد سنا اور حکم مانا۔ اسی طرح حضرت سیدی شیخ عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی گردن مبارک بچھائی اور کہا سچ فرمایا سچے مانے ہوئے سچے نے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

(۱۰) پھر فرمایا:

ذکر کثیرون من العارفین الذین ذکرنا هم وغیر هم انه لم یقل الا بامر اعلاما بقطبیته فلم یسع احدًا التخلف بل جاء باسانید متعددة عن کثیرین انهم اخبر واقبل مولده بنحو مائة سنة انه سیولد بارض العجم مولدله مظهر عظیم یقول ذٰلك فتندرج الاولیاء فی وقته تحت قدمه[2]۔	اولیاء کرام کہ ہم نے ذکر کئے یعنی حضرت نجیب الدین سہروردی و حضرت سید احمد رفاعی وحضرت شعیب مغربی وحضرت عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالٰی عنہم انہوں نے اور ان کے سوا اور بہت عارفین کرام نے تصریح فرمائی کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی طرف سے ایسا نہ فرمایا بلکہ اللہ عزوجل نے ان کی قطبیت کبرٰی ظاہر فرمانے کے لئے انہیں اس فرمانے کا حکم دیا ولہذا کسی ولی کو گنجائش نہ ہوئی کہ گردن نہ بچھاتا اور قدم مبارک اپنی گردن پر نہ لیتا بلکہ متعدد سندوں سے بہت اولیاء کرام متقدمین سے مروی ہوا کہ انہوں نے سرکار غوثیت کی ولادت مبارکہ سے تقریبًا سو برس پہلے خبر دی تھی کہ عنقریب عجم میں ایک صاحب عظیم مظہر والے پیدا ہونگے اور یہ فرمائیں گے کہ "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر" اس فرمانے پر اس وقت کے تمام اولیاء ان کے قدم کے نیچے سر رکھیں گے اور اس

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذا علی رقبه الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

[2] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذا علی رقبه الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

	قدم کے سایہ میں داخل ہوں گے۔اللھم لك الحمد صل علی محمد وابنہ وذریتہ۔

(۱۱) پھر فرمایا:

وحکی امام الشافعیۃ فی زمنہ ابو سعید عبداللہ بن ابی عصرون قال دخلت بغداد فی طلب العلم فوافقت ابن السقاو رافقتہ فی طلب العلم بالنظامیۃ، وکنا نزور الصالحین وکان ببغداد رجل یقال لہ الغوث[1]۔ (الٰی اٰخر الحدیث المذکور)	"امام ابوسعید عبداللہ بن ابی عصرون نے کہ اپنے زمانہ میں شافعیہ کے امام تھے ذکر فرمایا کہ میں بغداد مقدس میں طلب علم کے لئے گیا ابن السقا اور میں مدرسہ نظامیہ میں شریک درس تھے اور اس وقت بغداد میں ایک شخص کو غوث کہتے تھے (وہی پوری حدیث کہ نمبر ۵ میں گزری، ان غوث کا ہمارے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بشارت دینا کہ آپ برسرِ منبر مجمع میں فرمائیں گے "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر "اور تمام اولیائے عصر آپ کے قدم پاک کی تعظیم کے لئے اپنی گردنیں خم کریں گے، اور پھر ایسا ہی واقع ہونا، حضور کا یہ ارشاد فرمانا اور تمام اولیائے عالم کا اقرار کرنا کہ بے شک حضور کا قدم ہم سب کی گردن پر ہے)

آخر میں ابن حجر نے فرمایا:

وھٰذہ الحکایۃ التی کادت ان تتواتر فی المعنی لکثرۃ ناقلھا وعدالتھم[2]۔	یعنی یہ حکایت قریب تواتر ہے کہ اس کے ناقلین بکثرت ثقہ عادل ہیں۔

فتاوٰی حدیثیہ نے ابن السقا کی بدانجامی میں یہ اور زائد کیا کہ جب وہ بدبخت کہ بہت بڑا عالم جیّد اور علوم شرعیہ میں اپنے اکثر اہل زمانہ پر فائق اور حافظ قرآن اور علم مناظرہ میں کمال سربرآوردہ تھا جس سے جس علم میں مناظرہ کرتا اسے بند کردیتا، ایسا شخص جب شان غوث میں گستاخی کی شامت سے معاذاللہ نصرانی ہوگیا بادشاہ نصارٰی نے اسے بیٹی تو دے دی مگر جب بیمار پڑا اسے بازار میں پھنکوادیا بھیک مانگتا اور کوئی نہ دیتا، ایک شخص کہ اسے پہچانتا تھا گزرا اس سے پوچھا تو حافظ تھا اب بھی قرآن کریم میں سے کچھ یاد ہے۔ کہا سب محو ہوگیا صرف ایک آیت یاد رہ گئی ہے۔

"رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝"[3]	کتنی تمنائیں کریں گے وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ کسی طرح مسلمان ہوتے۔

[1] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

[2] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[3] القرآن الکریم ۱۵/ ۲

امام ابن ابی عصرون فرماتے ہیں پھر ایک دن میں اسے دیکھنے گیا اسے پایا کہ گویا اس کا سارا بدن آگ سے جلا ہوا ہے، وہ نزع میں تھا، میں نے اسے قبلہ کی طرف کیا ہو وہ پُورب کو پھر گیا، میں نے پھر قبلہ کو کیا وہ پھر پھر گیا۔ اسی طرح میں جتنی بار اسے قبلہ رخ کرتا وہ پُورب کو پھر جاتا یہاں تک کہ پورب ہی کی طرف منہ کئے اس کا دم نکل گیا، وہ ان غوث کا ارشاد یاد کیا کرتا اور جانتا تھا کہ اسی گستاخی نے اس بلا میں ڈالا[1]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی انتہٰی۔"

اگر کہے پھر اسلام کیوں نہیں لاتا تھا، کلمہ پڑھ لینا کیا مشکل تھا اقول اس کا جواب قرآن عظیم دے گا:

"وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾" [2]	تم کیا چاہو جب تک اللہ نہ چاہے جو مالک سارے جہان کا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾" [3]	کوئی نہیں بلکہ ان کی بداعمالیوں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دی ہے۔

اور فرماتا ہے:

"ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾" [4]۔	یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر کفر کیا تو ان کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی کہ اب انہیں کچھ سمجھ نہ رہی والعیاذ باللہ تعالٰی۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

وفی ھذہ ابلغ زجر واکد ردع عن الانکار علی اولیاء اللہ تعالٰی خوفا من ان یقع المنکر فیما وقع فیہ ابن السقامن تلك الفتنۃ المھلکۃ الابدیۃ التی لا اقبح منھا، نعوذ باللہ	اس واقعہ میں اولیاء کرام پر انکار سے کمال جھڑکنا اور سخت منع ہے اس خوف سے کہ منکر اس مہلک فتنے میں پڑ جائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ کا ہلاک ہے اور جس سے بدتر کوئی خباثت نہیں جس میں ابن السقا پڑ گیا، اللہ عزوجل کی پناہ۔ ہم اللہ عزوجل سے

[1] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ھذہ علی رقبۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[2] القرآن الکریم ۸۱/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۸۳/ ۱۴

[4] القرآن الکریم ۶۳/ ۳

من ذٰلک،ونسألہ بوجهه الکریم وحبیبه الرؤف الرحیم ان یؤمننا من ذٰلك ومن کل فتنة ومحنة و بمنه وکرمه وفیها ایضا اتم حث علی اعتقادهم و الادب معهم وحسن الظن بهم ما امکن[1]۔	اس کے وجہ کریم اور اس کے حبیب رؤف رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے سے مانگتے ہیں کہ ہم کو اپنے احسان وکرم کے ساتھ اس سے اور ہر فتنہ ومحنت سے امان بخشے۔نیز اس واقعہ میں کمال ترغیب ہے اس کی کہ اولیاء کرام کے ساتھ عقیدت وادب رکھیں اور جہاں تک ہو ان پر نیک گمان کریں۔

فقیر کوئے قادری امید کرتا ہے کہ اتنے بیان میں اہل انصاف وسعادت کے لئے کفایت ہو۔اللہ عزوجل مسلمان بھائیوں کو اتباع حق وادب اولیاء کی توفیق دے اور ابن السقا بجہنم اس شخص کے حال سے پناہ دے جس نے بزعم خود حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارگاہ میں حق نیاز مندی ادا کیا اور نتیجہ معاذاللہ وہ ہوا کہ سید کبیر کے غضب اور حضور غوثیت کی سرکار میں اساءتِ ادب پر خاتمہ ہوا،**والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

اے برادر! مقتضائے محبت اتباع وتصدیق ہے نہ کہ نزاع وتکذیب۔سچا محب حضرت احمد کبیر کے ارشادات کو بالائے سر لے گا اور جس بارگاہ ارفع کو انہوں نے سب سے ارفع بتایا اور ان کا قدم اقدس اپنے سر مبارک پر لیا انہیں کو ارفع واعظم مانے گا۔ عبد الرزاق محدث شیعی تھا مگر حضرات عالیہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حضرت امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہٗ سے افضل کہتا،اس سے پوچھا جاتا تو جواب دیتا **کفٰی بی ازرا ان احب علیا ثم اخالفه**[2] یعنی امیر المومنین نے خود حضرات شیخین کو اپنے نفس کریم سے افضل بتایا ہے مجھے یہ گناہ بہت ہے کہ علی سے محبت رکھوں پھر انکا خلاف کروں۔واقعی تکذیب مخالفت اگرچہ بزعم عقیدت ومحبت ہو اعلٰی درجہ کی عداوت ہے،**والعیاذ باللہ تعالٰی**،اللہ عزوجل اپنے محبوبوں کا حسن ادب روزی کرے اور انہیں کی محبت پر خاتمہ فرمائے اور انہیں کے گروہ پاک میں اٹھائے،آمین!آمین۔

اٰمین بجاههم عندك یا ارحم الراحمین	اے بہترین رحم فرمانے والے ان محبوبوں کا تیرے

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذہ علی رقبة الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۰۴۴ عبدالرازق بن ہمام دار المعرفة بیروت ۲/ ۶۱۲

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین الی یوم الدین عدد کل ذرۃ ذرۃ الف الف مرۃ فی کل اٰن وحین الٰی ابد الاٰبدین، اٰمین، والحمد للّٰہ رب العالمین۔	نزدیک جو مرتبہ ہے اس کے صدقے ہماری دعا قبول فرما۔ اللہ ہمیشہ ہمیشہ قیامت کے روز تک ہر گھڑی ہر لمحے ہمارے آقا و مولٰی، انکی آل، صحابہ، بیٹے اور ان کے گروہ سب پر کروڑوں درود بھیجے، آمین۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی

ختم ہوا۔

رسالہ
فتاوٰی کراماتِ غوثیہ

مسئلہ اولٰی:

از اوجین ریاست گوالیار مرسلہ جناب محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

مسئلہ ۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے حق الیقین اور مفتیان پابند شرع متین اس مسئلہ میں کہ عبارت نظم "شام ازل اور صبح ابد" سے بیٹھ جانا براق کا وقت سواری آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ثابت ہے۔

"مقولۂ جبرئیل علیہ السلام"

نظم

مسند نشین عرش معلٰی یہی تو ہے — مفتاح قفل گنج فاوحٰی یہی تو ہے
مہتاب منزل شب اسرٰی یہی تو ہے — خورشید مشرق فتدلّٰی یہی تو ہے
ہمراز قرب ہمدم او قاتِ خاصہ ہے — مژدہ ہزار عالمِ رب کا خلاصہ ہے
سن کر یہ بات بیٹھ گیا وہ زمیں پر — تھامی رکاب طائر سدرہ نے دوڑ کر
رونق افزائے دیں ہوئے سلطان بحر و بر — کی عرض پھر براق نے یا سید البشر
محشر کو جب قدم سے گہرپوش کیجئے — اپنے غلام کو نہ فراموش کیجئے

خیر الورٰی نے دی اسے تسکین کہا کہ ہاں
خوش خوش وہ سوئے مسجد اقصٰی ہوا رواں

صاحب "تحفہ قادریہ" لکھتے ہیں کہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑا اور اونچا ہوگیا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔ ارباب معرفت کے نزدیک اس معاملہ میں عمدہ تر حکمت یہ ہے کہ جس طرح آج کی رات محبوب اپنا دولت وصال سے فرح (خوشحال) ہوتا ہے اسی طرح محبوب کا محبوب بھی نعمت قرب خاص اور دولت اختصاص اور ولایت مطلق اور غوثیت برحق اور قطبیت اصطفاء اور محبوبیت مجد وعلا سے آج مالا مال ہی کردیا جائے۔

چنانچہ صاحب "منازل اثنا عشریہ" "تحفہ قادریہ" سے لکھتا ہے کہ اس وقت سیدی و مولائی مرشدی وملجائی، قطب الاکرم، غوث الاعظم، غیاث الدارین وغوث الثقلین، قرۃ العین مصطفوی نوردیدۂ مرتضوی، حسنی حسینی سروحدیقہ مدنی، نور الحقیقت والیقین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روح پاک نے حاضر ہوکر گردن نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور اس طرح عرض کیا: (بیت)

بر سرو دیدہ ام بنہ اے مہ نازنین قد ۔۔۔۔۔ بود بسر نوشت من فیض قدم ازیں قدم

(اے نازنین میرے سر اور آنکھوں پر قدم رکھئے تاکہ اس کی برکت سے میری تقدیر پر فیضان قدم ہو۔ت)

خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث الاعظم پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندان ذریات طیبات سے ہوں اگر آج نعمت سے کچھ منزل بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا: تو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے کل تیرا قدم کُل اولیاء کی گردن پر ہوگا۔

بیت قصیدہ غوثیہ:

وکل ولی لہ قدم وانی ۔۔۔۔۔ علٰی قدم النبی بدر الکمال[1]

(ہر ولی میرے قدم بقدم ہے اور میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہوں جو آسمان کمال کے بدر کامل ہیں۔ت)

---

[1] فتوح الغیب علی ھامش بھجۃ الاسرار القصیدۃ الغوثیۃ مصطفٰی البابی مصر ص ۲۳۱

پس ان دونوں عبارت کتب سے کون سی عبارت متحقق ہے؟ کس پر عمل کیا جائے؟ یا دونوں از روئے تحقیق کے درست ہیں؟ بیان فرمائیے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسے تنبیہ فرمانا کہ:

"اے براق! کیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ! واللہ! تجھ پر کوئی ایسا سوار نہ ہوا جو اللہ عزوجل کے حضور ان سے زیادہ رتبہ رکھتا ہو۔"

اس پر براق کا شرمانا، پسینہ پسینہ ہو کر شوخی سے باز رہنا، پھر حضور پرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کا سوار ہونا، یہ مضمون تو ابوداود و ترمذی ونسائی وابن حبان وطبرانی وبیہقی وغیرہم اکابر محدثین کی متعدد احادیث صحاح وحسان وصوالح سے ثابت۔

کما بسط اکثرھا المولی الجلال السیوطی قدس سرہ فی خصائصہ الکبرٰی[1] وغیرہ من العلماء الکرام فی تصانیفھم الحسنٰی۔	جیسا کہ اس میں سے اکثر کی تفصیل امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "الخصائص الکبرٰی" میں اور دیگر علماء کرام نے اپنی شاندار تصانیف میں فرمائی ہے۔ (ت)

اور اس کا حیا کے سبب براہ تذلل وانقیاد پست ہو کر لپٹ جانا بھی حدیث میں وارد ہے۔

ففی روایۃ عند ابن اسحٰق رفعا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فارتعشت حتی لصقت بالارض فاستویت علیھا[2]۔	اور ایک روایت میں ابن اسحٰق سے مرفوعًا مروی ہے کہ حضور پرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں: جب جبریل نے اس سے کہا تو براق تھرّا گیا اور کانپ کر زمین سے چسپاں ہو گیا، پس میں اس پر سوار ہو گیا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء حدیث ام سلمہ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۱۷۹، المواھب اللدنیۃ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۱ ما لسیرۃ النبویۃ لابن ھشام ذکر الاسراء والمعراج دار ابن کثیر بیروت الجزأین، الاول والثانی ص ۳۹۸

[2] المواھب اللدنیۃ بحوالہ ابن اسحٰق المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۳۹

اور یہ روایت کہ سوال میں تحفہ قادریہ سے ماثور، اس کی اصل بھی حضرات مشائخ کرام قدست اسرارہم میں مذکور۔۔۔۔۔
فاضل عبدالقادر قادری عـــہ بن شیخ محی الدین اربلی، تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں لکھتے ہیں کہ جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب حرز العاشقین میں فرماتے ہیں:

ان لیلۃ المعراج جاء جبرئیل علیہ السلام ببراق الٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسرع من البرق الخاطف الظاھر، ونعل رجلہ کالھلال الباھر،	یعنی شب معراج جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام خدمت اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں براق حاضر لائے کہ چمکتی اُچک لے جانیوالی بجلی سے زیادہ شتاب رو تھا، اور اس کے پاؤں کا نعل آنکھوں میں چکاچوند ڈالنے والا ہلال

عـــہ: حضرت علامہ عبدالقادر قادری بن محی الدین الصدیقی الاربلی جامع علوم شریعت وحقیقت تھے۔ علماء کرام اور صوفیہ عظام میں عمدہ مقام پایا۔ آپ کے اساتذہ میں الشیخ عبدالرحمٰن الطالبانی جیسے اجلّہ فضلاء شامل ہیں۔ اورفہ میں ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں وصال پایا۔ آپ کی تصانیف میں سے مشہور کتابیں یہ ہیں:

۱۔ آداب المریدین ونجاۃ المسترشدین
۲۔ تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر
۳۔ النفس الرحمانیۃ فی معرفۃ الحقیقۃ الانسانیہ
۴۔ الدر المکنون فی معرفۃ السر المصون
۵۔ حدیقۃ الازھار فی الحکمۃ والاسرار
۶۔ شرح الصلاۃ المختصرۃ للشیخ اکبر
۷۔ الدرر المعتبرۃ فی شرح الابیات الثمانیہ عشرہ
۸۔ شرح اللمعات للفخر الدین العراقی
۹۔ القواعد الجمعیۃ فی الطریق الرفاعیۃ
۱۰۔ مجموعۃ الاشعار فی الرقائق والاثار
۱۱۔ مرآۃ الشھود فی وحدۃ الوجود
۱۲۔ مسلک الختام فی معرفۃ الامام، مختصر فی کراستہ
۱۳۔ الالھامات الرحمانیہ فی مراتب الحقیقۃ الانسانیۃ
۱۴۔ حجۃ الذاکرین ورد المنکرین۔
۱۵۔ الطریقۃ الرحمانیہ فی الرجوع والوصول الی الحضرۃ العلیۃ۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:
ا۔ معجم المولفین، عمر رضا کحالہ، الجزء الخامس ص ۳۵۴
ب۔ ھدیۃ العارفین، اسماعیل باشا البغدادی جلد اول ص ۶۰۵

ومسمارہ کالانجم الظواھر، ولم یأخذہ السکون والتمکین لیرکب علیہ النبی الامین، فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لم لم تسکن یابراق حتی ارکب علٰی ظھرک، فقال روحی فداءً لتراب نعلك یارسول اللہ اتمنی ان تعاھدنی ان لاترکب یوم القیٰمۃ علٰی غیر حین دخولك الجنۃ، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون لك ماتمنیت، فقال البراق التمس ان تضرب یدك المبارکۃ علٰی رقبتی لیکون علامۃ لی یوم القیٰمۃ، فضرب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یدہ علٰی رقبۃ البراق، ففرح البراق فرحا حتی لم یسع جسدہ روحہ ونمٰی اربعین ذراعامن فرحہ وتوقف فی رکوبہ لحظۃ لحکمۃ خفیۃ ازلیۃ، فظھرت روح الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال یا سیدی ضع قدمك علٰی رقبتی وارکب، فوضع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدمہ علٰی رقبتہ ورکب، فقال قدمی علٰی رقبتك وقدمك علٰی رقبۃ کل اولیاء اللہ تعالٰی[1] انتھٰی۔	اور اس کی کیلیں جیسے روشن تارے۔ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے لئے اسے قرار وسکون نہ ہوا، سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے سبب پوچھا: بولا: میری جان حضور کی خاک نعل پر قربان، میری آرزو یہ ہے کہ حضور مجھ سے وعدہ فرمالیں کہ روز قیامت مجھی پر سوار ہو کر جنت میں تشریف لے جائیں۔ حضور معلّٰی صلوات اللہ تعالٰی و سلامہ علیہ نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا۔ براق نے عرض کی: میں چاہتا ہوں حضور میری گردن پر دست مبارک لگادیں کہ وہ روز قیامت میرے لیے علامت ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ دست اقدس لگتے ہی براق کو وہ فرحت وشادمانی ہوئی کہ روح اس مقدار جسم میں نہ سمائی اور طرب سے پھول کر چالیس ہاتھ اونچا ہوگیا۔ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک حکمت نہانی ازلی کے باعث ایک لحظہ سواری میں توقف ہوا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روح مطہر نے حاضر ہو کر عرض کی: اے میرے آقا! حضور اپنا قدم پاک میری گردن پر رکھ کر سوار ہوں۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی گردن مبارک پر قدم اقدس رکھ کر سوار ہوئے اور ارشاد فرمایا: "میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر۔"

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر المنقبۃ الاولی سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۴، ۲۵

نوٹ: زیر نظر نسخہ حضرت مولانا ابوالمنصور محمد صادق قادری فاضل جامعہ رضویہ فیصل آباد کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

اس کے بعد فاضل عبدالقادر اربلی فرماتے ہیں:

فایاك یااخی ان تکون من المنکرین المتعجبین من حضور روحه لیلة المعراج لانه وقع من غیره فی تلك اللیلة کما هو ثابت بالاحادیث الصحیحة کرؤیته صلی الله تعالٰی علیه وسلم ارواح الانبیاء فی السمٰوٰت وبلالا فی الجنة واویسا القرنی فی مقعد الصدق و	یعنی اے برادر! بچ اور ڈر اس سے کہ کہیں تُو انکار کر بیٹھے اور شعب معراج حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاضری پر تعجب کرے کہ یہ امر تو صحیح حدیثوں میں اوروں کے لئے وارد ہوا ہے، مثلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام عــہ۱ کو ملاحظہ فرمایا، اور جنت میں بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ عــہ۲ کو دیکھا اور مقعد صدق میں اویس قرنی اور

عــہ۱: تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تفضیله صلی الله تعالٰی علیه وسلم المطبعة الشرکة الصحافیة ۱/۱۴۵

عــہ۲: حدیث شریف میں ہے: قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبلال صلوٰة الغداة یابلال حدثنی بارجی عمل عملته عندك فی الاسلام منفعة فانی سمعت اللیلة خشف نعلیك بین یدی فی الجنة[1]، الحدیث

ایک اور حدیث میں یوں ہے: عن ابن عباس قال لیلة اسری برسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخل الجنة فسمع فی جانبها خشفا فقال یاجبریل من هذا فقال هذا بلال المؤذن فقال قد افلح بلال رأیت له کذا کذا[2]۔

حضرت ابوامامہ کی روایت میں مرفوعًا ہے: فقیل هذا بلال یمشی امامک[3]۔

مذکورہ روایات اور احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جنت میں ملاحظہ فرمایا۔

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم، ام انس بن مالك وبلال ۲/۲۹۲

[2] منتخب کنز العمال علی هامش مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۴/۲۶۹

[3] الکامل لابن عدی ترجمه یحیٰی بن ابی حیة ابوجناب الکلبی دار الفکر بیروت ۷/۲۶۷۰

امرأة ابی طلحة فی الجنة، وسماعه صلی الله تعالٰی علیه وسلم خشخشة الغمیصاء	بہشت میں زوجۂ ابو طلحہ عـــہ۱ کو اور جنت میں غمیصاء بنت ملحان کی پہچل عـــہ۲ سنی، جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کرچکے ہیں۔

عـــہ۱: حدیث میں ہے: عن جابر بن عبدالله ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال رأیت الجنة فرأیت امرأة ابی طلحة الحدیث[1]۔
جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے جنت میں ابوطلحہ کی زوجہ کو دیکھا۔

عـــہ۲: حدیث شریف میں ہے: عن انس عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال دخلت الجنة فسمعت خشفة فقلت من هذا قالوا هٰذه الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالك[2]۔
ایک اور روایت میں یوں بیان ہوا: عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخلت الجنة فسمعت خشخشة بین یدی فاذا هی الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالک[3]۔
مسند احمد کی دوسری روایت یوں ہے: عن انس قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخلت فسمعت بین یدی خشفة فاذا انا بالغمیصاء بنت ملحان[4]۔
ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کی والدہ حضرت غمیصاء بنت ملحان رضی اللہ تعالٰی عنہا کی جنت میں پہچل سنی۔
نوٹ: یاد رہے کہ غمیصاء بنت ملحان یہی زوجۂ ابوطلحہ ہیں۔ فاعلم ذٰلك
(حاشیہ منجانب امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم ام انس بن مالك و بلال ۲/ ۲۹۲
[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم ام انس بن مالك و بلال ۲/ ۲۹۲
[3] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۹
[4] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۰۶

بنت ملحان فی الجنة کما ذکرنا قبل ھذا، وذکر فی حرز العاشقین وغیرہ من الکتب ان نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم لقی لیلة المعراج سیدنا موسٰی علیه السلام فقال موسٰی مرحبابالنبی الصالح والاخ الصالح انت قلت علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، ارید ان یحضراحد من علماء امتك لیتکلم معی فاحضر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم روح الغزالی رحمه الله تعالٰی الی موسٰی علیه السلام (وساق القصة ثم قال)، وفی کتاب رفیق الطلاب لاجل العارفین الشیخ محمد الجشتی نقلا عن شیخ الشیوخ قال قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انی رأیت رجالا من امتی فی لیلة المعراج ارانیھم الله تعالٰی (الخ ثم قال) وقال الشیخ نظام الدین الکنجوی کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم راکبا علی البراق و	اور حرز العاشقین وغیرہ کتابوں میں کہ حضرت سیدنا موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درخواست پر حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے روح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو حکم حاضری دیا۔ روح امام نے حاضر ہو کر موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام کیا۔ [عہ۱] اور عارف اجل شیخ محمد چشتی نے کتاب رفیق الطلاب میں حضرت شیخ الشیوخ قدست اسرارہم سے نقل کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شب معراج کچھ لوگ اپنی امت کے ملاحظہ فرمائے [عہ۲] اور شیخ نظام الدین گنجوی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے تھے: جب حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ رونق افروز پشت براق پر تھے اور براق کا زین پوش میرے کندھے پر تھا۔ اور عمدۃ المحدثین امام نجم الدین غیطی کتاب المعراج میں فرماتے ہیں: جب حضور معلّٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی تک تشریف لے گئے اس پر ایک ابر چھایا [عہ۳] جس میں ہر قسم کا رنگ تھا، جبریل امین

عہ۱: (ا) نبراس شرح شرح عقائد، علامہ عبدالعزیز پرہاروی، ص ۳۸۸

(ب) مقابیس المجالس اردو ترجمہ از واحد بخش سیال ص ۲۵۵

(ج) معراج النبی از علامہ سید احمد سعید کاظمی ص ۲۸ اور مابعد

(د) عرفان شریعت (مجموعہ فتاوٰی امام احمد رضا) مرتبہ مولانا محمد عرفان علی حصہ سوم ص ۸۴ تا ۹۱

عہ۲: رفیق الطلاب مجتبائی دہلی ص ۲۸

عہ۳: عمدۃ الفضلاء المحققین امام نجم الدین غیطی فرماتے ہیں: واما الرفرف فیحتمل ان المراد به السحابة التی غشیته وفیھا من کل لون التی رواھا ابن ابی حاتم عن انس وعند ما غشته تاخر عنه جبریل۔ (کتاب المعراج (مؤلفہ رجب ۹۹۹ھ) مطبوعہ مصر، ص ۸۹)

غاشیته علی کتفی انتھی وقال عمدۃ المحدثین الامام نجم الدین الغیطی فی کتاب المعراج ثم رفع الی سدرۃ المنتھٰی فغشیه سحابة فیھا من کل لون فتأخر جبریل علیه السلام ثم عرج لمستو سمع فیه صریف الاقلام ورأی رجلا مغیبا فی نور العرش فقال من ھذا أملک؟ قیل:لا۔قال:أنبی؟ قیل:لا، ھذا رجل کان فی الدنیالسانه رطب من ذکر الله تعالٰی وقلبه معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیه قط[1] الخ مافی التفریح ملخصا۔	علیہ الصلوٰۃ والسلام پیچھے رہ گئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مستوی پر جلوہ عـــہ۱ فرما ہوئے وہاں قلموں کے لکھنے کی آواز گوشِ اقدس میں آئی اور ایک شخص کو ملاحظہ فرمایا کہ نور عرش میں چھپا ہوا ہے، حضور نے دریافت فرمایا: کیا یہ فرشتہ ہے؟جواب ہوا: نہیں۔ پوچھا کیا یہ نبی ہے؟ کہا: نہیں بلکہ یہ ایک مرد ہے کہ دنیا میں اس کی زبان یادِ خدا میں تر رہتی اور دل مسجدوں میں لگا رہتا۔ کبھی کسی کے ماں باپ کو بُرا کہہ کر اپنے والدین کو بُرا نہ کہلوایا عـــہ۲ انتھی۔

یعنی جب معراج میں اتنے لوگوں کی ارواح کا حاضر ہونا احادیث واقوال علماء واولیاء سے ثابت ہے تو روح اقدس حضور پر نور سید الاولیاء غوث الاصفیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاضری، کیا جائے تعجب وانکار ہے بلکہ ایسی حالت میں حاضر نہ ہونا ہی محل استعجاب ہے۔ اک ذرا انصاف واندازہ قدر قادریت درکار ہے۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اوراللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت) فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے رسالہ "ھدی الحیران فی نفی الفئی عن سیدالاکوان" میں بعونہ تعالٰی ایک فائدہ جلیلہ لکھا کہ مطالب چند قسم ہیں، ہر قسم کا مرتبہ جدا اور ہر مرتبہ کا پایہ ثبوت علیحدہ۔ اس قسم مطالب احادیث میں ظہور نہ ہونا مضر نہیں، بلکہ کلمات علماء ومشائخ میں ان کا ذکر کافی۔

عـــہ۱: امام نجم الدین غیطی فرماتے ہیں: ثم عرج به حتی ظھر لمستوی سمع فیه صریف الاقلام۔ (کتاب المعراج، مطبوعہ مصر، ص۸۹،۸۷)

عـــہ۲: تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب المعراج ص۹

---

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر المنقبۃ الاولی سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد ص۲۴ تا ۲۵

امام خاتمۃ المحدثین جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ الشریف نے "مناهل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء" میں اس روایت کی نسبت کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کے وصال اقدس کے بعد کلام طویل میں حضور کو ہر جملہ پر بکلمہ "بابی انت وامی یارسول الله" (یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ت) ندا کرکے فضائل جلیلہ وخصائص جمیلہ بیان کئے، تحریر فرمایا:

لم اجدہ فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخله ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذلك سندا لمثله فانه لیس ممایتعلق بالاحکام[1]۔	یعنی میں نے یہ روایت کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور امام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے ایک حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی روایت کو اسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انہیں کچھ باب احکام سے تعلق نہیں انتہی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نسیم الریاض[2] شرح شفاء قاضی عیاض میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔

بالجملہ روح مقدس کا شب معراج کو حاضر ہونا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت غوثیت کی گردن مبارک پر قدم اکرم رکھ کر براق یا عرش پر جلوہ فرمانا، اور سرکار ابد قرار سے فرزند ارجمند کو اس خدمت کے صلہ میں یہ انعام عظیم عطا ہونا ___ ان میں کوئی امر نہ عقلاً اور شرعاً مہجور اور کلماتِ مشائخ میں مسطور وماثور، کتبِ حدیث میں ذکر معدوم، نہ کہ عدم مذکور، نہ روایات مشائخ اس طریقہ سند ظاہری میں محصور، اور قدرت قادر وسیع وموفور، اور قدر قادری کی بلندی مشہور پھر رد وانکار کیا مقتضائے ادب وشعور۔

اب یہ رہا کہ اس حدیث میں کہ براق برق رفتار زمین سے لپٹ گیا۔ اور اس روایت میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردنِ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر قدم رکھ کر زیب پشتِ براق ہوئے، بظاہر تنافی ہے۔

اقول: اصلاً منافات نہیں، بلکہ جب اسی روایت میں مذکور کہ براق فرط فرحت سے

---

[1] نسیم الریاض بحوالہ مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۸

[2] نسیم الریاض بحوالہ مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۸

چالیس ہاتھ اونچا ہو گیا اور پُر ظاہر کہ جو مَرْکَب عــہ۱ اس قدر بلند ہو وہ کیسا ہی زمین سے ملصق عــہ۲ ہو جائے تاہم قامتِ انسان سے بہت بلند رہے گا اور اس پر سواری کے لئے ضرور حاجتِ نردبان عــہ۳ ہوگی۔ اب ایک چھوٹے سے جانور فیل عــہ۴ ہی کو دیکھئے کہ جب ذرا بلند و بالا ہوتا ہے اسے بٹھا کر بھی بے زینہ سواری قدرے دقت رکھتی ہے۔ تو اگر براق بوجہ حیاء وتذلل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کے لئے زمین سے لپٹ گیا ہو اور پھر بھی بوجہ طول ارتفاع حاجت زینہ ہو جس کے لئے روح سرکار غوثیت مدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاضر ہو کر اپنے مہربان باپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیر قدم اکرم اپنا شانہ مبارک رکھا ہو، کیا جائے استعجاب عــہ۵ ہے۔

وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب الاکرم واٰلہٖ وصحبہ اھل الکرم وابنہ الکریم الغوث الاعظم وعلینا بجاھھم وبارك وسلم۔	اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم، آپ کے کرم والے آل واصحاب، آپ کے کریم بیٹے غوث اعظم اور ان کے صدقے میں ہم پر رحمت، برکت اور سلام نازل فرمائے۔ (ت)
واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	

مسئلہ دوم:

از کٹھور ضلع سورت اسٹیشن سائن پرب مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۱۶رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

مسئلہ ۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان اقوال کے باب میں:

اول: ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے عرش معلّی پر اپنے اوپر سوار کرکے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر سوار کرکے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر جانے کی معاونت کی، یعنی یہ کام اوپر جانے کا براق اور حضرت جبریل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انجام کو نہ پہنچا حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔

عــہ۱: مَرْکَب بمعنی سواری عــہ۲: ملصق ہونا: چمٹ جانا، مل جانا عــہ۳: سیڑھی عــہ۴: ہاتھی عــہ۵: تعجب۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے۔
تیسرے یہ کہ زنبیل ارواح کی عزرائیل علیہ السلام سے حضرت پیران پیر نے ناراض اور غصہ میں ہو کر چھین لی تھی۔
چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیق سے زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔
ان اقوال کا کیا حال ہے؟ مفصل بیان فرما کر اجر عظیم اور ثواب کریم پائیں اور رفع نزاع بین الفریقین فرمائیں۔

المستفتی

عبدالحق عفاعنہ کٹھور، ضلع سورت، گجرات (بھارت)

مؤرخہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

الجواب:

اللھم لك الحمد فقیر غفراللہ تعالیٰ لہٗ کلمات چند مجمل وسودمند [عہ۱] گزارش کرے اگرچہ فریقین میں سے کسی کو پسند نہ آئیں مگر بعونہ تعالیٰ حق وانصاف ان سے متجاوز نہیں **والحق احق ان یتبع واللہ الھادی الی صراط مستقیم** (اور حق ہی اتباع کے زیادہ لائق ہے، اور اللہ تعالیٰ سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔)
جواب سوال ۲: یہ قول کہ "اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ہوتے اگرچہ اپنے مفہوم شرطی پر صحیح وجائز الاطلاق ہے کہ بے شک مرتبہ علیہ رفیعہ حضورپُرنور رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلومرتبہ نبوت [عہ۲] "

عہ۱: مفید

عہ۲: مرتبہ غوثیت، مرتبہ نبوت کے پیچھے اور اس سے نیچے ہے۔

ہے۔ خود حضور معلّٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: "جو قدم میرے جدّ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھایا میں نے وہیں قدم رکھا سوا اقدام نبوت کے، کہ ان میں غیر نبی کا حصہ نہیں۔

از نبی برداشتن گام از تو بنہادن قدم　　　غیر اقدام النبوۃ سدّ ممشاہا الختام[1]

(نبی کا کام قدم اٹھانا اور آپ کا کام قدم رکھنا ہے علاوہ اقدام نبوت کے، کہ وہاں ختم نبوت نے راستہ بند کردیا ہے)

اور جواز اطلاق یوں کہ خود حدیث میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے وارد:

لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب رواہ احمد[2] و الترمذی والحاکم عن عقبۃ بن عامر والطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا (اس کو امام احمد، ترمذی اور حاکم نے عقبہ بن عامر سے جبکہ طبرانی نے معجم کبیر میں عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے وارد:

لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا۔ رواہ ابن عساکر[3] عن جابر بن عبداللہ وعن ابن عباس وعن ابن ابی اوفٰی والباوردی	اگر ابراہیم جیتے تو صدیق و پیغمبر ہوتے۔ (اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ اور ابن عباس اور ابن ابی اوفٰی سے، جبکہ الباوردی نے حضرت

1

2 جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ لوکان بعدی نبی لکان عمر دار الفکر بیروت ۳/ ۸۵، المعجم الکبیر حدیث ۴۷۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۱۸۰، مسند امام احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۵۴

3 تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر بنیہ وبناتہ علیہ الصلوۃ والسلام وازواجہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۵ تا ۷۹، کنز العمال بحوالہ الباوردی عن انس وابن عساکر عن جابر بن عبداللہ، ابن عباس وابن ابی اوفٰی حدیث ۳۲۲۰۴ ۱۱/ ۴۶۹

عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنهم۔	انس بن مالک سے روایت کیا، اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو۔)

علماء نے امام ابو محمد جوینی قدس سرہٗ کی نسبت کہا ہے کہ: "اگر اب کوئی نبی ہو سکتا تو وہ ہوتے۔" امام ابن حجر مکی اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

قال فی "شرح المهذب" نقلا عن الشیخ الامام المجمع علی جلالته وصلاحه وامامته ابی محمد الجوینی الذی قیل فی ترجمته لو جاز ان یبعث الله فی هذه الامة نبیا لکان ابا محمد الجوینی[1]۔	شرح مہذب میں کہا نقل کرتے ہوئے اس شیخ وامام سے جن کی جلالت وصلاحیت وامامت پر اجماع ہے یعنی ابو محمد جوینی علیہ الرحمہ جن کے تعارف میں کہا گیا ہے کہ اگر اب اللہ تعالٰی کی طرف سے اس امت میں کسی نبی کو بھیجنا جائز ہوتا تو وہ ابو محمد جوینی ہوتے (ت)

مگر ہر حدیث حق ہے، ہر حق حدیث نہیں۔ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہیے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں، اور قول مذکور ثابت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال ۴: حضرت ام المومنین محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہا وسلم کا روح اقدس سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دودھ پلانا، بعض مداحین حضور اسے واقعہ خواب بیان کرتے ہیں کما رأیت فی بعض کتبهم التصریح بذلک (جیسا کہ میں نے ان کی بعض کتابوں میں اس پر تصریح دیکھی۔ت)

اس تقدیر پر تو اصلاً استبعاد عـــہ۱ نہیں اور اب اس پر جو کچھ ایراد کیا گیا سب بے جا وبے محل ہے اور اگر بیداری ہی میں مانا جاتا ہو، تاہم بلاشبہہ عقلاً اور شرعاً جائز اور اس میں درایۃً کوئی استحالہ عـــہ۲ درکنار استبعاد بھی نہیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾"[2]۔ (بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ت)

عـــہ۱: دور از قیاس عـــہ۲: محال ہونا

[1] الفتاوی الحدیثیه مطلب قیل لو جاز ان یبعث الله فی هٰذه الامة نبیا الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۳۲۵، ۳۲۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰

نہ ظاہر میں ام المومنین کے پاس شیر نہ ہونا کچھ اس کے منافی کہ امور خارقہ للعادہ [عہ۱] اسباب ظاہر پر موقوف نہیں، نہ روح عام متکلمین کے نزدیک مجردات سے ہے اور فی نفسہا مادیہ نہ سہی تاہم مادہ سے اس کا تعلق بدیہی۔ نہ جسم، جسم شہادت میں منحصر۔ جسم مثالی بھی کوئی چیز ہے کہ ہزاروں احادیث برزخ وغیرہ اس پر گواہ [عہ۲] کیفما کان [عہ۳] شک نہیں کہ روح مفارق [عہ۴] کی طرف نصوص متواترہ میں نزول وصعود ووضع وتمکن وغیرہ اعراض جسم وجسمانیت قطعاً منسوب اور وہ نسبتیں اہل حق کے نزدیک ظاہر پر محمول [عہ۵] یالیت شعری جب ارواح شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت۔

الترمذی عن کعب بن مالك قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان ارواح الشهداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنة[1]۔	(امام ترمذی کعب ابن مالک سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بے شک شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں میوہ ہائے جنت سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔

جبکہ دوسری روایت میں ارواح عام مومنین کے لئے یہی ارشاد:

الامام احمد عن الامام الشافعی عن الامام مالك عن الزهری عن عبدالرحمن بن کعب بن مالك عن ابیه رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم نسمة المؤمن طائر یعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه الله تعالٰی فی جسده یوم یبعثه[2]۔	امام احمد امام شافعی سے وہ امام مالک سے وہ زہری سے وہ عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک سے وہ اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ) مومن کی روح پرندہ کی صورت میں جنت کے درختوں میں رہتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالٰی اسے اپنے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔

عہ۱: عادت کے خلاف، کرامت وغیرہ عہ۲: وہ احادیث جو احوال برزخ پر مشتمل ہیں ان میں جسم مثالی بکثرت ذکر آیا ہے لہٰذا وہ احادیث جسم مثالی کے وجود پر گواہ ہیں۔ عہ۳: کوئی بھی صورت ہو

عہ۴: جسم سے جدا روح عہ۵: اہل سنت کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر ہے ان میں کوئی تاویل نہیں کی گئی۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل الجهاد باب ماجاء فی ثواب شهید امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۷

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث کرب بن مالك انصاری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۵۵

تو دودھ پلانے میں کیا استحالہ ہے۔ حال روح بعد فراق و پیش از تعلق میں فارق عــــہ۱ کیا ہے؟ آخر حضرت ابراھیم علی ابیہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے صحیح حدیث میں ہے: "جنت میں دو دایہ ان کی مدتِ رضاعت پوری کرتی ہیں۔"

رواہ احمد ومسلم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ابراھیم ابنی وانہ مات فی الثدی وانہ لو ظئرین یکملان رضاعہ فی الجنۃ[1]۔	اس کو امام احمد و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم میرا بیٹا جو شیر خوارگی کی عمر میں وصال فرماگیا ہے بیشک جنت میں اس کیلئے دو دایہ ہیں جو اس کی مدت رضاعت پوری کریں گی۔ (ت)

بایں ہمہ یہ باتیں نافی استحالہ یں نہ مثبت وقوع عــــہ۲ قول بالوقوع تاوقتیکہ نقل ثابت نہ ہو جزاف عــــہ۳ وبے اصل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

جواب سوال ۳: زنبیل ارواح عــــہ۴ چھین لینا خرافات مخترعہ جہّال سے ہے۔ سیدنا عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام رسل ملائکہ سے ہیں اور رسل ملائکہ، اولیاء بشر سے بالاجماع افضل۔ تو مسلمانوں کو ایسے اباطیل واہیہ

عــــہ۱: روح کے جسم سے جُدا ہونے کے بعد کی حالت اور جسم سے متعلق ہونے سے پہلے کی حالت میں کوئی فرق نہیں۔

عــــہ۲: ان دلائل سے استحالہ کی نفی ہوتی ہے لیکن اس کا واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

عــــہ۳: من گھڑت، جھوٹ، بے ہودہ

عــــہ۴: روحوں کا تھیلا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال الخ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۵۴، مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالک المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۱۲

سے احترام لازم [عہ] ۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔

جواب سوال ۵: یونہی جس کا عقیدہ ہو کہ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت جناب افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے افضل ہیں یا ان کے ہمسر ہیں،

عہ: تنبیہ: بنائے انکار یہ طرز ادا ہے ورنہ ممکن کہ سیدنا عزرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے کچھ روحیں بامر الٰہی قبض فرمائی ہوں اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دعا سے باذن الٰہی پھر اپنے اجسام کی طرف پلٹ آئی ہوں کہ احیاء مردہ حضور پر نور ودیگر محبوبان خدا سے ایسا ثابت ہے کہ جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔

یوں ہی ممکن کہ حضرت ملک الموت نے بنظرِ صحائف محو واثبات قبض بعض ارواح شروع کیا اور علم الٰہی میں قضائے ابرام نہ پایا تھا ببرکت دُعائے محبوب قبض سے باز رکھے گئے ہوں۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب لواقح الانوار میں حالات حضرت سیدی شیخ محمد شربینی قدس سرہٗ میں لکھتے ہیں:

لما ضعف ولدہ احمد واشرف علی الموت وحضر عزرائیل لقبض روحہ قال لہ الشیخ. ارجع الی ربك فراجعه فان الامر نسخ فرجع عزرائیل وشفی احمد من تلك الضعفة وعاش بعدھا ثلاثین عاما [1] ۔

یعنی جب ان کے صاحبزادے احمد ناتواں ہو کر قریب مرگ ہوئے اور حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی روح قبض کرنے آئے حضرت شیخ نے ان سے گزارش کی کہ اپنے رب کی طرف واپس جائیے اس سے پوچھ لیجئے کہ حکم موت منسوخ ہو چکا ہے۔ عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پلٹ گئے، صاحبزادے نے شفا پائی اور اس کے بعد تیس برس زندہ رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الطبقات الکبرٰی (لواقح الانوار) خاتمۃ الکتاب ترجمہ ۲۰ شیخ محمد الشربینی دار الفکر بیروت ۱۸۵/۲

گمراہ بد مذہب ہے۔ سبحان اللہ، اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت امام اولیاء مرجع العرفاء امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اکرم وافضل واتم واکمل ہیں جو اس کا خلاف کرے اسے بدعتی، شیعی، رافضی مانتے ہیں، نہ کہ حضور غوثیت مآب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل عـــہ دینی کہ معاذاللہ انکار آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ وخرق اجماع امت مرحومہ ہے **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

یہ مسکین اپنے زعم میں سمجھا جائے کہ میں نے حق محبت حضور پر نور سلطان غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ادا کیا کہ حضور کو ملک مقرب پر غالب یا افضل بتایا، حالانکہ ان بیہودہ کلمات سے پہلے بیزار ہونے والے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں، **وباللہ التوفیق۔**

جواب سوال ۱: رہا شب معراج میں روح پر فتوح حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حاضر ہو کر پائے اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نیچے گردن رکھنا، اور وقتِ رکوب براق یا صعود عرش زینہ بننا، شرعًا وعقلًا اس میں کوئی بھی استحالہ نہیں۔

سدرۃ المنتہٰی اگر منتہائے عروج ہے تو باعتبار اجسام نہ بنظر ارواح۔ عروج روحانی ہزاروں اکابر اولیاء کو عرش بلکہ مافوق العرش تک ثابت وواقع، جس کا انکار نہ کرے گا مگر علوم اولیاء کا منکر۔ بلکہ باوضو سونے والے کے لئے حدیث میں وارد کہ:

"اس کی روح عرش تک بلند کی جاتی ہے۔"

نہ اس قصہ میں معاذاللہ بوئے تفضیل یا ہمسری حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے نکلتی ہے، نہ اس کی عبارت یا اشارت سے کوئی ذہن سلیم اس طرف جاسکتا ہے۔ کیا عجب سواری براق سے بھی یہی معنی تراشے جائیں کہ اوپر جانے کا کام حضرت جبرائیل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے انجام کو نہ پہنچا براق نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔ درپردہ اس میں براق کو فضیلت دینا لازم آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہ نفس نفیس تو نہ پہنچ سکے اور براق پہنچ گیا اس کے ذریعے سے حضور کی رسائی ہوئی۔

عـــہ: فضیلت دینا

یا ھذا خدمت کے افعال جو بنظر تعظیم واجلال سلاطین بجالاتے ہیں کیا ان کے یہ معنٰی ہوتے ہیں کہ بادشاہ ان امور میں عاجز اور ہمارا محتاج ہے ؟۔۔۔۔۔۔علاوہ بریں کسی بلندی پر جانے کے لئے زینہ بننے سے یہ کیونکر مفہوم کہ زینہ بننے والا خود بے زینہ وصول پر قادر۔۔۔۔۔۔نردبان عـــہ۱ ہی کو دیکھیں کہ زینہ صعود ہے اور خود اصلاً صعود پر قادر نہیں۔

فرض کیجئے کہ ہنگام بت شکنی حضرت امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہٗ کی عرض قبول فرمائی جاتی اور حضور پرنور افضل صلوات اللہ واکمل تسلیماتہ علیہ وعلٰی آلہ ان کے دوش مبارک پر قدم رکھ کربت گراتے توکیا اس کا یہ مفاد ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو معاذاللہ اس کام میں عاجز اور حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ قادر تھے۔ غرض ایسے معنے محال، نہ ہرگز عبارت قصہ سے مستفاد، نہ ان کے قائلین بے چاروں کو مراد، واللہ الھادی الٰی سبیل الرشاد (اور اللہ تعالٰی ہی درست راستے کی طرف ہدایت عطافرمانے والا ہے۔ت)

یہ بیان ابطال استحالہ واثبات صحت بمعنی امکان کے متعلق تھا۔ رہا اس روایت کے متعلق بقیہ کلام، وہ فقیر غفراللہ تعالٰی کے مجلد دوم عـــہ۲ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ کی کتاب مسائل شتی میں مذکور کہ یہ سوال پہلے بھی اوجین سے آیا اور اس کا جواب قدرے مفصل دیا گیا۔

خلاصہ مقصد اس کا مع زیادات جدیدہ یہ کہ اس کی اصل کلمات بعض مشائخ میں مسطور، اس میں عقلی وشرعی کوئی استحالہ نہیں، بلکہ احادیث واقوال اولیاء وعلماء میں متعدد بندگان خدا کے لئے ایسا حضور روحانی وارد۔

(۱، ۲) مسلم اپنی صحیح اور ابوداود طیالسی مسند میں جابر بن عبداللہ انصاری اور عبد بن حمید بسند حسن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ودخلت الجنة فسمعت خشفة فقلت ماھذہ قالوا ھذا بلال ثم دخلت الجنة فسمعت خشفة فقلت ماھذہ	میں جب جنت میں داخل ہوا تو ایک پہچل سنی، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ملائکہ نے عرض کی: یہ بلال ہیں۔ پھر تشریف لے گیا، پہچل سنی، میں نے پوچھا

عـــہ۱: سیڑھی

عـــہ۲: یادرہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم میں یہ مسائل شاملِ اشاعت نہیں ہوسکے تھے اب ان کو اشاعت جدید میں کتاب الشتّی کے پیش نظر جلد میں شامل کردیا گیا ہے۔

قالوا ھذہ الغمیصاء بنت ملحان[1] ۔	یہ کیاہے؟عرض کیا: غمیصاء بنت ملحان، یعنی ام سلیم مادرِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

ان کا انتقال خلافت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہوا کما ذکرہ الحافظ فی التقریب[2] (جیسا کہ حافظ نے تقریب میں اس کو ذکر کیا۔ت)

(۳) امام احمد وابویعلٰی بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباس اور

(۴) طبرانی کبیر اور ابن عدی کامل بسند حسن ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روای، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت فی جانبھا وجسافقلت یا جبرئیل ماھذا قال ھذا بلال المؤذن[3] ۔	میں شب معراج جنت میں تشریف لے گیااس کے گوشہ میں ایک آواز نرم سنی، پوچھا: اے جبریل ! یہ کیا ہے ؟ عرض کی: یہ بلال مؤذن ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵) امام احمد ومسلم ونسائی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور والا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ بین یدی، فقلت ماھذہ الخشفۃ، فقیل الغمیصاء بنت ملحان[4] ۔	(میں بہشت میں رونق افروز ہوا، اپنے آگے ایک کھٹکا سنا، پوچھا: اے جبریل ! یہ کیا ہے ؟ عرض کی گئ: غمیصاء بنت ملحان۔

[1] کنزالعمال بحوالہ عبد بن حمید عن انس والطیالسی عن جابر حدیث ۳۳۱۶۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۶۵۳، مسند ابی داود الطیالسی عن جابر حدیث ۱۷۱۹ دار المعرفۃ بیروت الجزء السابع ص ۲۳۸، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۹۲

[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۸۷۸۰ ام سلیم بنت ملحان دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۶۸۸

[3] کنزالعمال حدیث ۳۳۱۶۲ و ۳۳۱۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۶۵۳، الکامل لابن عدی ترجمہ یحیٰی بن ابی حبۃ ابن جناب الکلبی دار الفکر بیروت ۷/۲۶۷۰

[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من ام سلیم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۹۲، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۹۹

(۶) امام احمد ونسائی وحاکم باسناد صحیحہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت فیھا قراءۃ فقلت من ھذا ؟ قالوا حارثۃ بن نعمان کذٰلکم البر کذٰلکم البر [1]۔	میں بہشت میں جلوہ فرما ہوا، وہاں قرآن کریم پڑھنے کی آواز آئی، پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کی گئی: حارثہ بن نعمان۔ نیکی ایسی ہوتی ہے نیکی ایسی ہوتی ہے۔

یہ حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ خلافتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں راہی جنان ہوئے **قالہ ابن سعد فی الطبقات وذکرہ الحافظ فی الاصابۃ** [2] (ابن سعد نے طبقات میں اور حافظ نے اصابہ میں اس کو ذکر کیا۔ت)

(۷) ابن سعد طبقات میں ابوبکر عدوی سے مرسلاً راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت نحمۃ من نعیم [3]۔	میں جنت میں تشریف فرما ہوا تو نعیم کی کھکارسنی۔

یہ نعیم بن عبداللہ عدوی معروف بہ نحام (کہ اسی حدیث کی وجہ سے ان کا یہ عرف قرار پایا) خلافت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔

کما ذکرہ موسٰی بن عقبۃ فی المغازی عن الزھری و کذا قالہ ابن اسحٰق ومصعب الزبیری واٰخرون کما فی الاصابۃ [4]۔	جیسا کہ موسٰی بن عقبہ نے مغازی میں زہری کے حوالے سے اس کو ذکر کیا یوں ہی کہا ابن اسحٰق اور مصعب زبیری اور دیگر علماء نے جیسا کہ اصابہ میں ہے۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۶، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ مناقب حارثہ بن نعمان دارالفکر بیروت ۳/ ۲۰۸، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ النسائی ترجمہ ۱۵۳۲ حارثہ بن نعمان دارصادر بیروت ۱/ ۲۹۸

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ النسائی ترجمہ ۱۵۳۲ حارثہ بن نعمان دارصادر بیروت ۱/ ۲۹۹، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ حارثہ بن نعمان دارالفکر بیروت ۳/ ۴۸۸

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد الطبقۃ الثانیۃ من المہاجرین والانصار ترجمہ نعیم بن عبداللہ المعروف النحام دارصادر بیروت ۴/ ۱۳۸

[4] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ نعیم بن عبداللہ ۸۷۷۶ دارصادر بیروت ۳/ ۵۶۸

سبحان اللہ! جب احادیث صحیحہ سے احیائے عالم شہادت کا حضور ثابت تو عالم ارواح سے بعض ارواح قدسیہ کا حضور کیا دور۔

(۸) امام ابوبکر بن ابی الدنیا، ابوالمخارق سے مرسلًا راوی، حضور پر نور صلوات اللہ سلامہ علیہ فرماتے ہیں:

مررت لیلة اسرٰی بی برجل مغیب نور العرش، قلت: من ھذا، املک؟ قیل: لا۔ قلت: نبی؟ قیل: لا۔ قلت: من ھذا؟ قال: ھذا رجل کان فی الدنیا لسانه رطب من ذکر اللہ تعالٰی وقلبه معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیه قط[1]۔	یعنی شب اسرٰی میرا گزر ایک مرد پر ہوا کہ عرش کے نور میں غائب تھا، میں نے فرمایا: یہ کون ہے، کوئی فرشتہ ہے؟ عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا: نبی ہے عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا کون ہے؟ عرض کرنے والے نے عرض کی: یہ ایک مرد ہے دنیا میں اس کی زبان یادِ الٰہی سے تر تھی اور دل مسجدوں سے لگا ہوا، اور (اس نے کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر) کبھی اپنے ماں باپ کو برا نہ کہلوایا۔

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت) کیوں راہ دور سے مقصد قرب نشان دیجئے، زفیض قادریت جوش پر ہے، بحر حدیث سے خاص گوہر مراد حاصل کیجئے۔ حدیث مرفوع مروی کتب مشہورہ ائمہ محدثین سے ثابت کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مع اپنے تمام مریدین واصحاب وغلامان بارگاہ آسمان قباب کے شب اسرٰی اپنے مہربان باپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور اقدس کے ہمراہ بیت المعمور میں گئے حضور پرنور کے پیچھے نماز پڑھی، حضور کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ **والحمدللہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

اب ناظر غیر وسیع النظر متعجبانہ پوچھے گا کہ یہ کیونکر؟۔۔۔۔۔۔۔ہاں ہم سے سنے۔ **واللہ الموفق**۔ ابن جریر وابن ابی حاتم و ابویعلٰی وابن مردویہ وبیہقی وابن عساکر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی الدنیا تحت الآیۃ ۲/ ۱۵۲ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۱/ ۱۴۹، الترغیب والترھیب بحوالہ ابن ابی الدنیا کتاب الذکر والدعاء، الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ الخ مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۳۹۵

تعالٰی عنہ سے حدیث طویل معراج میں راوی، حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثم صعدت الی السماء السابعة فاذا انا بابراھیم الخلیل مسندا ظھرہ الی البیت المعمور (فذکر الحدیث الی ان قال) واذا بامتی شطرین شطر علیھم ثیاب بیض کانھا القراطیس وشطر علیھم ثیاب رمد فدخلت البیت المعمور ودخل معی الذین علیھم الثیاب البیض وحجب الاخرون الذین علیھم ثیاب رمد وھم علی خیر فصلیت انا ومن معی من المومنین فی البیت المعمور ثم خرجت انا ومن معی[1] (الحدیث)	پھر میں ساتویں آسمان پر تشریف لے گیا، ناگاہ وہاں ابراہیم خلیل اللہ ملے کہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے تشریف فرما ہیں اور ناگاہ اپنی امت دو قسم پائی، ایک قسم کے سپید کپڑے ہیں کاغذ کی طرح، اور دوسری قسم کا خاکستری لباس۔ میں بیت المعمور کے اندر تشریف لے گیا اور میرے ساتھ سپید پوش بھی گئے، میلے کپڑوں والے روکے گئے مگر ہیں وہ بھی خیر وخوبی پر۔ پھر میں نے اور میرے ساتھ کے مسلمانوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔ پھر میں اور میرے ساتھ والے باہر آئے۔

ظاہر ہے کہ جب ساری امت مرحومہ بفضلہٖ عزوجل شریف باریاب سے مشرف ہوئی یہاں تک کہ میلے لباس والے بھی۔ تو حضور غوث الورٰی اور حضور کے منتسبان باصفا تو بلاشبہہ ان اجلی پوشاک والوں میں ہیں، جنہوں نے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ بیت المعمور میں جاکر نماز پڑھی، والحمد للہ رب العالمین (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ ت)

اب کہاں گئے وہ جاہلانہ استبعاد کہ آج کل کے کم علم مفتیوں کے سدراہ ہوئے، اور جب یہاں تک بحمد اللہ ثابت تو معاملۂ قدم میں کیا وجہ انکار ہے کہ قولِ مشائخ کو خواہی نخواہی رد کیا جائے۔ ہاں سند محدثانہ نہیں۔۔۔۔۔ پھر نہ ہو۔۔۔۔۔ اس جگہ اسی قدر بس ہے۔ سند معنعن عــــہ کی حاجت نہیں،

عــــہ: ایسی روایت جس میں ایک راوی دوسرے راوی سے "عن فلان" کے لفظ سے روایت کرے۔

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر عروجہ الی السماء الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹۴، دلائل النبوۃ للبیہقی باب الدلیل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرج بہ الی السماء دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۹۳۔۳۹۴، الدرالمنثور بحوالہ ابن جریر وابن حاتم وغیرہ الخ تحت الآیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۲

کما بیناہ فی رسالتنا "ھدی الحیران فی نفی الفئی عن سید الاکوان" (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "ھدی الحیران فی نفی الفیئی عن سید الاکوان" میں اسے بیان کیا ہے۔)

امام جلال الدین سیوطی نے "مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء" میں مرثیہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ "بابی انت وامی یارسول اللہ"[1]

لم اجدہ فی شیئ من کتب الحدیث الاثر (الٰی قولہ) بالاحکام[2]۔	میں نے یہ روایت کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور امام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی روایت کو اسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انہیں کچھ باب احکام سے تعلق نہیں۔

اور یہ تو کسی سے کہا جائے کہ حضرات مشائخ کرام قدست اسرارھم کے علوم اسی طریقہ سند ظاہری حدثنا فلان عن فلان میں منحصر نہیں، وہاں ہزارہا ابواب وسیعہ واسباب رفیعہ ہیں کہ اس طریقہ ظاہرہ کی وسعت ان میں سے کسی کے ہزارویں حصہ تک نہیں، تو اپنے طریقہ سے نہ پانے کو ان کی تکذیب کی حجت جاننا کیسی ناانصافی ہے۔

انسان کی سعادت کبرٰی ان مدارج عالیہ ومعارک غالیہ تک وصول رہے۔۔۔۔۔۔اور اس کی بھی توفیق نہ ملے تو کیا درجہ تسلیم، نہ کہ معاذاللہ انکار وتکذیب کو سخت مہلکہ ہائلہ ہے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)۔۔۔۔۔۔ جیسے آج کل ایک بحرینی بے بہرہ نے رسالہ "لباب المعانی" سیاہ کرکے مصر میں چھپوایا اور صرف اس پر کہ حضرت امام عارف باللہ، ثقہ، حجت، فقیہ، محدث، امام القراء، سیدی ابوالحسن علی نور الملۃ والدین شطنوفی قدس سرہ الصافی الصوفی نے کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں باسناد صحیحہ حضرت امام اجل سیدی احمد رفاعی قدس سرہ الرفیع پر حضور پرنور سید الاولیاء حضرت غوث الورٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل روایت فرمائی، نہ صرف اس امام جلیل وکتاب جمیل بلکہ خاک بدہن گستاخ جناب اقدس میں

---

[1] نسیم الریاض بحوالہ مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/۲۴۸

[2] نسیم الریاض بحوالہ مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/۲۴۸

کوئی دقیقہ بے ادبی اٹھانہ رکھا۔نعوذباللہ من الخذلان ولاحول ولاقوۃ الاباللہ القادر المستعان (ہم ذلت ورسوائی سے اللہ تعالٰی کی پناہ چاہتے ہیں جو قدرت والا ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ت)

یہ لباب عجاب اول تاآخر جہالات فاضحہ وخرافات واضحہ کالب لباب ہے۔ کثرت مسائل کے نام فرصت عنقانہ ہوتاتو فقیراس کا رد لکھ دیتا۔مگر الحمدللہ نار باطل خود منطفی عــہ۱ ہے اور ہمارے بلاد میں اس کاشر یکسر منتفی عــہ۲ فلاحاجۃ الی اشاعۃ خرافاتہ ولو علی وجہ الرد (اس کی خرافات کو شائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگرچہ بطور رد ہو۔ت)

بالجملہ روایت نہ عقلاًدور نہ شرعاً مہجور،اور کلمات مشائخ میں مسطور وماثوراور کتب احادیث میں ذکر معدوم نہ کہ عدم مذکور۔۔۔۔۔نہ روایاتِ مشائخ اس طریقہ سند ظاہری میں محصور،اور قدرت قادر وسیع وموفور،اور قدر قادری کی بلندی مشہور،پھر ردوانکارکیا مقتضائے ادب وشعور۔والحمدللہ العزیز الغفور،واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے اور اللہ سبحانہ تعالٰی خوب جانتاہے اوراس کا علم خوب تام اور خوب مضبوط ہے۔ت)

مسئلہ ثالثہ

مسئلہ ۸: مسؤلہ مولوی نور محمد صاحب کانپوری،ملازم کارخانہ میل کاٹ واقع دیوان، ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ۔

ماقولکم یا علماء الملۃ السمحۃ البیضاء ومفتی الشریعۃ الغراء فی ھٰذہٖ:	آپ کا کیا ارشاد ہے اے فراخ وروشن ملت کے عالمو اور اے چمکدار شریعت کے مفتیو! اس مسئلہ میں)ت)

مولود غلام امام شہید، صفحہ ۵۹ سطر ۱۱ میں لکھاہے کہ: "شب معراج میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کی روح پاک

عــہ۱: بجھی ہوئی۔ عــہ۲: ختم، نیست ونابود۔

نے حاضر ہو کر گردنِ نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث اعظم پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندوں اور ذریات طیبات سے ہوں، اگر آج اس نعمت سے کچھ منزلت بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا کہ: "تو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے اسی طرح کل تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔"

اور اس روایت کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صاحب منزل اثنا عشریہ بھی تحفۃ القادریہ سے لکھتے ہیں اسی کتاب کے صفحہ ۵۸ سطر ۵ میں مرقوم ہے کہ:

"خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش ہو کر سوار ہونے لگے۔ براق نے شوخی شروع کی، جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا بیحرمتی ہے، تو نہیں جانتا کہ تیرا راکب کون ہے؟ خلاصہ ہژدہ ہزار عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اٹھارہ ہزار جہانوں کے خلاصہ محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو اللہ کے سچے رسول ہیں۔ت) براق نے کہا کہ اے امین وحی الٰہی! تم اس وقت خفگی مت کرو مجھے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں ایک التماس ہے۔ فرمایا: بیان کرو۔ عرض کیا: آج دولت زیارت سے مشرف ہوں کل قیامت کے دن مجھ سے بہتر براق آپکی سواری کے واسطے آئیں گے، امیدوار ہوں کہ حضور سوائے میرے اور کسی براق کو پسند نہ فرمائیں۔"

صاحب تحفۃ القادریہ لکھتے ہیں کہ: "وہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑھا اور اونچا ہوا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔"

پس استفسار اس امر کا ہے کہ آیا یہ روایت صحاح ستہ وغیرہ احادیث وشفائے قاضی عیاض وغیرہ کتب معتبرہ فن میں موجود ہے یا نہ۔ بیان کاف وشاف بالاسانید من المعتبرات المعتقدات بالبسط والتفصیل جزاکم اللہ خیرا۔ بینوا توجروا (معتبر و معتمد سندوں کے ساتھ کافی و شافی بیان پوری شرح وتفصیل کے ساتھ ارشاد فرمائیں۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بیان کرو اجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

کتب احادیث وسِیَر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر، بلکہ صریح اباطیل و موضوعات پر مشتمل ہے۔ منازل اثنا عشریہ کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری نہ کہیں اس کا

تذکرہ دیکھا۔

تحفہ قادریہ شریف اعلیٰ درجہ کی مستند کتاب ہے اس کے مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا اور جو میری نظر سے گزرا ان میں یہ روایات اصلا نہیں۔ [عہ ۱]

بایں ہمہ اس زمانہ کے مفتیان جہول، مخطیان غفول [عہ ۲] نے جو اس کا بطلان یوں ثابت کرنا چاہا کہ سدرۃ المنتہٰی سے بالا عروج کیا اور اس میں معاذ اللہ حضور اقدس وانور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حضور پُرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفضیل نکلتی ہے [عہ ۳] یہ محض تعصب و جہالت ہے جس کا رد فقیر نے ایک مفصل فتوٰی میں سترہ سال ہوئے کیا، جبکہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کٹھور ضلع سورت سے ایک سوال آیا تھا۔ [عہ ۴]

فاضل عبدالقادر قادری ابن شیخ محی الدین اربلی نے کتاب "**تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر**" رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ روایت لکھی ہے [عہ ۵] اور اسے جامع شریعت و حقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمہ اللہ

عہ ۱: تحفہ قادریہ، حضرت شاہ ابوالمعالی قادری (۱۱۱۶ھ) کی فارسی تالیف ہے جس میں حضور غوث الورٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اور کرامات کا تذکرہ ہے۔ آپ اپنے وقت کے سربرآوردہ مشائخ میں شمار ہوتے ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے آپ کے ارشاد پر اشعۃ اللمعات اور شرح فتوح الغیب مکمل فرمائی۔ آپکا مزار لاہور میں واقع ہے۔

تحفہ قادریہ کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں، اصل فارسی نسخہ تاحال طبع نہ ہوا، البتہ اس کا اردو ترجمہ (۱) سیرت الغوث مولفہ محمد باقر نقشبندی (۱۳۲۳ھ) مطبع منشی نولکشور پریس لاہور اور (۲) تحفہ قادریہ (اردو ترجمہ) مولفہ مولانا عبدالکریم (۱۳۲۴ھ) ملک فضل الدین تاجر کتب لاہور کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔

عہ ۲: جاہل، غافل اور خطاکار مفتی۔

عہ ۳: دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی، مدرسہ دیوبند کے اساطین مولوی خلیل احمد اور مولوی رشید احمد انبیٹھوی کے فتاوٰی کی تردید ہو رہی ہے، یہ فتاوٰی موجودہ رسالہ مبارکہ میں شامل کر دیے گئے ہیں۔

عہ ۴: ملاحظہ ہو مسئلہ ثانیہ رسالہ ہذا۔

عہ ۵: تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، المنقبۃ الاولیٰ، سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۲۵، ۲۴

کی کتاب حرز العاشقین سے نقل کیا ہے۔اور ایسے امور میں اتنی ہی سند بس ہے۔اس کا بیان فقیر کے دوسرے فتوے میں ہے جس کا سوال ۷ اربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ کو اوجین سے آیا تھا، [عہ] وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم (اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالٰی خوف جانتا ہے۔ت)

رسالہ

فتاوٰی کرامات غوثیہ

ختم ہوا۔

عہ: ملاحظہ ہو مسئلہ ثانیہ، رسالہ ہذا

خلاصۂ جواب تھانوی دیوبند

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بلادلیل شرعی کسی قول یا فعل کو منسوب کرنا جمہور کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک کفر ہے۔ پس روح مقدس حضرت غوث اعظم پر آپکا سوار ہو کر عرش پر پہنچنے کی نسبت فعل اور آپ کا فرمانا کہ "میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے" قول کی نسبت بلادلیل۔ پس سخت معصیت وحرام ہے۔

اور چونکہ منقولین اور ان امور کے اصرار کرتے اور اس کو مستحسن سمجھتے ہیں۔ پس اصرار علی المعصیۃ قریب کفر اور اس کا استحسان صریح کفر ہے۔ ایسے لوگوں کے ایمان میں کلام اور اشتباہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ درپردہ اس قصہ میں حضرت غوث اعظم کو فضیلت دینا لازم آتا ہے حضرت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کہ آپ تو وہاں نہ پہنچ سکے اور حضرت غوث اعظم پہنچ گئے اور ان کے ذریعے سے آپ کی رسائی ہوئی، **نعوذباللہ منہ**۔

قطع نظر اس سے سدرۃ المنتہیٰ کو اس لئے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں کہ وہ منتہی عروج مخلوقات کا ہے۔ پس جس کا عروج اس سے اوپر بالدلیل ہو، مستثنیٰ ہے۔ دوسرے کے عروج کا دعوی رجم بالغیب جس کی مذمت قرآن مجید میں منصوص ہے۔ اسی طرح یہ اعتقاد کہ زنبیل چھین لی، مخالف نص قرآنی منجر الی کفر ہے۔ ایسے ہی حضرت عائشہ کا دودھ پلانا، اس کی بھی کچھ اصل نہیں۔ اول تو حضرت عائشہ کے دودھ ہی نہ تھا، دوسرے روح منہ اور لب اور پیٹ سے پاک ہے۔ یہ چیزیں خواص اجسام سے ہیں۔ پھر دودھ پینے کے کیا معنی۔ اور حضرت ابوبکر سے کسی بھی صحابی کو افضل سمجھنا خلاف اجماع امت ہے نہ کہ ایک ولی کو کہ سخت معصیت و بدعت و مخالف سنن مشہورہ کے ہے۔ اور یہ قول کہ قدمی علیٰ رقاب اولیاء" خود حضرت غوث صاحب سے ثقات نے نقل فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف دروغ ہے۔

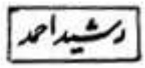
کتبہ محمد اشرف علی

مُہر

۲۔فی الواقع یہ اوہام خیالات باطلہ اور جہالات فاسدہ ہیں جو جُہال معتقدین اپنے معتقد علیہ کی نسبت شائع کیا کرتے تھیں۔ **نعوذباللہ من تلك الکفریات والھفوات۔**

حررہ خلیل احمد (انبھیٹھی) مدرسہ دیوبند

۳۔جواب صحیح ہے۔رشید احمد گنگوہی



رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عہد الجاہلیۃ ۱۳۱۲ھ

(زمانۂ جاہلیت کے عیب سے مقام حیدری کی پاکی کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۹: از بنارس کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۹ جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ

بخدمت لازم البرکت، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، جناب مولٰینا مولوی احمد رضا خان صاحب مداللہ فیضانہ (اللہ تعالٰی آپ کا فیضان ہمیشہ جاری رکھے۔ت) از جناب خادم الطلبہ عبدالغفور سلام علیک قبول باد، اس مسئلہ میں یہاں درمیان علماء کا اختلاف ہے لہذا مسئلہ ارسال خدمت لازم البرکت ہے امید کہ جواب سے مطلع فرمائیں۔

زید کہتا ہے کہ جناب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ چونکہ قبل از بلوغ ایمان لائے اور نہ پہلے بت پرستی شرک وکفر وغیرہ کے آپ مبتلا ہوئے نیز بلحاظ حدیث شریف:

کل مولود یولد علی الفطرة[1]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔(ت)

یہ کہنا کہ آپ پہلے کافر تھے بعدازاں مسلمان ہوئے صحیح نہیں، اور جملہ مذکورہ بہ نسبت آپ کے سوئے ادب میں داخل ہے۔

عمرو کہتا ہے چونکہ اطفال تابع والدین کے ہوتے ہیں اور والدین آپکے حالت کفر پر تھے، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے علی مرتضی کافر تھے بعدازاں مسلمان ہوئے فقط۔ اس صورت میں زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا؟ **بینوا توجروا**۔ (بیان فرمائیے اجر دیے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمدللہ الذی کرم وجه علی ن المرتضٰی : فلم یزل محظوظاً منه بعین الرضٰی: والصلوٰة والسلام علی السید العلی الرضی الارضٰی: شفیع المذنبین یوم فصل القضا: وعلٰی اٰله وصحبه بعدد کل من یاتی ومضٰی:	اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان رحم والا ہے۔ساری تعریف اللہ کے لئے جس نے علی مرتضی کے چہرے کو عزت وکرامت بخشی تو وہ ہمیشہ اس کی رضاوخوشنودی سے بہرہ ور رہے۔ اور درود وسلام ہو بلند، پسندیدہ، پسندیدہ تر سردار، فیصلہ قضا کے دن گنہگاروں کے شفیع پر اوران کی آل اوران کے اصحاب پر تمام اگلے پچھلوں کی تعداد کے برابر۔(ت)

قول زید حق وصحیح قول عمرو باطل وقبیح ہے۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) یہ توظاہر ومعلوم وثابت ہے کہ حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی وقت بعثت سراپابرکت حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فوراً مشرف بتصدیق وایمان ہوئے، اس وقت عمر مبارک حضرت مرتضوی آٹھ دس سال تھی اور بالیقین جو عاقل بچہ اسلام لائے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنة باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۹۲، جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء کل مولود یولد علی الملة امین کمپنی دہلی ۲/۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۳

حکم اسلام میں مستقل بالذات ہے پھر کسی کی تبعیت سے اس پر حکم دیگر حلال نہیں۔

فی المواھب : کان سن علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ اذذاك عشر سنین فیما حکاہ الطبری [1] اھ	مواہب اللدنیہ میں ہے: اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عمر دس سال تھی، جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے اھ۔
قال الزرقانی:وھو قول ابن اسحٰق واقتصر المصنف علیہ لقول الحافظ انہ ارجح الاقوال [2]۔	زرقانی نے فرمایا: یہی ابن اسحٰق کا بھی قول ہے، مصنف نے صرف اسی قول کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ سب سے راجح قول یہی ہے۔ (ت)
وروی ابن سفٰین باسناد صحیح عن عروۃ قال اسلم علی وھو ابن ثمان سنین وصدربہ فی العیون الخ [3]۔	اور ابن سفٰین نے بسند صحیح حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی آٹھ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ عیون الاثر (لابن سید الناس) میں اسی قول کو پہلے ذکر کیا۔ (ت)
وفی ردالمحتار:قولہ وسنّہٗ سبع وقیل ثمان وھو الصحیح،واخرجہ البخاری فی تاریخہ عن عروۃ۔ وقیل عشر اخرجہ الحاکم فی المستدرک۔ وقیل خمسۃ عشر وھو مردود وتمام ذٰلك مبسوط فی الفتح [4] اھ	ردالمحتار میں ہے: قولہ ان کی عمر سات سال تھی اور کہا گیا کہ آٹھ سال تھی۔ یہی صحیح ہے، اسی کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عروہ سے روایت کیا۔ اور کہا گیا کہ دس سال تھی، اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔۔۔۔ اور کہا گیا کہ پندرہ سال تھی، یہ قول مردود ونامقبول ہے۔ پوری تفصیل فتح القدیر میں ہے۔ اھ (ت)
وفی نکاحہ عن احکام الصغار	ردالمحتار کتاب النکاح میں احکام الصغار

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الاول اول من اٰمن المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۱۶

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ اول من اٰمن دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۴۲

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ اول من اٰمن دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۴۲

[4] ردالمحتار کتاب الجہاد باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۰۷

للاستروشنی انه قبل البلوغ تبع لابویه فی الدین مالم یصف الاسلام اھ قال:فافادان التبعیة لا تنقطع الابالبلوغ اوبالاسلام بنفسه وبه صرح فی البحر ؏ والمنح من باب الجنائز اھ۔[1]	للاستروشنی سے نقل ہے: بچہ قبل بلوغ دین میں اپنے والدین کا تابع ہے جب کہ خود مسلمان نہ ہوا ہو، شامی نے کہا: افادہ فرمایا کہ یہ تبعیت بالغ ہونے یا خود اسلام لانے ہی سے ختم ہوتی ہے، اسی کی تصریح بحر الرائق اور منح الغفار باب الجنائز میں بھی ہے اھ (ت)

توبعد بعثت تواس خیال شنیع کی زنہار گنجائش نہیں بلکہ اس سے پیشتر بھی کہ جب قریش مبتلائے قحط ہوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوطالب پر تخفیف عیال کے لئے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو اپنی بارگاہ ایمان پناہ میں لے آئے تھے کماذکرہ ابن اسحٰق فی سیرته[2] (جیسا کہ اس کو ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ذکر کیا۔ت)

حضرت مولٰی نے حضور مولی الکل سید الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جمال جہاں آراء دیکھا، حضور ہی کی باتیں سنیں، عادتیں سیکھیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہ بارک وسلم۔ توجب سے اس جناب عرفان مآب کو ہوش آیا قطعًا یقینًا رب عزوجل کو ایک ہی جانا، ایک ہی مانا۔ ہر گز ہر گز بتوں کی نجاست سے اس کا دامن پاک کبھی آلودہ نہ ہوا۔ اسی لئے لقب کریم "کرم اللہ تعالٰی وجہہ" ملا۔ ذٰلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء

؏:ولفظه:ولاتزول التبعیة الی البلوغ،نعم تزول التبعیة اذا اعتقد دیناً غیردین ابویه اذا عقل الادیان فحینئذصار مستقلاً[3]۔	ولفظہ: تبعیت بلوغ تک ختم نہیں ہوتی، ہاں اس وقت تبعیت ختم ہوجاتی ہے جب ادیان کی سمجھ رکھ کر اپنے ماں باپ کے دین کے علاوہ کسی دین کا معتقد ہوجائے اب وہ (تابع نہ رہا) خود مستقل ہو گیا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۴

[2] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اول ذکر اسلم الجزئین الاولین، دار ابن کثیر بیروت ص ۲۶۴

[3] بحر الرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوته ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

ذوالفضل المبین (یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہے عطافرمائے وہ نمایاں فضل والا ہے۔ت)

اب رہ گئے صرف چند برس جو روز پیدائش سے بالکل نا سمجھی کے ہوتے ہیں جن میں بچہ نہ کچھ ادراک رکھتا ہے، نہ سمجھ سکتا ہے۔ظاہر ہے کہ اس عمر میں حقیقۃً تو کوئی بچہ کافر نہیں کہا جاسکتا کہ صدق مشتق قیام مبدء کو مستلزم۔کفر تکذیب ہے، اور تکذیب بے ادراک و تمیز نامتصور عـــہ بلکہ اس وقت تک ہر بچے کا دین فطری اسلام ہے کما نطقت بہ صحاح الاحادیث (جیسا کہ صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں۔ت)

ہاں جس کے والدین کافر ہوں اس پر ان کی تبعیت کا حکم کیا جاتا ہے جبکہ تبعیت متصور بھی ہو ورنہ نہیں، جیسے وہ بچہ جسے دارالاسلام میں اسیر کرلائیں اور اس کے کافر ماں باپ دارالحرب میں رہیں، کہ بوجہ اختلافِ دار تبعیت ابوین منقطع ہوگئی، اب بہ تبعیت دار اسے مسلم کہا جائیگا۔

فی جنائز الدر "صبی سبی مع احد ابویہ لایصلی علیہ لانہ تبع لہ ولو سبی بدونہ فمسلم تبعًاللدار او للسابی [1] اھ ملخصاً۔"	درمختار کتاب الجنائز میں ہے: کوئی بچہ اپنے حربی والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ (دارالحرب سے) گرفتار کرکے (دار الاسلام میں) لایا گیا (اور مرگیا) تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ وہ (کافر حربی کے) تابع ہے۔ہاں اگر تنہا گرفتار ہو تو دارالاسلام یا گرفتار کرنے والے کے تابع ہونے کے باعث مسلم ہے اھ ملخصًا۔(ت)

عـــہ: نتیجہ یہ نکلا کہ کفر بے ادراک و تمیز غیر متصور ہے۔لہٰذا نا سمجھ بچہ کفر سے خالی ہوگا۔جب کفر اس کے ساتھ قائم نہیں تو اس پر کافر کا اطلاق بھی درست نہیں کیونکہ کافر، کفر سے مشتق ہے اور کسی پر مشتق صادق ہونے کے لئے مصدر سے اس کا متصف ہونا لازم ہے جیسے لفظ عالم کسی پر صادق آنے کے لئے علم سے اس کا متصف ہونا لازم ہے۔لہٰذا بچہ جب مبدا (کفر) سے خالی ٹھہرا تو اس پر مشتق (کافر) کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا ۱۲ محمد احمد مصباحی۔

[1] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

وفی نکاحہ:الولد یتبع خیر الابوین دیناًان اتحدت الدار [1] الخ۔	درمختار کتاب النکاح میں ہے: باعتبار دین ماں باپ میں سے جو بہتر ہو بچہ اسی کا تابع ہوتا ہے اگر دار ایک ہو الخ (ت)

جب یہ امر منقح ہولیا اب یہاں اس نرے ناسمجھ کی عمر پر بھی یہ ناگوار وناسزا خیال دو امر کے ثبوت کا فی کامحتاج:

امر اول حضرت فاطمہ عـــہ۱ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا اور ابوطالب دونوں کا اس وقت تک کافر ہونا کہ ان میں ایک بھی موحد ہو تو بچہ اس کی تبعیت سے موحد کہا جائے گا کافر کی تبعیت ہرگز نہ کرے گا لما نصوا علیہ قاطبۃ من ان الولد یتبع خیر الابوین دینا [2] (کیونکہ تمام علماء نے نص فرمایا کہ ماں باپ میں سے باعتبار دین جو بہتر ہو بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے۔ت)

امر دوم اس وقت حکم تبعیت صادق وثابت ہونا

ان دو امر سے اگر ایک بھی پایہ ثبوت سے ساقط رہے گا تو یہ بیہودہ خیال، خیال کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا، مگر مولٰی علی کے رب جل وعلا کو حمد وثنا ہے کہ بفضلہ تعالٰی ان دو میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔

اولا اہل فترت جنہیں انبیاء اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت نہ پہنچی تین قسمیں ہیں:

اول موحد جنہیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہ توحید دکھائی جیسے قس بن ساعدہ عـــہ۲ وزید بن عمرو بن نفیل وعامر بن الظرب عدوانی وقیس بن عاصم تمیمی وصفوان

عـــہ۱: حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی والدہ ماجدہ جو صحابیہ ہوئیں ۱۲ محمد احمد

عـــہ۲: یہ دونوں مقبول بندے زمانہ جاہلیت میں نہ صرف موحد تھے بلکہ پیش از بعثت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعثت شریفہ پر بھی ایمان رکھتے۔ قس نے بازار عکاظ کے خطبے میں اپنی قوم سے فرمایا: عنقریب ادھر سے ایک حق ظاہر ہونے والا ہے۔اور مکہ کی طرف اشارہ کیا، لوگوں نے (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

[2] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

بن ابی امیہ کنانی وزہیر بن ابی سلمٰی[1] شاعر وغیر ہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم۔

دوم مشرک کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے، جیسے کہ اکثر عرب۔

سوم غافل کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی بہائم کے مثل زندگی کی۔ اعتقادیات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی یا نظر وفکر کی مہلت نہ پائی۔ بہت زنان (عورتوں) وچوپایوں واہل بوادی (صحرا جنگل والوں) کی نسبت یہی مظنون (گمان) ہے۔

قال العلامۃ الزرقانی: ومن جاھلیۃ عم الجھل فیھا شرقاً وغرباً	علامہ زرقانی نے کہا: ایسا عہد جاہلیت جس میں مشرق و مغرب ہر طرف جہالت عام ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کہا وہ حق کیا ہے؟ لوی بن غالب کی اولاد سے ایک مرد کہ تمہیں کلمہ اخلاص اور ہمیشہ کے چین اور دائمی نعمت کی طرف دعوت فرمائے گا تم اس کی بات ماننا، اگر میں جانتا کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو سب سے پہلے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا **رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ**[2] **عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما** (اس کو ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت) عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے زید بن عمرو نے کہا میں اپنی قوم کا مخالف اور دین ابراہیم واسماعیل کا تابع ہوا، وہ دونوں بتوں کو نہ پوجتے اور اس قبلہ کی طرف نماز پڑھتے تھے، میں اولاد اسماعیل سے ایک نبی کے انتظار میں ہوں مگر میرے خیال میں اس کا زمانہ نہ پاؤں گا میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہے، اے عامر! اگر تمہاری عمر وفا کرے تو انہیں میرا اسلام پہنچانا۔ عامر فرماتے ہیں: جب میں نے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زید کا یہ قصہ بیان کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا: میں نے اسے دیکھا کہ جنت میں دامن کشاں سیر کر رہا ہے۔ **رواہ ابن سعد والفاکھی عنہ**[3] **رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲منہ غفرلہ** (اس کو ابن سعد اور فاکہی نے عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفاۃ امہ وما یتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابی نعیم فی دلائل النبوۃ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابن سعد والفاکہی المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

وفقد فیھا من یعرف الشرائع ویبلغ الدعوۃ علٰی وجھھا الانفر ایسیرا من احبار اھل الکتاب مفرقین فی اقطار الارض کالشام وغیرہا واذاکان النساء الیوم مع فشو الاسلام شرقاوغرباً لایدرین غالب احکام الشریعۃ لعدم مخالطتھن الفقھاء ،فماظنک بزمان الجاھلیۃ والفترۃ الذی رجالہ لایعرفون ذٰلک فضلاعن نسائہ،ولذالما بعث صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعجب اھل مکۃ وقالواأبعث اللہ بشرا رسولا ، وقالوالوشاء ربنالانزل ملئکۃ،ربما کانوا یظنون ان ابراھیم علیہ السلام بعث بما ھم علیہ فانھم لم یجدوامن یبلغھم شریعتہ علٰی وجھھا لدثورھا وفقد من یعرفھا،اذکان بینھم وبینہ ازید من ثلثۃ اٰلاف سنۃ،قالہ فی مسالک الحنفاء والدرج المنیفۃ اھ باختصار[1]۔	احکام شریعت جاننے والے اور صحیح طور سے دعوت کی تبلیغ کرنے والے ناپید ہیں، صرف چند علماء اہل کتاب ہیں جو اطراف زمین شام وغیرہ میں منتشر ہیں۔۔۔۔۔اور آج جبکہ اسلام شرق وغرب میں پھیل چکا ہے عورتوں کا یہ حال ہے کہ اکثر احکام شرع سے بے خبر رہتی ہیں کیونکہ علماء سے ان کا ربط اور وابستگی نہیں۔ پھر عہد جاہلیت اور زمانہ فترت کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جبکہ عورتیں در کنار مرد بھی ان سب سے ناآشنا ہوتے تھے،اسی لئے تو جب رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اہل مکہ کو تعجب ہوا، بولے: کیا اللہ نے کسی انسان کو رسول بناکر مبعوث کیا ہے؟ اور بولے: اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اتارتا۔ وہ تو یہاں تک سمجھا کرتے تھے کہ جو کچھ وہ کررہے ہیں ان ہی باتوں کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، اس غلط خیال کی یہی وجہ تھی کہ شریعت ابراہیمی کو صحیح طور سے کوئی پہنچانے والا ہی انکو نہ ملا، کیونکہ اس کے نشانات مٹ گئے تھے اور اس کے جاننے والے بھی ناپید ہوچکے تھے،اس لئے کہ ان اہل مکہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا۔ یہ مسالک الحنفاء اور الدرج المنیفہ میں فرمایا گیا ہے اھ باختصار(ت)

[1] شرح الزرقانی علی مواھب اللدنیۃ المصد الاول باب وفاۃ امہ وما یتعلق بابو یہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۴

جماہیر ائمہ اشاعرہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک جب تک بعثت اقدس حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہو کر دعوتِ الٰہیہ انہیں نہ پہنچی یہ سب فرقے ناجی وغیر معذب تھے۔

لقولہ تعالٰی "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝" [1]۔ (الجواب بتعمیم الرسول العقل او تخصیص العذاب بعذاب الدنیا خلاف الظاھر فلا یصار الیہ الا بموجب ولاموجب اقول بلٰی احادیث صحیحۃ صریحۃ کثیرۃ بثیرۃ ناطقۃ بعذاب بعض اھل الفترۃ کعمرو بن لحی وصاحب المحجن وغیرھما وبہ علم ان ردھا یجعلھا معارضۃ للقطعی کما صدر عن العلامۃ الابی والامام السیوطی و کثیر من الاشعریۃ لاسبیل الیہ فان قطعیۃ الدلالۃ غیر مسلم فلا یھجم بمثل ذٰلک علٰی رد الصحاح والکلام	اللہ تعالٰی کے اس قول کے مطابق: ہم عذاب فرمانے والے نہ تھے یہاں تک کہ بھیج لیں رسول۔ (اشاعرہ کے جواب میں یہ کہنا کہ رسول سے مراد عام ہے خواہ انسان ہو یا عقل یا یہ کہ عذاب سے مراد صرف عذاب دنیا ہے (یعنی جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں دنیا میں عذاب نہیں دیتے اور عذاب آخرت دعوت رسول پہنچے بغیر بھی ہوسکتا ہے) یہ (تاویل) خلاف ظاہر ہے جس کی طرف رجوع کا کوئی موجب نہیں۔ **اقول:** کیوں نہیں بہت ساری صحیح صریح حدیثیں بعض اہل فترت کے عذاب (دنیاوی) پر ناطق ہیں جیسے عمرو بن لحہ اور ٹیڑھے ڈنڈے والا آدمی جو اپنے ڈنڈے سے لوگوں کی چیزیں اچک کر چُرا لیتا تھا) اور ان دونوں کے علاوہ۔۔۔۔اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان صحیح حدیثوں کا رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں یہ کہتے ہوئے کہ یہ احادیث نص قطعی کے خلاف ہیں جیسا کہ علامہ ابی، امام سیوطی اور بہت سے اشعریہ نے یہی کہہ کر رد کردیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس معنٰی پر آیت کی دلالت

[1] القرآن الکریم ۱۷/۱۵

ھٰھنا طویل لیس ھذا موضعہ ولا نحن بصددہ۔	قطعی ہونا مسلم نہیں تو پھر غیر قطعی الدلالۃ نص سے احادیث صحیحہ کے رد کاارتکاب نہیں کیا جاسکتا۔ کلام یہاں پر طویل ہے جس کا یہ محل نہیں اور نہ ہی یہاں پر ہمارا مقصود ہے ۱۲ مترجم۔

خصوصًا جُہالِ عرب جنہیں قرآن عظیم جابجا امی وجاہل وبے خبر وغافل بتارہا ہے، صاف ارشاد ہوتا ہے:

"تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾"[1]	اتارا ہوا زبردست مہروالے کا کہ تو ڈرائے ان لوگوں کو کہ نہ ڈرائے گئے انکے باپ دادا تو وہ غفلت میں ہیں۔

اور خود ہی ارشاد ہوتا ہے:

"ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾"[2]۔	یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ظلم سے جب کہ ان کے رہنے والے غفلت میں ہوں۔
قلت ای وھذا وان کان ظاھرًا فی عذاب الدنیا وعذاب الاٰخرۃ منتف بالفحوٰی فان الملك الکریم الذی لم یرض للغافل بعذاب منقطع لایرضٰی بعذاب دائم من باب اولٰی اقول لٰکن الغفلۃ انما ھی علٰی امر الرسالۃ والنبوۃ والسمعیات کبعث وغیرہ، وقد قلنا بموجبھا فی ذٰلک۔ اما التوحید فلا غفلۃ عنہ مع وضوح الدلائل وکفایۃ العقل	**قلت** یہ آیت اگرچہ غفلت والے سے عذاب دنیا کی نفی میں ظاہر ہے اور عذاب آخرت کی نفی مفہوم سے ہوجاتی ہے کیونکہ جس بادشاہ کریم نے غافل کے لئے دنیا کا فانی عذاب پسند نہ کیا وہ آخرت کا دائمی عذاب بدرجہ اولٰی پسند نہ فرمائیگا۔ اقول لیکن یہ وہ غفلت ہے جو رسالت، نبوت اور سمع عقائد بعث وغیرہ کے باب میں ہو، اور اس باب میں موجب غفلت پائے جانے کے ہم قائل ہیں لیکن توحید سے غفلت کا کوئی موجب نہیں جبکہ اس کے دلائل واضح ہیں اور عقل اس کی

[1] القرآن الکریم ۳۶/۵و۶

[2] القرآن الکریم ۶/۱۳۱

وقد قال اللہ تعالٰی: "قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾" [1] وقال تعالٰی:۔ "وَلَىٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾" [2] الٰی غیر ذٰلك من الاٰیات۔ کل ذٰلك مع قوله عزمن قائل۔ "اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىٕفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾" [3] ۔فافھم۔

رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ باری تعالٰی کا ارشاد ہے: تم فرماؤ کس کی ہے زمین اور جو اس میں ہیں اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے اللہ کی۔ تم فرماؤ پھر تم کیوں دھیان نہیں دیتے؟ تم فرماؤ کون ہے ساتوں آسمانوں کا مالک اور بڑے عرش کا مالک؟ بولیں گے: یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ فرماؤ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ تم فرماؤ کون ہے جس کے ہاتھ ہر چیز کا اقتدار ہے اور وہ پناہ دینے والا ہے اور اس کے خلاف پناہ نہیں دی جاسکتی اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ فرماؤ پھر تم کس جادو کے فریب میں پڑے ہو۔ اور ارشاد باری ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند، تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ پھر کہاں اوندھے جاتے ہیں؟ اور ان کے علاوہ آیات۔ ساتھ ہی یہ ارشاد بھی ہے: کبھی تم کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر نازل کی گئی تھی اور ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے، غور کیجئے۔ (ت)

ائمہ ماترید یہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ائمہ بخارا وغیر ہم بھی اسی کے قائل ہوئے۔ امام محقق

---

[1] القرآن الکریم ۲۳/۸۴تا۸۹

[2] القرآن الکریم ۲۹/۶۱

[3] القرآن الکریم ۶/۱۵۶

کمال الدین ابن الہمام قدس سرہ نے اسی کو مختار رکھا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

قال ائمة البخاری عندنا لایجب ایمان ولایحرم کفر قبل البعثت کقول الاشاعرة[1]۔	ائمہ بخاری نے اشاعرہ کی طرح فرمایا: ہمارے نزدیک قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں۔ (ت)

فواتح الرحموت میں ہے:

عندالاشعریة والشیخ ابن الهمام لایؤاخذون ولو اتوا بالشرك والعیاذ باللّٰه تعالٰی[2]۔	اشعریہ اور شیخ ابن الہمام کے نزدیک ان سے مواخذہ نہیں اگرچہ مرتکب شرک ہوں، والعیاذ باللّٰہ تعالٰی۔ (ت)

حاشیہ طحطاویہ علی الدر المختار میں ہے:

اهل الفترة ناجون ولو غیروا وبدلوا علی ماعلیه الاشاعرة وبعض المحققین من الماتریدیه ونقل الکمال فی التحریر عن ابن عبدالدولة انه المختار لقوله تعالٰی: "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵" وما فی الفقه الاکبر من ان والدیه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام[3] الخ۔	اہل فترت ناجی ہیں اگرچہ تغیر و تبدیل کے مرتکب ہوں۔ اس پر اشاعرہ اور بعض محققین ماتریدیہ ہیں۔ کمال ابن ہمام تحریر میں ابن عبدالدولہ سے ناقل ہیں کہ یہی مختار ہے کیونکہ ارشاد باری تعالٰی ہے: ہم عذاب فرمانے والے نہیں جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج لیں۔۔۔۔۔۔ اور فقہ اکبر میں جو ہے کہ حضور صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین نے حالت کفر میں انتقال کیا تو یہ مصنف فقہ اکبر امام اعظم پر دسیسہ کاری ہے (ت)

اس قول پر توظاہر کہ اہل فترت کو تازمان فترت کافر نہ کہا جائے گا کہ وہ ناجی ہیں، اور کافر ناجی نہیں تو شکل ثانی نے صاف نتیجہ دیا کہ وہ کافر نہیں۔

وعلٰی هذا استدل به السید العلامة	اسی بنیاد پر اس سے سید علامہ طحطاوی نے

[1] منح الروض الازہر فی شرح الفقه الاکبر معنی قرب الباری الخ دار البشائر الاسلامیه بیروت ص ۳۰۷

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالة الثانیة الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۲۹

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر المکتبة العربیه کوئٹہ ۲/ ۸۰

علٰی نزھۃ الابوین الشریفین عن الکفر۔رضی اللہ تعالٰی عنہما وعن کل من احب اجلالھما اجلالا لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	والدین کریمین کے کفر سے منزہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہوا اور ہر اس شخص سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اکرام کی خاطر ان کا اکرام پسند کرے۔(ت)

ولہٰذا ائمہ اشاعرہ میں کوئی انہیں مسلم کہتا ہے کوئی معنی مسلم میں۔

قال الزرقانی "ثم اختلف عبارۃ الاصحاب فیمن لم تبلغه الدعوۃ فاحسنھا من قال انه ناج، وایاھا اختار السبکی، ومنھم من قال علی الفترۃ عــــہ منھم من قال مسلم قال الغزالی والتحقیق ان یقال فی معنٰی مسلم[1]۔"	زرقانی نے فرمایا: پھر اصحاب (ائمہ رحمہم اللہ کی عبارتیں اس کے بارے میں مختلف ہوگئیں جسے دعوت نہ پہنچی سب سے عمدہ عبارت اس کی ہے جس نے کہا وہ ناجی ہے۔اسی کو امام سبکی نے اختیار کیا، کسی نے کہا وہ فترۃ پر ہے۔ کسی نے کہا مسلم ہے۔امام غزالی نے فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ اسے معنٰی مسلم میں کہا جائے۔(ت)

اس طور تو خود ابوطالب پر حکم کفر اس وقت سے ہوا جب بعد بعثت اقدس تسلیم واسلام سے انکار کیا، اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی خود اسلام لاکر حکم تبعیت سے قطعًا منزہ ہوچکے تھے وللہ الحمد۔

بعض علماء قائل تفصیل ہوئے کہ اہل فترت کے مشرک معاقب اور موحد وغافل مطلقًا ناجی۔ یہ قول اشاعرہ سے امامین جلیلین نووی ورازی رحمہما اللہ تعالٰی کا ہے۔

وتعقبه الامام الجلال السیوطی فی رسائله فی الابوین الکریمین	اس قول کا امام جلال الدین سیوطی نے اسلام والدین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے متعلق اپنے

عــــہ: ھکذا فی نسختی بالتاء ویترأای لی انه "الفطرۃ" بالطاء ۱۲منه۔	اعلٰی حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میرے نسخہ میں اسی طرح تا سے ہے میرا خیال ہے کہ یہ طاکے ساتھ "فطرۃ" ہے ۱۲منہ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفاۃ امه الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۷۲

رسائل میں تعاقب کیا ہے جس کا مآل یہ ہے کہ پہلے اہل فترت کا امتحان (پھر فیصلہ)۔علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلف ابی مالکی نے بھی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم میں قول مذکور کا تعاقب کیا ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ان کا کلام منقول ہے،اقول مگر آخر میں چل کر انہوں نے اس قول کو تسلیم کرلیا ہے اس طرح کہ پہلے فرمایا کہ جب قطعی نصوص نے بتایا کہ حجت قائم ہوئے بغیر عذاب نہ دیا جائے گا تو ہم نے جانا کہ ان پر عذاب نہ ہوگا اھ۔پھر انہیں خیال پیدا ہوا کہ تعذیب کے بارے میں تو حدیثیں بھی وارد ہیں توآخر کلام میں اہل فترت کو انہوں نے تین قسموں موحد(۱)،مبدّل(۲)،اور غافل(۳)میں تقسیم کیا۔پھر فرمایاکہ جن کی تعذیب کی صحت ثابت ہے انہیں قسم ثانی والوں پر محمول کیا جائیگا اس لئے کہ وہ اپنے برے افکار واعمال کے ذریعے حد سے تجاوز کرنے کے باعث کافر ہوئے اور اللہ تعالٰی نے اس قسم کے سارے لوگوں کو کفار ومشرکین کے نام سے موسوم کیا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ان میں سے جب کسی کا حال بیان فرماتا ہے تو صاف صاف انکے کافر ومشرک ہونے کا حکم ثبت فرمادیتا ہے جیسے یہ ارشاد باری ہے:	رضی اللہ تعالٰی عنہما بما یرجع الی القول بالامتحان۔ والعلامۃ ابوعبداللہ محمد بن خلف ن الابی فی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم کما نقل کلامہ فی المواھب۔اقول لکنہ عاد اٰخر الی تسلیمہ حیث قال اولا لما دلّت القواطع علی انہ لاتعذیب حتی تقوم الحجۃ علینا انھم غیر معذبین[1] اھ ثم استشعر ورود الاحادیث وقسمھم اٰخر الکلام الی موحد ومبدل و غافل،ثم قال فیحمل من صح تعذیبہ علی اھل القسم الثانی لکفرھم بما تعدوا بہ من الخبائث، و اللہ سبحٰنہ وتعالٰی قدسمّٰی جمیع ھٰذا القسم کفّارا ومشرکین فانا نجدالقرآن کلما حکٰی حال احد سجل علیھم بالکفر والشرک،کقولہ تعالٰی " مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَاسَآئِبَۃٍ"ثم قال اللہ تعالٰی "وَّلٰکِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الاول قضیہ نجاۃ والدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۶۹

یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ وَ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ "[1] ۔الخ، فھذا کماترٰی رجوع الٰی ما قاله ھٰذاان الامامان من تعذیب من اشرك منھم۔**اقول:** وفی استدلاله بالاٰیة خفاء ظاھر اذلیست نصًّافی ان المراد بھم من اخترع ذٰلك من اھل الفترة،بل الکفار لما تدینوا بتلك الاباطیل سجل علیھم بانھم یفترون علی اللہ الکذب۔۔۔۔وبالجملة فمفاد الاٰیة ان الکافرین یفترون لا ان المفترین کلھم کافرون،حتی یکون تسجیلاعلٰی کفر اھل الفترة۔	اللہ نے مقرر نہ کیا بحیرہ (کان چِرا) اور نہ سائبہ۔ پھر یہ ارشاد ہے: لیکن جو لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر بے عقل ہیں الخ۔ تو یہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اسی کی طرف رجوع ہے، جو امام نووی وامام رازی نے فرمایا کہ اہل فترت کے مشرکوں پر عذاب ہوگا۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) ہاں علامہ ابی نے آیت مذکورہ سے جو استدلال کیا ہے اس میں کھلا ہوا خفا ہے کیونکہ آیت اس بارے میں نص نہیں ان سے اہل فترت ہی کے (بحیرہ وغیرہ کا اختراع کرنیوالے مراد ہیں، بلکہ کفار نے جب ان باطل چیزوں کو اپنے دین واعتقاد میں داخل کرلیا تو ان کے بارے میں یہ حکم ثبت فرمایا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ کافرین افترا کرتے ہیں، نہ یہ کہ سارے افترا کرنے والے کافر ہیں کہ اہل فترت کے فکر کی تصریح ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں یہی قول ائمہ بخارا کی طرف نسبت کیا:

علی خلاف ماقدمنا عن القاری والطحطاوی وبحر العلوم رحمھم اللہ تعالٰی،حیث قال"نعم البخاریّون من الماتریدیة وافقوا الاشاعرة،وحملوا قول الامام، لاعذر لاحد فی الجھل بخالقه،علٰی مابعد	اس کے برخلاف جو پہلے ہم نے مولانا علی قاری، طحطاوی اور بحرالعلوم رحمہم اللہ تعالٰی سے نقل کیا، علامہ شامی نے اس طرح فرمایا کہ ہاں ماتریدیہ میں سے ائمہ بخارا اشاعرہ کے موافق ہوئے انہوں نے امام اعظم کے قول "اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کسی کے لئے کوئی عذر نہیں۔" کو

[1] المواھب اللدنیة المقصد الاول قضیة نجاة والدیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۸۱

البعثة، واختاره المحقق ابن الهمام فی التحریر۔ لکن هذا فی غیر من مات معتقدا للکفر۔ فقد صرح النووی والفخر الرازی بان من مات قبل البعثة مشرکا فهو فی النار، وعلیه حمل بعض المالکیة ماصح من الاحادیث فی تعذیب اهل الفترة[1] الخ۔"	مابعد بعثت پر محمول کیا، اسی کو محقق ابن الہمام نے تحریر میں اختیار کیا لیکن یہ قول جو لوگ کفر کا عقیدہ رکھتے ہوئے مرگئے ان کے علاوہ کے بارے میں ہے۔ امام نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح فرمائی ہے کہ جو قبل بعثت حالت شرک میں مرگئے جہنم میں ہوں گے۔ اسی پر بعض مالکیہ نے تعذیب اہل فترت سے متعلق احادیث صحیحہ کو محمول کیا ہے۔ (ت)

جمہور ائمہ ماتریدیہ قدست اسرارھم کے نزدیک اہل فترت کے مشرک[۱]، معاقب، موحد[۲]، ناجی، غافلوں[۳] میں جس نے مہلت فکروتامل نہ پائی، ناجی، پائی[۴]، معاقب۔

وهو المؤید بما نقل عن امام المذهب رضی الله عنه من قوله لاعذر لاحد[2] الخ وحمل البخار یین لا یجری فی قوله الاٰخر فیما نقل عنه وانه لو لم یبعث الله رسولا لو جب علی الخلق معرفته بعقولهم لٰکن اوله المحقق بحمل الوجوب علی العرفی۔ ای لکان ینبغی لهم ذلک۔ **اقول:** ویرد علٰی ظواهر هذه الاقوال جمیعا احادیث الامتحان وهی صحیحة	یہی قول تائید یافتہ ہے اس سے جو امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ کسی کے لئے اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کوئی عذر نہیں الخ اور اہل بخارا کا بعدِ بعثت والوں پر اس قول کو محمول کرنا امام سے منقول اس دوسرے قول میں نہ چل سکے گا کہ اگراللہ تعالٰی کوئی رسول مبعوث نہ فرماتا تو بھی مخلوق پر اپنی عقلوں کے ذریعہ خالق کی معرفت واجب ہوتی۔ لیکن محقق ابن الہمام نے اسے وجوب عرفی پر محمول کرکے تاویل کی ہے یعنی ان کے لئے یہی مناسب ہوتا۔ **اقول:** ان تمام اقوال کے ظاہر پر احادیث امتحان سے اعتراض وارد

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸۶

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸۶

کثیرۃ ولاترد ولاترام۔

وقد عدالسیوطی جملۃ منھا قال "والمصح منھا ثلثۃ۔

الاول حدیث الاسود بن سریع وابی ھریرۃ معًا مرفوعًا، اخرجه احمد وابن راھویه والبیھقی و صححه وفیه واماالذی مات فی الفترۃ فیقول رب ما اتانی لك رسول، فیأخذ مواثیقھم لیطیعنه، فیرسل الیھم ان ادخلواالنار، فمن دخلھا کانت علیه بردًا وسلامًا، ومن لم یدخلھاسحب الیھا[1]۔

والثانی حدیث ابی ھریرۃ موقوفًا، وله حکم الرفع لان مثله لایقال من قبل الرأی۔ اخرجه عبدالرزاق وابن جریروابن ابی حاتم وابن المنذر فی تفاسیر ھم، اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین[2]۔

والثالث حدیث ثوبان مرفوعًا، اخرجه البزارو الحاکم فی المستدرك وقال صحیح علی شرط الشیخین، واقرہ الذھبی[3]۔ الخ

ہوگا۔ اور یہ حدیثیں صحیح بھی ہیں کہ کثیر بھی۔ اس قابل نہیں کہ رد کی جائیں یا انہیں رد کرنے کاارادہ کیاجائے۔

امام سیوطی نے ان میں کچھ حدیثیں شمار کرائی ہیں، فرمایا کہ ان میں صحیح یافتہ تین ہیں۔

اول: اسود بن سریع اور ابوہریرہ دونوں حضرات کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج امام احمد اور ابن راہویہ اور بیہقی نے کی ہے۔ اور بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔ اس حدیث میں ہے: لیکن وہ جو فترت میں مرگیا تو عرض کرے گاخداوندا! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہ آیا۔ توان سے عہد وپیمان لے گا کہ اب ضرور اس کا حکم مانیں گے۔ توانہیں پیغام بھیجے گا کہ دوزخ میں داخل ہوجاؤ، جو داخل ہوگا اس پر ٹھنڈک اور سلامتی ہوجائے گی۔ جو نہ داخل ہوگااسے گھسیٹ کرلایا جائے گا۔

دوم: حضرت ابوہریرہ کی حدیث موقوف، یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔ اس کی تخریج عبدالرازق نے کی ہے اور ابن جریر وابن ابی حاتم وابن المنذر نے اپنی تفاسیر میں کی ہے، اسکی اسناد صحیح برشرط شیخین ہے۔

سوم: حضرت ثوبان کیحدیث مرفوع، جس کی تخریج بزار نے کی ہے، اور حاکم نے مستدرک میں تخریج کرکے فرمایا کہ صحیح برشرط شیخین ہے، اور ذہبی نے اسے مقرر رکھا۔

---

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بحوالہ السیوطی المقصد الاول، باب وفاۃ امه الخ دارالمعرفة بیروت ۱/۱۷۳۔۱۷۲

[2] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بحوالہ السیوطی المقصد الاول، باب وفاۃ امه الخ دارالمعرفة بیروت ۱/۱۷۳۔۱۷۲

[3] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بحوالہ السیوطی المقصد الاول، باب وفاۃ امه الخ دارالمعرفة بیروت ۱/۱۷۳۔۱۷۲

وذٰلك لان الامتحان یوجب الوقف والقول بشیئ یخالفه بید انّ تمام وروده انما هو علی الاشاعرة الذین اطلقوا القول بالنجاة اما المفصلون من اصحابنا فلهم ان یقولوا ینجو هذا یعاقب ذاک۔ ولٰکن یکون ذٰلك بعدالامتحان۔ولی ھٰھنا کلام اٰخر فی تحقیق المرام لااذکرہ لخوف الاطالة وغرابة المقام فلنرجع الٰی ما کنافیه۔	وجہ اعتراض یہ ہے کہ جب فیصلہ بعد امتحان ہوگا تو ہم پر توقف لازم ہے،اور کوئی صریح حکم لگا دینا اس کے خلاف ہے، لیکن یہ سارا اعتراض ان اشاعرہ پر ہے جو مطلقًا نجات کے قائل ہیں لیکن ہمارے اصحاب میں سے اہل تفصیل یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ ناجی ہوگا وہ معاقب۔ لیکن فیصلہ بعد امتحان ہوگا۔ اور یہاں تحقیق مقصود میں میرا ایک دوسرا کلام ہے جسے خوف طوالت اور اجنبیت مقام کے باعث ترک کررہا ہوں، اب ہم اصلی بحث کی طرف رجوع کریں۔(ت)

ان دونوں قولوں پر بس حکم کفر کے لئے صراحۃً اختیار شرک، یا بر قول آخر وصف مہلت تامل، ترک توحید کا ثبوت لازم۔ ہم پوچھتے ہیں مخالف کے پاس کیا حجت ہے کہ زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ نہ تھیں حالانکہ بہت عورتوں کی نسبت یہی مظنون کما قدمنا عن الزرقانی عن السیوطی (جیسا کہ ہم بحوالہ زرقانی امام سیوطی سے ماقبل میں ذکر کرچکے ہیں۔ت) مخالف جو دلیل رکھتا ہے پیش کرے اور جب نہ پیش کرسکے تو رجمًا بالغیب حکم تبعیت پر کیونکر منہ کھول دیا۔ کیا اطلاق کفر اور وہ بھی معاذاللہ ایسی جگہ محض اپنے تراشیدہ اوہام پر ہوسکتا ہے؟ کیا محتمل نہیں کہ وہ اس وقت بھی ان لوگوں میں ہوں جو بالاتفاق ناجی ہیں، تو ولد انہیں کا تابع ہوگا اور بالتبع بھی حکم کفر ہرگز صحیح نہ ہوسکے گا۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار میں مسلم وکافرہ سے مولود بالزنا کی نسبت فرماتے ہیں:

یظهر لی الحکم بالاسلام للحدیث الصحیح کل مولود یولد علی الفطرة حتی یکون ابواه هما اللذان یهودانه اوینصرانه،فانهم قالوا انه صلی اللہ تعالٰی علیه	مجھے اس کے مسلمان ہونے کا حکم کرنا ہی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ حدیث صحیح ہے کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ دونوں ہی اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ

وسلم جعل اتفاقهما ناقلاله عن الفطرة فاذا لم یتفقا بقی علی اصل الفطرة، وایضًا حیث نظروا للجزئیة فی تلك السائل احتیاطا فلینظر الیها هنا احتیاطا ایضا، فان الاحتیاط بالدین اولٰی ولان الکفر اقبح القبیح فلاینبغی الحکم به علٰی شخص بدون امر صریح [1] اھ ملخصًا۔	تعالٰی علیہ وسلم نے ماں اور باپ دونوں کے اتفاق کو دین فطرت سے منتقل کرنے والا ٹھہرایا۔ تو اگر دونوں متفق نہ ہوں تو بچہ اصل فطرت پر رہے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ علماء نے جب ان مسائل میں احتیاطًا جزئیت کا لحاظ کیا تو یہاں بھی احتیاطًا لحاظِ جزئیت ہونا چاہئے کیونکہ دین کے معاملہ میں احتیاط ہی اولٰی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ کفر سب سے بدتر قبیح ہے تو کسی شخص پر کسی امر صریح کے بغیر حکم کفر لگانا مناسب نہیں۔ اھ ملخصًا (ت)

سبحان اللہ! اس جرأت کی کوئی حد ہے کہ مدعا علیہ اسد اللہ الغالب اور دلیل و گواہ مفقود و غائب، انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ت)

ثانیًا: باجماع ائمہ اشاعرہ قدست اسرارھم، حسن وقبح مطلقًا شرعی ہیں۔ تو قبل شرع اصلًا کسی شیئ کی نسبت ایجاب یا تحریم کچھ نہیں۔ بعض ائمہ ماتریدیہ تمت انوارھم بھی بآنکہ قائل عقلیت ہیں مگر تعرف عقل قبل سمع کو مستلزم حکم و شغل ذمہ مکلّف عــــہ نہیں جانتے۔ یہی مذہب امام ابن الھمام نے اختیار فرمایا اور انہیں کی تبعیت فاضل محب اللہ بہاری نے کی۔ مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے:

(عندنا) وعند المعتزلة عقلی لکن عند نا من متاخری الماتریدیه لایستلزم هذا الحسن والقبح حکمًا	اشیاء کا حسن وقبح ہمارے نزدیک اور معتزلہ کے نزدیک عقلی ہے لیکن ہم متاخرین ماتریدیہ کے نزدیک یہ حسن وقبح بندے کے بارے میں اللہ

عــــہ: یعنی بعض ائمہ ماتریدیہ مانتے ہیں کہ کچھ اشیاء کے حسن وقبح کا ادراک عقل سے ہوتا ہے مگر وہ اس کے قائل نہیں کہ شریعت آنے سے پہلے ہی محض عقل کے ادراک پر مکلّف بندہ ذمہ دار ہو جائے اور اس پر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا لازم ہو جائے ۱۲ محمد احمد

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۴

من الله سبحٰنه فی العبد فمالم یحکم الله تعالٰی بارسال الرسل وانزال الخطاب لیس هناك حکم اصلًا ومن هٰهنا اشترطنا بلوغ الدعوة فی تعلق التکلیف فالکافر الذی لم تبلغه الدعوة غیر مکلف بالایمان ایضًاولا یؤاخذبکفره [1] اهملخصًا۔	سبحٰنہٗ کی طرف سے کسی حکم کو مستلزم نہیں، توجب تک اللہ نے رسولوں کو بھیج کراورخطاب نازل فرماکر کوئی حکم نہ فرمایا یہاں بالکل کوئی حکم نہیں۔ یہیں سے ہم نے کہا کہ مکلّف ہونے کا تعلق اس شرط کے ساتھ ہے کہ دعوت پہنچی ہو تو وہ کافر جسے دعوت نہ پہنچی وہ ایمان کا بھی مکلّف نہیں اوراس کے کفرپر بھی اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔اھ ملخصًا(ت)

نیز فواتح میں ہے:

حاصل البحث ان هٰهنا ثلٰثة اقوال: **الاول** مذهب الاشعریه ان الحسن والقبح فی الافعال شرعی وکذٰلك الحکم۔ **الثانی** انهما عقلیان وهما مناطان لتعلق الحکم۔ فاذاادرك فی بعض الافعال کالایمان والکفر و الشرك والکفر ان یتعلق الحکم منه تعالٰی بذمة العبد وهو مذهب هٰؤلاء الکرام والمعتزلة.الا انه عندنا لا تجب العقوبة بحسب القبح العقلی کما لا تجب بعد ورود الشرع لاحتمال العفو بخلاف هٰؤلاء [2]۔ **الثالث** عقلیان و لیساموجبین للحکم	حاصل بحث یہ ہے کہ یہاں تین اقول ہیں: **اول** مذہب اشعریہ کہ افعال کا حسن وقبح شرعی ہے۔اسی طرح حکم افعال بھی شرعی ہے۔ **دوم** حسن وقبح عقلی ہیں اوران پر تعلق حکم کامدار ہے۔توجب بعض افعال میں حکم کاادراک ہوجائے جیسے ایمان کفر،شرک اور کفران میں تواللہ تعالٰی کی طرف سے بندے کے ذمہ حکم متعلق ہوجائے گا،یہی ان علمائے کرام اور معتزلہ کا مذہب ہے،مگر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قبح عقلی کے اعتبار سے عقوبت واجب نہیں ہوجاتی جیساکہ ورود شرع کے بعد واجب نہیں کیونکہ عفو کا احتمال ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ واجب مانتے ہیں۔ **سوم** حسن وقبح عقلی ہیں۔اوراتنے ہی سے

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالة الثانیه الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۵

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالة الثانیه الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۹

ولا کاشفین عن تعلقه وهو مختار الشیخ ابن الهمام وتبعه المصنف ورأیت فی بعض الکتب وجدت مشائخنا الذین لاقیتهم قائلین مثل قول الاشعریة [1] اھ بتلخیص۔	وہ تعلق حکم کے موجب یا مظہر نہیں۔یہی شیخ ابن الہمام کا مختار ہے اور مصنف نے اسی کا اتباع کیا ہے۔میں نے بعض کتابوں میں پڑھا کہ میں نے اپنے ان مشائخ کو جن سے میں نے ملاقات کی ہے اشعریہ کے قول کا قائل پایا اھ بتلخیص۔(ت)

ان دونوں قولوں پر قبل شرح حکم اصلا نہیں،تو عصیان نہیں،کہ عصیان مخالفت حکم کا نام ہے۔

ولذا قال الامام ابن الهمام کیف تحقق طاعة او معصیة قبل ورود امر ونهی۔	اسی لئے ابن الہمام نے فرمایا کہ امر و نہی وارد ہونے سے پہلے کسی طاعت یا معصیت کا تحقق کیسے!(ت)

اور جب عصیان نہیں کفر بالاولٰی نہیں کہ وہ اخبث معاصی ہے اور انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص۔یوں بھی خود ابوطالب پر تا زمان فترت حکم کفر نہ تھا،جب کفر کیا تبعیت کا اصلاً محل نہ تھا۔

جماہیر ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اگرچہ عقل کو معرف حکم مانتے ہیں،مگر نہ مطلقاً کہ یہ تو سفاہت سفہائے معتزلہ و روافض و کرامیہ و براہمہ خذلهم الله تعالٰی (اللہ تعالٰی ان کو رسوا کرے۔ت) ہے۔بلکہ امثال توحید و شکر و ترک کفران و کفر وغیرہا امور عقلیہ غیر محتاج سمع میں۔اس مذہب پر پھر وہی سوال ہوگا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا زمان فترت میں ارتکاب شرک واجتناب توحید ثابت کرو۔اگر نہ ثابت کرسکو تو کیا مولی المسلمین ولی رب العلمین حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایسے شنیع لفظ کا اطلاق بے دلیل کردیا جائے گا؟

ثالثًا اس سب سے تنزل کیجئے اور تا ظہور بعثت ان دونوں زن و شو کا کفر مان ہی لیجئے تو اب ایک ذرا نظر انصاف درکار کہ امر دوم کا پتا نہ لگا رہا نہ رہے۔

نا سمجھ بچے کو بہ تبعیت والدین یا دار کافر کہنے کے ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں کہ وہ حقیقۃً کافر ہے کہ

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالة الثالثه الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۹

یہ تو بداہۃً باطل۔ وصف کفر یقیناً اس سے قائم نہیں، بلکہ اسلام فطری سے متصف ہے کما قدمنا (جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ت) یہ اطلاق صرف از روئے حکم ہے یعنی شرعاً اس پر وہ احکام ہیں جو اس کے باپ یا اہل دار پر ہیں وہ بھی نہ مطلقاً بلکہ صرف دنیوی، مثلاً وہ اپنے کافر مورث کا ترکہ پائے گا نہ مسلم کا، کافر وارث کو اس کا ترکہ ملے گا نہ مسلم کو، کافرہ سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے نہ مسلمہ سے، وہ مر جائے تو اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے، مسلمانوں کی طرح غسل و کفن نہ دیں گے، مقابر مسلمین میں دفن نہ کریں گے الی غیر ذٰلك من الاحکام الدنیویۃ (اس کے علاوہ دیگر دنیوی احکام۔ت) فتح القدیر میں ہے:

تبعیۃ الابوین او احدھما ای فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[1]۔	والدین یا ان میں سے کسی ایک کے تابع ہونا یعنی دنیوی احکام میں ہے نہ کہ اخروی احکام میں (ت)

بحر الرائق میں ہے:

اعلم ان المراد بالتبعیۃ التبعیۃ فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[2]۔	تو جان لے کہ تابع ہونے سے مراد دنیاوی احکام میں تابع ہونا ہے نہ کہ اخروی احکام میں۔ (ت)

شرنبلالیہ میں ہے:

التبعیۃ انما ھی فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[3]۔	تابع ہونا تو محض دنیاوی احکام میں ہے نہ کہ اخروی احکام میں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تبع لہ ای فی احکام الدنیا لا العقبی لما مر انھم خدم اھل	بچہ والدین میں سے کسی کے تابع ہے یعنی دنیاوی احکام میں نہ کہ اخروی احکام میں، کیونکہ گزر چکا ہے کہ انکے بچے جنتیوں کے خادم

[1] فتح القدیر باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۴

[2] بحر الرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوٰتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر باب الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

الجنة[1]۔	ہوں گے۔(ت)

اور جب یہ تبعیت صرف احکام دنیوی میں ہے تو اس کا ثبوت احکام دنیا کے وجود پر موقوف۔ اگر دنیا میں کوئی حکم ہی نہ ہو تو تبعیت کس چیز میں ہوگی؟ اور پر ظاہر کہ قبل بعثت ان امور میں کوئی حکم شرعی اصلاً اجماعاً متحقق نہ تھا۔ تو اس وقت تک کسی ناسمجھ بچے کا بہ تبعیت والدین کافر قرار پانا ہر گز وجہ صحت نہیں رکھتا کہ نہ حکم نازل، نہ تبعیت حاصل۔ **ھکذا اینبغی التحقیق واللّٰہ سبحٰنہ ولی التوفیق** (یونہی تحقیق چاہیے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی توفیق کا مالک ہے۔ت)

اس تحقیق انیق سے بتوفیق اللہ تعالٰی روشن ہوگیا کہ بحمدہ سبحٰنہ تبعًا حکمًا اسمًا وہمًا کسی طرح کسی نوع یہ لفظ شنیع حضرت مولٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی پر صادق نہ ہوا۔ روز الست سے ابد الآباد تک ان کا دامن ایمان مامن اس لوث (آلودگی) سے اصلاً جزمًا قطعًا مطلقًا پاک وصاف منزہ رہا۔ **والحمد للّٰہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

هذا كله ما فاض على قلب الفقير: من فيض اللطيف الخبير: واسأل الله تعالٰى ان يجعله ذريعة مقبولة لحفظ ايمان هٰذا الضعيف الحقير ليوم لقاء الملك الجواد القدير۔ ولاحول ولاقوة الا بالله العلى الكبير: وصلى الله تعالٰى وبارك وسلم على الامان المؤمن المولى النصير الشفيع الرفيع المبشر البشير: وعلٰى اٰله وصحبه واهله وحزبه وعلىٍّ المرتضٰى الامام الامير: وعلينا بهم ولهم وفيهم. اٰمين يا ربنا السميع البصير۔	یہ سب وہ ہے جو قلب فقیر پر لطیف خبیر کے فیض سے فائض ہوا اور میں اللہ تعالٰی سے سوال کرتا ہوں کہ اس کو بادشاہ جواد قدیر کی ملاقات کے دن تک اس ضعیف حقیر کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ مقبولہ بنادے، اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر اللہ علی کبیر ہی سے، اور اللہ رحمت وبرکت وسلامتی نازل فرمائے امن دینے والے امان، نصرت فرمانے والے مولٰی، بلند شفیع، خوشخبری دینے والے مبشر پر اور ان کی آل، اصحاب، اہل جماعت اور علی مرتضٰی امام امیر پر، اور ہم پر ان حضرات کے وسیلہ اور ان کے سبب سے اور ان کے زمرہ میں، قبول فرما اے ہمارے سننے دیکھنے والے رب!

[1] الدر المختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

تکمیل: بحمداللہ تعالیٰ یہی فضل اجل واجمل، بلکہ اس سے بھی اعلیٰ واکمل، نصیب حضرت امیر المومنین، امام المشاہدین، افضل الاولیاء المحمدیین، سیدنا ومولانا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ حکم تبعیت تو انہیں وجوہ بالا سے باطل۔ چند برس کی عمر شریف ہوئی کہ پرتوشانِ خلیل اللہ بت خانہ میں بت شکنی فرمائی۔ ان کے والد ماجد سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ وہ بھی صحابی ہوئے) اس زمانۂ جاہلیت میں انہیں بت خانے لے گئے اور بتوں کو دکھا کر کہا: **ھٰذہٖ الھتك الشم العلٰی فاسجدلھا** یہ تمہارے بلند و بالا خدا ہیں انہیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر گئے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور براہ اظہار عجز صنم وجہل صنم پرست ارشاد فرمایا: انی جائع فاطعمنی میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا۔ فرمایا: انی عار فاکسنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا: میں تجھ پر پتھر ڈالتا ہوں۔ **فان کنت الھًا فامنع نفسك** اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ اب بھی نرا بت بنا رہا۔ آخر بقوت صدیقی پتھر پھینکا کہ وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گرا۔ والد ماجد واپس آتے تھے یہ ماجرا دیکھا، کہا: اے میرے بچے! یہ کیا کیا؟ فرمایا: وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں؟ وہ انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (کہ وہ صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا انہوں نے فرمایا: اس بچے سے کچھ نہ کہو، جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا، میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے۔

یا امۃ اللہ علی التحقیق: ابشری بالولد العتیق: اسمہٗ فی السماء الصدیق: لمحمد صاحب ورفیق: رواہ القاضی ابوالحسین احمد بن محمد ن الزبیدی بسندہ فی "معالی الفرش الی عوالی العرش"[1] وقد ذکرنا الحدیث بطولہ فی کتابنا المبارک	اے اللہ کی سچی لونڈی! تجھے خوشخبری ہو اس آزاد بچے کی، اس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یار ورفیق ہے۔ (اسے قاضی ابوالحسین احمد بن محمد زبیدی نے) "**معالی الفرش الی عوالی العرش**" میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ہم نے پوری حدیث طویل اپنی کتاب "مطلع القمرین فی

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری بحوالہ معالی الفرش الی عوالی العرش باب اسلام ابی بکر دار الکتاب العربی بیروت ۱۸۸/۶، ۱۸۷

ان شاء اللہ تعالٰی مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین۔	ابانۃ سبقۃ العمرین" میں بیان کیا ہے جو بابرکت (کتاب) ہے اگر اللہ نے چاہا۔ت)

سولہ برس کی عمر میں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم پکڑے کہ عمر بھر نہ چھوڑے، اب بھی پہلوئے اقدس میں آرام کرتے ہیں، روز قیامت دست بدست حضور اٹھیں گے، سایہ کی طرح ساتھ ساتھ داخل خلد بریں ہوں گے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے فورًا بے تامل ایمان لائے، ولہذا سیدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لم یزل ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ بعین الرضا منہ[1]۔	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیشہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خوشنودی میں رہے۔(ت)

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

اختلف الناس فی مرادہ بھٰذا الکلام فقیل لم یزل مؤمناقبل البعثۃ وبعدھا وھو الصحیح المرتضٰی[2]	اس کلام سے امام اشعری کی مراد میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بیان مراد میں ایک قول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مومن رہے، قبل بعثت بھی، بعد بعثت بھی۔ یہی قول صحیح وپسندیدہ ہے(ت)

امام اجل سید ابوالحسن علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی قدس سرہ الملکی فرماتے ہیں:

الصواب ان یقال ان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یثبت عنہ حالۃ کفر باللہ کما ثبتت عن غیرہ ممن اٰمن۔ وھو الذی سمعناہ من اشیاخنا ومن یقتدٰی بہ وھو الصواب ان شاء اللہ تعالٰی[3]۔	صحیح یہ کہنا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے متعلق کوئی حالت کفر ثابت نہ ہوئی جیسا کہ دوسرے ایمان والوں سے متعلق ثابت ہوئی۔ یہی ہم نے اپنے شیوخ اور پیشواؤں سے سنا ہے اور یہی حق ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۸۷/۶

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۸۷/۶

[3] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۸۷/۶

الحمدللہ یہ اجمالی جواب، موضح، نہم جمادی الاخری روز شنبہ کو تمام اور بلحاظ تاریخ "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ" نام ہوا۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین، وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ وسراج افقہ سیدنا ومولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم، وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔	اور ہماری دعا کا اختتام یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے بہترین مخلوق، اس کے افق کے سراج ہمارے آقا و مولٰی محمد پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ پر۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اس کا علم اتم اور اس کا حکم مضبوط ہے۔ (ت)

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ

ختم ہوا۔

مسئلہ ۲۰: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب (رحمہ للہ تعالٰی) ۶ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاھم اللہ تعالٰی الی یوم الدین (اللہ تعالٰی انہیں روز جزاء تک قائم رکھے۔ ت) اس میں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ہمیشہ کے مسلمان تھے یا کہ علی مافی تاریخ الخلفاء للسیوطی وردالمحتار لابن عابدین و جامع المناقب وغیرہ (جیسا کہ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء، علامہ ابن عابدین کی ردالمحتار اور جامع المناقب وغیرہ میں ہے۔ ت) تیرہ یا دس یا نو یا آٹھ برس کے سن میں ایمان لائے ہیں، اگر ہمیشہ مسلمان تھے تو پھر ایمان لانا چہ معنٰی دارد۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل (تفصیل سے بیان کرو اجر عظیم دیے جائے گا۔ ت)

الجواب:

حضرت امیر المومنین، مولی المسلمین، امام الواصلین، سید نا علی المرتضٰی مشکل کشا،

کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی اور حضرت امیر المومنین امام المشاہدین افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا ومولانا صدیق اکبر عتیق اطہر علیہ الرضوان الاجل الاظہر دونوں حضرات عالمِ ذریت سے روزِ ولادت، روزِ ولادت سے سنِّ تمیز، سنِّ تمیز سے ہنگامِ ظہور پرنور آفتاب بعثت، ظہورِ بعثت سے وقتِ وفات، وقتِ وفات سے ابدالآباد تک بحمد اللہ تعالٰی موحد موقن ومسلم ومومن وطیب وزکی وطاہر ونقی تھے، اور ہیں، اور رہیں گے، کبھی کسی وقت کسی حال میں ایک لحظہ ایک آن کو لوثِ کفروشرک وانکار ان کے پاک، مبارک، ستھرے دامنوں تک اصلًا نہ پہنچا نہ پہنچے، **والحمدللہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

عالم ذریت سے روزِ ولادت تک اسلام میثاقی تھا کہ "**اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی ۚ**"[1] (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا کیوں نہیں۔)

روزِ ولادت سے سنِّ تمیز تک اسلام فطری کہ **کل مولود یولد علی الفطرۃ**[2] ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔(ت)

سنِّ تمیز سے روز بعثت تک اسلام توحیدی کہ ان حضرات والاصفات نے زمانہ فترت میں بھی کبھی بت کو سجدہ نہ کیا، کبھی غیر خدا کو خدا نہ قرار دیا ہمیشہ ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ایک ہی کہا، ایک ہی سے کام رہا۔

"**ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝**"[3]۔	یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطافرماتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔(ت)

پھر ظہور بعثت سے ابدالآباد تک حال تو ظاہر وقطعی ومتواتر ہے **والحمدللہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) فقیر غفرلہ اللہ المولی القدیر نے یہ نفسی مطلب بقدر حاجت اپنے رسالہ **موجزہ تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ** میں واضح کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۷/۱۷۲

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ ۲/۲۹۲ وجامع الترمذی ابواب القدر ۲/۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۳

[3] القرآن الکریم ۶۲/۴

ثم اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں پھر کہتا ہوں اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے) ظاہر ہے کہ تااوان (وقت) فترت اس زمان جاہلیت ومکان اُمیت وہیجان غفلت میں سمعیات پر اطلاع کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے، اسی طرح نبوت وکتاب کہ وہ لوگ ان امور سے واقف ہی نہ تھے، ولہذا براہِ عجب کہتے ہیں: "اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾"[1] کیا خدا نے آدمی کو رسول بنایا۔ اور کہتے:

"مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ"[2]	یہ رسول کیسا ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

اور پُر ظاہر کہ حکم، بے تصور محکوم علیہ محال قطعی۔ تو جس چیز سے ذہن اصلًا خالی اس کی تصدیق وتکذیب دونوں ممتنع عقلی۔

وقد قال تعالٰی: "مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾"[3]۔	بے شک اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں۔ (ت)

لہٰذا اس زمانے میں صرف توحید مدار اسلام ومناطِ نجات ونافی کفر تھی۔ موحد ان جاہلیت کا مسئلہ اجماعیہ کسے نہیں معلوم؟ بایں ہمہ وہ اسلام ضروری تھا کہ اس وقت اسی قدر ممکن تھا اصل دین ومرضی رب العلمین جسے "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫"[4] (بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ ت) فرمایا گیا تمام ایمانیات پر ایمان لانا ہے،

"كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۫"[5]	سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔ (ت)

یہ بغیر بعثت وبلوغ دعوت ناممکن ____ اور اس کا بھی فرد اکمل وہ ہے جس کی نسبت ابراہیم خلیل واسمٰعیل ذبیح صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم نے دعا کی:

"وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪"[6]	اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹۴/۱۷

[2] القرآن الکریم ۷/۲۵

[3] القرآن الکریم ۶/۳۶

[4] القرآن الکریم ۱۹/۳

[5] القرآن الکریم ۲۸۵/۲

[6] القرآن الکریم ۱۲۸/۲

جس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے:

"هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ "[1]۔	اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں۔(ت)

یعنی اس نبی کریم افضل المسلمین خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کی امت مرحومہ میں داخل ہونا۔ یہ اسلام کا اطلاق اخص واکمل واجل واجمل ہے۔ ان دونوں معنوں پر ان حضرات عالیات رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آٹھ یا دس برس کی عمر میں اسلام لائے، یہ ارشاد اقدس سنتے ہی فورًا بلاتامل مسلمان ہوئے۔ معہذا اس میں ایک سِرّ یہ ہے کہ بعد بعثت وبلوغ دعوت صرف اس اسلام ضروری پر قناعت کافی ووجہ نجات نہیں۔ اگر کوئی شخص فترت میں صدہا سال موحد رہتا اور بعد دعوت تصدیق نہ کرتا وہ اسلام سابق یقینًا زائل ہوکر کافر مخلد فی النار ہوجاتا۔ تو جس نے فورًا تصدیق کی اس پر حکم اسلام اس وقت سے تام وقائم ومحکم ومستقر ہوا۔

علاوہ بریں رب العزت عزوجل اپنے خلیل جلیل سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی نسبت فرماتا ہے:

" اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ "[2]	جب اس سے فرمایا اس کے رب نے کہ اسلام لا، بولا میں اسلام لایا رب العالمین کیلئے۔

جب خلیل کبریا علیہ الصلوۃ والثناء کو اسلام لانے کا حکم ہونا اور انکا عرض کرنا کہ اسلام لایا، معاذاللہ ان کے ایمان قدیم واسلام مستمر کا منافی نہ ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم التحیۃ والثناء کی طرف بعد نبوت وپیش از نبوت کبھی کسی وقت ایک آن کے لئے بھی غیر اسلام کو اصلًا راہ نہیں، تو صدیق ومرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ فلاں دن مسلمان ہوئے اس روز اسلام لائے، انکے اسلام سابق کے معاذاللہ کیا مخالفت ہوسکتے ہیں۔

ھذا کلہ واضح مبین۔ والحمدللہ رب العالمین۔	یہ سب واضح نمایاں ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے کل جہانوں کا۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/۱۳۱

بحمد اللہ تعالٰی نے فقیر کی اس تقریر سے جس طرح روافض کا نفیِ خلافت صدیقی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے براہ عناد ومکابرہ آیہ کریمہ "لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ "[1] (میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ت) سے سفیہانہ استدلال، جس کا نہ صغرٰی صحیح نہ کبرٰی ٹھیک، ہباءً منثورا ہوگیا، یونہی تفضیلیہ کا وہ باطل خیال کہ "قدم اسلام خاصہ حضرت مرتضوی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ہے لہٰذا خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل" مدفوع ومقہور ہوگیا۔

فاقول وباللّٰہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت) صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لحاظ سے تو یہ تخصیص ہی غلط کہ وہ بھی اس فضل جلیل میں شریک حضرت اسد اللہ الغالب، بلکہ انصاف کیجئے تو شریک غالب ہیں اگرچہ دونوں حضرات قدیم الاسلام ہیں کہ ایک آن ایک لمحہ کو ہرگز ہرگز متصف بکفر نہ ہوئے، مگر اسلام میثاقی واسلام فطری کے بعد اسلام توحیدی واسلام اخص دونوں میں صدیق اکبر کا پایہ ارفع واعلٰی ہے۔ توحیدی میں یوں کہ صدیق اکبر کی ایک عمر کثیر اس زمانہ ظلمت وجہالت میں گزری۔ ابتداء میں مدتوں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہِ اسلام پناہ سے دوری رہی۔ اس پر بچپنے کی کچی سمجھ میں انکے والد ماجد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کہ اس وقت تک مبتلائے شرک تھے اپنے دین باطل کی تعلیم دینا،، بت خانے میں لے جاکر سجدہ بت کی تفہیم کرنا، غرض رہنما مفقود، رہزنی موجود۔ بایں ہمہ انکا توحید خالص پر قائم رہنا، اللہ اکبر کیسا اجل واعظم ہے۔ حضرت امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی نے آنکھ کھولی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کا جمال جہاں آراء دیکھا، حضور ہی کی گود میں پرورش پائی، حضور ہی کی باتیں سنیں، حضور ہی کی عادتیں سیکھیں، شرک وبت پرستی کی صورت ہی اللہ تعالٰی نے کبھی نہ دکھائی، آٹھ یا دس سال کے ہوئے کہ آفتاب جہاں تابِ رسالت اپنی عالمگیر تابشوں کے ساتھ چمک اٹھا، **والحمد للّٰہ رب العٰلمین** (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) اسلام اخص میں یوں کہ صدیق اکبر نے فوراً اپنا اسلام سب پر ظاہر وآشکار کردیا، ہدایتیں فرمائیں، کفار کے ہاتھوں سے اذیتیں پائیں، جن کی تفصیل ہماری کتاب **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** وغیرہ کتب حدیث میں ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۴

اور امیر المومنین مولیٰ علی کی نسبت آیا کہ کچھ دنوں اپنے باپ ابو طالب کے خوف سے کہ لازمہ صغر سنّ ہے اپنے اسلام کا اخفا فرمایا، امام حافظ الحدیث خیثمہ بن سلیمان قرشی وامام دار قطنی ومحب الدین طبری وغیرہم حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضرت سیدنا علی مرتضیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ان ابا بکرٍ سبقنی الی اربعٍ لم اوتھن، سبقنی الیٰ افشاء السلام، وقدم الھجرۃ، مصاحبته فی الغار و اقام الصلوۃ وانا یومئذٍ بالشعب، یظھر اسلامه واخفیه[1]۔ الحدیث	بیشک ابو بکر چار باتوں کی طرف سبقت لے گئے کہ مجھے نہ ملیں: انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام آشکار اکیا، اور مجھ سے پہلے ہجرت کی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یار غار ہوئے، اور نماز قائم کی اس حالت میں کہ میں ان دنوں گھروں میں تھا۔ وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے اور میں چھپاتا تھا۔

امام قسطلانی مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

اول من اسلم علی ابن ابی طالب وھو صبی لم یبلغ الحلم، وکان مستخفیا باسلامه، واول رجل عربی بالغ اسلم واظھر اسلامه ابو بکر بن ابی قحافۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما[2]۔	سب سے پہلے ایمان لانے والے مذکر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جبکہ آپ بچے تھے اور سنِّ بلوغ کو نہ پہنچے تھے وہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے، اور سب سے پہلے ایمان لانے والے عربی مرد جنھوں نے اسلام ظاہر کیا وہ ابو بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ (ت)

امام ابو عمر ابن عبد البر روایت فرماتے ہیں:

سئل محمد بن کعب القرظی عن اول من اسلم ولی او ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنھما: قال	محمد بن کعب قرظی سے سوال کیا گیا کہ ابو بکر وعلی میں سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟

[1] المواھب اللدنیه بحواله خیثمه بن سلیمٰن ذکر اول من اٰمن، اسلام علی رضی اللہ عنه المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۸و۲۱۹

[2] المواھب اللدنیه بحواله خیثمه بن سلیمٰن ذکر اول من اٰمن، اسلام علی رضی اللہ عنه المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۹

سبحان اللہ علیّ اولھما اسلامًا وانما شبّہ علی الناس لان علیًا اخفٰی اسلامہ من ابی طالب واسلم ابو بکر فاظھر اسلامہ[1]۔	تو انہوں نے کہا سبحان اللہ ان دونوں میں سے حضرت علی پہلے اسلام لائے مگر انہوں نے اسلام کو اپنے والد سے پوشیدہ رکھا جس وجہ سے ان کا اسلام لوگوں پر مشتبہ رہا جبکہ ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔(ت)

ولہٰذا احادیث حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآثار صحابہ کرام واہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کہ صدیق کا اسلام سب کے اسلام سے افضل، اور ان کا ایمان تمام امت کے ایمان سے ازید واکمل ہے کما بیناہ فی کتابنا المذکور المبارك ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ ہم نے اس کو بیان کر دیا ہے کتاب مذکور میں جو ان شاء اللہ بابرکت ہوگی۔ت)

رہے امیر المومنین فاروق وامیر المومنین غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما مذہب جمہور اہلسنت میں امیر المومنین حیدر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو وہ دونوں افضل اور امیر المومنین صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اگرچہ سب سے افضل مگر اس وجہ سے افضل نہیں کہ یہ قدیم الاسلام ہیں وہ جدید الاسلام، کہ یہ فضل جزئی ہے جو مفضول کو بھی افضل پر مل سکتا ہے۔ فضل کلی اور شیئ ہے جس کی تحقیق انیق ہم نے کتاب مذکور میں ذکر کی۔ قدم اسلام اگر موجب افضلیت ہو تو لازم آئے کہ من وتو زید وعمرو کہ بعونہ تعالٰی باپ دادا پر دادا پشت ہا پشت سے مسلمان چلے آتے ہیں۔ عمرو عثمان، ابو ذر و سلمان وحمزہ وعباس وغیرہم صحابہ کرام واہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے معاذ اللہ افضل ٹھہریں، تو اس بنا پر دعوی افضلیت محض جہالت اور فضل جُزئی وکلی کے تفرقہ سے غفلت ہے۔

واللہ الھادی وولی الایادی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہٗ جل مجدہ اتم واحکم۔	اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا اور نعمتوں کا مالک ہے اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور مستحکم ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۱: از بنارس محلّہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۱۴ رجب ۱۳۱۲ھ

ماقولکم ایھا العلماء ابقاکم اللہ تعالٰی	اے علماء کرام اللہ تعالٰی یوم جزا تک آپ کو باقی

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۸۷۵ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۱۹۹

الٰی یوم الجزاء فی المسئلۃ التی نرسل الیکم۔	رکھے آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں جو ہم آپ کی طرف بھیج رہے ہیں۔(ت)

زید کہتا ہے چونکہ علی مرتضٰی نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا اور اس سے پہلے کبھی دامن پاک آپ کا نجاست شرک وکفر سے آلودہ نہیں ہوا اور حدیث شریف:

کل مولود یولد علی الفطرۃ[1]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے(ت)

دلالت کرتی ہے کہ کل بچے کا دین اسلام ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جناب علی مرتضٰی ہمیشہ سے مسلمان تھے۔ عمرو کہتا ہے کہ جب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا تو یہ کہنا کہ آپ ہمیشہ سے مسلمان تھے محض غلط ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دیے جاؤگے۔ت)

الجواب:

قول زید حق ومقبول وزعم عمرو باطل ومخذول ہے۔

کما حققنا بتوفیق اللہ تعالٰی فی "تنزیۃ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ۔"	جیسا کہ ہم نے "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ" میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی تحقیق کردی ہے۔(ت)

ہاں عبارت زید میں یہ لفظ قابل گرفت ہے کہ "ہم کہہ سکتے ہیں" اس سے بوئے ضعف آتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں، ہم بالیقین کہتے ہیں:

"اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدٰىنَا لِہٰذَا ۟ وَ مَا کُنَّا لِنَہۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ ہَدٰىنَا اللّٰہُ ۚ"[2]۔	سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا۔(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۲، جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء کل مولود یولد علی الملۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۳۲

[2] القرآن الکریم ۷/ ۴۳

بیشک حضرت مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی ہمیشہ سے مسلمان صحیح الایمان تھے اور بیشک انہوں نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا، ان دونوں باتوں میں اصلاً تنافی نہیں۔ یہ اسلام متاخر وہ ہے جس کا ذکر اللّٰھم صل علٰی علم الایمان اصل الایمان عین الایمان وٰلہ وسلم۔ اے اللہ درود وسلام نازل فرما علامت ایمان، اصل ایمان، عین ایمان پر اور آپ کی آل پر۔ (ت) آیہ کریمہ:

"مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا"[1] الاٰیۃ۔	اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل، ہاں ہم نے اسے نور کیا۔ (ت)

یعنی اسلام خاصِّ زمان بعثت کہ کتاب ورسول پر ایمان وعقائد سمعیہ کے اذعان پر مشتمل ہو۔ یہ بے شک بعد بعثت حاصل ہوا۔ اس کا حدوث قدم اسلام توحیدی کا منافی نہیں،

کما لا یخفٰی علٰی من کان لہ قلب اوالقی السمع وھو شھید۔	جیسا کہ یہ پوشیدہ نہیں اس شخص پر جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔ (ت)

تفسیر کبیر میں زیر آیہ کریمہ منجملہ وجوہ تاویل مذکور:

الرابع الایمان عبارۃ عن الاقرار بجمیع ماکلف اللہ تعالٰی بہ وانہ قبل النبوۃ ماکان عارفابجمیع تکالیف اللہ تعالٰی، بل انہ کان عارفا م باللہ تعالٰی وذٰلك لاینافی ماذکرناہ۔ الخامس صفات اللہ تعالٰی علی قسمین منھا مایمکن معرفتہ بمحض دلائل العقل، ومنھا مالایمکن معرفتہ الا بالدلائل السمعیۃ، فھذا القسم الثانی لم تکم معرفتہ حاصلۃ قبل النبوۃ۔[2]	وجہ چہارم، ایمان ان تمام چیزوں کے مان لینے کا نام ہے جن کا اللہ تعالٰی نے بندوں کو مکلّف بنایا، اور حضور قبل نبوت اللہ تعالٰی کے عائد کردہ تمام احکام وتکالیف سے واقف نہ تھے بلکہ وہ خداوند تعالٰی کے عارف تھے اور یہ اس کے منافی نہیں جو ہم نے ذکر کیا (کہ قبل وحی بھی انبیاء کا کفر سے منزہ ہونا اجماعی ہے) وجہ پنجم، صفات الٰہی کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ جن کی معرفت عقلی دلیلوں سے ہوسکتی ہے (۲) وہ جن کی معرفت سمعی دلیلوں کے بغیر ممکن نہیں۔ تو اسی قسم دوم کی معرفت قبل نبوت نہ تھی۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/۵۲

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۴۲/۵۲ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۷/۱۹۱

تفسیر ارشاد العقل السلیم میں ہے:

ای الایمان بتفاصیل مافی تضاعیف الکتاب من الامور التی لاتهتدی الیها العقول، لاالایمان بما یستقبل به العقل والنظر، فان درایته علیه الصلٰوۃ والسلام له ممالاریب فیه قطعا۔[1]	اس آیت میں ایمان سے مراد ان امور کی تفصیلات پر ایمان ہے جو کتاب کے وسیع صفحات میں مندرج ہیں جن تک از خود عقلوں کی رسائی نہیں، ان امور سے متعلق ایمان کی نفی مراد نہیں جن کو عقل و فکر خود جان لیتی ہے اور کتاب وغیرہ کی محتاج نہیں ہوتی، قبل نبوت بھی اس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آشنا ہونے میں قطعًا کوئی شک وشبہ نہیں۔ (ت)

اسی کے قریب قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی نے شفا شریف میں نقل کرکے فرمایا: **وھو احسن وجوھه**[2]۔ (وجوہ تاویل میں یہ سب سے عمدہ ہے۔ت) **واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔**

رسالہ

تنزیه المکانة الحیدریه عن وصمة عھد الجاھلیه

ختم ہوا

---

[1] ارشاد العقل السلیم تحت الآیۃ ۴۲/ ۵۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۳۸

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل واما عصمتھم من ھذا الفن قبل النبوۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/۱۰۵

رسالہ

غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق ۱۳۳۱ھ

(تحقیق کی انتہاء حضرت علی مرتضٰی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلّما

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلہ ۲۲: اول: رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وعترتہ وسلم نے وقتِ رحلت یا کسی اور وقت اپنے بعد اپنا جانشین کس کو مقرر کیا؟

الجواب:

جانشینی ونیابت دو۲ قسم ہے:

اول۱: جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لئے دوسرے کو اپنا نائب کرے، جیسے بادشاہ کالڑائی میں کسی کو سردار بنا کر بھیجنا یا کسی کو ضلع کی حکومت دینا یا تحصیل خراج پر مامور کرنا، یا کہیں جاتے ہوئے انتظام شہر سپرد کر جانا، اس قسم کا استخلاف صریح حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وعترتہٖ وازواجہ وصحابتہ اجمعین وبارک

وسلم سے بازہا واقع ہوا، جیسے بعض غزوات میں امیر المومنین صدیق اکبر بعض میں حضرات اسامہ بن زید۔ غزوہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تحصیل زکوۃ پر امیر المومنین فاروق اعظم وحضرت خالد بن ولید وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم کو مقرر فرمایا۔ یہ بھی یقینا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت تھی کہ اخذ صدقات اصل کام حضور والا صلوات اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ کا ہے۔ قال تعالٰی:

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ"[1]	اے محبوب ان کے مال میں سے زکوۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔ (ت)

تعلیم قرآن ودین کے لئے قرائے کرام شہدئے عظام کو مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب بن اسید کو مکہ معظّمہ، حضرت معاذ بن جبل کو ولایت جَنَد، حضرت ابو موسٰی اشعری کو زبید وعدن، حضرت ابوسفیان والد امیر معاویہ یا حجرت عمرو بن حزم کو شہر نجران، حضرت زیاد بن لبید کو حضر موت، حضرت خالد سعید اموی کو صنعا، حضرت عمرو بن العاص کو عمان کا ناظم صوبہ کیا۔ باذان بن سباسان کیانی مغل کو صوبہ داری یمن پر مقرر رکھا۔ امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو ملک یمن کا عہدۂ قضا بخشا۔ ۸ھ میں حضرت عتّاب، ۹ھ میں حضرت ابو بکر صدیق اکبر کو امیر الحاج بنایا۔ بعض وقائع میں امیر المومنین فاروق اعظم، بعض میں حضرت معقل بن یسار، بعض میں حضرت عقبہ کو حکم قضا دیا۔ غزوۂ تبوک کو تشریف لے جاتے وقت امیر المومنین علی مرتضٰی کو اہلبیت کرام، اور غزوہ بدر میں حضرت ابولبابہ، اور تیرہ غزوات واسفار کو نہضت فرماتے حضرت عمرو ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ کا امیر ووالی فرمایا۔ ازانجملہ غزوہ ابواء کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا وغزوہ بواط وغزوہ ذی العُشیرہ وغزوہ طلب کرز بن جابر وغزوۂ سویق وغزوۂ غطفان وغزوۂ احد وغزوۂ حمراء الاسد وغزوہ نجران وغزوہ ذات الرقاع وسفر حجۃ الوداع کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پچھلا سفر تھا رضی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

لخصنا کل ذٰلك من صحیح البخاری	یہ سب ہم نے تلخیص کی صحیح بخاری اور اس کی

[1] القرآن الکریم ۹/۱۰۳

وشروحه ولمواهب اللدنية بالمنح المحمدية و شرحها للزرقانی والاصابة فی تمییز الصحابة للامام الحافظ العسقلانی رحمة الله تعالٰی علیهم اجمعین۔	شرحوں، مواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ اوراسکی شرح زرقانی اورحافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف الاصابہ فی تمییزالصحابہ سے۔اللہ تعالٰی ان سب پر رحمت نازل فرمائے۔(ت)

دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہوسکتی یعنی امام کا اپنے بعد کسی کیلئے امامت کبرٰی کی وصیت فرمانا اس کا نص صریح علی الاعلان بتصریح نام حضور اعلٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کے واسطے نہ فرمایا، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ضرور پیش کرتے اور قریش وانصار میں دربارہ خلافت مباحثے مشاورے نہ ہوتے، امیر المومنین امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے باسانید صحیحہ قویہ ثابت کہ جب ان سے عرض کی گئی استخلف علینا ہم پر کسی کو خلیفہ کردیجئے۔ فرمایا: لاولٰکن اترککم کما ترککم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کسی کو خلیفہ نہ کروں گا بلکہ یونہی چھوڑوں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چھوڑگئے تھے اخرجه الامام احمد [1] بسند حسن والبزار بسندی قوی والدار قطنی وغیرهم (اس کو امام احمد نے بسند حسن اور بزار نے بسند قوی اور دارقطنی وغیرہم نے روایت کیا۔ ت) بزار کی روایت میں بسند صحیح ہے حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے فرمایا:

مااستخلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فاستخلف علیکم [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہ کیا کہ میں کروں۔

دارقطنی کی روایت میں ہے، ارشاد فرمایا:

دخلنا علٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقلنا یارسول اللہ	ہم نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب اسلامی بیروت ۱/۱۳۰، الصواعق المحرقة الباب الاول الفصل الخامس دار التکب العلمیة بیروت ص ۷۰، کشف الاستار عن زوائد البزار باب فی قتله حدیث ۲۵۷۲ موسسة الرسالة بیروت ۳/۲۰۳، کنز العمال بحواله ك وابن السنی حدیث ۳۶۵۶۲ موسسة الرسالة بیروت ۱۳ / ۱۸۹

[2] الصواعق المحرقة بحواله البزار الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیة بیروت ص ۷۰

استخلف علینا قال لا، ان یعلم اللہ فیکم خیرا یول علیکم خیر کم قال علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فعلم اللہ فینا خیرا فولی علینا ابابکر (رضی اللہ تعالٰی علیھم اجمعین)[1]	ہم پر کسی کو خلیفہ فرماد یجئے۔ارشاد ہوا: نہ، اگر اللہ تعالٰی تم میں بھلائی جانے گا تو جو تم سب میں بہتر ہے اسے تم پر والی فرما دے گا۔ حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: رب العزۃ جل وعلانے ہم میں بھلائی جانی پس ابوبکر کو ہمارا والی فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

امام اسحٰق بن راہو یہ ودارقطنی وابن عساکر وغیرہم بطرقِ عدیدہ واسانید کثیرہ راوی، دو شخصوں نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ان کے زمانہ خلافت میں در بارۂ خلافت استفسار کیا اعھد عھدہ الیک النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ام رائ رایتہ۔ کیا یہ کوئی عہد وقرارداد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا آپ کی رائے ہے بلکہ ہماری رائے ہے اما ان یکون عندی عھد من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عھدہ الی فی ذٰلك فلا، واللہ لئن کنت اول من صدق بہ فلا کون اول من کذب علیہ رہا یہ کہ اسباب میں میرے لئے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی عہدہ قرارداد فرمادیا ہو سو خدا کی قسم ایسا نہیں اگر سب سے پہلے میں نے حضور کی تصدیق کی تو میں سب سے پہلے حضور پر افتراء کرنے والا نہ ہوں گا ولو کان عندی منہ عھد فی ذٰلك ماترکت اخابنی تیم بن مرۃ وعمر بن الخطاب یثوبان علٰی منبرہ ولقاتلتھما بیدی ولولم اجد الابردتی ھذہ اور اگر اسباب میں حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے میرے پاس کوئی عہد ہوتا تو میں ابوبکر وعمر کو منبر اطہر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جست نہ کرنے دیتا اور بیشک اپنے ہاتھ سے ان سے قتال کرتا اگرچہ اپنی اس چادر کے سوا کوئی ساتھی نہ پاتا ولٰکن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یقتل قتلا ولم یمت فجأۃ مکث فی مرضہ ایاما ولیالی یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر ابابکر فیصلی بالناس

---

[1] الصواعق المحرقہ بحوالہ الدارقطنی الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۰

وھو یری مکانی ثم یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر ابابکر فیصلی بالناس وھو یری مکانی بات یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معاذاللہ کچھ قتل نہ ہوئے نہ یکایک انتقال فرمایا بلکہ کئی دن رات حضور کو مرض میں گزرے، مؤذن آتا نماز کی اطلاع دیتا، حضور ابوبکر کو امامت کا حکم فرماتے حالانکہ میں حضور کے پیش نظر موجود تھا پھر مؤذن آتا اطلاع دیتا حضور ابوبکر ہی کو امامت دیتے حالانکہ میں کہیں غائب نہ تھا **ولقد ارادت امرأۃ من نسائہ ان تصرفہ عن ابی بکر فابی وغضب وقال "انتن صواحب یوسف مروا ابابکر فلیصل بالناس** اور خدا کی قسم ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی نے اس معاملہ کو ابوبکر سے پھیرنا چاہا تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ مانا اور غضب کیا اور فرمایا تم وہی یوسف (علیہ السلام) والیاں ہو ابوبکر کو حکم دو کہ امامت کرے **فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نظرنا فی امورنا فاخترنا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لدیننا فکانت الصلٰوۃ عظیم الاسلام وقوام الدین، فبایعنا ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فکان لذٰلك اھلا لم یختلف علیہ منا اثنان** پس جبکہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ہم نے اپنے کاموں میں نظر کی تو اپنی دنیا یعنی خلافت کے لئے اسے پسند کرلیا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلمنے ہمارے دین یعنی نماز کے لئے پسند فرمایا تھا کہ نماز تو اسلام کی بزرگی اور دین کی درستی تھی لہٰذا ہم نے ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیعت کی اور وہ اس کے لائق تھے ہم میں کسی نے اس بارہ میں خلاف نہ کیا۔ یہ سب کچھ ارشاد کرکے حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی نے فرمایا: **فادیت الٰی ابی بکر حقہ وعرفت لہ طاعتہ وغزوت معہ فی جنودہ وکنت اٰخذ اذا اعطانی واغزو اذا غزانی واضرب بین یدیہ الحدود بسوطی**[1]۔ پس میں نے ابوبکر کو ان کا حق دیا اور ان کی اطاعت لازم جانی اور ان کے ساتھ ہو کر ان کے لشکروں میں جہاد کیا جب وہ مجھے بیت المال سے کچھ دیتے میں لے لیتا اور جب مجھے لڑائی پر بھیجتے میں جاتا اور انکے سامنے اپنے تازیانہ سے حد لگاتا ____ پھر بعینہٖ یہی مضمون امیر المومنین فاروق اعظم وامیر المومنین عثمان غنی کی نسبت ارشاد فرمایا، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ہاں البتہ اشارات جلیلہ واضحہ بارہا فرمائے، مثلاً:

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۵۰۲۹ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۵/۳۳۷ تا ۳۳۹، الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی وابن عساکر واسحٰق بن راہویہ الباب الاول الفصل الخامس دارالکتب العلمیۃ ص ۷۰ تا ۷۲

(۱) ایک بار ارشاد ہوا میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اس پر ایک ڈول ہے میں اس سے پانی بھرتا رہا جب تک اللہ نے چاہا پھر ابوبکر نے ڈول لیا دو ایک بار کھینچا پھر وہ ڈول ایک پل ہو گیا جسے چرسہ کہتے ہیں اسے عمر نے لیا تو میں نے کسی سردار زبردست کو اس کام میں انکے مثل نہ دیکھا یہاں تک کہ تمام لوگوں کو سیراب کر دیا کہ پانی پی پی کر اپنی فرودگاہ کو واپس ہوئے۔ **رواہ الشیخان**[1] **۔عن ابی ھریرۃ وعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم** (اس کو شیخین نے ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

(۲) امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں میں نے بارہا بکثرت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہوا میں اور ابوبکر و عمر، کیا میں نے اور ابوبکر و عمر نے، چلا میں اور ابوبکر۔ **رواہ الشیخان**[2] **عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما** (اس کو شیخین نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

(۳) ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا آج کی رات ایک مرد صالح (یعنی خود حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متعلق ہیں اور عمر ابوبکر سے اور عثمان عمر سے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں جب ہم خدمت اقدس حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اٹھے آپ میں تذکرہ کیا کہ مرد صالح تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور بعض کا بعض سے تعلق وہ اس امر کا والی ہونا جس کے ساتھ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، **رواہ عنہ ابوداود والحاکم**[3] (اس کو جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابوداود اور حاکم نے روایت کیا۔ت)

---

[1] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۰، ۵۱۹، ۵۱۷، صحیح البخاری کتاب التعبیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۹ و ۱۰۴۰، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل عمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۵، الصواعق المحرقۃ بحوالہ الشیخین الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۹ و ۴۰

[2] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبیل مناقب عمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۹، مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ متفق علیہ باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۵۹

[3] سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی الخلفاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۱، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۱، ۷۲ و ۱۰۲

(۴) انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے بنی المصطلق نے خدمت حضور سید المرسلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھیجا گیا حضور سے دریافت کروں حضور کے بعد ہم اپنے اموال زکوٰۃ کس کے پاس بھیجیں، فرمایا ابو بکر کے پاس۔ عرض کی اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو کسے دیں؟ فرمایا عمر کو۔ عرض کی جب ان کا بھی واقعہ ہو۔ فرمایا عثمان کو۔ **رواہ عنہ فی المستدرك وقال ھٰذا حدیث صحیح الاسناد**[1] (اس کو انس رضی اللہ عنہ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ت)

(۵) ایک بی بی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور کچھ سوال کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پھر حاضر ہو۔ انہوں نے عرض کی آؤں اور حضور کو نہ پاؤں۔ فرمایا مجھے نہ پائے تو ابو بکر کے پاس آنا۔۔۔۔**رواہ الشیخان**[2] **عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اس کو شیخین نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

(۶) یونہی ایک مرد سے ارشاد فرمایا مروی کہ میں نہ ہوں تو ابو بکر کے پاس آنا۔ عرض کی جب انہیں نہ پاؤں۔ فرمایا تو عمر کے پاس۔ عرض کی جب وہ بھی نہ ملیں۔ فرمایا تو عثمان کے پاس۔ **اخرجہ ابو نعیم**[3] **فی الحلیۃ والطبرانی عن سھل بن ابی حیثمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ** (ابو نعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے سہل بن ابی حیثمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تخریج کی۔ت)

(۷) ایک شخص سے کچھ اونٹ قرضوں خریدے یہ واپس جاتا تھا کہ مولی علی کرم اللہ وجہہ ملے حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہو اور عرض کی اگر حضو کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو میری قیمت کون ادا کرے گا۔ فرمایا ابو بکر۔ پھر دریافت کرایا اور جو ابو بکر کو کچھ حادثہ پیش آئے تو کون دے گا۔ فرمایا عمر۔ پھر دریافت کرایا انہیں بھی کچھ حادثہ درپیش ہو۔ فرمایا **ویحك اذا مات عمر فان استطعت ان تموت فمت**

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۷

[2] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۶، صحیح البخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۷۲، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۳

[3] ازالۃ الخفاء عن سھل بن ابی حثمۃ فصل پنجم مقصد اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۴

ہائے نادان جب عمر مر جائے تو اگر مر سکے تو مر جانا۔ رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر عن عصمۃ بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ و حسنہ الامام جلال الدین سیوطی (طبرانی نے کبیر میں اس کو عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کو حسن قرار دیا۔ت)

(۸) انہیں اشارات جلیلہ سے ہے حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایام مرض وفات اقدس میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنی جگہ امامت مسلمین پر قائم کرنا اور دوسرے کی امامت پر راضی نہ ہونا غضب فرمانا جس سے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے استناد فرمایا کہ رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لدیننا افلا نرضاہ لدنیانا [2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں چن لیا ہمارے دین کی پیشوائی کو، کیا انہیں ہم پسند نہ کریں اپنی دنیا کی امامت کو۔ت)

(۹) اور نہایت روشن صریح کے قریب نص و تصریح وہ ارشاد اقدس ہے کہ امام احمد و ترمذی نے بافادہ تحسین اور ابن ماجہ وابن حبان وحاکم نے بافادۂ تصحیح اور ابوالمحاسن رویانی نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ترمذی وحاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اور طبرانی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابن عدی نے کامل میں اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: انی لاادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر [3]۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۴۷۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۱۸۱

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن سعد الباب الاول الفصل الرابع دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۳، ۱۷، ۴۳

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفہ بن الیمان المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۸۵ و ۳۹۹ و ۴۰۲، جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر وعمار بن یاسر امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷ و ۲۲۱، سنن ابن ماجہ فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰، کنز العمال حدیث ۳۳۱۱۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۴۰، موارد الظمآن حدیث ۲۱۹۳ المطبعۃ السلفیۃ ص ۵۳۹

وفی لفظ اقتداوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر [1] میں نہیں جانتا میرا رہنا تم میں کب تک ہو لہذا تمہیں حکم فرماتا ہوں کہ میرے ان دو صحابیوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

(۱۰) ایک بار آخر حیات اقدس میں نص صریح بھی فرمادینا چاہا تھا پھر خدا اور مسلمانوں پر چھوڑ کر حاجت نہ سمجھی، امام احمد و امام بخاری و امام مسلم ام المومنین صدیقہ محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وعلیہا وسلم سے راوی کہ وہ ارشاد فرماتی ہیں:

قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ ادعی لی اباك و اخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قال انا اولی ویابی اللہ والمومنون الا ابابکر [2]۔

حضرت اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس مرض میں انتقال فرمانے کو ہیں اس میں مجھ سے فرمایا اپنے باپ اور بھائی کو بلالے کہ میں ایک نوشتہ تحریر فرمادوں کہ مجھے خوف ہے کوئی تمنا کرنیوالا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہہ اٹھے کہ میں زیادہ مستحق ہوں اور اللہ نہ مانے گا اور مسلمان نہ مانیں گے مگر ابو بکر کو۔ امام احمد کے ایک لفظ یہ ہیں کہ فرمایا **ادعی لی عبدالرحمن بن ابی بکر اکتب ابی بکر کتابا لا یختلف علیہ احد ثم قال دعیہ معاذ اللہ ان یختلف المومنون فی ابی بکر** [3]

عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلالو کہ میں ابو بکر کے لئے نوشتہ لکھ دوں کہ ان پر کوئی اختلاف

---

1 الکامل لابن عدی ترجمہ حماد بن دلیل دار الفکر بیروت ۲ /۶۶۲، المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳ / ۷۵، کنز العمال حدیث ۳۲۶۵۷ و موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱ /۵۶۰ و ۵۵۷، المعجم الکبیر حدیث ۸۴۲۶ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۹ /۶۸، مسند احمد بن حنبل عن حذیفہ المکتب الاسلامی بیروت ۵ / ۳۸۲

2 صحیح البخاری کتاب المرض ۲/ ۸۴۶ و کتاب الاحکام باب الاستخلاف ۲ /۱۰۷۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب من فضائل ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۳، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ / ۱۴۴، الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۷

3 الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۷، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ / ۱۴۴

نہ کرے۔ پھر فرمایا: رہنے دو خدا کی پناہ کہ مسلمان اختلاف کریں ابوبکر کے بارے میں۔ صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب والہ وصحبہ وبارک وسلم۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ احکم۔

مسئلہ دوم: خلفائے ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیھم سے آیا حضرت علی علیہ السلام افضل تھے یا کم؟

الجواب:

اہل سنت وجماعت نصرہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ مرسلین ملائکہ ورسل وانبیائے بشر صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیھم کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رضوان تعالٰی علیھم تمام مخلوق الٰہی سے افضل ہیں۔ تمام امم عالم اولین وآخرین کوئی شخص ان کی بزرگی وعظمت وعزت ووجاہت وقبول وکرامت وقرب وولایت کو نہیں پہنچتا۔

"اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾" [1]	فضل اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے (ت)

پھر ان میں باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر، پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی، پھر مولی علی علیہ سید ہم ومولوہم وآلہ وعلیھم وبارک وسلم، اس مذہب مہذب پر آیات قرآن عظیم واحادیث کثیرہ حضور نر نبی کریم علیہ وعلٰی آلہ وصحبہ الصلوۃ والتسلیم وارشادات جلیہ واضحہ امیر المؤمنین مولی علی مرتضی ودیگر ائمۂ اہلبیت طہارت وارتضاواجماع صحابہ کرام وتابعین عظام وتصریحات اولیائے امت وعلمائے امت رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے وہ دلائل باہرہ وحجج قاہرہ ہیں جن کا استیعاب نہیں ہوسکتا۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس مسئلہ میں ایک کتاب عظیم بسیط وضخیم دو مجلد پر منقسم نام تاریخی **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** ۱۲۹۷ھ سے مسمّٰی تصنیف کی اور خاص تفسیر آیہ کریمہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ" اور اس سے افضیلت مطلقہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اثبات واحقاق اور اوہام خلاف کے ابطال وازہاق میں ایک جلیل رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی **الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی** ۱۳۰۱ھ تالیف کیا اس مبحث کی تفصیل ان کتب پر موکول، یہاں صرف چند ارشادات ائمہ اہلبیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم پر

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۹

پر اقتصار ہوتا ہے، اللہ عزوجل کی بیشمار رحمت ورضوان وبرکت امیر المومنین اس حیدر حق گو حق دان حق پرور کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی پر کہ اس جناب نے مسئلہ تفضیل کو بغایت مفصل فرمایا اپنی کرسی خلافت وعرش زعامت پر. بر سر منبر مسجد جامع ومشاہد ومجامع وجلوات عامہ وخلوات خاصہ میں بطریق عدیدہ تامدد مدیدہ سپید وصاف ظاہر وواشگاف محکم ومفسر بے احتمال دگر حضرات شیخین کریمین وزیرین جلیلین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اپنی ذات پاک اور تمام امت مرحومہ سید لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضل وبہتر ہونا ایسے روشن وابین طور پر ارشاد کیا جس میں کسی طرح شائبہ شک وتردد نہ رہا مخالف مسئلہ کو مفتری بتایا اسی کوڑے کا مستحق ٹھہرا، حضرت سے ان اقوال کریمہ کے راوی اسی سے زیادہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین صواعق امام ابن حجر مکی میں ہے:

قال الذهبی وقد تواتر ذلك عنه فی خلافته وکرسی مملکة وبین الجم الغفیر من شیعته ثم بسط الاسانید الصحیحة فی ذلك قال ویقال رواه عنه نیف وثمانون نفسا وعدد منهم جماعة ثم قال فقبح الله الرافضة ماجهلهم[1] انتهی	ذہبی نے کہا امیر المومنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان کے زمانہ خلافت میں جبکہ آپ کرسی اقتدار پر جلوہ گر تھے تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کے جم غفیر میں افضلیت شیخین کو بیان فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی سے زائد افراد نے اس بارے میں آپ سے روایت کی ہے۔ ذہبی نے ان میں سے کچھ کے نام گنوائے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالٰی رافضیوں کا برا کرے وہ کس قدر جاہل ہیں انتہی (ت)

یہاں تک کہ بعض منصفان شیعہ مثل عبدالرزاق محدث صاحب مصنف نے باوصف تشیع تفضیل شیخین اختیار کی اور کہا جب خود حضرت مولی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی انہیں اپنے نفس کریم پر تفضیل دیتے تو مجھے اس کے اعتقاد سے کب مفر ہے مجھے یہ کیا گناہ تھوڑا ہے کہ علی سے محبت رکھوں اور علی کا خلاف کروں۔ صواعق میں ہے:

ما احسن ماسلکه بعض الشیعة المنصفین کعبد الرزاق فانه قال افضل الشیخین	کیا ہی اچھی راہ چلے ہیں بعض منصف شیعہ جیسے عبدالرزاق کہ اس نے کہا میں اس لئے شیخین کو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر فضیلت

[1] الصواعق المحرقة الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۰و۹۱

بتفضیل علی ایاھما علی نفسه والا لما فضلتهما کفی بی وزرا ان احبه ثم اخالفه [1]۔	دیتا ہوں کہ حضرت علی نے انہیں فضیلت دی ہے ورنہ میں انہیں آپ پر فضیلت نہ دیتا میرے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ میں آپ سے محبت کروں پھر آپ کی مخالفت کروں (ت)

اب **چند احادیث مرتضوی** سُنیے:

حدیث اول [۱]: صحیح بخاری شریف میں سیدنا وابن سیدنا امام محمد بن حنفیہ صاحبزادہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجوہما سے مروی:

قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ابو بکر قال قلت ثم من قال عمر [2]۔	میں نے اپنے والد ماجد کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے عرض کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب آدمیون میں بہتر کون ہے؟ فرمایا ابوبکر میں نے عرض کی پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

حدیث دوم [۲]: امام بخار اپنی صحیح اور ابن ماجہ سنن میں بطریق عبداللہ بن سلمہ امیر المنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روای کہ فرماتے تھے۔

خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابو بکر وخیر الناس بعد ابو بکر عمر [3] رضی اللہ تعالٰی عنهما، هذا حدیث ابن ماجة۔	بہترین مرد بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ہیں اور بہترین مرد بعد ابوبکر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے۔ (ت)

حدیث سوم [۳]: امام ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل الطلحی کتاب السنۃ میں راوی:

اخبرنا ابو بکر بن مردویه ثنا سلیمن بن احمد ثنا الحسن	(ہم کو خبر دی ابوبکر بن مردویہ نے، ہم کو حدیث بیان

[1] الصواعق المحرقة الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۳

[2] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب بیروت ص ۹۳

[3] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مناقب ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۸

بن المنصور الرمانی ثنا داؤد بن معاذ ثنا ابو سلمۃ العتکی عبداللہ بن عبدالرحمن عن سعید بن ابی عروبۃ عن منصور بن المعتمر عن ابراھیم عن علقمۃ قال بلغ علیا ان اقواما یفضلونہ علی ابی بکر و عمر فصعد المنبر فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال یا ایھا الناس انہ بلغنی ان قوما یفضلونی علی ابی بکر وعمر ولو کنت تقدمت فیہ لعاقبت فیہ فمن سمعتہ بعد ھذا الیوم یقول ھذا فھو مفتر علیہ حد المفتری ثم قال ان خیر ھذا الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر، ثم اللہ اعلم بالخیر بعد، قال وفی المجلس الحسن بن علی فقال واللہ لو سمی الثالث لسمی عثمان [1]۔	کی سلیمان بن احمد نے، ہم کو حدیث بیان کی حسن بن منصور رمانی نے، کو کو حدیث بیان کی داؤد معاذ بن، ہم کو ابو سلمہ عتکی عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے، انہوں نے سعید بن ابو عروبہ سے، انہوں نے منصور بن معتمر سے، انہوں نے ابراہیم سے اور انہون نے حضرت علقمہ سے روایت کی) حضرت علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ انہیں حضرات صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل بتاتے ہیں، یہ سن کر منبر پر جلوہ فرماہوئے حمد وثناے الٰہی بجالائے، پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتے ہیں اس بارہ میں اگر مین نے پہلے سے حکم سنادیا ہوتا تو بے شک سزا دیتا آج سے جسے ایسا کہتے سنوں گا وہ مفتری ہے اس پر مفتری کی حد یعنی اسی کوڑے لازم ہیں۔ پھر فرمایا: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل امت ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر خدا خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کون سب سے بہتر ہے۔ علقمہ فرماتے ہیں مجلس میں سیدنا امام حسن مجتبی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی تشریف فرماتھے انہوں نے فرمایا خدا کی قسم اگر تیسرے کانام لیتے تو عثمان کانام لیتے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین (ت)

حدیث چہارم [۴]: امام دارقطنی سنن میں اور ابو عمر بن عبدالبر استیعاب میں حکم بن حجل سے

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بحوالہ ابی القاسم فی کتاب السنۃ مسند علی بن ابی طالب سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۶۸

راوی حضرت مولی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں:

لااجد احد افضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدته حد المفتری[1]۔	میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتا ہے اسے مفتری کی حد لگاؤں گا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پنجم۵: سنن دار قطنی میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ مقرب بارگاہ تھے جناب امیر انہیں وہب الخیر فرمایا کرتے تھے، مروی:

انه کان یری ان علیاً افضل الامة فسمع اقواماً یخالفونه فحزن حزناً شدیداً فقال له علی بعد ان اخذ بیده وادخله بیته ما احزنك یا ابا جحیفة فذکرله الخبر فقال الا اخبرك بخیر هذه الامة خیرها ابوبکر ثم عمر قال ابو جحیفة فاعطیت الله عهداً ان لا اکتم هذا الحدیث بعد ان شافهنی به علی مابقیت[2]۔	یعنی ان کے خیال میں مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ تمام امت سے افضل تھے انہوں نے کچھ لوگوں کو اس کے خلاف کہتے سنا سخت رنج ہوا حضرت مولی ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانہ ولایت میں لے گئے غم کی وجہ پوچھی، گزارش کی، فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ امت میں سب سے بہتر کون ہے ابوبکر ہیں پھر عمر۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا کہ جب تک جیوں گا اس حدیث کو نہ چھپاؤں گا بعد اس کے کہ خود حضرت مولی نے بالمشافہ مجھے ایسا فرمایا۔

حدیث ششم۶: امام احمد مسند ذی الیدین رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ابن ابی حازم سے راوی:

قال جاء رجل الی علی بن الحسین رضی الله تعالٰی عنهما فقال ماکان منزلة ابی بکر وعمر	یعنی ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت انور میں حاضر ہو کر عرض کی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الصواعق المحرقة بحواله الدار قطنی، الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۱

[2] الصواعق المحرقة بحواله الدار قطنی، الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۲

من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال منزلتھما الساعة وھما ضجیعاہ[1]	کی بارگاہ میں ابو بکر و عمر کا مرتبہ کیا تھا فرمایا جو مرتبہ ان کا اب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں۔

حدیث ہفتم ۷: دار قطنی حضرت امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ ارشاد فرماتے ہیں:

اجمع بنو فاطمة رضی اللہ تعالٰی عنھم علی ان یقولوا فی الشیخین احسن مایکون من القول[2]۔	یعنی اولاد امجاد حضرت بتول زہرا صلی اللہ علیہ وسلم ابیہا الکریم وعلیہا وعلیہم وبارک وسلم کا اجماع واتفاق ہے کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حق میں وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو (ظاہر ہے کہ سب سے بہتر بات اسی کے حق میں کہی جائے گی جو سب سے بہتر ہو)

حدیث ہشتم ۸: امام ابن عساکر وغیرہ وسالم بن ابی الجعد سے راوی:

قلت لمحمد بن الحنفیة ھل کان ابو بکر اول القوم اسلاما؟ قال لا، قلت فبم علا ابو بکر وسبق حتی لا یذکر احد غیر ابی بکر قال لانہ کان افضلھم اسلاما حین اسلم حتی لحق بربہ[3]۔	یعنی میں نے امام محمد بن حنفیہ سے عرض کی: کیا ابو بکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ فرمایا: نہ۔ میں نے کہا: پھر کیا بات ہے کہ ابو بکر سب سے بالا رہے اور پیشی لے گئے یہاں تک کہ لوگ ان کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ فرمایا: یہ اس لئے کہ وہ اسلام میں سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے یہاں تک کہ اپنے رب عزوجل سے ملے۔

حدیث نہم ۹: امام ابو الحسن دار قطنی جندب اسدی سے راوی کہ امام محمد بن عبداللہ محض ابن حسن مثنی بن حسن مجتبی بن علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجوہہم کے پاس کچھ اہل کوفہ وجزیرہ نے حاضر ہو کر

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ذی الیدین رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۷

[2] الصواعق المحرقة بحوالہ الدار قطنی عن محمد الباقر الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۷۸

[3] الصواعق المحرقة بحوالہ ابن عساکر عن سالم بن ابی الجعد الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ۸۰

ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے مس سوال کیا امام ممدوح نے میری طرف ملتفت ہو کر فرمایا:

انظر والی اھل بلادك یسالونی عن ابی بکر و عمر لھما عندی افضل من علی[1]۔	اپنے شہر والوں کو دیکھ مجھ سے ابو بکر و عمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں وہ دونوں میرے نزدیک بلاشبہ مولا علی سے افضل ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

یہ امام اجل حضرت امام حسن مجتبٰی کے پوتے اور حضرت امام حسین شہید کربلا کے نواسے ہیں ان کا لقب مبارک نفس زکیہ ہے، ان کے والد حضرت عبداللہ محض کہ سب میں پہلے حسنی حسینی دونوں شرف کے جامع ہوئے لہذا محض کہلوائے، اپنے زمانے میں سردار بنی ہاشم تھے، ان کے والد ماجد امام حسن مثنی اور والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ صغری بنت امام حسین صلی اللہ علیہ تعالٰی علی ابیہم و علیہم و بارک وسلم۔

حدیث دہم ۱۰: امام حافظ عمر بن شبہ حضرت امام اجل سید زید شہید ابن امام علی سجاد زین العابدین ابن امام حسین شہید صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علی جدہم الکریم وعلیہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کوفیوں سے فرمایا:

انطلقت الخوارج فبرئت ممن دون ابی بکر وعمر، ولم یستطیعوا ان یقولوا فیھما شیئًا وانطلقتم انتم فظفرتم ای وثبتم فوق ذلك فبرئتم منھما فمن بقی؟ فواللہ مابقی احد الابرئتم منه[2]۔	یعنی خارجیوں نے اٹھ کر ان سے تبری کی جو ابوبکر و عمر سے کم تھے یعنی عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہم مگر ابوبکر و عمر کی شان میں کچھ کہنے کی گنجائش نہ پائی اور تم نے اے کوفیو! اوپر جست کی کہ ابوبکر و عمر سے تبری کی تواب کون رہ گیا خدا کی قسم! اب کوئی نہ رہا جس پر تم نے تبرانہ کہاہو۔

والعیاذ باللہ رب العلمین اللہ اکبر (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا، اللہ سب سے بڑا ہے۔ (ت) امام زید شہید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ ارشاد مجید ہم غلامان خاندان زید کو بحمد اللہ کافی و وافی ہے، سید سادات بلگرام حضرت مرجع الفریقین، مجمع الطریقین، حبر شریعت، بحر طریقت

---

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی عن جندب الاسدی الباب الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۸۳

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الحافظ عمر بن شبہ الباب الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۹

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف سیدنا و مولانا میر عبدالواحد حسینی زیدی واسطی بلگرامی قدس اللہ تعالٰی سرہ السامی نے کتاب مستطاب سبع سنابل شریف تصنیف فرمائی کہ بارگاہ عالم پناہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں موقع قبول عظیم پر واقع ہوئی، حضرت مستفتی دامت برکاتہم کے جد امجد جد اور اس فقیر کے آقائے نعمت و مولائے اوحد حضرت اسد الواصلین محبوب العاشقین سیدنا و مولونا حضرت سید شاہ حمزہ حسینی زیدی مارہروی قدس سرہ القوی کتاب مستطاب کاشف الاستار شریف کی ابتدا میں فرماتے ہیں:

باید دانست کہ در خاندان ماحضرت سند المحققین سید عبدالوحد بلگرامی بسیار صاحب کمال بر خاستہ اند قطب فلک ہدایت ومرکز دائرہ ولایت بود در علم صوری ومعنوی فائق واز مشارب اہل تحقیق ذائق صاحب تصنیف وتالیف ست ونسب ایں فقیر بچہار واسطہ بذات مبارکش می پیوند[1]	جاننا چاہئے کہ ہمارے خاندان میں حضرت سند المحققین میر سید عبدالواحد بلگرامی بہت صاحب کمال شخصیت ہیں۔ وہ فلک ہدایت کے قطب، دائرہ ولایت کے مرکز، ظاہری و باطنی علم میں فوقیت رکھنے والے، اصل تحقیق کے گھاٹوں کو چکھنے والے صاحب تصنیف وتالیف ہیں۔ اس فقیر کا نسب چار واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے۔ (ت)

پھر بعد چند اجزاء کے فرماتے ہیں:

شہر تصانیف او کتاب سنابل ست در سلوک و عقائد حاجی الحرمین سید غلام علی آزاد سلمہ اللہ در ماثر الکلام فی نویسد و قتے در شہر رمضان المبارک سنۃ خمس و ثلثین ومائۃ والف مولف اوراق در دار الخلافہ شاہجہاں آباد خدمت شاہ کلیم چشتی قدس سرہ راہ زیارت کرد ذکر میر عبدالواحد قدس سرہ درمیان آمد شیخ مناقب وماثر میر تادیر بیان کرد فرمود شبے در	سلوک و عقائد میں آپ کی مشہور نصنیف کتاب سنابل ہے۔ حاجی حرمین سید غلام علی آزاد، اللہ انہیں سلامت رکھے، ماثر الکلام میں لکھتے ہیں جس وقت ۱۱۳۵ھ میں رمضان المبارک میں مؤلف اوراق نے دار الخلافہ شاہجہاں آباد میں شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کی، میر عبدالواحد کا ذکر درمیان کلام میں آگیا۔ حضرت شیخ نے کافی دیر تک میر صاحب کے فضائل و مناقب

[1] کاشف الاستار ماثر الکرام از میر علی آزاد بلگرامی (لاہور ۱۹۷۱ء ص ۲۵

مدینہ منورہ پہلو بر ستر خواب گزاشتم در واقعہ می بینم کہ من و سید صبغۃ اللہ بروجی معا در مجلس اقدس رسالت پناہ صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم باریاب شدیم جمعے از صحابہ کرام و اولیائے امت حاضر اند دریںما شخصے ست کہ حضرت باولت بہ تبسم شریں کردہ حرفہا میزند والتفات تمام دارند چوں مجلس آخر شد از سید صبغۃ اللہ استفسار کردم کہ ایں سید شخص کیست کہ حضرت، با اوالتفاف بایں مرتبہ دارند گفت میر عبد الواحد بلگرام، وباعث مزید احترام اوایںست کہ سنابل تصنیف او درجناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبول افتادہ انتہی کلامہ انتہی مقالہ الشریف بلفظہ المنیف قدس اللہ تعالٰی سرہ اللطیف[1]۔	بیان کئے اور فرمایا کہ ایک رات میں مدینہ منورہ میں اپنے بستر پر لیٹا تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اور سید صبغت اللہ بروجی اکٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں، صحابہ کرام اور اولیاء امت کی ایک جماعت بھی حاضر ہے، آپ کی مجلس اقدس میں ایک شخص موجود ہے اور آپ اس کی طرف نظر کرم کرتے ہوئے مسکرارہے ہیں اور اس سے باتیں کررہے ہیں اور اس کی طرف بھرپور توجہ فرما رہے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے سید صبغت اللہ سے پوچھا یہ شخص کون ہے جس کی طرف حضور علیہ الصلوۃ و السلام اس قدر توجہ فرماتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں اور ان کے اس قدر احترام کی وجہ یہ ہے کہ کتاب سنابل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں مقبول ہوئی ہے۔ ان کا کلام ختم ہوا۔ مقالہ شریف ان ہی کے بلند پایہ لفظوں میں ختم ہوا۔ اللہ تعالٰی ان کے سر لطیف کو مقدس بنائے۔ (ت)

حضرت میر قدس سرہ المنیر نے اس کتاب مقبول ومبارک میں مسئلہ تفضیل بکمال تفصیل وتاکید جمیل وتہدید جلیل ارشاد فرمایا لفظ مبارک سے چند حروف کی نقل سے شرف حاصل کروں اولیائے کرام محدثین وفقہاء جملہ اہل حق کے اجماعی عقائد میں بیان فرماتے ہیں:

وواجماع دارند کہ افضل از جملہ بشر بعد انبیاء	اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام

[1] کاشف الاستار ص۱۴ ب اصح التواریخ از مولانا محمد میاں قادری مارہروی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ۱۳۴۷ھ ۱/ ۱۶۸، ماثر الکلام از میر غلام علی آزاد بلگرامی لاہور ۱۹۷۱ء ص ۲۹

ابو بکر صدیق ست وبعد از وے عمر فاروق ست وبعد از وے عثمان ذی النورین ست وبعد از وے علی مرتضٰے ست رضی اللہ لہ تعالٰی عنہم اجمعین[1]۔	انسانوں میں افضل ابوکبر صدیق،ان کے بعد عمر فاروق،ان کے بعد عثمان ذوالنورین،اور ان کے بعد حضرت علی المرتضی ہیں۔اللہ تعالٰی ان سب پر راضی ہو۔(ت)

پھر فرمایا:

فضل ختنین از فضل شیخین کمتر ست بے نقصان وقصور[2]	ختنین (عثمان غنی وعلی مرتضی) کی فضیلت شیخین (صدیق و فاروق) سے کم ہے مگر اس میں کوئی نقص اور خامی نہیں (ت)

پھر فرمایا:

اجماع اصحاب وتابعین وتبع تابعین وسائر علمائے امت ہمبرین عقیدہ واقع شدہ است[3]	صحابہ کرام،تابعین،تبع تابعین اور تمام علمائے امت کا اجماع اسی عقیدہ پر واقع ہوا ہے۔(ت)

پھر فرمایا:

مخدوم قاضی شہاب الدین در تیسیرا الحکام بنوشت کہ ہیچ ولی بدرجہ ہیچ پیغمبرے نرسد زیرا کہ امیر المومنین ابوبکر بحکم حدیث بعد پیغمبراں از ہمہ اولیا برترست واوبدرجہ ہیچ پیغمبرے نرسید وبعد او امیر المؤمنین عمر بن خطاب ست وبعد اوامیر المومنین عثمان بن عفان ست وبعد اوامیر المومنین علی بن ابی طالب ست رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین	مخدوم قاضی شہاب الدین نے تیسیر الحکام میں لکھا کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ حدیث کی رو سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ انبیاء کے بعد تمام اولیاء سے افضل ہیں اور وہ کسی نبی کے مقام تک نہیں پہنچے۔ابوبکر صدیق کے بعد امیر المومنین عمر بن خطاب،ان کے بعد امیر المومنین عثمان بن عفان اور ان کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب کا مقام ہے اللہ تعالٰی ان سب پر راضی ہو۔

---

[1] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷

[2] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

[3] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

کسیکہ امیر المومنین علی را خلیفہ نداند او از خوارج ست وکسیکہ اور ابر امیر المومنین ابو بکر و عمر تفضیل کند او از روافض ست [1]	جو شخص امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خلیفہ نہ مانے وہ خارجیوں سے ہے اور جو آپ کو ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل جانے وہ رافضیوں میں سے ہے۔(ت)

پھر فرمایا:

ازینجا باید دانست کہ در جہاں نہ ہمچو مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پرے پیدا شد ونہ ہمچو ابو بکر مریدے ہویدا گشت، اے عزیز! اگرچہ کمالیت فضائل شیخین بر ختنین مفرط وفائق اعتقاد باید کرد امانہ بر وجہی کہ در کمالیت فضائل ختنین قصورے و نقصانے بخاطر تو رسد بلکہ فضائل ایشاں وفضائل جملہ اصحاب از عقول بشریہ افکار انسانیہ بسے بالاتر ست [2]	یہاں سے جاننا چاہیے کہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیر اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ جیسا مرید کائنات میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔اے عزیز! اگر شیخین کی فضیلت کاملہ ختنین پر بہت زیادہ سمجھنی چاہیے مگر اس طور پر نہیں کہ تیرے دل میں ختنین کی فضیلت کاملہ کے قاصر و ناقص ہونے کا خیال گزرے، بلکہ ان کے اور تمام صحابہ کے فضائل عقول بشریہ اور افکار انسانیہ سے بہت بلند ہیں۔

پھر فرمایا:

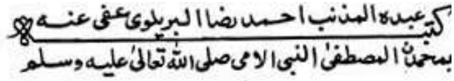
پس چوں اجماع صحابہ کہ انبیاء صفت اند بر تفضیل شیخین واقع شد و مرتضی نیز دریں اجماع متفق وشریک بود مفضلہ در اعتقاد خود غلط کردہ است اسے خان ومان مافدائے نام مرتضے باد کدام بدبخت ازل کہ محبت مرتضے در دلش نباشد وکدام راندہ درگاہ مولے کہ اہانت اور وادارد، مفضلہ گمان	جب انبیاء جیسی صفات کے حامل صحابہ کرام کا اجماع واقع ہو گیا کہ شیخین کریمین افضل ہیں۔اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی اس اجماع میں شامل اور متفق تھے۔ تو فرقہ تفضیلہ نے خود اپنے اعتقاد میں غلطی کھائی ہے۔ میرا گھر بار حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام پر فدا اور میرا جان ودل آپ کے قدموں پر قربان ہوں کون ازلی بدبخت ہے جس کے دل میں محبت مرتضے

[1] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

[2] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

بردہ است کہ نتیجہ محبت مامر تضے تفصیل اوست بر شیخین، ونمیدانند کہ ثمرہ محبت موافقت ست با اونہ مخالفت کہ چوں مرتضے موافقت ست با اونہ مخالفت کہ چوں مرتضے فضل شیخین وذی النورین رابر خود روا داشت واقتداء بایشاں کرد و حکماے عہد خلافت ایشاں راامتثال فرمود شرط محبت بااوآں باشد کہ درراہ وروش باموافق باشد نہ مخالف [1]	نہیں ہے اور کون ہے بارگاہ خداوندی کادھتکارا ہوا جو توہین مرتضی کو روار کھتا ہے۔مفضلہ (فرقہ تفضیلیہ) نے گمان کیا ہے کہ محبت مرتضی کا تقاضا آپ کو شیخین پر فضیلت دینا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ آپ کی محبت کا ثمرہ آپ کے ساتھ موافقت ہے نہ کہ مخالفت۔جب حضرت مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شیخین اور ذوالنورین کو اپنے آپ سے افضل قرار دیا،ان کی اقتداء کی اور ان کے عہد خلافت کے احکام کو تسلیم کیا تو ان کی محبت کی شرط یہ ہے کہ ان کی راہ روش کے ساتھ موافقت کی جائے نہ کہ مخالفت۔(ت)

حضرت میر قدس سرہ ال منیر نے یہ بحث پانچ ورق سے زائد میں افادہ فرمائی ہے **من طلب الزیادۃ فلیرجع الیہ** (جو زیادہ تفصیل چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے،ت) یہ عقیدہ ہے اہل سنت وجماعت اور ہم غلامان دودمان زید شہید کا۔**واللہ تعالٰی اعلم** (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)





رسالہ "**غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق**" ختم ہوا

---

[1] سبع سنابل سنبلہ اول درعقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۷

رسالہ
الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی
(سب (متیوں) سے بڑے پرہیزگار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

قال تعالٰی "وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ"[1] احمد رضا نقی علی رضا علی طیب ذکی بان یفضل الشیخین والضجیعین الجلیلین والامیرین الوزیرین فی درجات	اللہ تعالٰی فرماتا ہے اور اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ دھونڈو۔ پاک برتر نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم) کی رضائے احمد (سب سے زیادہ سراہی ہوئی رضا مندی) پسندیدہ برتر پاک ستھرے کے لئے ہے جو شیخین گرامی مرتبت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۵/۳۵

علية عليه فباح به وافصح وبينه واوضح، ولوح به وصرح ناديا اليه لسانه وطيبا به جنانه۔
اذ لم تكن بحمد الله من الكبر وحب الجاه ذرة لديه اصفه وصفا اجدبه رشفا من بحر نعت مصطفى كانت له الجائل وزانت به الفضائل وازدانت له الفواضل فيه كان بدؤها واليه كان فيئها فلا تنتهى الا اليه ولا تنتهى الا اليه انعته بمحامد تكون لى مصاعد الى ذروة حمد واحد له الحمد كله دقه وجله وكثره وقله و اوله واخره باطنه وظاهره يرفع من يشاء ويضع اذ ميزان الفضل بيديه قولى هذا اقول و فى ميد ان الحمد اجول۔ بسم الله الرحمن الرحيم۔ قال تعالٰى "لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ٘" [1] والحمد لله

علیہ وسلم کے پہلو میں لیٹنے والے دونوں امیروں اور وزیروں کی درجات بلند وبالا میں فضیلت مانتا ہے تو اس کو خوب واضح اور ظاہر کیا ہے اور اس کو مبین اور روشن کیا ہے اور اس کی تلویح وتصریح کی اس طرح کہ اس کی زبان اس عقیدہ کی طرف بلاتی اور اس کا دل اس پر خوش ہے۔
اس لئے کہ بحمد اللہ تکبر ومحبت جاہ سے کوئی ذرہ اس کے پاس نہیں، میں اس کی ایسی تعریف کروں جس سے اس مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے بحر نعت کے قطرے لوں جس کے لئے بزرگیاں ہیں اور فضیلتیں اس سے مزین ہیں اور عظیم نعمتیں اس کی مطیع، تو اسی سے ان کا آغاز اور انتہی کی طرف ان کی رجوع تو اسی کی طرف منسوب ہوں اور اسی کی طرف منتہی ہوں میں اوصاف حمیدہ سے اس کی تعریف بیان کرتا ہوں جو حمد یکتا کی بلندی تک پہنچنے کے لئے میرا زینہ بنیں۔ سب تعریفیں اسی کو سزاوار تھوڑی اور بہت اول وآخر ظاہر وباطن جس کو چاہے بلند فرمائے اور جس کو چاہے پست کرے اور لئے کہ فضل کی ترازو اس کے دست قدرت میں ہے، میں اپنی یہ بات کہہ کر میدان حمد میں جولان کروں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ اللہ ہی کے لئے حمد ہے دنیا وآخرت میں۔ سب تعریفیں اللہ

[1] القرآن الکریم ۲۸ /۷۰

رب العلمین حمد امنیعاً علی ان فضل نبینا علی العلمین جمیعاً واقامه یوم القیٰمة للمذنبین شفیعاً، وحباً کل من راہ ولو لحظة من بعید فضلا وسیعاً، ووعد من وقع فی واحد من الصحابة حمیماً وضریعاً، واختار منهم الاربعة الکرام عناصر الاسلام وائمة الانام اختیارًا بدیعًا،وبنی ترتیب الخلافة علی ترتیب الفضیلة وغلط من عکس غلط شنیعاً،فصلی الله وسلم وبارك وترحم علی حبیب القلوب وطبیب الذنوب واله الاطهار وصحبه الاخیار انه کان بصیرا سیمعاً،صلوة اعظام یتلوها سلام وسلام اکرام تعقبه صلوة وتشیع کلا برکة وزکوة الی الابد تشییعاً، واشهد ان الا له سیدہ ومولاہ ما اعظمه واعلاہ اکبرہ واجله وحدہ لا شریك له الهًا رفیعًا،وان محمدا عبدہ ورسوله ورحمته ورفدہ،اجمله واکمله،وبدین الحق ارسله لیمحو	کے لئے جو پروردگار ہے سب جہانوں کا اللہ کے لئے حمد بلند ہے اس پر کہ اس نے ہمارے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو سب جہانوں پر فضیلت دی، اور انہیں قیامت کے دن گنہگاروں کا شفیع مقرر کیا، اور ہر مسلمان کو جس نے انہیں ایک لحظہ دور سے بھی دیکھا وسیع فضل دیا اور ان کے صحابیوں کے بد گویوں کو جہنم کے گرم پانی اور آگ کے کانٹوں کی غذا کی وعید سنائی اور ان صحابہ سے چار بزرگوں کہ اسلام کے عناصر اور مخلوق کے امام ہیں بے مثال انتخاب کیا اور خلافت کی ترتیب فضیلت کی ترتیب پر رکھی اور جس نے ترتیب الٹی اس نے بری غلطی کی، تو اللہ صلوۃ وسلام بھیجے اور رحمت وبرکت اتارے دلوں کے پیارے اور گناہوں کے چارہ ساز اور ان کی آل پاک اور نیک صحابہ پر، بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے عظمت کا درود جس کے پیچھے سلام چلے اور تکریم کا سلام جس کے پیچھے درود آئے، اور دونوں کو برکت وافزائش ہمیشہ کے لئے قوت دے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک ان کا خدا ان کا آقا و مولیٰ کس قدر بلند وبرتر اور بالا واعلیٰ ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، عظمت الا معبود ہے، اور بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور اللہ کے رسول ہیں اور اس کی رحمت اور اس کی عطا ہیں۔ اللہ نے انہیں سچے دین کے

کل علة ویعلوا الدین کله علوا سریعا۔

ساتھ بیجا تاکہ وہ ہر خرابی مٹائیں اور سب دینوں پر جلد غالب آئیں۔

وبعد فهذا ان شاء الله منحة عالية وسلعة غالية و رحمه ربانية لانزغة شيطانية،واوراق ان رأيت قليلة وان وعيت جليلة،اذا قرات هانت،واذا فهمت لانت،وان انصفت زانت،وان تعسفت بانت، فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿ۙ۲۲﴾ قُطُوۡفُہَا دَانِیَۃٌ ﴿۲۳﴾ [1] فِیۡہَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَۃٌ ﴿ۙ۱۳﴾ وَّ اَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَۃٌ ﴿ۙ۱۴﴾ وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَۃٌ ﴿ۙ۱۵﴾ وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَۃٌ ﴿ؕ۱۶﴾ " [2]۔قبولها القبول من قبل الفحول،وزينتها الرد من اهل الحسد فيها من كل الثمرات،وجنا الجنات،عنب التحقيق ورطب التدقيق،وجوز الحقائق ولوز الدقائق تؤتى الفريقين اكلها مرتين مرة عسلا لارباب السنن، واخرى ثما لا عـــہ لا صحب الفتن فيها عيون حكمة تسمى سلسبيلا،فان شئت ريا فقم سل سبيلا،ماء ها صاف وشاف وكاف

بعد حمد وصلوۃ ان شاء اللہ یہ گراں قدر عطا اور بیش بہا متاع اور ربان رحمت ہے نہ کہ شیطانی وسوسہ،اور یہ اوراق دیکھو تو تھوڑے ہیں اور انہیں یاد کرلو تو گرانقدر ہیں اور پڑھو تو آسان اور سمجھو تو سہل،اور انصاف کرو تو سنوارین اور تعصب بر تو توجدار ہیں،اور یہ جنات عالیہ ہیں جن کے خوشے جھکے ہوئے ہیں،ان میں اونچے تخت ہیں اور چنے ہوئے کوزے اور قالین بچھے ہوئے اور چاندنیاں ہیں پھیلی ہوئی،

اس کی ضیا فضلا کو مقبول ومنظور اور اس کی زینت یہ ہے کہ اہل حسد اسے قبول نہ کریں۔اس میں سب باغوں کے ہر قسم کے پھل ہیں۔ تحقیق کے انگور اور تدقیق کی تروتازہ کھجور اور حقائق کے ناریل اور دقائق کے بادام،یہ اپنے پھل دو بار دیتی ہے ایک بار سنیوں کے لئے ایسا پھل جو شہد کی طرح میٹھا ہو،اور دوسری بار گمراہوں کے لئے ایسا پھل جو ان کے لئے مہلک زہر ہو۔اس میں حکمت کے چشمے ہیں جن کا سلسبیل نام ــــــ اگر تو سیرانی چاہتا ہے تو اٹھ راستہ تلاش کر،اس کا پانی صاف اور شافی اور کافی ہے پینے والے

عـــہ:بضم الثاء السم المنقح کذا فی المعجم الوسیط۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۹/ ۲۲و۲۳

[2] القرآن الکریم ۸۸/ ۱۳تا۱۶

هُلَاهِلُ عــه۱ مرو لمن يستقيه وهلهل عــه۲ مرو لمن يتقيه۔ فيالها من جنة فی ظلها جنة للانس والجنة من شمس الافتتان وحريق المراء "اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ "السماء [1] تولی سقی اشجارها وفتق ازهارها واجتناء ثمارها عبده الكل عليه والمتفاق فی كل امر اليه عبد المصطفی الشهير باحمد رضا المحمدی دينا والسنی يقينا والحنفی مذهبا والقادری منتسبا والبركاتی مشربا والبريلوی مسكنا والمدنی البقيعی ان شاء الله مدفنا۔فالعدنی الفردوسی برحمة الله موطنا۔كان الله له وحقق امله واصلح عمله و جعل اخراه خير امن اولاه ابن الامام الهمام۔والفاضل الطمطام و البحر الطام والبدر التام۔حامی السنن وماحی الفتن۔ ذی تصانيف رايقة وتواليف	کے لئے بہت کثیر اور ستھرا جس سے وہ سیراب ہوجاءیں اور جو اس سے بچے اس کیلئے زہر قاتل ہے کہ اس کو ہلاک کردے، تو یہ کیسی جنت ہے جس کے سایہ میں انسانوں اور جنوں کیلئے گمراہی کی دھوپ اور آتش جدل (ہٹ دھرمی سے امان ہے، اس کی جڑ جمی ہوئی اور اس کی شاخیں آسمان میں اس کے درختوں کی آبیاری اور اس کے پھول کھلانے اور پھل چننے کا کام اللہ کے محتاج بندے سرانجام دیتے ہیں اور ہر کام میں اس کے فقیر بندے عبدالمصطفٰی عرف احمد رضا، جو دین کے اعتبار سے محمدی ہے اور عقیدہ کے اعتبار سے سنی اور مذہبا حنفی ہے اور قادری انتساب ہے اور ارادۃ برکاتی او رمسکنا بریلوی اور مدفن کے لحاظ سے ان شاء اللہ مدینہ والا البقیع پاک والا اور اللہ کی رحمت سے مقام ابدی کے لحاظ سے بہشتی فردوسی نے خود انجام دیا۔ اللہ اس کا ہوا اور اس کی امید بر لائے اور اس کے عمل نیک کرے اور اس کی عاقبت اس کی دنیا سے بہتر فرمائے (احمد رضا) ابن امام ہمام فاضل عظیم، دریائے موجزن وماہ تمام، حامی سنت، ماحی بدعت، صاحب تصانیف پسند یدہ وتو الیف

عــه۱: بضم الهاء الماء الكثير الصافی المعجم الاوسيط۔

عــه۲: الهلهل۔السم القتال۔المعجم الوسيط۔

[1] القرآن الكريم ۱۴/ ۲۴

فایقة شریفة منیفة لطیفة نظیفة بقیة السلف، حجة الخلف، ناصح الامة، کاشف الغمة، حامی حمی الرسالة عن کید اهل الضلالة، ومما قلت فی بابه معتذرا الی جنابه۔	فاضلہ وبلند رتبہ ولطیفہ صافیہ، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، ناصح امت، دافع کربت، نگہبانی حدود رسالت از مکر اہل ضلالت، اور میں نے ان کے باب میں ان کی جناب میں معذرت کے طور پر عرض کیا ہے۔ ؎
فواللہ لم یبلغ ثنائی کماله ولکن عجزی خیر مدحی لماله فذالبحر لولا ان للبحر ساحلا وذالبدر لولا للبدر یخشی ماله،	اس کے کمال تک نہ پہنچا مرا بیاں پر بہترین مدحت ہے عجز کی زباں ساحل اگر نہ ہو تو وہ بحر بیکراں کھٹکا نہ ہو غروب کا تو بدر رہر ماں
سیدی ومولائی وسندی ماوای العالم العلم علامة العالم مولانا المولوی محمد نقی علی خان القادری البرکاتی الاحمدی الرسولی رضی اللہ تعالٰی عنه وارضاہ بالنضرة والسرور لقاہ ابن العارف العریف، السید الغطر یف شمس التقی، بدر النقی، نجم الهدی، علامة الوری ذی البرکات المتکاثرہ والکرامات المتواترہ، والترقیات الرفیعة والتنزلات البدیعة، و قلت فی شانه راجیا لاحسانه۔	سیدی ومولائی وسندی، ملجائی کوہ علم، علامہ عالم، مولانا مولوی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی احمدی رسولی، اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے اور انہیں تازگی وفرحت دے۔ ابن عارف مدبر سید وسردار کریم شمس تقوی ماہ تمام تقدس نجم ہدایت علامہ خلقت صاحب برکات کثیر وکرامات مستمرہ ودرجات عالیہ ومنازل بدیعہ میں نے ان کی شان میں ان کے انعام کا امیدوار ہو کر کہا ؎
اذا لم یکن فضل فما النفع بالنسب وهل یصطفی خبث وان کان من ذهب والکننی ارجو الرضا منك یا رضا وانت علی فازولی والی الرتب	معدوم ہو کرم وکس کام کا نسب زر کا بھی میل ہو تو مقبول ہو وہ کب لیکن امیدوار رضا تجھ سے ہوں رضا اور تو علی ہے مجھ کو دے عالی قدر رتب

حصنی وحرزی وذخری وکنزی ذی القدر السنی والفخر السنی مولانا المولوی محمد رضا علی خان النقشبندی قدس الله سره و افاض علینا بره امین یارب العلمین، حملنی علی تصنیفها واحسان تالیفها باحسان ترصیفها ما رایت ان قد زاغت اقدام وزلت اقوام وضلت افهام عما رفعت له الرایات الی رفع الغایات، واشمخ النهایات من توافر الایات و تظافر الاخبار وتواتر الاثار من العترة الاطهار والصحابة الکبار والاولیاء الاخیار والعلماء لابرار من تفضیل الشیخین علی ابن الحسنین رضی الله تعالٰی عنهم، و جعلنا لهم ومنهم حتی بلغنی ان بعض من قادة الخمین والظن غیر امین الی اقتداء العمین فی ازدراء الثمین واجتبا المهین تعلق بشکوك سخیفة لا لطیفة والا نظیفة وانما هی کطعام "مِنْ ضَرِیْعٍ ۙ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ؕ"[1] فیما توافق علیه سادة النقی و قادة التقی

میرے حرز جان اور میری امان اور میرے کنز وذخیرہ صاحب قدر علی وفخر گرامی مولانا مولوی محمد رضا علی خاں نقشبندی اللہ ان کا باطن منزہ فرمائے اور ہم پر ان کا فیض جاری فرمائے، آمین یارب العلمین! مجھے اس کتاب کی تصنیف اور اس کی تالیف خوب اور اس کی ترتیب کو محکم کرنے پر اس امر نے اکسایا جو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ منحرف ہوئے اور کچھ قسم پھسلے اور کچھ ذہن اس سے گمراہ ہوئے جس کے لئے نہایت بلندی تک علم بلند کئے گئے آیات، اخبار اور آثار کی کثرت سے اور اس پر صحابہ کبار، اہل بیت اطہار، پیشوایان اخیار اور علماء ابرار کا اجماع ہوچکا یعنی شیخین ابوبکر و عمر کی فضیلت ابو الحسنین علی پر اللہ ہمیں ان کے لئے کرے اور انہیں میں ہمیں رکھے یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ جن لوگوں کو ظن نے کھینچا اور ظن امین نہیں اندھوں کی اقتداء اور قیمتی چیز عــہ۱ کی تحقیر اور ذلیل عــہ۲ چیز کے انتخاب کی طرف وہی شبہات کہ نہ لطیف ہیں نہ نظیف ستھرے، بلکہ آگ کے کانٹوں کی غذا کی طرح ہے کہ "نہ فربہ کریں نہ بھوک سے بے نیاز کریں" کا سہارا اس میں لیتا ہے جس پر سرداران تقدس و تقوی کا اتفاق ہے یعنی

عــہ۱: یعنی عقیدہ صحیحہ موافق اہلسنت وجماعت　　　عــہ۲: یعنی گمراہی

---

[1] القرآن الکریم ۸۸/ ۶ و ۷

من الاجتجاج بکریمة "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾"[1] وقام بعرضها کلها اوبعضها احد المتدخلین فی عداد الا ذکیاء علی بعض العصریین من النبلاء، و لم اعلم الامر دارت رحی التقریر، وعلی ای شق برك البعیر، فاشتد ذلك علی وعظم امره لدی فاستخرت الله تعالٰی فی عمل کتاب یبین الجواب عن کل ارتیاب و یکشف النقاب عن وجه الصواب، مع اطلاعی علی قصور باعی وقصر ذاعی، عدم الظفر من اسفار التفاسیر الا بشیئ نزل یسیر ولو لا الا ما اقاسیه من هجوم هموم و عموم غموم وتباعد اغراض وتوارد اعراض، وما لا محیص عنه لمسلم من ایذاء موذ و ایلام مولم کما اخبر النبی الاکرم صلی الله علیه وسلم بید ان الفقیر العانی عاین عین اعیان المعانی تفیض علیّ فیضا مدرارا واتثج الی ثجا کبار، افقوی ظنی ان صاحب التوفیق سیقوی الضعیف علی بایطیق فاختلست الفرصة	کریمہ "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾" سے فضیلت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر حجت قائم کرنا اور ان شبہات کو ایک شخص نے جو اذکیاء کے شمار میں دخیل ہونا چاہتا ہے، فضلاء میں سے ایک ہمعصر پر پیش کیا اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ تقریر مدعی کی ہو چکی کب تک چلی اور اونٹ کس کروٹ بیٹھا تو یہ مجھے دشوار گزار اور اس کا معاملہ میرے نزدیک بڑا ہو گیا تو میں نے اللہ سے استخارہ کیا ایک کتاب کی تصنیف میں جو ہر شبہ کا روشن جواب دے اور صواب کے چہرے سے نقاب اٹھادے باوجود یہ کہ میں اپنے قصور طاقت اور بساط کی قلّت اور کتب تفاسیر سے بہت تھوڑا میسر ہونے سے واقف ہوں اور اگر سوائے اندوہ وغم کے ہجوم اور اغراض کی دوری اور امراض کے وورد پیہم کے اور موذی کی ایذا جس سے کسی مسلم کو چھٹکارا نہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی، کچھ نہ ہو تو اس کام سے یہی مانع ہوتا مگر اس فقیر ذلیل نے دیکھا کہ معانی نفیسہ کا چشمہ اس کے قلب پر سراٹے سے ابل رہا ہے اور وہ بڑی مقدار میں اس کی طرف بہہ کر آرہے ہیں تو میرا گمان غالب ہوا کہ مالک توفیق (خدا) اس ضعیف کو اس کی قوت دے گا جس کی اسے قدرت نہیں

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

خمسة ایام من آخر الشهر المبارك ذی الحجة الحرام ،حتی جاءت بحمد الله کما تری تروق الناظر وتجلو البصائر کاشفة عن وجوه غوانی من حسان معانی لم تقرع الاذان ،ونفائس تحقیق وعرائس تدقیق لم یطمثهن قبلی انس ولاجان فان صدق ظنی فکل مافیه غیر ماانمیه مما سمع به فکری الفاتر ،وادی الیه نظری القاصر والانسان کما تعلم مساوق الخطاء والنسیان ،فما کان صوابا فمن الله الرحمان ،وانا ارجو الله سبحنه فیه ،وماکان خطافمنی ومن الشیطان وانا ابری الی الله عن مساویه ،ویابی الله العصمة فی کل معنی وکلمة الا لکتابه الاعظم و کلام رسوله الاکرم صلی الله تعالٰی علیه وسلم ،ولما کان فض ختامها وطلوع بدر تمامها للیلة بقیت من المائة الثالثة عشر من سنی هجرة سیدالبشر علیه من الصلوات	تو میں نے ماہ مبارک ذوالحجۃ الحرام سے آخری پانچ دن کی فرصت لی یہاں تک کہ یہ کتاب بحمد اللہ ایسی ظاہر ہوئی جیسی کہ تم دیکھتے ہو جو دیکھنے والے کو خوش کرتی، بصیرتوں کو جلا بخشتی ہے،اور ایسے خوشتر معانی (جو کانوں سے نہ ٹکرائے) سے پردے ہٹاتی ہے جو خوبان بے نیاز آرائش کے چہرے ہیں اور تحقیق کی نفیس صورتیں اور تدقیق کی دلہنیں ہیں جنہیں مجھ سے پہلے کسی آدم نے چھوا نہ کسی جن نے، تو اگر میرا گمان سچا ہو تو سوائے اس کے جس کی میں کسی کی طرف نسبت کرو ں اس میں جو کچھ ہے وہ میری فکر قاصر کی دین ہے اور اس تک میری کوتاہ نظر پہنچی ہے اور انسان جیسا کہ تم جانتے ہو خطاء ونسیان کے ساتھ چلتا ہے، تو جو درست ہو وہ خدائے رحمان کی طرف سے ہے، اور میں اس کے سبب اللہ سے امیدوار ثواب ہوں، اور جو خطا ہو تو وہ میری اور شیطان کی جانب سے ہے اور میں اللہ کی طرف اس کی بدیوں سے براءت کرتا ہوں، اور اللہ ہر معنی اور ہر کلمہ میں عصمت (خطا سے محفوظ ہونا) اپنی کتاب معظم اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام کے سوا کسی کے لئے نہیں چاہتا اور جب اس رسالہ کی مہر اختتام کی شکست اور اس کے تمام کا ماہ تمام اس ایک رات میں طلوع ہوا جو سید البشر کی ہجرت کے سالوں میں سے تیرھویں صدی میں باقی تھی اور پر درودوں

انما ھا ومن التحیات ازکاھا ناسب ان اسمیھا "الزلال الانقی من بحر سبقه الاتقی" لیکون العلم علما علی العام واللہ تعالٰی ولی الانعام، وھو الخامس عشر من تصانیفی فی علوم الدین نفعنی اللہ تعالٰی بھا و سائر المسلمین وجعلھا نورا بین یدی و حجة لی لاعلی، انه علی مایشاء قدیر و بالاجابة جدیر و حسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	میں سب درودوں سے بڑھتا درود اور تحیات میں سب سے فزوں تحیت ہو مناسب ہے کہ اس کا نام "الزوال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی" رکھوں تاکہ نام سال تصنیف کی نشانی ہو جائے اور اللہ تعالٰی ہی ولی نعمت ہے اور یہ میری تصانیف سے پندرھویں تصنیف ہے علوم دین میں، اللہ تعالٰی مجھے اور باقی مسلمانوں کو اس سے نفع بخشے، اور اللہ تعالٰی اسے میرے ما بعد کیلئے نور بنائے اور میرے حق میں حجت نہ میرے خلاف وہ جو چاہے کرسکتا ہے، اور قبول دعا اسی کو سزاوار ہے اور اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے اور بدی سے پھرنا اور نیکی کی طاقت اللہ علو وعظمت والے ہی سے ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ط

قال ربنا تبارك وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ(۱۳)" [1] اراد اللہ سبحنه و تعالٰی رد ما کانت علیه الجاھلیة من التفاخر بالاباء والطعن فی الانساب وتعلی النسب علی	ہمارا رب تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: "اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمھیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے" (ترجمہ رضویہ) اللہ تعالٰی کی مراد اس طور کا رد ہے جس پر اہل جاہلیت چلتے تھے کہ باپ دادا پر فخر کرتے اور دوسروں کے نسب پر طعنہ زن ہوتے

[1] القرآن الکریم ۱۳/۴۹

غیرہ من الناس حتی کا نہ عبدلہ اواذل،وکان بدء ھذہ النزعۃ اللئیمۃ من الذلیل الخسیس عدو اللہ ابلیس اذقال "اَنَاخَیْرٌمِّنْہُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ ۝" [1] فرد اللہ سبحنہ وتعالٰی علیھم بان اباکم واحد وامکم واحدۃ فانہ تعالٰی "خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْہَازَوْجَہَاوَبَثَّ مِنْہُمَارِجَالًاکَثِیْرًاوَّنِسَآءً ۚ" [2] فما منکم من احد الا وھو یدلی بمثل مایدلی بہ الاخر سواء بسواء،فلا مساغ للتفاضل فی النسب و التفاخر بالام والاب،واما ما رتبنا کم علی اجیال تحتھا شعوب تحتھا قبائل فانما ذالك لتعارفوا فتصلوا ارحامکم ولا ینتمی احد الی غیر ابیہ،لالان تتفاخروا ویزدری بعضکم بعضا نعم ان اردتم التفاضل فالفضل عندنا بالتقوی فکلمازاد

اور نسب کی وجہ سے دوسرے آدمی پر ایسی تعلی کرتا گویا کہ وہ اس کا غلام بلکہ اس سے بھی زیادہ خوار ہے،اور اس ذلیل طریقہ کی ابتداء ذلیل خسیس ابلیس سے ہوئی جس نے کہا تھا کہ اے رب! میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور آدم (علی نبینا وعلیہ السلام) کو مٹی سے بنایا،تو اللہ نے ان کا یوں رد فرمایا کہ تمہارا باپ ایک ہے اور تمہاری ماں ایک ہے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلادئے تو تم میں ہر ایک اپنی اصل سے وہی اتصال رکھتا ہے جو دوسرا رکھتا ہے تو نسب میں ایک کو دوسرے پر فضیلت کی راہ نہیں اور ماں باپ سے ایک دوسرے پر فخر کی مجال نہیں رہا یہ کہ ہم نے تمہیں اصول پر مرتب کیا جن کے نیچے ان کی شاخیں ہیں اور ان کے نیچے قبیلے ہیں تو یہ محض اس لئے کہ آپس میں پہچان رکھو تو اپنے قریبی عزیزوں سے ملو اور کوئی باپ کے سوا اور کی طرف منسوب نہ ہو نہ اس لئے کہ تم نسب پر گھمنڈ کرو،اور ایک دوسرے کو حقیر جانے،ہاں اگر فضیلت چاہو تو فضیلت ہمارے یہاں تقوی (پرہیزگاری)

[1] القرآن الکریم ۷ /۱۲ و ۳۸ /۷۶

[2] القرآن الکریم ۴ /۱

الانسان تقوی زاد کرامۃ عند ربہ تبارك وتعالٰی، فاکرمکم عندنا من کان اتقی لامن کان انسب۔ ان اللہ علیم بکرم النفوس وتقواها خبیر بھم النفوس فی ھواھا۔	سے ہے تو جب انسان پرہیزگاری میں بڑھے اپنے رب کے یہاں عزت میں بڑھے۔ تو ہمارے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے نہ کہ وہ جو بڑے نسب والا ہے بے شک اللہ تعالٰی نفوس کی عزت اور ان کی پرہیزگاری کو جانتا ہے اور نفوس کی اپنی خواہش میں کوشش سے خبردار ہے۔
قال البغوی قال ابن عباس نزلت فی ثابت بن قیس وقولہ للرجل الذی لم یفسح لہ "ابن فلانۃ یعیرہ بامہ قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الذاکر فلانہ"؟ فقال ثابت انا یا رسول اللہ، فقال انظر فی وجوہ القوم، فنظر، فقال ما رایت یا ثابت؟ قال رایت احمر وابیض واسود، قال فانك لاتفضلہ الا فی الدین والتقوی "فنزلت فی ثابت ھذہ الایۃ و فی الذی لم یتفسح لہ "یایھا الذین امنو اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا" وقال مقاتل لما کان یوم فتح مکۃ	امام بغوی نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) نے فرمایا یہ آیت حضرت ثابت بن قیس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے بارے میں اور ان کے اس شخص سے جس نے ان کے لئے مجلس میں جگہ کشادہ نہ کی فلانی کا بیٹا کہنے کے باب میں اتری تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے جس نے فلانی کو یاد کیا؟ حضرت ثابت نے عرض کیا وہ میں ہوں یارسول اللہ! تو حضور (علیہ الصلوۃ والسلام) نے فرمایا: لوگوں کے چہروں میں بغور دیکھو۔ تو انہوں نے دیکھا۔ پھر فرمایا: اے ثابت! تم نے کیا دیکھا؟ عرض کی: میں نے لال، سفید اور کالے چہرے دیکھے۔ سرکار (علیہ السلام والتحیۃ المدرار) نے فرمایا: تو بے شک تمہیں ان پر فضیلت نہیں مگر دین اور تقوی میں۔ تو حضرت ثابت کے لئے یہ آیت اتری اور جنہوں نے مجلس میں کشادگی نہ کی تھی ان کے حق میں ارشاد نازل ہوا: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو۔ اور مقاتل کا قول ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا رسول اللہ

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلا لا حتی علا علی ظھر الکعبۃ واذن، فقال عتاب بن اسید بن ابی العیص: الحمد للہ الذی قبض ابی حتی لم یر ھذا الیوم۔ وقال الحارث بن ھشام اما وجد محمد غیر ھذا الغراب الاسود موذنا۔ وقال سھل بن عمرو ان یرد اللہ شیئا یغیرہ۔ وقال ابو سفیان انی لا اقول شیئا اخاف ان یخبر بہ رب السماء فاتی جبریل فاخبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما قالو فدعاھم وسالھم عما قالوا فاقروا فانزل اللہ تعالٰی ھذہ الایۃ وزجرھم عن التفاخر بالانساب والتکاثر بالاموال والازراء بالفقراء [1] قال العلامۃ النسفی فی المدارک تبعا للزمخشری فی الکشاف عن یزید بن شجرۃ مر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سوق المدینۃ فرای غلاما اسود یقول من اشترانی فعلی شرط ان لا یمنعی	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا (کہ اذان دیں) تو وہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور انہوں نے اذان کہی، تو عتاب بن اسید بن ابی العیص نے کہا: اللہ کے لئے حمد ہے جس نے میرے باپ کو اٹھالیا اور انہوں نے یہ دن نہ دیکھا۔ اور حارث بن ہشام نے کہا: کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوے کے سوا کوئی اذان دینے والا نہ ملا۔ اور سہل بن عمرو نے کہا: اللہ کو اگر کوئی چیز ناپسند ہوگی وہ اسے بدل دے گا۔ اور ابوسفیان بولے: میں کچھ نہیں کہتا مجھے خوف ہے کہ آسمان کا رب انہیں خبر دار کر دے گا۔ تو جبریل (علی نبینا وعلیہ السلام) نازل ہوئے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان لوگوں کی باتیں بتادیں تو حضور (علیہ الصلوہ والسلام) نے ان سے ان کے اقوال کی بابت پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا، تو اللہ نے یہ آیت اتاری اور انہیں نسب پر فخر اور اموال پر گھمنڈ اور فقراء کی تحقیر سے منع فرمایا۔ علامہ نسفی نے زمخشری کی اتباع کرتے ہوئے مدارک میں فرمایا یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے بازار میں گزرے تو ایک سیاہ فام غلام دیکھا جو کہتا تھا مجھے جو خریدے تو اس شرط پر خریدے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۵/۴

من الصلوات الخمس خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ،فاشتراہ بعضھم فمرض فعادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ،ثم توفی فحضر دفنہ فقالوا فی ذلك شیئا فنزلت [1]۔ وبالجملۃ فمحصل الایۃ نفی التفاخر بالانساب وان الکرم عند اللہ تعالٰی انما ینال بالتقوی فمن لم یکن تقیا لم یکن لہ حظ من الکرامۃ وسلبہ کلیا لایصح الاعن کافر اذکل مؤمن یتقی اکبر الکبائر الکفر و الشرک،ومن کان تقیا کان کریما ومن کان اتقی کان اکرم عند اللہ تعالٰی،ولعلك تظن ان سردنا تلك الروایات فی شان النزول مما لا یغنینا فیما نحن بصددہ،ولیس کذالك بل ھو ینفعنا فی نفس الاحتجاج وتکسر بہ سورۃ بعض الاوھام ان شاء اللہ	وسلم وآلہ وسلم کے پیچھے پنجگانہ نماز سے نہ روکے گا۔تو اسے کسی نے خرید لیا۔پھر وہ بیمار پڑا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لائے،پھر اس کی وفات ہوگئی تو سرکار اس کے دفن میں رونق افروز ہوئے تو لوگوں نے اس بارے میں کچھ کہا تو یہ آیت اتری۔ مختصر یہ کہ آیت کریمہ کا حاصل نسب پر فخر کی نفی ہے اور یہ کہ اللہ کے یہاں عزت تقوی ہی سے ملتی ہے،تو جو متقی نہیں اس کے لئے عزت سے کچھ حصہ نہیں اور تقوی کا سلب کلی طور پر کافر کے سوا کسی سے نہیں،اس لئے کہ ہر مومن اکبر الکبائر کفر و شرک سے بچتا ہے اور جو متقی ہوگا وہ باعزت ہوگا اور جو زیادہ تقوی والا ہوگا وہ زیادہ عزت دار اپنے رب کے یہاں ہوگا۔اور شاید تمہیں گمان ہو کہ ہمارا ان روایتوں کو ذکر کرنا اس مدعی میں جس کے ثابت کرنے کے ہم درپے ہیں ہمیں نفع بخش نہیں حالانکہ بات ہوں نہیں بلکہ وہ ہمیں نفس استدلال میں فائدہ دے گا اور ہم اس سے کچھ وہمیوں کا زور توڑینگے ان شاء اللہ

[1] مدارك التنزیل تفسیر النسفی تحت الایۃ ۴۹ /۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴ /۱۷۳

تعالی، کماستطلع علیه، فانتظر، هذه مقدمة۔	تعالی، جیسا کہ تم عنقریب اس پر مطلع ہوگے، تو انتظار کرو، یہ ایک مقدمہ ہے۔
والمقدمة الاخری	**اور دوسرا مقدمہ یہ ہے**
قال الله سبحنه و تعالی: وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۚ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ۧ "[1] اجمع المفسرون من اهل السنة والجماعة علی ان لایة نزلت فی الصدیق رضی الله تعالٰی عنه وانه هو المراد بالاتقی۔	الله تعالٰی نے فرمایا: اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا اہل سنت وجماعت کے مفسرین کا اجماع ہے اس پر کہ یہ آیت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اتری اور الاتقی سے وہی مراد ہے۔
اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی ان ابا بکر اعتق سبعة کلهم یعذب فی الله فانزل الله تعالٰی قوله "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ" الی اخر السورة[2]، قال البغوی قال ابن الزبیر وکان	ابن ابی حاتم وطبرانی نے حدیث روایت کی کہ ابو بکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ان سات کو آزاد کیا جو سب کے سب اللہ کی راہ میں ستائے جاتے تھے تو اللہ نے اپنا فرمان ("وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ" تا آخر سورۃ) نازل فرمایا۔ بغوی نے فرمایا کہ ابن الزبیر کا قول ہے کہ ابو بکر

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱

[2] الصواعق المحرقة بحواله ابن حاتم والطبرانی الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۸، الدر المنثور بحواله ابن حاتم والطبرانی تحت الایة ۹۲ /۱۷ تا ۲۱ دار احیاء التراث العربی ۸ /۴۹۳، الحاوی للفتاوی الفتاوی القرآنیة سورة اللیل الفصل الاول دار الکتب العلمیه بیروت ۱ /۳۲۷

ابو بکر یبتاع الضعفة فیعتقهم ،فقال ابوه:ای بنی لوکنت نبتاع من یمنع ظهرك ؟ قال منع ظهری ارید،فنزل"وسیجنبها الاتقی"الی اخر السورة،وذکر محمد بن اسحق قال کان بلال لبعض بنی جمح وهو بلال بن رباح واسم امه حمامة وکان صادق الاسلام وطاهر القلب وکان امیة بن خلف یخرجه اذا حمیت الظهیرة فیطرحه علی ظهره ببطحاء مکة،ثم یامر بالصخرة العظیمة فتوضع علی صدره،ثم یقول له لا تزال هکذا حتی تموت او تکفر بمحمد(صلی الله تعالٰی علیه وسلم)ویقول وهو فی ذلك البلاء احد احد،و قال محمد بن اسحاق عن هشام بن عروة عن ابیه قال مر به ابوبکر یوما وهو یضنعون به ذلك و کانت دار ابی بکرفی بنی جمح فقال لامیة لاتتقی فی هذا المسکین؟قال:انت افسدته فانقده مما	رضی اللہ تعالٰی عنہ کمزوروں کو خریدتے پھر انہیں آزاد کر دیتے۔تو ان سے ان کے والدین نے کہا:اے بیٹے ! ایسے غلاموں کو خریدتے ہوتے جو تمہاری حفاظت کرتے۔ابوبکر نے فرمایا میں اپنی حفاظت ہی چاہتا ہوں۔تو یہ آیت تا آخر سورت نازل ہوئی۔اور محمد بن اسحٰق نے ذکر کیا بلال(رضی اللہ تعالٰی عنہ)قبیلہ بنی جمح کے غلام تھے اور ان کا نام بلال بن رباح ہے اور ان کی ماں کا نام حمامہ ہےاور بلال(رضی اللہ تعالٰی عنہ)اسلام میں سچے تھے اور پاک دل تھے،اور امیہ بن خلف انہیں باہر لاتا جب گرم دوپہر ہوتی تو انہیں پیٹھ کے بل مکہ کے ریتلے میدان میں ڈال دیتا پھر بڑی چٹان لانے کا حکم دیتاتو ان کے سینہ پر رکھدی جاتی پھر کہتا،تم ایسے ہی پڑے رہوگے یہاں تک کہ مرجاؤ یا محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)سے کافر ہو۔اور حضرت بلال احد احد فرماتے حالانکہ وہ اس بلا میں ہوتے۔اور محمد بن اسحٰق نے ہشام بن عروہ سے روایت کی انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی انہوں نے فرمایا ابو بکر(رضی اللہ تعالٰی عنہ)کا گزرایک دن بلال(رضی اللہ عنہ)کے پاس سے ہوا اور وہ لوگ بلال(رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ یہی برتاؤ کررہے تھے اور ابوبکر(رضی اللہ تعالٰی عنہ)کا گھر بنو جمح میں تھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو(امیہ بن خلف)اس بیچارے کے معاملہ میں

تری، قال ابوبکر افعل عندی غلام اسود واجلد منه واقوی علی دینك اعطیکه؟ قال قد فعلت فاعطاہ ابو بکر غلامه واخذہ فاعتقه، ثم اعتق معه علی الاسلام قبل ان یهاجر ست رقاب بلال سابعهم، عامر بن فهیرۃ (رضی الله تعالٰی عنه) شهد بدرا و اُحُدا وقتل یوم بئر معونة شهیدا، وام عمیس و زهرۃ فاصیب بصرها و اعتقها فقال قریش ما اذهب بصرها الا اللات والعزی فقالت: کذبوا وبیت الله ما تضر اللات و العزی وما تنفعان، فرد الله تعالٰی الیها بصرها و اعتق النهدیة وابنتها وکانتا لامراۃ من بنی عبد الدار فمر بهما وقد بعثتهما سیدتهما تطحنان لها وهی تقول والله لا اعتقکما ابدا	اللہ سے نہیں ڈرتا، تو امیہ نے کہا آپ نے اسے بگاڑا ہے تو آپ اس گت سے اسے بچالیں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: میں بچائے لیتا ہوں میرے پاس ایک غلام ہے سیاہ فام جو بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے زیادہ اور طاقتور ہے اور تیرے دین پر ہے وہ تجھے دے دوں۔ امیہ بولا: مجھے منظور ہے تو ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو لے لیا تو انہیں آزاد کر دیا پھر ان کے ساتھ اسلام کی شرط پر ہجرت سے پہلے چھ غلامون کو آزاد کیا، انکے ساتویں بلال ہیں، عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جو جنگ بد واحد میں شریک ہوئے اور بئر معونہ کی جنگ میں قتل ہو کر شہید ہوئے، اور ام عمیس وزہرہ کی آنکھ جاتی رہی، جب انہیں ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے آزاد فرمایا، تو قریش بولے کہ انہیں لات وعزی نے اندھا کیا ہے، تو آپ بولیں: قریش، کعبہ کی قسم جھوٹے ہیں لات وعزی نہ ضرر دے سکیں نہ فائدہ پہنچا سکیں۔ تو اللہ نے انہیں ان کی بینائی پھیر دی۔ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی کو آزاد کیا اور یہ دونوں بنی عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں، تو صدیق اکبر (رضی ال لہ تعالٰی عنہ) ان کے پاس سے گزرے اور ان کی آقا عورت نے انہیں بھیجا تھا کہ اس کا آٹا پیسیں اور وہ عورت کہتی تھی کہ خدا کی قسم! تمہیں کبھی آزاد نہ کروں گی۔

فقال ابوبکر کلا یا ام فلان، فقالت کلا انت افسدتهما فاعتقهما، قال فبکم ؟ بکذا وکذا قال قد اخذتهما وهما حرتان، ومر بجارية بنی المؤمل وهی تعذب فابتاعها فاعتقها۔	توابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: اے ام فلان! ہر گز نہیں۔ وہ بولی: ہر گز نہیں، آپ نے ان دونوں کو بگاڑا ہے تو آپ آزاد کریں۔ صدیق نے فرمایا: تو کتنے دام پر بیچتی ہے؟ وہ بولی: اتنے اور رائے دام پر۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: میں انے ان دونوں کو لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں، اور آپ کا گزر بنومؤمل کی ایک لونڈی کے پاس سے ہوا جب اس پر ظلم ہو رہا تھا تو اسے خرید کر اسے آزاد کردیا،
وقال سعید بن المسیب بلغنی ان امية بن خلف قال لابی بکر فی بلال حین قال اتبیعه ؟ قال نعم ابیعه بنسطاس وکان نسطاس عبد الابی بکر صاحب عشرة الاف دینار، غلمان وجوار ومواش وکان مشرکا حمله ابوبکر علی الاسلام ان یکون ماله له، فابی فابغضه ابو بکر، فلما قال له امية ابیعه بغلامك نسطاس، اغتنمه ابوبکر وباعه منه فقال المشرکون ما فعل ذلك ابوبکر الا لید، کانت لبلال عنده فانزل اللہ تعالٰی	اور سعید بن المسیب (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی کہ امیہ بن خلف نے ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے بلال کے معاملہ میں اس وقت جب انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بلال کو فروخت کرے گا؟ کہا: ہاں میں اسے نسطاس سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا غلام جو دس ہزار دینار اور بہت سے لونڈی اور غلام اور چوپایوں کا مالک تھا کے بدلے بیچتا ہوں اور ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے چاہا تھا کہ نسطاس اسلام لے آئے اور اس کا مال اسی کا رہے، تو وہ نہ مانا تو حضرت ابوبکر نے اس کو مبغوض جانا، پھر جب امیہ نے کہا: بلال کو میں آپ کے غلام کے بدلے دیتا ہوں۔ ابوبکر نے اس بات کو غنیمت جانا اور نسطاس کو امیہ کے ہاتھ بیچ دیا، تو مشرکین بولے، ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ایسا صرف اس لئے کیا ہے کہ بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا ان پر کوئی احسان ہے، تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت

"وَمَالِاَحَدٍعِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰۤی ۙ﴿۱۹﴾" [1]۔	اتاری "وَمَالِاَحَدٍعِنۡدَهٗ" الخ یعنی اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔
وذکر العلامة ابو السعود فی تفسیرہ قد روی عطاء و الضحاك عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما وذکر قصة شراء بلال واعتاقه قال فقال المشرکون ما اعتقه ابو بکر الالید کانت عنده فنزلت [2] اھ ملخصا	اور علامہ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ عطا اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (اس روایت میں خریداری بلال اور ان کے آزاد ہونے کا قصہ ذکر کیا پھر کہا) تو مشرکین بولے: ابوبکر نے بلال کو ان کے کسی احسان ہی کی وجہ سے آزاد کیا ہے تو یہ آیت (مندرجہ بالا) اتری اھ ملخصًا۔
و فی الازالة عن عروۃ ان ابابکر الصدیق اعتق سبعة کلهم یعذب فی الله بلالا وعامر بن فهیرۃ النهدیة وابنتها وزنیرۃ وام عیسی وامة بنی المؤمل، وفیه نزلت "وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی ۙ﴿۱۷﴾" [3] الی آخر السورۃ۔	اور ازالہ میں عروہ سے ہے کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ساتھ کو آزاد کیا، ان سب پر اللہ کی راہ میں ظلم توڑا جاتا تھا وہ بلال و عامر بن فہیرہ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی اور زنیرہ اور ام عیسی اور بنی مؤمل کی کنیز ہیں اور انہیں کیلئے آیت اتری "وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی ۙ﴿۱۷﴾" اور اس سے (دوزخ) بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے۔ تا آخر سورت۔
وعن عامر بن عبدالله بن الزبیر عن ابیه قال قال ابو قحافة لابی بکر اراك تعتق رقابا ضعافا فلو انك اذا فعلت مافعلت اعتقت رجالا جلدًا یمنعونك	اور عامر بن عبداللہ بن الزبیر سے روایت ہے وہ اپنی باپ سے روای ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوقحافہ نے ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا: میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ کمزور غلامون کو آزاد کرتے ہو تو کاش! تم تندرست و

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۹۲ /۱۷تا۲۱ دار الکتب العلمیه ۴ /۴۶۴۔۴۶۳

[2] ارشاد العقل السلیم تحت الآیة ۹۲ /۱۹ دار احیاء التراث العربی ۹ /۱۶۸

[3] ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلك اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱ /۳۰۱

ویقومون دونك فقال یا ابت انما ارید وجه الله فنزلت هذه الایة "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ الى قوله وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۙ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ﴿۲۰﴾ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى ۠﴿۲۱﴾ " [1]۔	تو ان غلام آزاد کرتے جو تمہاری حفاظت کرتے اور جنگ میں تمہاری سپر ہوتے۔ تو ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا؛ اے میرے باپ! میں تو صرف اللہ کی رضا چاہتا ہوں تو یہ آیت نازل ہوئی "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ﴿۵﴾" یعنی جس نے دیا اور پرہیز گاری کی۔۔ اللہ تعالٰی کے قول وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی تک یعنی اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دی اجائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے، اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔
وعن سعید بن المسیب قال نزلت "وما لاحد عنده من نعمة تجزی" فی ابی بکر عتق ناسا لم یلتمس منهم جزاء ولاشکورا ستة او سبعة منهم بلال وعامر بن فهیرة[2]	اور حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ آیۃ کریمہ سے "وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۙ﴿۱۹﴾" ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں اتری کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو آزاد کیا اُن سے نہ بدلہ چاہا نہ شکر گزاری، وہ آزاد شدہ چھ یا سات تھے، انہیں میں بلال وعامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما تھے۔
وعن ابن عباس فی قوله تعالٰی "وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾" قال هو ابوبکر الصدیق[3]۔	اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے "وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾" کی تفسیر میں ہے فرمایا وہ ابوبکر صدیق ہیں (آیت میں جن کا ذکر ہے)۔
قلت وقد اخرج ابن ابی حاتم ابن مسعود (رضی الله تعالٰی عنه ان ابابکر اشتری بلالا من امیة بن خلف	**میں کہتا ہوں** اور ابن ابی حاتم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند خود روایت کی کہ امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے حضرت ابوبکر نے

[1] ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

[2] ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

[3] ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

ببردة وعشرة اواق فاعتقه لله تعالٰی، فانزل الله تعالٰی هذه الآیة:ای ان سعی ابی بکر و امیه و ابی لمفترق فرقانا عظیما فشتان ما بینهما[1] وقد قال السید ابن السید عمار بن یاسر رضی الله تعالٰی عنهما فی اشتراء الصدیق بلالا واعتاقه شعرًا۔ جزی الله خیرا عن بلال وصحبه عتیقا واخزی فاکها وابا جهل عشیة هما فی بلال بسوءة ولم یحذر اما یحذر المرء ذو العقل بتوحید رب الانام وقوله شهدت بان الله ربی علی مهل فان تقتلونی فاقتلونی فلم اکن لاشرك بالرحمن من خیفة القتل فیارب ابراهیم والعبد یونس وموسی وعیسی نجنی ثم تملی لمن ظل یهوی الغی من ال غالب علی غیر بر کان منه ولا عدل[2]	حضرت بلال کو ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا پھر انہیں خاص اللہ کے لئے آزاد کردیا تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری جس کا مطلب یہ ہے "بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے" یعنی ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اور امیہ اور ابی بن خلف کی کوششوں میں عظیم فرق ہے تو ان میں بون بعید ہے اور سردار بن سردار عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے ابوبکر صدیق کے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خرید کر آزاد کرنے کے بارے میں یہ اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے: اللہ جزائے خیر دے بلال اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے عتیق (ابوبکر کو اور امیہ اور ابوجہل کو رسوا کرے، وہ شام یاد کرو جب ان دونوں نے بلال کا برا چاہا اور اس سے نہ ڈرے جس سے ذی عقل آدمی ڈرتا ہے، انہوں نے بلال کا برا اس لئے چاہا کہ بلال نے خلق کے خدا کو ایک جانا اور نے اس نے یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، میں اس پر مطمئن ہوں تو اگر تم مجھے قتل کرو تو اس حال میں قتل کروگے کہ میں رحمان کا شریک نہیں ٹھہراتا قتل کے ڈرے سے تو اے ابراہیم اور اپنے بندے یونس اور موسی وعیسی کے رب! مجھے نجات دے، پھر اسے مہلت نہ دے جو ناحق ظالمانہ آل غالب کی گمراہی کی آرزو کئے جاتا ہے)

[1] الصواعق المحرقة بحواله ابن ابی حاتم الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۹

[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل(تفسیر خازن)تحت الایة ۱۷/ ۹۲ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۴۳۶

هذا وقد قال البغوی فی الاتقی یعنی ابابکر الصدیق فی قول الجمیع[1]

وقال الرازی فی مفاتیح الغیب "اجمع المفسرون منا علی ان المراد منه ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ"[2]۔

ونقل ابن حجر فی الصواعق عن العلامة ابن الجوزی اجمعوا انها نزلت فی ابی بکر[3]۔ حتی بلغنی ان الطبرسی مع رفضه لم یسغ له انکاره فی تفسیره مجمع البیان، والفضل ما شهدت به الاعداء، الحمد للہ رب العلمین۔

ثم ان الامام الفاضل فخر الدین الرازی حاول فی تفسیره اثبات ان الایة لا تصلح الا للصدیق بطریق النظر والاستدلال علی ماهو دابه رحمه اللہ تعالٰی فقال "اعلم ان الشیعة باسرهم ینکرون هذه الروایة ویقولون انها نزلت فی حق علی ابن ابی طالب علیه السلام والدلیل علیه قوله تعالٰی "ویؤتون الزکوة وهم

اسے یاد رکھو اور امام بغوی نے الاتقی کی تفسیر میں کہا اس لفظ سے خدا کی مراد سب مفسرین کے قول کے بموجب ابوبکر صدیق ہیں۔

امام رازی نے مفاتیح الغیب میں فرمایا ہم سنیوں کے مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اتقی سے مراد ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں"

صواعق میں ابن حضر نے علامہ ابن الجوزی سے نقل کیا علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی۔ یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ طبرسی کو باوجود رفض اپنی تفسیر مجمع البیان میں اس کا انکار نہ بن پڑا اور فضل وہی ہے جس کی شہادت دشمن دیں، والحمد للہ رب العلمین۔

پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی عادت کے مطابق اپنی تفسیر میں عقلی استدلال و نظر کی راہ سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش فرمائی کہ آیت کا مفہوم صدیق اکبر کے سوا کسی کے لئے نہیں بنتا، توانہوں نے فرمایا تمہیں معلوم ہو کہ تمام شیعہ اس روایت کے منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آیت علی بن ابی طالب کے حق میں اتری ہے اور اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون یعنی وہ رکوع کی

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الایة ۹۲/۱۷ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۴۶۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۵

[3] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الثانی، دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۸

را کعون۔فقوله"الاتقی الذی یؤتی ماله یتزکی"اشارة الی مافی تلك الایة من قوله"یؤتون الزکوة وهم را کعون"ولما ذکر ذلك بعضهم فی محضری قلت اقیم الدلالة العقلیة علی ان المراد من هذه الایة ابوبکر۔وتقریرها ان المراد من هذا الاتقی هو افضل الخلق۔فاذا کان کذالك وجب ان یکون المراد ابو بکر۔فهاتان المقدمتان متی صحتاصح المقصود۔ انما قلنا ان المراد من هذا الاتقی افضل الخلق لقوله تعالی"ان اکرمکم عند الله اتقاکم" والاکرم هو الافضل فدل علی ان کل من کان اتقی وجب ان یکون الافضل۔فثبت ان الاتقی المذکور ههنا الابد وان یکون افضل الخلق عند الله تعالی۔فنقول لابد و ان یکون المراد به ابا بکر لان الامة مجمعة علی ان افضل الخلق بعد رسول الله صلی الله	حالت میں زکوہ دیتے ہیں تو اللہ تعالٰی کا قول الاتقی الذی یؤتی ماله یتزکی یعنی وہ سب سے بڑا پرہیزگار جو ستھرا ہونے کو اپنا مال دیتا ہے،اسی وصف کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہوا یعنی اللہ کا یہ فرمانا"ویؤتون الزکوۃ"الایۃ اور جب ایک رافضی نے یہ بات میری مجلس میں کہی میں نے کہا میں اس پر دلیل عقلی قائم کروں گا کہ اس آیت سے مراد صرف ابو بکر ہیں،اور تقریر دلیل یوں ہے کہ مراد اس بڑے پرہیزگار سے وہی ہے جو سب سے افضل ہے،تو جب معاملہ ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس سے مراد بس ابوبکر ہوں،تو جب یہ دونوں مقدمے صحیح ہونگے دعوی درست ہوگا۔اور ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ اس بڑے پرہیزگار سے مراد سب سے افضل ہے کہ اللہ تعالٰی کا قول ہے"اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔"اور اکرم ہی افضل ہے۔تو آیت نے بتایا کہ ہر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا ضروری ہے کہ وہ سب سے زیادہ مرتبے والا ہو،تو ثابت ہوگیا کہ سب سے بڑا پرہیزگار جس کا یہاں (آیت میں) ذکر ہوا ضروری ہے کہ اللہ کے یہاں سب سے افضل ہو۔اب ہم کہتے ہیں کہ ساری امت اس پر متفق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلق سے افضل ابوبکر ہیں یا علی۔

تعالٰی علیه وسلم تعالٰی علیه وسلم اما ابو بکر او علی، ولایکمن حمل هذه الاٰیة علی علی بن ابی طالب فتعین حملها علی ابی بکر ،وانما قلنا انه لایمکن حملها علٰی علی بن ابی طالب لانه تعالٰی قال فی صفة هذا الاتقی "وما لاحد عنده من نعمة تجزی" وهذا الوصف لا یصدق علی علی ابن ابی طالب لانه کان فی تربیة النبی صلی الله علیه وسلم لانه اخذه من ابیه وکان یطعمه ویسقیه ویکسوه ویربیه،وکان الرسول صلی الله علیه وسلم منعما علیه نعمة یجب جزاءها اما ابو بکر فلم یکن للنبی علیه الصلوة والسلام نعمة دنیویة بل ابو بکر کان ینفق علی الرسول الصلوة والسلام بلی کان للرسول علیه الصلوة والسلام علیه نعمة الهدایة والارشاد الی الدین،الا ان هذا لایجزی لقوله تعالٰی "ما اسئلکم علیه من اجر" والمذکور ههنا لیس مطلق النعمة بل نعمة تجزی،فعلمنا ان هذه الاٰیة لاتصلح	اور یہ ممکن نہیں کہ یہ آیت علی پر محمول کی جائے تو ابوبکر کے لئے اس کا مصداق ہونا متعین ہوگیا،اور ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ آیت کو علی پر محمول کرنا ممکن نہیں کہ اللہ تعالٰی نے اس سب سے بڑے پرہیزگار کی صفت میں فرمایا ہے **وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی** یعنی اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے،اور یہ وصف علی بن ابی طالب پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تربیت میں تھے بایں سبب کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے علی کو ان کے باپ سے لے لیا تھا اور حضور انہیں کھلاتے بلاتے، پہناتے اور پالتے تھے اور حضور (رسول) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی کے ایسے محسن ہیں کہ ان کے احسان کا بدلہ واجب ہوا۔رہے ابوبکر،تو حضور (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کا ان پر دنیوی احسان نہیں بلکہ ابوبکر رسول علیہ الصلوۃ والسلام کا خرچ اٹھاتے تھے،ہاں کیوں نہیں ابوبکر پر رسول علیہ الصلوۃ و السلام کا دین کی طرف ہدایت وارشاد کا احسان ہے۔مگر یہ ایسا نہیں جس کا بدلہ

لعلی بن ابی طالب، واذا ثبت ان المراد بھذہ الایۃ من کان افضل الخلق، وثبت ان ذالك الافضل من الامۃ اما ابوبکر اوعلی، وثبت ان الآیۃ غیر صالحۃ لعلی تعین حملھا علی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وثبت دلالۃ الایۃ ایضاً علی ان ابابکر افضل الامۃ[1] اھ ملخصاً۔	دیا جائے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا (حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کی حکایت کرتے ہوئے) میں تبلیغ پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا۔ اور یہاں مطلق احسان کا ذکر نہیں بلکہ بات اس احسان کی ہے جس کا بدلہ دیا جائے تو ہم نے جان لیا کہ آیت کا یہ معنی علی بن ابی طالب کے لئے نہیں بنتا، اور جب یہ ثابت ہے کہ مراد اس آیت کی وہی ہے جو افضل خلق ہے، اور یہ ثابت ہے امت میں سب سے افضل یا ابوبکر ہیں یا علی، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مفہوم آیت علی کے شایاں نہیں اس کا مصداق ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے متعین ہوگیا اور آیت کی دلالت اس پر بھی ثابت ہوگئی کہ ابوبکر ساری امت سے افضل ہیں اھ ملخصا۔
قلت اما ما ذکر الفاضل الامام ان علیا رضی اللہ تعالٰی عنہ کان فی تربیۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانہ اخذہ من ابیہ فقد ذکرہ محمد بن اسحق وابن ھشام وھذا الفظ ابن اسحق "حدثنی عبداللہ بن ابی نجیح عن مجاھد بن جبیر ابی الحجاج قال کان من نعمۃ اللہ تعالٰی علی علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ مما صنع اللہ تعالٰی لہ وارادہ بہ من الخیر ان قریشا اصابتھم ازمۃ شدیدۃ وکان ابوطالب ذاعیال کثیر فقال	**میں کہتا ہوں** کہ رہی یہ بات جو فاضل امام (فخر الدین رازی علیہ الرحمہ) نے فرمائی کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تربیت میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں ان کے والد سے لے لیا تھا تو اس کا ذکر محمد ابن اسحٰق وابن ہشام نے کیا ہے اور محمد بن اسحٰق کے الفاظ یوں ہیں: مجھ سے عبداللہ بن ابی نجیح نے حدیث بیان کی انہوں نے روایت کی مجاہد بن جبیر ابی الحجاج سے انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اللہ تعالٰی کے احسان کے قبیل سے وہ ہے، جو اللہ تعالٰی نے ان کے ساتھ کیا اور ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا وہ یہ کہ قریش پر سخت تنگی پڑی اور ابوطالب کی اولاد بہت تھی اس لئے رسول

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ۹۲/ ۱۷ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۱ / ۲۰۵ و ۲۰۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعباس عمہ وکان من ایسر بنی ھاشم یا عباس ان اخاك ابا طالب کثیر العیال،وقد اصاب الناس ماتری من ھذہ الازمۃ فانطلق بنا الیہ،فلنخفف عنہ من عیالہ آخذ من بنیہ رجلا وتاخذ انت رجلا،فنکلھما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا الی ابی طالب،فقالا لہ انا نرید ان نخفف عنك من عیالك حتی ینکشف عن الناس ماھم فیہ،فقال لھما ابو طالب اذا ترکتما لی عقیلا فاصنعا ما شئتما،فاخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیًا فضمہ الیہ واخذ العباس جعفرا فضمہ الیہ فلم یزل علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی بعثہ اللہ تبارك وتعالٰی نبیا فاتبعہ علی وآمن بہ علی وصدقہ ولم یزل جعفر عند العباس حتی اسلم واستغنی عنہ[1] انتھٰی۔	اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا اور وہ بنی ہاشم کے بڑے مالداروں میں سے تھے،اے عباس!آپ کے بھائی ابوطالب کی اولاد بہت ہے اور لوگوں پر جو یہ سختی پڑی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ ابوطالب کے یہاں چلئے کہ ہم ان کی اولاد کا بوجھ کم کریں ان کے بیٹوں سے ایک آدمی میں لے لوں اور ایک آدمی آپ لے لیں تو ہم دونوں ان کی کفالت کریں۔حضرت عباس نے عرض کی:جی ہاں۔تو دونوں حضرات چل کر ابو طالب کے پاس تشریف لائے تو ان سے کہا:ہم چاہتے ہیں کہ جب تک لوگوں کی مصیبت(جس میں وہ مبتلا ہیں)دور ہو آپ سے آپ کی اولاد کا بوجھ کم کردیں۔تو ابو طالب ان سے بولے:اگر تم میرے لئے عقیل کو چھوڑ دو تو تم جو چاہو کرو۔تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے علی کو لے کر اپنے سینے سے لگایا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جعفر کو لیا اور چمٹالیا۔تو علی رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے سرکار کو نبی مبعوث فرمایا تو حضرت علی ان پر ایمان لائے اور ان کو سچا مانا اور جعفر عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ اسلام لاکر ان سے بے نیاز ہوگئے اھ۔

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ دار ابن کثیر بیروت الجزء اول والثانی ص ۲۴۶

قلت وتمام النعمة الکبری بتزویج البتول الزھراء صلوات الله علی ابیھا الکریم وعلیھا واما ما ذکر من ان ابابکر کان ینفق علی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فھذا اوضح و اظھر عند من له خبرۃ بالاحادیث والسیر۔ اخرج الامام احمد و البخاری عن ابن عباس عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال: انه لیس من الناس احد امن علی فی نفسه وماله من ابی بکر بن ابی قحافة ولو کنت متخذا من الناس خلیلا لا اتخذت ابابکر خلیلا ولکن خلة الاسلام افضل سدوا عنی کل خوخة فی ھذاالمسجد غیر خوخة ابی بکر [1] واخرج الترمذی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مالاحد عندنا ید الاوقد کافیناہ ماخلا ابابکر فان له عندنا یدا یکافیه الله بھا یوم القیٰمة وما نفعنی	**میں کہتا ہوں** اور نعمت کبری کی تکمیل بتول زہرا (فاطمہ) صلوات اللہ علی ابیہا الکریم وعلیہا سے شادی ہو کر ہوئی۔ اور یہ جو ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خرچ اٹھاتے تھے۔ تو یہ اس کے نزدیک جس کو احادیث و کتب سیرت سے واقفیت ہے بہت واضح اور خوب ظاہر ہے۔ امام احمد و بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: لوگوں میں سے کوئی شخص نہیں جس کا اپنے جان ومال میں مجھ پر زیادہ احسان ہو سوا ابوبکر بن قحافہ کے، اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلامی خلت اور محبت افضل ہے، اس مسجد میں ابوبکر کے دروازہ کے سوا سب دروازے بند کرو۔ اور ترمذی نے (اپنی سند سے) ابوہریرہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے حدیث ذکر کی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں (کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا) ہر شخص کے احسان کا بدلہ ہم نے اسے دے دیا سوائے ابوبکر کے کہ ان کا ہم پر وہ احسان ہے جس کا

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب الخوخة والممر فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۷، مسند احمد حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۷۰

مال احد قط مانفعنی مال ابی بکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا الا وان صاحبکم (ای محمدا صلی الله تعالٰی علیه وسلم) خلیل الله [1]	بدلہ انہیں اللہ تعالٰی قیامت کے دن دے گا، اور مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو فائدہ مجھے ابوبکر کے مال نے دیا، اور اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ضرور ابوبکر کو دوست بناتا، اور خبر دار تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اللہ تعالٰی کے دوست ہیں۔"
واخرج ایضا عن علی رضی الله تعالٰی عنه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم: رحم الله تعالٰی ابابکر زوجنی ابنته وحملنی الی دار الهجرة واعتق بلالا من ماله [2]۔	اور ترمذی نے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی حدیث ذکر کی انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی: "اللہ ابوبکر پر رحمت کرے مجھ سے اپنی بیٹی کا عقد کیا اور مجھے دارالہجرۃ (مدینہ) میں لائے اور اپنے مال سے بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو خرید کر آزاد کیا۔"
واخرج الامام احمد وابن ماجة عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم: مانفعنی مال قط مانفعنی مال ابی بکر، فبکی ابوبکر وقال هل اناومالی الالك یارسول الله [3]۔ واخرج الطبرانی عن ابن عباس	اور امام احمد وابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی مجھے کبھی کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے مجھے دیا، تو ابوبکر رودیئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں اور میرا مال آپ ہی کا تو ہے۔" اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/۲۰۷

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب علی رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/۲۱۳

[3] سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۵۳

رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مااحد اعظم عندی یدا من ابی بکر واسانی بنفسہ ومالہ وانکحنی ابنتہ[1]	عنہما سے انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یوں حدیث روایت کی"مجھ پر ابو بکر سے بڑھ کر کسی کا احسان نہیں،اس نے اپنی جان ومال سے میرا ساتھ دیا اور مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔"
واخرج ابویعلی من حدیث ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا مرفوعا مثل حدیث ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ قال ابن حجر قال ابن کثیر مروی ایضا من حدیث علی اوبن عباس وجابر بن عبداللہ و ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنھم واخرجہ الخطیب عن ابن المسیب مرسلا وزاد وکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقضی فی مال ابی بکر کما یقضی فی مال نفسہ۔واخرج ابن عساکر من طرق عن عائشۃ وعروۃ ان ابابکر اسلم یوم اسلم لہ اربعون الف دینار وفی لفظ اربعون الف درھم فانفقھا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]	اور ابو یعلی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث مرفوع حدیث ابن ماجہ براویت ابوہریرہ کے مثل (یعنی انہیں الفاظ سے) روایت کی۔ابن حجر نے فرمایا کہ ابن کثیر کا قول ہے کہ یہ حدیث علی وابن عباس وجابر بن عبداللہ وابو سعید خدری سے بھی مروی ہے اور خطیب نے اسے ابن المسیب سے مرسل روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا:"اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر کے مال سے اپنا قرض ادا فرماتے جس طرح اپنے مال سے ادا فرماتے۔اور ابن عساکر نے متعدد سندوں سے حضرات عائشہ وعروہ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر جس دن اسلام لائے ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے،اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار دینار تھے،اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار درہم تھے،توابوبکر نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اٹھادیا اھ۔
قلت ومروی ایضا من حدیث سیدنا انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ	**میں کہتا ہوں** یہ حدیث سیدنا انس بن مالک سے بھی مروی ہے جیسا کہ امام عدی نے

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۶۱ المکتبۃ الفیضیلۃ بیروت ۱۱/۱۹۱

[2] الصواعق المحرقۃ الباب الثانی الفصل الثانی، دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۱۲

كما اخرجه الامام ابن عدى فى الكامل انبأنا المولى الثقة الحجة مفتى الحنفية بمكة المحمية امام الفقهاء و المحديثن سيدى واستاذى مولانا عبد الرحمن بن عبد الله بن عبدالرحمن السراج عن جمال العلماء السلف الخير فى منصب الافتاء مولانا جمال بن عبدالله بن عمر المكى عن خاتمة الحفاظ والمحدثين مولانا محمد عابد بن الشيخ احمد على السندى ثم الزبيدى ثم المدنى عن المولى محمد صالح الفلانى العمرى عن الشيخ محمد بن السنة الفلانى الفاروقى عن مولاى السيد الشريف محمد بن عبد الله عن الفاضل المحدث سيدى على الاجهورى عن الامام شمس الدين الرملى عن شيخ الاسلام زين الدين زكريا الانصارى عن علامة الورى جبل الحفظ شهاب الدين ابى الفضل احمد حجر العسقلانى عن ابى على محمد بن احمد المهدوى عن يونس بن ابى اسحق عن ابى الحسن على بن المقير انا ابوالكريم الشهر زورى انا اسمعيل بن مسعدة الجرجانى انا ابو القاسم حمزة بن يوسف السهمى الجرجانى وابوعمر و عبد الرحمن بن محمد الفارسى انا ابو احمد عبدالله بن عدى الجرجانى

کامل میں اپنی سند سے روایت کیا ہے (سند حدیث مذکور) ہمیں خبر دی مولی ثقہ حجۃ مفتی حنفیہ بمکہ محمیہ پیشوائے فقہاء و محدثین سیدی واستاذی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبد الرحمٰن سراج نے انہوں نے جمال علماء سلف خیر فی منصب الافتاء (یعنی منصب افتاء میں مفتیوں کے لئے اچھے پیشرو) مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی سے روایت کی انہوں نے خاتمۃ الحفاظ والمحدثین مولانا محمد عابد بن شیخ احمد علی سندی ثم زبیدی ثم مدنی سے روایت کی انہوں نے مولی محمد صالح فلانی عمری سے انہوں نے شیخ محمد بن السنۃ فلانی فاروقی سے انہوں نے مولائی سید شریف محمد بن عبداللہ سے انہوں نے فاضل محدث سیدی علی اجہوری سے انہوں نے امام شمس الدین رملی سے انہوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے انہوں نے علامہ عالم کوہ حفظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی سے انہوں نے ابوعلی محمد بن احمد مہدوی سے انہوں نے یونس بن اسحاق سے انہوں نے ابوالحسن علی بن مقیر سے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابوکریم شہر زوری سے ہمیں خبر دی اسمٰعیل بن مسعدہ بن جرجانی نے ہمیں خبر دی ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی اور ابوعمر وعبدالرحمٰن بن محمد الفارسی نے ہمیں خبر دی اور ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی

نا الحسین بن عبدالغفار الازدی نا سعید ابن کثیر بن غفیر نا الفضل بن مختار عن ابان عن انس قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی بکر ما اطیب مالك منہ بلال موذنی وناقتی التی ھاجرت علیھا وزجنتی ابنتك و واسیتنی بنفسك ومالك کانی انظر الیك علی باب الجنۃ تشفع لامتی [1]۔ ھذا وقد استقصینا الکلام عی ھذین الفصلین الذین اشار الیھما النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی تلك الاحادیث اعنی مواساۃ الصدیق النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنفسہ ومالہ فصلین من الباب الثانی من کتابنا الکبیر فی التفضیل علی غایۃ التحقیق و التفصیل فارجع الیہ ان احببت ھذا تقریر ماذکر الفاضل الرازی وقد اوردہ الامام ابن حجر ایضا فی الصواعق	نے ہم سے حدیث بیان کی حسین بن عبدالغفار ازدی نے ہم سے حدیث بیان کی سعید بن کثیر بن غفیر نے ہم سے حدیث بیان کی فضل بن مختار نے ابان سے انہوں نے روایت کی انس سے انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا: تمہارا مال کتنا ستھرا ہے اسی سے میرا موذن بلال ہے اور میری اونٹنی ہے جس پر میں نے ہجرت کی اور تم نے اپنی دختر میرے نکاح میں دیا اور اپنی جان ومال سے میری مدد کی گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو میری امت کیلئے شفاعت کر رہے ہو۔ یہ تو ہوا اور ہم نے ان دونوں فصل پر (یعنی صدیق کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدد جان ومال سے کرنا) جن کی طرف نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ فرمایا۔ کامل گفتگو اپنی کتاب کبیر، جو باب تفضیل میں ہے کے باب دوم کی دو فصلوں میں نہایت تحقیق وتفصیل کے ساتھ کی ہے اس کا مطالعہ کرلو اگر چاہو، یہ کلام اس کلام کی تائید ہے جو فاضل رازی نے ذکر کیا، اور امام رازی کا یہ کلام امام ابن حجر میں صواعق محرقہ بھی لائے

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ ابان بن ابی عیاش دار الفکر بیروت ۱/۳۷۵، الکامل لابن عدی ترجمہ الفضل بن مختار بصری دار الفکر بیروت ۶/۲۰۴۱

وارتضاہ۔

قلت ولمنا قش ان یناقش فیہ باربعۃ وجوہ ینتظمھا وجھان الاول انا لانسلم ان ابابکر لم یکن علیہ احد نعمۃ تجزی فان من اعظم المنعمین علی الانسان والدیہ قال تعالٰی " اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَؕ "[1]۔ ومعلوم ان لاشکر الا بمقابلۃ النعمۃ ونعم الوالدین من النعم الدنیویۃ التی تجری فیھا المجاز اہ دون الدینیۃ التی قال اللہ تعالٰی فیھا " قُلْ مَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ "[2] " اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ "[3] علی انا نعتقد ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد تمت لہ خلافۃ اللہ العظمی ونیابتہ الکبری فیدہ الکریمۃ علیا و ایدی العلمین سفلی ۔جعل سبحنہ و تعالٰی خزائن رحمتہ ونعمہ وموائد جودہ وکرمہ طوع یدیہ ،و مفوضۃ الیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینفق

میں کہتا ہوں کسی کو مجال ہے کہ اس میں چار وجہ سے بحث کرے جن کو دو وجہیں گھیرے ہیں **پہلی وجہ** یہ کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ ابوبکر پر کسی کا ایسا احسان نہ تھا جس بدلہ دیا جائے اس لیئے کہ انسان پر بڑے محسنوں میں اس کے ماں باپ ہیں۔ اللہ تعالٰی کا راشاد ہے: حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ اور یہ معلوم ہے کہ شکر نعمت کے مقابل ہی ہوتا ہے اور والدین کے احسانات ان دینوی احسانات سے ہیں جن میں بدلہ دینا جاری ہے اور یہ دینی احسانات نہیں ہیں جن کی بابت اللہ کافرمان ہے (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو جہانوں کے پروردگار پر ہے، اس کے علاوہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالٰی کی خلافت عظمٰی اور نیابت کبری کامل ہو چکی تو ان کا دست کرم بالا اور سب جہانوں کے ہاتھ پست، اللہ تعالٰی نے اپنی رحمت اور کل نعمت کے خزانے اور اپنے فیض و کرم کے خوان ان کے ہاتھوں کے مطیع کر دیئے، اور یہ سب انہیں سونپ دیا جیسے چاہیں خرچ کریں،

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۲۵ / ۵۷و۳۸/ ۸۶

[3] القرن الکریم ۲۶ / ۱۰۹و ۱۲۷و۱۴۵و۱۶۴و۱۸۰

کیف یشاء وھو خزانة السر و موضع نفوذ الامر فلا تنال برکة الامنه ولا ینقل خیر الاعنه کما قال صلی اللہ تعالٰی عیه وسلم انما انا قاسم واللہ المعطی [1]۔ فھو الذی یقسم الخیرات والبرکات وسائر النعماء والآلاء فی لارض والسماء والملك والملکوت والاول والاخر والباطن والظاھر ایقنت بھا جما ھیر الفضلاء العظام ومشاھیر الاولیاء الکرام کما حققته فی رسالتی الملقبة بسلطنة المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ، وفیھا من المباحث الفائقة والمدارك الشائقة ماتقربه الاعین وتلذبه الاذان وتنشرح به الصدور والحمد للہ رب العلمین فاذن ماکان لابی بکر اور غیرہ من مال وبلوغ امال الابعطاء النبی صلی اللہ علیه وسلم، فلم تنحصر النعم النبویة علی صاحبھا الصلوة والتحیة فی النعم الدینیة التی لاتجزی فکما ان علیا لم یصلح ومورد اللایة فکذالك ابوبکر سواء بسواء۔ **اقول:** والجواب عن اما اولا فلانه	اور وہ راز الٰہی کا خزانہ اور اس کے حکم کی جائے نفاذ ہیں تو برکت انہیں سے ملتی ہے اور خیر انہیں سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں تو بانٹتا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔ تو وہی خیرات وبرکات اور ساری نعمتیں آسمان و زمین وملک وملکوت اول آخر باطن وظاہر میں بانٹتے ہیں اس پر فضلاء عظام اور مشہور اولیائے کرام کے جمہور کا یقین ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی میں تحقیق کی اس میں کچھ ایسے مباحث فاضلہ اور پسندیدہ دلائل ہیں کہ ان سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور کان لطف اندوز ہوتے ہیں اور سینے کھلتے ہیں، توجب یہ بات ہے (کہ ساری برکت ونعمت مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء کے سبب ہے) تو ابوبکر کو جو کچھ مال ومنال حاصل ہوا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عطا سے ہی حاصل ہو الہٰذا نبوی احسانات علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ ان دینی احسانات میں منحصر نہیں جن کا بدلہ نہیں دیا جاتا تو جس طرح علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) آیت کے مصداق نہ ٹھہرے اسی طرح ابوبکر بھی یکساں طور پر آیت کے مصداق نہیں۔ **میں کہتا ہوں** اس اعتراض کا جواب اول

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ خیر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶، صحیح البخاری کتاب الجھاد باب قول اللہ تعالٰی فان قدمه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۹، صحیح البخاری کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتزال طائفة من امتی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۸۷

ان صح ماذکر تم لتعطلت الایۃ راسا ولم یوجد لھا مصداق ابدا اذلیس فی الصحابۃ من لم یلدہ ابواہ او لم ینعم علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی دینہ ودنیاہ[1]۔	تو یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہو جو آپ نے ذکر کیا تو آیت سرے سے معطل ہو جائے گی اور کبھی اس کا کوئی مصداق نہ پایا جائے گا اس لئے کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے ماں باپ سے پیدا نہ ہو یا اس پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین ودنیا کا کوئی احسان نہ فرمایا ہو۔
واما ثانیًا وھو الحل فلان نعم الدنیا لیست کلھا مما تجزی اذا لمجازاۃ ھو المکافات وحاصل نعمۃ الوالدین ان اللہ سبحنہ وتعالٰی جعلھا سببا لایجادہ وخروجہ من ظلمۃ العدم الی نور التکون ، وبھما جعلہ بشرا حسینا بعد ان کان ماء مھینا وھذا مما لایمکن ان یجازی اذا لیس فی وسع احد ان یحیی ابویہ او یکونھما بعد ان لم یکونا ولذلك قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایجزی ولد والدہ الاان یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ اخرجہ مسلم وابوداؤد	**اور جواب دوم** اور وہی حل ہے یہ کہ دنیا کے سب احسان ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جاتا ہو اس لئے کہ احسان کا بدلہ یہ ہے کہ احسان کے مساوی اس کی جزا دے ، اور والدین کے احسان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی نے انہیں بچہ کی ایجاد اور عدم کی ظلمت سے نور ہستی میں آنے کا سبب بنایا ہے اور ان کے سبب سے اس کے بعد کہ وہ بے وقعت پانی تھا خوبصورت انسان بنایا ، اور یہ احسان کا بدلہ نہیں ہو سکتا یوں کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کردے ، یا عدم کے بعد انہیں موجود کردے ، اسی لئے نبی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بچہ اپنے ماں باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتا مگر یہ کہ اسے غلام پائے تو اسے خرید کر آزاد کردے۔" یہ حدیث مسلم وابوداؤد

[1] صحیح مسلم کتاب العتق باب فضل عتق الوالد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۵، سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی بر الوالدین آفتاب علم پریس لاہور ۲/ ۳۴۳

والترمذی[1] ونسائی وابن ماجة فاشار صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الی بعض المجازاة علی حسب مایدخل تحت الامکان فان الرق موت حکما اذبه تتعطل الاھلیة ویلتحق الانسان العاقل البالغ بالبھائم فالعتق کانه احیاء له و اخراج من ظلمة البھیمیة الی نور الانسانیة فعن ھذ عد اداء لبعض حقوقھما وکذالك النعم النبویة علی صاحبھا الصلوة والتحیة علی حسب ماقر رنا علیك لیست مما تجزی وتجری فیه ذاك بھذا الانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی ذلك المقام الرفیع والمنصب البدیع انما یتصرف علی خلافة الملك المقتدر تبارك و تعالٰی و نعم الملك لاتجزی فان الاحسان لایجازی الا بالاحسان کما نطق به القرآن العظیم ومایجازی به العبد لابد وان یکون ایضامن عطایاہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فکان مکافات عطائه بعطائه	وترمذی ونسائی وابن ماجہ نے اپنی سندوں سے روایت کی تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تھوڑے بدلہ کی طرف (جو موافق مقدور بشر ہو) اشارہ فرمایا اس لئے کہ غلامی موت کے حکم میں ہے اس وجہ سے کہ اس کے سبب آدمی کی اہلیت معطل ہوجاتی ہے اور عاقل بالغ انسان جانوروں سے مل جاتا ہے لہذا اسے آزاد کرنا گویا کہ اس کو زندہ کرنا اور بہیمیت کی تاریکی سے انسانیت کی روشنی میں لے آنا ہے، اسی لئے ماں باپ کو آزاد کرنا اس کے بعض حقوق کی ادائیگی میں شمار ہوا، اسی طرح نبوی احسانات علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ جیسا کہ ہم نے تمہارے لئے ثابت کیا ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جائے اور ان میں یہ مقولہ جاری ہو کہ یہ اس احسان کا بدلہ ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو اس مقام رفیع اور اس منصب بے نظیر میں بادشاہ قادر تبارک وتعالٰی کی خلافت پر فائز ہو کر متصرف ہیں اور بادشاہ کی نعمتوں کا بدلہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ بدلہ بغیر احسان کے نہیں ہوتا، جیسا کہ اس پر قرآن عظیم ناطق ہے، اور بندہ احسان کا جو بدلہ دے گا لامحالہ وہ بھی سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی عطا سے ہوگا تو سرکار کی عطا کی مکافات

[1] جامع الترمذی ابواب البر و الصلة باب ماجاء فی حق الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳، سنن ابن ماجة ابواب الادب باب بر الوالدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۸، مشکوۃ المصابیح کتاب العتق باب اعتاق العبد المشترك الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۹۴

وھو غیر معقول وعن ھذا نعتقد ان اداء شکر الله سبحنه وتعالٰی بعمنی فراغ الذمة منه محال عقلا اذا لشکر نعمة اخری فلیشکرھا حتی یخرج عن عھدته ویتسلسل الی مالایتناھی ، فثبت ان الدلیل لا غبار علیه من ھذا الوجه۔	سرکاری عطا سے ہوگی ، اور یہ معقول نہیں، یہیں سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی کا شکر بہ معنی براء ت ذمہ از شکر عقلا محال ہے اس لئے کہ شکر نعمت دیگر ہے تو بندہ اس دوسری نعمت کا شکر کرے کہ عہدہ برآ ہو اور یہ سلسلہ شکر کا نہایت کو نہ پہنچے تو ثابت ہوا کہ دلیل اس وجہ سے بے غبار ہے
الثانی : ان المقدمة القائلة ان الامه مجمعة علی ان افضل الخلق بعد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اما ابوبکر اوعلی رضی الله تعالٰی عنھما۔	**دوسری وجہ** : یہ ہے کہ یہ مقدمہ جس کا مضمون ی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد افضل یا ابوبکر ہیں یا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ اس پر اجماع امت ہے۔
مدخول فیھا اذھناك فرقتان اخریان تدعی احدھما تفضیل سیدنا الفاروق رضی الله تعالٰی عنه علی جمیع الامة ، ومستندھا مایروی عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ، انه قال ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر [1] وعنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لوکان بعدی نبی لکان عمر بن خطاب [2] وعنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان الله تعالٰی باھی باھل عرفة عامة وباھی لعمر خاصة [3]	اس پر اعتراض کو مجال ہے اس لئے کہ یہاں دو فرقے اور ہیں ، ان میں کا ایک دعوی کرتا ہے کہ سیدنا فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ساری امت سے افضل ہیں ، اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ " حضرت عمر سے بہتر کسی آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا۔ اور آپ سے مروی ہے ، کہ : اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے کہ "اللہ تعالٰی نے عرفات میں جمع ہونے والوں پر عام طور سے فخر فرمایا اور عمر سے خاص طور

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۷۳۹ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۷

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب مناقب عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲ /۲۰۹

[3] کنز العمال حدیث ۳۲۷۲۵ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۵، کنز العمال حدیث ۳۵۸۵۸ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۹۶

وان کان الاستدلال بها و بامثالها لایقوم علی ساق اما روایة اودرایة اومعا کاستمساك المفضلة بحدیث علی خیر البشر وحدیث الطیر و حدیث الاستخلاف فی غزوة تبوك وماضاهاها فمنها کذب مختلق ومنها منکر واہٍ ومنها ما یایفید ہم شیئا وکذلك مضت سنة الله فی کل مبتدع یحتج ولا حجة ویجنح حیث لامحجة۔	سے مباہات فرمائی۔ اگرچہ اس روایت سے اور اس کے مشابہ روایتوں سے دلیل پائے ثبات پر قائم نہیں ہوتی یا بلحاظ روایت یا بلحاظ درایت یا دونوں کے لحاظ سے، جیسے تفضیلیہ کا حدیث علی خیر البشر علی سب انسانوں سے افضل ہیں اور حدیث طیر اور غزوہ تبوک کے زمانہ میں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کا علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو اپنا خلیفہ مقرر رفمانے کی روایت سے تمسک کا حال ہے کہ ان میں کچھ تو نری تراشیدہ جھوٹ ہیں اور کچھ منکر واہی (راویان ثقہ کے مقابل روایان غیر ثقہ کی روایات ضعیف ہیں) اور کچھ انہیں بالکل فائدہ مند نہیں اور یونہی اللہ تعالٰی کی سنت ہر بدمذہب کے حق میں ہوئی کہ وہ استدلال کرے حالانکہ دلیل نہیں اور وہاں کا قصد کرے جہاں راستہ نہیں۔
والفرقه الاخری تدعی تفضیل سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی الله تعالٰی عنهما وکان ملحظهم وان لم یعط ففضهم قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیه اب عم الرجل صنو ابیه، وهو حدیث احسن اخرجه الترمذی [1] وغیرہ عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه ولاشك	اور دوسرا فرقہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما کو سب سے افضل کہتا ہے، گویا انکے مدنظر اگرچہ ان کی مراد نہیں دیتا اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالٰی عنہ کا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بابت قول ہے کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہے۔ اور یہ حدیث حسن ہے جسے ترمذی وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عم النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم العباس امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۷

انه رضی الله تعالٰی عنه شیخ المسلمین وسیدهم ومقدمهم وقائدهم وعز نفوسهم و تاج رؤسهم حتی الخلفاءالاربعة من هذا الوجه کما ان حضرة البتول الزهراء واخاها السید الکریم ابراهیم علی ابیهما وعلیهما الصلوة التسلیم افضل الامة مطلقا من جهة النسب واجزائیة وکرامة الجوهر والطینة۔	حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ شیخ المسلمین ہیں اور ان کے سردار ہیں اور ان کے صدر و قائد اور ان کی آبرو اور ان کے سروں کا تاج ہیں۔اس وجہ سے چاروں خلفاء پر بھی انہیں فضیلت ہے۔ جیسے حضرت فاطمہ زہر اور ان کے بھائی سید ابراہیم ان کے ولد اور ان پر صلوۃ وسلام ہو، روئے نسب و جزئیت و کرامت جوہر وطینت تمام امت سے افضل ہیں۔
وبالجمله فلا یتعین احد من الشقوق الاربعة الا بابطال الثلثة الباقیة جمیعا فکیف قلتم ان الایة لما لم تلتئم علی علی تعین ابوبکر مصداقها علی ان المسائل السمعیة لاتنال الامن قبل السمع۔	بالجملہ ان چار شقوں سے کوئی شق باقی تین وجوہ کو باطل کئے بغیر متعین نہیں ہوگی تو آپ نے کیونکر فرمایا کہ آیت کریمہ جب علی پر صادق نہ آئی تو ابوبکر اس کا مصداق متعین ہوئے علاوہ اس کے مسائل سمعیہ دلیل سمعی ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔
فالناظر المتفحص الامذهب له قبل ان ینظر فی دلیل فیظهر له سبیل فان کان تمام الدلیل موقوفا علی (التمذهب) بمذهب لزم الدور وهذا نظیر ما اجبنا به عن استدلال الائمة الشافعیة علی افتراض الترتیب فی الوضوء بدخول الفاء	تو صاحب نظر وجستجو کا کوئی مذہب اس سے پہلے نہیں ہوتا کہ وہ دلیل میں غور کرے تو کوئی راہ اس کو روشن ہوجائے تو اگر دلیل کا تام ہونا کسی مذہب سازی پر موقوف ہو تو دور لازم آئے گا اور یہ اس جواب کی نظیر ہے جو ہم نے ائمہ شافعیہ کی اس دلیل کے جواب میں کہا جو انہوں نے وضو میں فرضیت ترتیب پر آیت کریمہ میں وجوہ

علی الوجوہ وعدم القائل بالفصل کما ھو مذکور فی الخلافیات۔ **اقول :** والجواب عنھان مستندنا الاول الذی علیه المعول فی ھذ الباب اجماع الصحابة والتابعین لھم بالحسان رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین کما نقله الامام الشافعی ثم البیہقی ثم اخرون ودلت علیه احادیث عند البخاری وغیرہ کما فصلته فی الکتاب واقمت الدلیل الجلیل علی ان الاجماع تام کامل لم یثبت شذوذمنه ولاندور ، وان الخلاف الذی ذکرہ ابو عمر بن عبدالبر فلیس مما یعرج علیه او یلتفت الیه الا روایةوالادرایة وان سلمنافالسواد االعظم مبتوع و اتباع الشاذ ممنوع ، وھذا القدر یکفینا للتمذھب فانتفی الدور نعم حدیث الفرقتین قوی صحیح لیکن لا یخل بالمقصود فان عمر و عباسا رضی اللہ تعالٰی عنھما لم یکونا سلما حین نزول الایة کما یظھر بالرجوع الی التاریخ ، فلم یقصدا بالایة قطعا وبه بطل الشقان الباقیان واٰل الدلیل	پر دخول فاء اور قائل بالفصل کے معدوم ہونے سے قائم کی جیسا کہ خلافیات میں مذکور ہے۔ **میں کہتا ہوں** اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس بات میں ہماری اولین سند جس پر ہمارا اعتماد ہے جملہ صحابہ اور اچھے طریقے پر ان کے تمام پیروان کا تابعین کا اجماع ہے جیسا کہ امام شافعی پھر بیہقی پھر دیگر ائمہ نے اسے نقل کیا اور اس پر بخاری وغیرہ کی احادیث دلالت کرتی ہیں جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں مفصل بیان کیا ہے اور اس امر پر میں نے دلیل جمیل قائم کی کہ اجتماع تام کامل ہے اور اس سے کسی کا خلاف ثابت نہیں اور یہ کہ جو خلاف علامہ ابو عمر بن عبدالبر نے ذکر کیا نہ روایت کے لحاظ سے نہ درایت کے لحاظ سے وہ اس قابل ہے کہ نظر اس پر گزرے یا اس کی طرف مڑکے دیکھا جائے۔ اور اگر ہم مان لیں تو سواد اعظم ہی کی اتباع ہو گی اور شاذ و نادر کی اتباع ممنوع ہو گی اور اتنی بات ہمیں مذہب قرار دینے کو کافی ہے تو دور نہ رہا ، ہاں ان دو فرقوں کی (جو حضرت عمر وعباس کی فضیلت پاتے ہیں) حدیث قوی و صحیح ہے ، لیکن مقصود میں خلل انداز نہیں اس لئے کہ عمر و عباس آیت کے نزول کے وقت مسلمان نہ تھے ، جیسا کہ مطالعہ تاریخ سے ظاہر ہے ، تو یہ دونوں قطعی آیت کے مقصود ہی نہ ہوئے ، اور اسی وجہ سے باقی دو شقیں باطل ہو گئیں اور آخر کار دلیل

الی الاحصان والارصان والحمد للہ ولی الاحسان غایۃ الامر ان الفاضل المستدل لم یطلع ھذین القولین اولم یعتد بھما لتناھیھما فی السقوط و الشذوذ علی أنا بحمد اللہ بعد ما ثبت الاجماع علی ان الصدیق ھو المراد فی غنی عن ھذہ التجشمات کما لا یخفی اذا ثبت ھذا فنقول وصف اللہ سبحنہ وتعالٰی الصدیق بانہ اتقی و وصف الاتقی بانہ الکرم انتجت المقدمتان ان الصدیق اکرم عند اللہ تعالٰی و الافضل والاکرم والارفع درجۃ والاعلی مکانۃ کلھا الفاظ معتورۃ علی معنی واحد، فثبت الفضل المطلق الکلی للصدیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق، ھذا تقریر الدلیل بحیث یشفی العلیل ویروی الغلیل والحمد للمولی الجلیل واعلم ان ھذا الاحتجاج اطبقت علیہ کلمات العلماء سلفا وخلفا وارتضوہ وتلقوہ بالقبول تلیدا و طارفا ولا شك انہ لجدیر بذلك لکن المفضلۃ لھم کلام فیہ بثلثۃ وجوہ نذکرھا نردھا بحیث لایبقی ولا یذر بتوفیق اللہ العلی الاکبر۔

فنقول الشبھۃ الاولی ان من المفسرین من فسر الاتقی بالتقی

مضبوط و مستحکم رہی، اس معاملہ کی نہایت کار یہ کہ فاضل مستدل کو تو ان دونوں مذہبوں کا علم نہ ہوا یا اس وجہ سے کہ سقوط و ندرت میں حد کو پہنچے ہونے کی وجہ سے انہیں شمار ہی نہیں فرمایا، مزید برآں بحمد اللہ اس پر اجماع کہ صدیق ہی مراد آیت ہیں کہ ثابت ہونے کے بعد ہم ان تکلفات سے بے نیاز ہیں، جیسا کہ ظاہر جب یہ بات ثابت ہوچکی تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالٰی نے صدیق کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اتقی ہیں اور اتقی کا وصف بتایا کہ وہ اکرم ہے ان دو مقدموں نے نتیجہ دیا کہ صدیق اللہ تعالٰی کے نزدیک اکرم (سب سے افضل) ہیں اور افضل اکرم اور ارفع درجۃ اور اعلی منزلۃ یہ سب الفاظ ایک ہی معنی پر صادق آتے ہیں، لہذا فضل مطلق کلی صدیق کیلئے ثابت ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے اور تم جان لو کہ اس استدلال پر جملہ علماء سلف وخلف کا اتفاق ہے اور سب نے اسے پسند کیا اور قبول کے ہاتھوں لیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ اس کے قابل ہے، لیکن تفضیلیہ کو اس میں تین وجوہ سے کلام ہے ہم ان وجہوں کو خدائے بزرگ و برتر کی توفیق کے سہارے ذکر کرتے ہیں اور ان کا ایسا رد کرتے جو کوئی شبہ باقی نہ چھوڑے اور کوئی شک نہ رہے۔

ہم کہتے ہیں کہ پہلا شبہہ یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اتقی کی تفسیر تقی (صفت

کمافی المعالم والبیضاوی وغیرھما من التفاسیر فسقط الاحتجاج عن اصلہ اقول ولا علینا ان نمھد اولا مقدمات تعینك ان شاء اللہ تعالٰی فی الجواب عن ھذا الاتیاب ثم نرفع الحجاب عن وجہ الصواب بتوفیق العلیم الوھاب فاستمع لما یلقی علیہ۔

مشبہ جس میں فضیلت دوسرے پر ملحوظ نہیں کہ صرف تقوی سے اتصاف ہے) سے کی جیسا کہ معالم وبیضاوی وغیرہما تفاسیر میں ہے تو استدلال جس کی بنیاد اتقی کے اسم تفضیل ہونے پر تھی) جڑ سے اکھڑ اپڑا، میں کہتا ہوں ہمارا کوئی حرج نہیں اس میں کہ ہم پہلے کچھ ایسے مقدمات کی تمہید اٹھائیں جو جواب میں ان شاء اللہ تعالٰی تمہاری مدد کریں پھر ہم خدائے دانا وبخشندہ کی توفیق کے سہارے چہرہ صواب سے حجاب اٹھائیں تو سنو جو تم سے کہا جائے۔

المقدمۃ الاولی ماتظافرت لادلۃ من العقل والنقل وناھیك بھما امامین علی ان الالفاظ لاتصرف عن ظواھرھا مالم تمس حاجۃ شدیدۃ لاتندفع الابہ والا لم یکن ھذا تاویلا بل تغییرا وتبدیلا ولو فتح باب التصرفات من دون ضرورۃ تلجئ لارتفع الامان عن النصوص کما لایخفی وھذ بغایۃ ظھورہ اغنانا عن تجشم اقامۃ الدلیل علیہ حتی ان بعض العلماء ادرجوہ فی متون العقائد وانہ لَحَقِیق بہ فان قصاری ھم المبتدعین عن اخرھم انما ھو صرف النصوص عن الظواھر وارتکاب تاویلات

پہلا مقدمہ عقل ونقل کی بکثرت دلیلیں (اور یہ دونوں امام تمہیں کافی ہیں) اس پر متفق ہیں کہ الفاظ کو اپنے ظاہر معنی سے پھیرنا منع ہے جب تک کہ سخت حاجت نہ ہو جو لفظ کو ظاہر معنی سے پھیرے بغیر دفع نہ ہو ورنہ یہ بے ضرورت پھیرنا تاویل نہ ہوگا بلکہ تغیر وتبدیل ٹھہرے گا اور اگر بے ضرورت پھیرنے کا دروازہ کھل جائے تو نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور یہ مسئلہ چونکہ نہایت ظاہر ہے اس لئے اس نے ہمیں دلیل قائم کرنے کی زحمت سے بے نیاز کردیا۔ بعض علماء نے اس عقائد کے متون میں رکھا، اور یہ مسئلہ اس کا سزاوار ہے اس لئے کہ سب بدمذہبوں کی ساری کوشش یہی ہے، کہ عبارات شرعیہ ان کے ظاہری معنی سے پھیردیں اور فاسد

فاسدة واحتمالات کاسدة واعذار باردة فوجب علینا حسم مادتها بایجاب حمل النصوص علی مایعطیه ظاهرها الابضرورة ابدا وهذا ظاهر جدًّا۔

المقدمة الثانیة: لیس کل مایذکر فی اکثر التفاسیر المتداولة واجب القبول وان لم یسا عده معقول ویؤیده منقول، والوجه فی ذلك ان التفسیر المرفوع وهو الذی لامحیص عن قبوله ابدا نذر یسیر جدا لایبلغ المجموع منه جزء او جزئین۔

قال الامام الجوینی علم التفسیر عسیر یسیر اما عسره فظاهر من وجوه اظهرها انه کلام متکلم لم یصل الناس الی مراده بالسماع منه، ولا امکان للصول الیه بخلاف الامثال والاشعار ونحوها فان الانسان یمکن علمه منه اذا تکلم بان یسمع منه او ممن سمع منه، واما القرآن فتفسیره علی وجه القطع لایعلم الابان یسمع من الرسول صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وذلك متعذر الافی

تاویلوں اور کھوتے احتمالوں اور نہ چلنے والے بہانوں کے مرتکب ہوں تو ہم پر واجب ہے کہ نصوص شرعیہ کو مقام ضرورت کے سوا ہمیشہ ان کے ظاہری معنی پر رکھنا واجب بتا کر ان تاویلات کا مادہ کاٹ دیں، اور یہ بات خوب ظاہر ہے۔

دوسرا مقدمہ: بہت سی متداول تفسیروں میں جو مذکور ہوتا ہے وہ سب ایسا نہیں جس کا قبول کرنا ضروری ہو اگرچہ نہ کوئی دلیل عقلی اس کی معین ہو نہ کوئی دلیل شرعی اس کی موید ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر مرفوع (جو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمائی) وہ بہت تھوڑی ہے جس کا مجموعہ دو جز بلکہ ایک جز کو بھی نہیں پہنچتا۔

امام جوینی کا قول ہے علم تفسیر مشکل اور کم ہے، اس کا مشکل ہونا تو کئی وجوہ سے ظاہر ہے، ان میں روشن تر وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے متکلم (عزجلالہ) کا کلام ہے جس کی مراد کو لوگ اس سے سن کر نہ پہنچے اور نہ اس کی طرف رسائی کا امکان ہے بخلاف امثال واشعار اور ان جیسی اور باتوں کے کہ انسان کو بولنے والے کی مراد معلوم ہو سکتی ہے جب وہ بولے بایں طور کہ وہ اس سے خود سنے یا اس سے سنے جس نے اس سے سنا ہو۔ رہی قرآن کی قطعی طور پر تفسیر تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنے بغیر معلوم نہ ہوگی اور وہ (جو سرکار

ایات متعددۃ قلائل. فالعلم بالمراد یستنبط بامارات ودلائل. والحکمۃ فیہ ان اللہ تعالٰی اراد ان یتفکر عبادہ فی کتاب. فلم یامر نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم بالتنصیص علی المراد فی جمیع آیاتہ [1] اھ وقال الامام الزرکشی فی البرھان للناظر فی القرآن لطلب التفسیر ماخذ کثیرۃ امھاتھا اربعۃ الاول النقل عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھذا ھوالطراز الاول لیکن یجب الحذر من الضعیف فیہ والموضوع فانہ کثیر [2] الخ۔ قال الامام السیوطی الذی صح من ذلك قلیل جدا بل اصل الوضوع منہ فی غایۃ القلۃ، وکذلك الماثور عن الصحابۃ الکرام و التابعین لھم باحسان قلائل لھذہ الطوامیر الکبروالا قاویل الذاھبۃ شذر مذر فیھا لاخبر ولا اثر و انما حدثت بعدھم لما کثرت الاراء و تجاذبت الاھواء قام کل لغوی و نحوی وبیانی وکل من لہ	علیہ الصلوۃ والسلام سے سنا گیا) چند گنتی کی آیتوں کے ماسوا میں تعذر ہے تو مرادِ الٰہی کا علم امارات ودلائل سے مستخرج ہوتا ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے چاہا کہ اس کے بندے اس کی کتاب میں غور وفکر کریں لہٰذا اپنے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو اپنی تمام آیات کی مراد واضح طور پر بتانے کا حکم نہ دیا اھ۔ اور امام زرکشی نے برہان میں فرمایا جو شخص قرآن میں تفسیر کے حصول کیلئے نظر کرتا ہے اس کے لئے بہت سے مراجع ہیں جن کے اصول چار ہیں، اول وہ تفسیر جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہو اور یہی پہلا نمایاں طریقہ ہے، لیکن اس میں ضعیف وموضوع سے احتراز واجب ہے اس لئے کہ وہ (ضعیف وموضوع) زیادہ ہے الخ۔ امام سیوطی نے فرمایا جو ان کی طرف سے صحیح ہے وہ بہت کم ہے بلکہ اس میں اصل موضوع قلّت ہی ہے۔ اور اسی طرح وہ تفسیر جو صحابہ کرام اور ان کے تابعین نیکوکار سے منقول ہے وہ ان بڑے طوماروں اور ان اقوال کے مقابل کم ہیں جو مختلف راہوں میں چلے گئے اور ان کے لئے کوئی حدیث یا صحابی و تابعی کا قول نہیں، یہ اقوال تو صحابہ وتابعین کے بعد ظاہر ہوئے۔ جب خیالات بسیار ہوئے اور مذاہب میں

[1] الاتقان بحوالہ الجوینی فصل الحاجۃ الی التفسیر دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

[2] البرہان فی علوم القرآن فصل فی امہات ماخذ التفسیر للناظر فی القرآن دار الفکر بیروت ۲/ ۱۵۶

ممارسة بشیئ من انواع علوم القرآن یفسر الکلام العزیز بما سمح به فکرہ وادی الیه نظرہ ثم جاء الناس مهر عین وبجمع الاقوال مولعین فنقلوا ما وجدوا وقلیلا ماانقدوافعن هذا جاءت کثرۃ الاقاویل ختلاط الصواب بالا باطیل۔	کشاکش ہوئی تو ہر لغوی ہر نحوی اور ہر عالم بلاغت اور ہر وہ شخص جسے علوم قرآن کی قسموں سے کسی قسم کے علم کی ممارست تھی اس کلام سے کلام عزیز کی تفسیر کرنے لگا جو اس کی سمجھ تک تھا اور جس کی طرف اس کی نظر پہنچی۔ پھر لوگ رواں دواں اقوال کو جمع کرنے کے سائق ہوئے تو جوانہوں نے پایا اسے نقل کردیا اور تحقیق کم کی تو اسی سے اقوال کی کثرت اور حق کی ناحق سے آمیزش آئی۔
وذکر ابن تیمیة کما نقله الامام السیوطی قائلا انه نفیس جدا لذلك وجهین،**احدهما** قوم اعتقدوا معانی،ثم ارادو ا حمل الفاظ القرآن علیها۔**والثانی** قوم فسروا القرآن بمجرد مایسوغ ان یریدہ من کان من الناطقین بلغة العرب من غیر نظر الی المتکلم بالقرآن والمنزل علیه المخاطب به،فالا ولون راعوا المعنی الذی رأوہ من غیر نظر الی ما یستحقه الفاظ القرآن من الدلالة والبیان۔و الاخرون راعوامجرد اللفظ و مایجوز ان یرید به العربی من غیر نظم الی مایصلح للمتکلم وسیاق الکلام۔	اور ابن تمییہ نے جیسا کہ امام سیوطی نے اس کا کلام یہ کہہ کر نقل کیا کہ وہ بہت نفیس ہے اس کی دو وجہیں ذکر کیں: **پہلی** وجہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ معانی کو عقیدہ ٹھہرالیا، پھر انہوں نے قرآن کے الفاظ کو ان پر رکھنا چاہا۔اور **دوسری** وجہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر محض ان الفاظ سے کی جو کسی عربی زبان بولنے والے کی مراد ہوسکتے ہیں انہوں نے قرآن کے متکلم (باری تعالی) اور جس پر اترا اور جو اس کا مخاطب ہے کی طرف نظر نہ کی تو پہلی جماعت نے تو اس معنی کی رعایت کی جو ان کا عقیدہ تھا،انہوں نے قرآن کے الفاظ کے دلالت اور بیان جس کے وہ الفاظ سز اوار ہیں کہ نظر انداز کردیا۔اور دوسروں نے صرف لفظ او جو عربی کی مراد ہوسکتا ہے اس کا لحاظ کیا قطع نظر اس سے کہ متکلم کے شایان کیا ہے اور سیاق کلام کیا ہے۔

ثم هؤلاء كثيرا ما يغلطون فى احتمال اللفظ لذلك المعنى فى اللغة كما يغلط فى ذلك الذين قبلهم كما ان لاولين كثيرا ما يغلطون فى صحة المعنى الذى فسروا به القرآن كما يغلط فى ذلك الاخرون وان كان نظر الاولين الى المعنى اسبق ونظر الاخرين الى اللفظ اسبق، والاولون صنفان تارة يسلبون لفظ القرآن مادل عليه واريد به وتارة يحملونه على ما لم يدل عليه ولم يرد به، وفى كلا الامرين قد يكون ماقصدوا نفيه او اثباته من المعنى باطلا فيكون خطاهم فى الدليل والمدلول وقد يكون حقا فيكون خطاهم فيه فى الدليل لا فى المدلول (الى ان قال) وفى الجملة من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعين وتفسيرهم الى ما يخالف ذلك كان مخطئا فى ذلك بل مبتدعا لانهم كانوا اعلم بتفسيره ومعانيه كما انهم اعلم بالحق الذى بعث الله به رسوله [1] اھ ملخصًا۔	پھر یہ لوگ بسا اوقات لغت کے اعتبار سے لفظ کے اس معنی کو (جو انہوں نے مراد لئے) محتمل ہونے میں خطا کرتے ہیں جیسا کہ ان کے پہلے والے بھی یہی غلطی کرتے ہیں جس طرح یہ اگلے اسی معنی کی صحت میں غلطی کرتے ہیں جس سے انہوں نے قرآن کی تفسیر کی جیسا کہ دوسرے لوگ یہی خطا کرتے ہیں اگرچہ پہلے والوں کی نظر معنی کی طرف پہلے پہنچتی ہے اور دوسروں کی نظر لفظ کی طرف سبقت کرتی ہے اور پہلی جماعت دوصنف ہے کبھی تو لفظ قرآن سے اس کا مدلول ومراد چھین لیتے ہیں اور کبھی لفظ کو اس پر رکھتے ہیں جو اس کا معنی و مطلب نہیں اور دونوں باتوں میں کبھی وہ معنی جس کی نفی اثبات ان کا مقصود ہوتی ہے باطل ہوتا تو ان کی خطا لفظ و معنی دونوں میں ہوتی ہے اور کبھی حق ہوتا ہے تو ان کی خطا لفظ میں ہوتی ہے نہ کہ معنی میں۔ (ابن تمیہ نے یہاں تک کہا) مختصر یہ کہ جو صحابہ وتابعین اور ان کی تفسیر سے پھر کر ان کا خلاف اختیار کرے گا وہ اس میں بر سر خطا ہوگا بلکہ بد مذہب ہوگا اس لئے کہ صحابہ وتابعین کو قرآن کی تفسیر اس کے مطالب کا علم سب سے زیادہ تھا، جس طرح انہیں اس حق کی جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا خبر سب سے زیادہ تھی اھ ملخصًا۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۱ و ۴۴۲

ولذا قال الامام ابو طالب طبری فی اوائل تفسیرہ فی القول فی آداب المفسر ،ویجب ان یکون اعتمادہ علی النقل عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعن اصحابھم ومن عاصرھم ویتجنب المحدثات[1] الخ۔ قال ابن تمیة ایضاً کان النزاع بین الصحابة فی تفسیر القرآن قلیلا جدا وھو (و) عـــہ ان کان بین التابعین اکثر منہ بین الصحابة فھو قلیل بالنسبة الی مابعدھم[2] الخ۔وقال السیوطی بعد ما ذکر تفاسیر القدماء"ثم الف فی التفسیر خلایق فاختصروا الاسانید ونقلوا الاقوال بترًا فدخل من ھنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل،ثم صارکل من یسنح لہ قول یوردہ،ومن یخطر ببالہ شیئ یعتمدہ،ثم ینقل ذلك عنہ من یجیئ بعدہ ظانا ان لہ اصلا غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح ومن یرجع الیھم فی التفسیر حتی رایت	اور اسی لئے امام ابوطالب طبری نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں آداب مفسر کے بیان میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ مفسر کا اعتماد اس پر ہو جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین سے منقول ہے اور نئی باتوں سے بچے۔ نیز ابن تمیہ کا قول ہے صحابہ کے درمیان قرآن کی تفسیر میں بہت کم اختلاف تھا اور تابعین میں اگرچہ اختلاف صحابہ سے زیادہ ہوا مگر ان کے بعد والوں کی بہ نسبت تھوڑا تھا،اور سیوطی علیہ الرحمہ نے قدماء کی تفسیروں کا ذکر فرمایا کہ فرمایا: پھر تفسیر میں بہت لوگوں نے کتابیں تصنیف کیں تو انہوں نے سندوں کو مختصر کردیا اور ناتمام اقوال نقل کئے تو اس وجہ سے دخیل گھسا اور صحیح وغیر صحیح مخلوط ہوگئے پھر ہر شخص جس کے دل میں کوئی بات آئی اس کو ذکر کرنے لگا۔اور جس کے فکر میں جو خطرہ گزرا وہ اس پر اعتماد کرنے لگا۔ پھر اس کے بعد جو آتا رہا وہ اس کے یہ خیالات نقل کرتا رہا اور اس گمان میں کہ اس کی کوئی اصل ہے، سلف صالحین اور ان لوگوں سے جو تفسیر میں مرجع ہیں اور جو وارد ہوا اس کی تحقیق کی طرف توجہ نہ کی یہاں تک کہ میں نے

عـــہ:سقطت ھذہ الواؤ من قلم الناسخ وزدناھا فی القوسین بعد ما رأینا الاتقان فوجدناھا فیہ۔الازھری غفرلہ

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۳۵

[2] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابن تمییہ النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۳۷

من حکی فی تفسیر قوله تعالٰی غیر المغضوب علیهم و لاالضالین"نحو عشرة اقوال،وتفسیر ها بالیهود و النصارٰی هو الوارد عن النبی صلی الله تعالٰی علیه و سلم وجمیع الصحابة والتابعین و اتباعهم حتی قال ابن ابی حاتم الااعلم فی ذلك اختلافا بین المفسرین[1] (الی ان قال)فان قلت فای التفاسیر ترشد الیه وتامر الناظر ان یعول علیه۔

قلت تفسیر الامام ابی جعفر بن جریر الطبری الذی اجمع العلماء المعتبرون علی ان له یؤلف فی التفسیر مثله[2] الخ۔وفی المقاصد البرهان والاتقان غیرها عن الامام اجل احمد بن حنبل رضی الله تالی عنه قال ثلثه لیس لها اصل المغازی والملاحم والتفسیر[3] اھ

قلت وهذا ان لم یکن جاریا علی اطلاقة لما(عہ) یشهد به الواقع الا انه

ایسے شخص کو دیکھا جس نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی تفسیر میں تقریبًا دس قول نقل کئے حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے یہی منقول ہے کہ اس سے یہود ونصاری مراد ہیں یہاں تک کہ ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ مجھے مفسرین کے درمیان اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں (یہاں تک انہوں نے کہا) اب اگر تم کہو تو کون سی تفسیر کی طرف آپ رہنمائی فرتے ہیں اور ناظر کو کس پر اعتماد کا حکم دیتے ہیں۔

میں کہوں گا تفسیر امام ابو جعفر بن جریر طبری کی تفسیر معتمد علماء نے جس کے لئے بالاتفاق فرمایا کہ تفسیر میں اس کی جیسی کوئی تالیف نہیں ہوئی الخ۔اور مقاصد،برہان اور اتقان وغیرہ میں امام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: تین کتابوں کی کوئی اصل نہیں،کتب سیر و غزوات وتفسر اھ۔**میں کہتا ہوں** اگر چہ یہ بات اپنے اطلاق پر جاری نہیں جیسا کہ کہ واقعہ اس کا گواہ ہے مگر یہ بات

عہ:لعله کما۔الازهری غفرله

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۴و۴۷۵

[2] الاتقان فی علوم القرآن النور الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۶

[3] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۴۰

لم یقله مالم یر الخلط غالبا علیها کمالا یخفی وھذا فی زمانه فیکف بما بعدہ وفی مجمع بحار الانوار عن رسالة ابن تیمیة "وفی التفسیر من ھذہ الموضوعات کثیرہ کما یرویه الثعلبی والواحدی والزمخشری فی فضل السور والثعلبی فی نفسه کان ذاخیر ودین لکن کان حاطب لیل ینقل ماوجد فی کتب التفسیر من صحیح وضعیف وموضوع والواحدی صاحبه کان ابصر منه بالعربیة لکن ھو ابعد عن اتباع السلف، والبغوی تفسیرہ مختصر من الثعلبی لکن صان تفسیرہ عن الموضوع والبدع [1] اھ، وفیه عن جامع البیان لمعین بن صیفی قد یذکر محی السنة البغوی فی تفسیرہ من المعانی والحایات ما اتفقت کلمة المتاخرین علی ضعفه بل علی وضعه [2] اھ وفیه عن الامام احمد رحمة اللّٰه تعالٰی انه قال فی تفسیر الکلبی

یقینی ہے کہ امام احمد نے یہ بات نہ کہی جب تک ان کتابوں میں صحیح وسقیم کے خلط کا غلبہ نہ دیکھ لیا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ تو ان کے زمانہ میں تھا تو ان کے بعد کیسی حالت ہوئی ہوگی۔اور مجمع بحار الانوار میں رسالہ ابن تیمیہ سے منقول ہے اور تفسیر میں ان موضوعات سے بہت ہے جیسے وہ حدیثیں جو ثعلبی اور واحدی اور زمخشری سورتوں کی فضیلت میں روایت کرتے ہیں اور ثعلبی اپنی صفات میں صاحب خیر و دیانت تھے، لیکن رات کے لکڑہارے کی طرح تھے کہ تفسیر کی کتابوں میں صحیح، ضعیف، موضوع جو کچھ پاتے نقل کردیتے تھے، اور ان کے ساتھی واحدی کو عربیت میں ان سے زیادہ بصیرت تھی لیکن وہ سلف کی پیروی سے بہت دور تھا، اور بغوی کی تفسیر ثعلبی کی تلخیص ہے، لیکن انہون نے اپنی تفسیر کو موضاعات اور بدعتوں سے بچایاہے اور اسی میں جامع البیان مصنفہ معین بن صیفی سے ہے" کبھی محی السنۃ بغوی اپنی تفسیر میں وہ مطالب و حکایات ذکر کرتے ہیں جسے متاخرین نے یک زبان ضعیف بلکہ موضوع کہا ہے، اور اسی میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا: تفسیر کلبی میں شروع ہے

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبھم مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۵ /۲۳۱

[2] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبھم مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۵ /۲۳۱

من اولہ الی اخرہ کذب لایحل المنظر فیھا[1] اھ
وقد عد الخلیل فی الارشاد اجزاء قائل من التفسر صحت اسانیدھا وغالبھا بل کلھا لا توجد الان اللھم الانقول عنھا فی اسفار المتاخرین"قال وھذہ التفاسیر الطوال التی اسندوھا الی ابن عباس غیر مرضیۃ وروا تھا مجاھیل کتفسیر جو یبر عن الضحاك عن ابن عباس[2] الخ۔وقال فاما ابن جریج فانہ لم یقصد الصحۃ وانما روی ماذکر فی کل ایۃ من الصحیح والسقیم،وتفسیر مقاتل بن سلیمان فمقاتل فی نفسہ ضعفوہ وقد ادرك الکبار من التابعین و الشافعی اشار الی ان تفسیرہ صالح[3]۔
قال المولی السیوطی قدس اللہ سرہ واوھی طرقہ(یعنی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما)طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس فان انضم الی ذلك روایۃ محمد بن مروان السدی

آخر تک جھوٹ ہے اس کا مطالعہ حلال نہیں اھ۔
اور بے شک خلیلی نے ارشاد میں تھوڑے تفسیر کے جزا یسے شمار کئے جن کی سندیں صحیح ہیں اور ان کا اکثر بلکہ چند نقول ان کی متاخرین کی کتابوں مین ہیں،ابن تمیمیہ نے کہا اور یہ لمبی تفسیریں جن کی نسبت لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کی ہے ناپسندیدہ ہیں اور اس کے راوی مجہول ہیں جیسے تفسیر جو یبر بروایت ضحاک عن ابن عباس الخ۔اور کہا رہے ابن جریج تو انہوں نے صحیح روایتوں کا قصد نہ کیا انہوں نے ہر آیت کی تفسیر میں جو کچھ صحیح وسقیم مذکور ہوا روایت کردیا۔اور مقاتل بن سلیمان کا علماء نے فی نفسہ ضعیف بتایا حالانکہ انہوں نے اکابر تابعین سے اور امام شافعی سے ملاقات کی یہ اشارہ ہے کہ ان کی تفسیر لائق قبول ہے اھ۔امام سیوطی قدس سرہ نے فرمایا اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سب سے کمزور سند کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس سے پھر اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان سدی صغیر کی روایت مل جائے

---

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبھم مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۵ /۲۳۰
[2] الاتقان فی علم القرآن بحوالہ الخلیلی النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۰
[3] الاتقان فی علم القرآن بحوالہ الخلیلی النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۷۱

الصغیر فهی سلسلة الکذب وکثیر ا مایخرج منها الثعلبی والواحدی،ولکن قال ابن عدی فی الکامل للکلبی احادیث صالحة وخاصة عن ابی صالح وهو معروف بالتفسیر ولیس لاحد نفسیر اطول منه و لا اشبع،وبعده مقاتل بن سلیمان الا ان الکلبی یفضل علیه لما فی مقاتل من المذاهب الردیئة و طریق الضحاك بن مزاحم عن ابن عباس منقطعة فان الضحاك لم یلقه فان انضم الی ذلك روایة بشربن عمارة عن ابی روق عنه فضعیفة لضعف بشر،وقد اخرج من هذه النسخة کثیرا ابن جریر وابن ابی حاتم،وان کان من روایة جویبر عن الضحاك فاشد ضعفا لان جویبرا شدید الضعف متروك[1] الخ۔قال ورایت عن فضائل الامام الشافعی لابی عبد الله محمد بن احمد بن شاکر القطان انه اخرج بسنده من طریق بن عبد الحکم قال سمعت الشافعی یقول لم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر الاشبیه

تو یہ جھوٹ کا سلسلہ ہے،او راایسا بہت ہوتا ہے کہ ثعالبی اور واحدی اس سلسلہ سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن ابن عدی نے کامل میں فرمایا کلبی کی احادیث قابل قبول ہیں اور خصوصًا ابو صالح کی روایت سے اور وہ تفسیر کے سبب معروف ہیں اور کسی کی تفسیر ان سے زیادہ طویل اور بھر پور نہیں،اور ان کے بعد مقاتل بن سلیمان ہیں،مگر کلبی کو ان پر اس لئے فضیلت ہے کہ مقاتل کے یہاں ردی خیالات ہیں،اور سند ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطع ہے اس لئے کہ ضحاک نے ابن عباس سے ملاقات نہ کی،پھر اگر اس کے ساتھ روایت بشر بن عمارہ عن ابی روق مل جائے تو بوجہ ضعف بشر ضعیف ہے،اس نسخہ سے بہت حدیثیں ابن جریر اور ابن حاتم نے تخریج کیں اور اگر جویبر کی کوئی روایت ضحاک سے ہو تو سخت ضعیف ہے اس لئے کہ جویبر شدید الضعف متروک ہے،انہوں نے کہا اور میں نے فضائل امام شافعی مصنفہ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن شاکر قطان میں دیکھا کہ انہوں نے اپنی سند بطریق ابن عبدالحکم روایت کیا کہ ابن عبدالحکم نے فرمایا میں نے امام شافعی کو فرماتے سنا کہ ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تفسیر میں تقریبا سو حدیثیں

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۱ و ۴۷۲

بمائۃ حدیث[1] **قلت** وھذہ معالم التنزیل للامام البغوی مع سلامۃ حالھا بالنسبۃ الی کثیر من التفاسیر المتداولۃ و دنوھا الی المشرع الحدیثی یحتوی علی قناطیر مقنطر ۃ من الضعاف والشواذ والواھیات المنکرۃ و کثیرا ماتدور اسانیدھا علی ھولاء المذکورین بالضعف والجرح کالثعلبی والواحدی والکلبی والسدی و مقاتل وغیرھم ممن قصصنا علیك اولم نقصص فما ظنك بالذین لااعتناءلھم بعلم الحدیث ولا اقتدار علی نقد الطیب من الخبیث کالقاضی البیضاوی وغیرہ ممن یحذو حذوہ.فلا تسئل عما عندھم من اباطیل لازمام لھا ولاخطام دع عنك ھذا یالیتھم اقتصروا علی ذلك لکن بعضھم تعدوا ماھنا لك وسلکوا مسالك تجر الی مھالك فادلجوا فی تفسیر القرآن ماتقف لہ الشعر وتنکرہ القلوب وتمجہ الاذن اذقرر واقصص الانبیاء الکرام والملئکۃ العظام علیھم الصلوۃ والسلام	ثابت ہیں۔ **میں کہوں گا** اور یہ معالم التنزیل ہے جو امام بغوی کی تصنیف ہے، باوصف یہ کہ بہت سی رائج تفسیروں کے مقابل غلطیوں سے محفوظ ہے اور طرفہ حدیث سے قریب ہے بہت ضعیف و شاذاور واہی منکر روایتوں پر مشتمل ہے اور ایسا بہت ہوتا ہے اس کی روایت کی سندیں ان پر دورہ کرتی ہیں جن کا نام ضعف وجرح کے ساتھ لیا جاتا ہے جیسے ثعلبی، واحدی، کلبی، سدی اور مقاتل وغیرہم جن کا ہم نے تم سے بیان کیا اور جن کا بیان نہ کیا تو تمہارا گمان انکے ساتھ کیسا ہے جنہیں علم حدیث کا اہتمام نہیں اور ستھرے کو میلے سے الگ کرنے کی قدرت نہیں جیسے قاضی بیضاوی اور ان کے علاوہ جو بیضاوی کے طریقہ پر چلتے ہیں، توان کے پاس ان باطل اقوال کا حال نہ پوچھو جن کے لئے نہ لگام ہے نہ بندش کی رسی، اس خیال کو اپنے سے دور رہنے دو، کاش یہ لوگ اسی پر بس کرتے، مگر ان میں سے کچھ لوگ اس سے آگے بڑھے اور ایسے رستے چلے جو ہلاکتوں کی طرف کھینچ کرلے جائیں تو انہوں نے قرآن کی تفسیر میں ایسی باتیں داخل کردیں جن سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل انہیں ناپسند کرتے اور کان انہیں پھینکتے ہیں اس لئے

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۲

بما ینقض عصمتھم وینقص اویزیل عن قلوب الجھال عظمتھم کما یظھر علی ذلك من راجع قصة ادم وحواء وداؤد و اوریا وسلیمان والجسد الملقی و الالقاء فی الامنیة والغرا نقة العلی وھاروت و ماروت وما ببابل جری فباللہ التعوذ والیه المشتکی فاصابھھم فی ذلك ما اصاب اھل السیر والملاحم فی نقل مشاجرات الصحابة.اذجاء کثیر منھا مناقضا للدین وموھنا للیقین وازدارد خنا علی وخن وھنات علی ھنات ان اطلع علی کلامھم بعض من لیس عندہ آثار ۃ من علم ولامتانة من حلم فضل و اضل اما اغترارابکلما تھم جھلا منه بما فیه من الوبال البعید والنکال الشدید واما ظلما وعلوا لاجتراء ہ بذلك علی ابانة مافی قلبه المرض من تنقیص الانبیاء وتفسیق الاولیاء فمضی علیه الکبیر و نشاء علیه الصغیر	انبیاء کرام وملائکہ عظام کے قصوں میں ایسی باتوں کو مقرر رکھا جن سے اس کی عصمت نہیں رہتی اور جاہلوں کے دل مین ان کی عظمت کم ہو جاتی ہے یا زائل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات آدم و حوا وداؤد و اوریا اور سلیمان اور انکی کرسی پر پڑے ہوئے جسم اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تلاوت کے دوران شیطان کے القاء اور غرانیق عُلی کے واقعات اور ہاروت و ماروت اور بابل کا ماجرا کا مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے تو اللہ ہی کی پناہ اور اسی سے ان کی شکایت ہے تو ان کو ان باتوں سے وہ مرض لگا جو مصنفین واقعات سیرت ومغازی کو صحابہ کے اختلافات کو نقل کرنے سے لگا اس لئے کہ بہت باتیں دین کے مخالف اور ایمان کو کمزو کرنے والی ان لوگوں سے ظاہر ہوئیں اور فساد پر فساد اور خطاؤں پر خطائیں یوں بڑھ گئیں کہ ان لوگوں کے کلام کی اطلاع کچھ ان لوگوں کو ہو گئ جن کے پاس نہ کچھ بچا کھچا علم تھا نہ عقل کی پختگی، تو وہ خود گمراہ ہوئے اور اوروں کو گمراہ کیا یا تو ان کے کلمات سے دھوکا کر اس کے وبال شدید و سخت عذاب سے بے خبری میں یا ظلم وسرکشی کی وجہ اسے اس لئے کہ ان باتوں سے انہیں اس کے اظہار کی جرات ہوئی جو انبیاء کی تنقیص اور اولیاء کی تفسیق ان کے دل میں تھی تو اس پر بڑے گزرے اور چھوٹے پروان چڑھے اور یہ

فاختل دین کثیر من الناقصین وصاروا شرا من العوام العامین اذلم یقدروا علی مطالعتہا فنجوا عن فتنتہا وقد بذل علماء نا النصح للثقلین فشد دو االنکیر علی کلا الفریقین اعنی التفاسیر والوھیۃ و السیر الداھیۃ فاعلنوا انکار ھا و بینوا عوار ھا کالقاضی فی الشفاء والقاری فی الشرح والخفاجی فی النسیم والقسطلانی فی المواھب والزرقانی فی الشرح والشیخ فی المدارج وغیرھم فی غیرھا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، والحمدللہ رب العالمین، ولقد الان القول ابوحیان اذقال کما نقل الامام السیوطی ان المفسرین ذکروا مالا یصح من اسباب نزول و احادیث فی الفضائل و حکایات لاتناسب وتواریخ اسرائیلیۃ ولا ینبغی ذکر ھذا فی علم التفسیر[1] انتہی، واعلم ان ھناك اقواما یعتریھم نزغۃ فلسفیۃ لما افنوا عمرھم فیہا وظنوھا شیئا شھیا فیولعون بابداء احتمالات	عامی لوگوں سے بدتر ہوگئے کہ عامیوں کو ان کتابوں کے معالعہ کی قدرت نہ تھی تو وہ ان کے فتنہ سے بچے رہے اور بے شک ہمارے علماء نے دونوں فریقوں کو بھرپور نصیحت کی چنانچہ انہوں نے دونوں فریق کی سخت مذمت کی یعنی واہی تفاسیر اور سیرت کی ناپسندیدہ کتابوں کی تو انہوں نے ان کتابوں کا ناپسندیدہ ہونا ظاہر کیا اور ان کا عیب کھولا جیسے علامہ قاضی عیاض نے شفا میں اور علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب میں اور علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں اور علامہ قاری نے شرح شفا میں اور شیخ (محقق عبدالحق محدث دہلوی) نے مدارج میں اور دوسروں نے دوسری تصانیف میں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین والحمد للہ رب العلمین، اور یقینا ابوحیان نے بات کو سہل ونرم کیا کہ انہوں نے کہا جیسا کہ امام سیوطی نے نقل کیا کہ مفسرین نے ایسے اسباب نزول اور فضائل میں وہ حدیثیں ثابت نہں اور نامناسب حکایات اور تواریخ اسرائیل کو ذکر کیا ہے حالانکہ اس کا ذکر تفسیر میں مناسب نہیں، اور تم جان لو کہ اس جگہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں فلسفی وسوسے آتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اپنی عمر اس میں فنا کی اور اسے موغوب شے گمان کیا تو ان کو دور از کار

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

بعیدۃ ولولم یکن فیها حلاوۃ ولا علیها طلاوۃ حتی ذکر بعضهم فی قوله تعالٰی "وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝" [1] ماتعلقت به جهلة النصاری واخرون ممن یتلجلجون فی الایمان فیلهجون بکلمة الاسلام وفی قلوبهم من بغض النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وانکار معجزاته جبال عظام فانا للہ وانا الیه راجعون هذا الذی اعیی السیوطی حتی تبرا عنها کلها واقتصر علی الارشاد الی تفسیر ابن جریر کما مرنقله کما تضجرا الذهبی عن خلاعة اکثر السیر والتواریخ فعافها عن اخرها الی دلائل البیهقی قائلا انه النور کله وقد دبت هذه الفتنة الصماء والبلیة العمیاء الی کثیر من متاخری المتکلمین الذین اشتد عنایتهم بالتفلسف الخبیث ولم یحصلوا بصیرۃ فی صناعة الحدیث حتی انهم یذکرون فی بعض المسائل فضلاعن الدلائل ما لیس من السنة فی شی واما

احتمالوں کو ظاہر کرنے کی لت ہے اگرچہ ان میں شیرینی ہو نہ ان پر رونق ہو، یہاں تک کہ کسی نے قول باری تعالٰی "وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝" (اور چاند شق ہوگیا) کی تفسیر میں وہ بات ذکر کی جس سے جاہل نصرانی اور دوسرے وہ لوگ جو ایمان میں ثابت نہیں اس لئے زبان سے کلمہ اسلام پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عداوت اور ان کے معجزات کے انکار کے بڑے پہاڑ ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے) یہی سبب تھا کہ سیوطی اس درجہ عاجز ہوئے کہ تمام تفسیروں سے بیزاری فرمائی اور صرف تفسیر ابن جریر کی طرف رہنمائی پر بس کیا جیسا کہ اس کی حکایت گزری جس طرح ذہبی سیرت اور تاریخ کی اکثر کتابوں کی بے شرمی سے پریشان ہوئے تو انہوں نے اول سے آخر تک سب کو چھوڑا اور دلائل بیہقی پر مطمئن ہوئے اور فرمایا وہ سراسر نور ہے، اور یہ شدید فتنہ اور ہمہ گیر بلا بہت سے متاخر متکلمین کی طرف سرایت کر گئی (جن کی زیادہ توجہ خبیث فلسفہ پر تھی) اور انہوں نے فن حدیث میں بصیرت حاصل نہ کی یہاں تک کہ یہ لوگ کچھ مسائل میں چہ جائیکہ دلائل میں وہ باتیں ذکر کرتے ہیں جو باتیں سنت سے نہیں۔ رہ گیا

[1] القرآن الکریم ۵۴/۱

مابینھم من قیل وقال وکثرۃ السوال و الشبه و الجدال،فکن حذورا و لاتسئل عن الخیر اوہ علی اللہ الشکوی۔	کو کچھ ان کے درمیان قیل و قال اور کثرت سوال و شبہات وجدال ہیں۔ان سے بہت ڈرتے رہو اور ان کی حالت نہ پوچھو آہ اللہ ہی سے فرماد ہے۔
فلقد بلغ الامر الی ان الناظر فی تلك الکتب لایکاد یعرف ان ھذا مما جاء به ارسطو و افلاطون اوماجاء به محمد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وقد ثقل صنیعھم ھذا علی العلماء المحتمین للدین ان الامام العامل بعلمه سیدی الشیخ المحقق لما رای ذلك منھم فی مسئلة المعراج لم یتمالك نفسه ان اغلظ القول فیھم الی سماھم ان سماھم ضالین مضلین ولم یکن بدعا فی ذلك بل سبقه فی اقامة الطامة الکبری علیھم ائمة تشار الیھم بالبنان وتقوم بھم ارکان الایمان کما فصله الملاعلی القاری فی شرح الفقه الاکبر ان شئت فطالعه فانك اذا رایت ثم رایت عجبا کبیرا ومن ھذا القبیل ما ذکرہ بعضھم فی مشاجرات الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم اذنسب القول بتفسیق کثیر منھم حتی بعض العشرۃ المبشرۃ ایضًا	اس لئے کہ نوبت یہاں پہنچی ان کتابوں کو دیکھنے والا یہ جانتا ہوا نہیں لگتا ہے کہ یہ بات ارسطو اور افلاطون لائے یا یہ وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لائے اور ان کا یہ معاملہ دین کے لئے حمیت والے علماء پر شاق گزار یہاں تک کہ امام عالم باعمل سیدی شیخ محقق (عبدالحق محدث دہلوی) نے مسئلہ معراج میں جب ان کی یہ روش دیکھی تو انہیں اپنے اوپر قابو نہ رہاانہوں نے ان لوگوں کے بابت سخت کلام فرمایا یہاں تک کہ انہیں گمراہ و گمراہ گر کا نام دیا اور اس میں وہ نت نئے نہیں بلکہ ان سے پہلے ان پر قیامت کبری ان پیشواؤں نے قائم کی جن کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں اور جن سے ایمان کے ستون قائم ہیں جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں میں اس کو مفصل بیان فرمایا ہے تم چاہو تو اس کا مطالعہ کرو اس لئے کہ جب تم اس مقام کو دیکھو گے تو بڑی عجیب بات دیکھو گے،اور اسی قبیل سے وہ ہے جو بعض لوگوں نے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اختلافات میں ذکر کیا ہے،کہ انہوں نے بہت صحابہ کے یہاں تک کہ دس صحابہ مژدہ یافتگان

الی کثیر من اھل السنۃ والجماعۃ وھم واللہ ماقالوا ولا اذنوا فالحق ان الدین لایقوم الا بالحدیث والحدیث مضلۃ الا للفقیہ والفقہ لایحصل باتباع الشبہ وتحکیم العقل السفیہ نجانا اللہ والمسلمین عن شر الجھل و شر العلم فان شر العلم ادھی وامر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم وانما اطبنا الکلام فی ھذاالمقام حوطا علی السنن وکراھۃ للفتن ان تروج علی المؤمنین او ترعرع الی الدین فیفسد الیقین الافعض علیہ بالنواجذ فالنصیح غیر مفتون وایاك ان تخالفہ وان افتاك المفتون۔

جنت میں سے کچھ کے فسق کا قول بہت سنی علماء کی طرف منسوب کردیا حالانکہ انہوں نے قطعاً خدا کی قسم یہ بات نہ کہی نہ کسی کے لئے روا رکھی تو حق یہ ہے کہ دین کا نظام تو حدیث سے ہے اور حدیث سے فقیہ کے سوا سب کو گمراہی کا اندشیہ ہے اور فقہ اثبات شبہات اور نادان عقل کو حاکم بنا کر حاصل نہیں ہوتا اللہ تعالٰی ہمیں اور سب مسلمانوں کو جہل کی شر اور علم کی شر سے بچائے اس لئے کہ علم کی شر بہت سخت اور بہت تلخ ہے اور برائی سے پھرنا اور نیکی کی قدرت اللہ ہی سے ہے جو غلبے والا حکمت والا ہے اور ہم نے اس مقام میں کلام طویل سنت کی حفاظت کے لئے اور اس بات کی کراہیت کے سبب کیا کہ فتنے مسلمانوں میں راوج پائیں یا دین کی طرف چلے آئیں تو ایمان بگڑ جائے، سنتا ہے تو اس کو مضبوطی سے پکڑلو کہ نصیحت پکڑنے والا گمراہ نہیں ہوتا، اور خبردار اس کی مخالفت نہ کرنا اگرچہ فتوی دینے والے فتوی دیں۔

ایقاظ مھم: اعیذك باللہ ان یستفزك الوھم عن الذی القینا علیك فتفتری علینا غیرہ اویوسوسك قلۃ الفھم انالا نکترث للتفسیر ولا نلقی لہ

ضروری تنبیہ: میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اس بات سے کہ تمہیں وہم اس بات سے ڈگمگادے جو ہم نے تم پر القاء کیا، تو تم ہم پر اس سے جدا بات کا بہتان باندھو یا فہم کی کمی یہ وسوسہ ڈالے کہ ہم تفسیر کی پرواہ نہیں کرتے اور

بالا ولا نسلم له خيره وانما المعنى ان غالب الزبر المتداولة لاتسلم من الدخيل وتجمع من الاقوال كل صحيح وعليل فمجرد حكايتها لايوجب التسليم ولايصد الناقد عن نقد السقيم فماهى عندنا اسوء حالامن اكثر كتب الاحاديث اذنعاملها مرة بالترك ومرة بالاحتجاج لما نعلم انها ترد كل مورد فتحمل تارة عذبا فراتا وتاتى مرة بملح اجاج، وبالجملة فالامر يدور على نظافة الحديث سندا ومتنا فاينما وجدنا الرطب اجتنينا وان كان فى منابت الحنظل وحيثما راينا الحنظل اجتنبنا وان نبت فى مسيل العسل۔	اس کا ہمیں کوئی خیال نہیں اور ہم اس کی اچھی بات بھی نہیں مانتے، مقصد صرف اتنا ہے کہ اکثر کتب متداولہ دخیل سے محفوظ نہیں اور وہ ہر صحیح وسقیم قول کو اکٹھا کرتی ہین تو ان کتابون میں کسی قول کی مجرد حکایت اس کا مان لینا واجب نہیں کرتی اور پرکھنے والوں کو کھوٹے کی پرکھ سے نہیں روکتی تو یہ ان کتابوں کاحال ہمارے نزدیک حدیث کی اکثر کتابوں سے زیادہ برا نہیں اس لئے کہ ہم ان کے ساتھ کبھی کسی قول کو چھوڑنے اور کبھی کسی کو حجت بنانے کا معاملہ کرتے ہیں یوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ہر گھاٹ پر اترتی ہیں تو کبھی میٹھا پانی اٹھالیتی ہیں اور کبھی سخت کھاری پانی جس سے منہ جل جائے لاتی ہیں، بالجملہ مدار کار حدیث کی نظافت (پاکیزگی) سند و متن کے لحاظ سے ہے تو جہاں کہیں ہم میٹھا پھل پائیں گے اسے چن لیں گے اگرچہ وہ کسی خراب جگہ اگاہو اور جہاں کہیں کڑوا پھل دیکھیں گے تو اس کو چھوڑدیں گے اگرچہ وہ شہد کی نہر میں اگاہو۔
ولقد علمت ان اكثر هذاالداء العضال انمادخل التفاسير من باب الاعضال وفى امثال تلك المحال اذا لم يعرف السند يؤل الامر الى نقد المقال فما كان منها يناضل النصوص ويرد المنصوص اوفيه ازراء بالرسل والانبياء اوغير ذلك ممالا يحتمل علمنا انه قول مغسول	اور یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ اس لاعلاج مرض کا بیشتر حصہ تفاسیر میں جہالت سند کے دروازہ سے گھسا اور ایسے مقامات میں جب سند معروف نہ ہو مآل کار بات کو پرکھنا ہے تو جو بات نصوص سے ٹکراتی اور منصوص کورد کرتی ہو یا اس میں رسل وانبیاء کی تنقیص ہو یا اور کوئی بات جو قابل قبول نہ ہو ہم جان لیں گے کہ یہ قول دھودینے کے قابل ہے اور اگر

وان کان بریئامن الافات نقیامن العاھات قبلناہ علی تفاوت عظیم بین قبول وقبول ولیس ھذا من باب مانھینا عنه من الاجتراء علی التفسیر بالاراء ومعاذ الله ان نجتری علیه فان علم التفسیر اشد عسیر ویحتاج فیه الی ما لیس بحاصل ولا میسر کما قد فصل بعضه العلامة السیوطی رحمة الله تعالٰی علیه وکذلك اذا اتانا منھا مافیه العدول عن ظاھر المدلول وصح ذلك عمن لا یسعنا خلافه اوکانت ھناك خلة لا تنسد الابه تعین القبول والا فدلالة کلام الله تبارك وتعالٰی احق بالتعویل من قال وقیل ھذاالذی قصد فلاتنقص ولاتزد۔	خرابیوں سے بری، علتوں سے پاک ہو ہم اسے قبول کرلیں گے باوجودیکہ اسے قبول کرنے میں اور دوسرے قول کو قبول کرنے میں عظیم تفاوت ہے اور تفسیر بالرائے کے باب سے نہیں ہے جس سے ہمیں روکا گیا، اور اللہ کی پناہ اس سے کہ ہم اس پر جرات کریں اس لئے کہ علم تفسیر سخت دشوار ہے اور اس میں اس کی حاجت ہے جو ہمیں حاصل نہیں اور نہ اس کا حاصل ہونا آسان ہے جیسا کہ ان علوم ضروریہ میں سے بعض کی تفصیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمائی ہے اور یونہی جب ہمیں ان میں کوئی قول ایسا پہنچے جس میں ظاہر معنی سے عدول ہو اور وہ اس سے ثابت ہو جس کا خلاف ہمیں نہیں پہنچتا یا کوئی حاجت ہو جو ظاہر سے عدول کے بغیر پوری نہ ہو تو اسے قبول کرنا متعین ہے ورنہ کلام الٰہی کی دلالت قیل و قال سے اعتماد کی زیادہ حقدار ہے یہی ہمارا مقصود ہے تو اس سے نہ کم کرو نہ زیادہ۔
قال الامام السیوطی قال بعضھم فی جواز تفسیر القرآن بمقتضی اللغة روایتان عن احمد وقیل الکراھة تحمل علی صرف الایة عن ظاھر ھا الی معان خارجة محتملة یدل علیھا القلیل من کلام العرب ولا یوجد غالبا الافی الشعر و نحوہ ویکون المتبادر خلافھا[1] اھ"	امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: بعض علماء نے فرمایا کہ مقتضائے لغت کے مطابق قرآن کی تفسیر کے جواز میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں اور کچھ کا قول یہ ہے کہ کراہت اس پر محمول ہے کہ آیت کو اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر ایسے معانی خارجہ محتملہ پر محمول کرے جن پر قلیل کلام عرب دلالت کرتا ہو اور وہ غالبا اور اس کے مثل کلام کے سوا عام بول چال میں نہ پائے جائیں اور ذہن کا تبادر اس کے خلاف ہو اھ۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۴

وقال عن برھان الزرکشی"کل لفظ احتمل معنیین فصاعدافھوالذی لایجوز لغیر العلماء الاجتھاد فیه، وعلیھم اعتماد الشواھد والدلائل دون مجرد الرأی، فان کان احد المعنیین اظھر وجب الحمل علیه الاان یقوم دلیل علی ان المراد ھو الخفی [1] اھ	اور سیوطی نے برہان سے حکایت کیا: ہر وہ لفظ جو دو یا دو سے زائد معنی کا احتمال رکھے اس میں تو غیر علماء کو اجتہاد جائز نہیں اور علماء کو لازم ہے کہ وہ شواہد ودلائل پر بھروسہ کریں نہ کہ محض رائے پر، تو اگر دو معنی میں سے ایک ظاہر تر ہے تو اسی پر محمول کرنا واجب ہے مگر یہ کہ دلیل قائم ہو کہ مراد خفی ہی ہے اھ۔
وقال قال العلماء یجب علی المفسران یتحری فی التفسیر مطابقة المفسر و ان یتحرز فی ذلك من نقص عما یحتاج الیه فی ایضاح المعنی اوزیادة لا تلیق بالغرض ومن کون المفسر فیه زیغ عن المعنی و عدول عن طریقه وعلیه بمراعاة المعنی الحقیقی و المجازی، ومراعاة التالیف والغرض الذی سیق له الکلام [2] الخ۔	اور فرمایا: علماء کا قول ہے کہ مفسر پر واجب ہے کہ وہ تفسیر میں یہ تجویز کرے کہ تفسیر لفظ مفسر کے مطابق ہو اور اس سے کم کرنے سے بچے جس کی حاجت توضیح مراد کے لئے ہو اور ایسے لفظ کو زیادہ کرنے سے احتراز کرے جو مقصد کے مناسب نہ ہو، اور اس بات کی احتیاط رکھے کہ تفسیر میں معنی سے انحراف اور اس کی راہ سے عدول نہ ہو، اور اس پر لازم ہے کہ معنی حقیقی ومجازی کی رعایت کرے اور ترکیب اور اس غرض کی جس کے لئے کلام ذکر کیا گیا رعایت رکھے۔
المقدمة الثالثة: کثیرا ماتری المفسرین یذکر بعضھم تحت الایة وجھا من التاویل والبعض الاخرون وجھا اخر وربما جمعوا وجوھا کثیرة وغالبه لیس من باب الاختلاف	**مقدمہ سوم:** مفسرین کو تم بہت دیکھوگے کہ ان میں سے کوئی آیت کے تحت کوئی وجہ تاویل ذکر کرتا ہے اور بعض دوسرے دوسری وجہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی بہت سی وجوہ جمع کردیتے ہیں اور بیشتر وجوہ اختلاف وتردد کے

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۱

اوالتردد المانع عن التمسك باحدها لاسیما الاظهر الانور منها و انماهو تفنن فی المرام ،اوبیان لبعض ماینتظمه الکلام وذالك ان القرآن ذو وجوہ وفنون ولکل حرف منه غصون وشجون و له عجائب لاتنقضی ومعان تمد ولا تنتهی فجاز الاحتجاج به علی کل وجوهه و هذا من اعظم نعم الله سبحنه وتعالٰی علینا ومن ابلغ وجوہ اعجاز القرآن ولو کان الامر علی خلاف ذلك لعادت النعمة بلیة والاعجاز عجزا والعیاذ بالله تعالٰی وقد وصف الله سبحنه وتعالٰی القرآن بالمبین، فلیس تنوع معاینه کتذبذب المحتملات فی کلام مبهم مختلط لایستبین المراد منه، ولقد قال الله تبارك وتعالٰی "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾"[1] وقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی مااخرج ابو نعیم وغیرہ

باب سے نہیں جس میں سے کسی کو اخذ کرنا دوسری سے تمسک کا مانع ہو خصوصا ان میں جو ظاہر تر اور روشن تر ہو بلکہ یہ وجوہ بیان مقصد میں تفنن عبارت ہے یا کلام جن وجوہ کو شامل ہے اس میں سے کچھ کو بیان کردینا ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن مختلف وجوہ رکھتا ہے اور اس کے ہر لفظ کے متعدد معانی ہیں اور اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور معانی بڑھتے ہیں اور کسی حد پر نہیں تھمتے، لہٰذا اس کی تمام وجوہ کو حجت بنانا جائز ہے اور یہ ہمارے لئے اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے اور قرآن کے اعجاز کے اسباب بلیغہ سے ایک سبب ہے، اور اگر معاملہ اس کے بر خلاف ہوتا تو نعمت مصیبت ہوجاتی اور اعجاز عجز ہوجاتا والعیاذ باللہ تعالٰی، اور اللہ تعالٰی نے قرآن کا وصف مبین فرمایا ہے تو اس کے معانی کا قسم قسم ہونا کلام مبہم میں جس کی مراد ظاہر نہ ہو، محتملات کے تردد کی طرح نہیں اور یقینا اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: اے محبوب! تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے روشنائی ہوجائے تو سمندر ختم ہوجائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اس جیسا اور اس کی مدد کو لے آئیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جیساکہ ابو نعیم وغیرہ نے حضرت

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۰۹

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما القرآن ذلول ذو وجوہ فاحملوہ علی احسن وجوھہ [1] رضی اللہ تعالٰی عنہما کما اخرج ابن ابی حاتم عنہ ان القرآن ذو شجون وفنون وظھور وبطون لاتنقضی عجائبہ ولا تبلغ غایتہ [2] الحدیث۔ قال السیوطی قال ابن سبع فی شفاء الصدور ورد عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال لایفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقرآن وجوھا، وقد قال بعض العلماء لکل ایۃ ستون الف فھم [3] انتھی ملخصًا۔ وللہ در الامام البوصیری حیث یقول۔ لھا معان کموج البحر فی مدد وفوق جوھرہ فی الحسن والقیم فلا تعد ولا تحصی عجائبھا ولا تسام علی الاکثار بالسام [4]	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا قرآن نرم و آسان ہے مختلف وجوہ والا ہے تو اسے اس کی سب سے اچھی وجہ پر محمول کرو۔ اور سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے روایت کی قرآن مختلف معانی ومطالب اور ظاہری وباطنی پہلو رکھتا ہے، اس کے عجائب بے انتہا ہیں اس کی بلندی تک رسائی نہیں (الحدیث) سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ابن سبع نے شفاء الصدور میں فرمایا کہ ابو الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے مختلف وجوہ نہ جان لے، اور بعض علماء کا قول ہے کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں۔ اور امام بوصیری کی خوبی اللہ ہی کے لئے ہے کہ وہ فرماتے ہیں قرآنی آیات کے وہ معانی کثیر ہیں جیسے سمندر کی موج افزائش میں، اور وہ حسن وقیمت میں سمندر کے گہر سے بڑھ کر ہیں تو ان آیتوں کے عجائب کی نہ گنتی ہوسکے نہ شمار میں آئیں، اور اس کثرت کے باوجود ان سے اکتانے کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۷و۴۴۶

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۰

[3] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۰

[4] الکوکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات، ہند، ص ۴۰

فثبت بحمد الله ان بعض معانیه لاینافی بعضا ولا یوجب وجه لوجه رفضا من جراء هذا تری العلماء لم یزالو محتجین علی احد التاویلات، ولم یمنعهم عن ذلك علمهم بان هناك وجوها اخر لاتعلق لها بالمقام، وعلام کان یصدهم وقد علموا ان القرآن حجة بوجوهه جمیعا ولیس هذا لاتفننا وتنویعا هذا هو الاصل العظیم الذی یجب المحافظة علیه. انبانا المولی السراج عن المفتی الجمال عن السنة السندی عن الشیخ صالح عن محمد بن السنة وسلیمان الدرعی عن الشریف محمد بن عبدالله عن السراج بن الالجائی عن البدر الکرخی والشمس العلقمی کلهم عن الامام جلال الملة و الدین السیوطی قال فی الاتقان ناقلا عن ابن تیمیة الخلاف بین السلف فی التفسیر قلیلل وغالب مایصح عنهم من الخلاف یرجع الی اختلاف تنوع الااختلاف تضاد۔ وذلك صنفان:

احدهما ان یعبر واحد منهم عن المراد بعبارة غیر عبارة صاحبه تدل علی معنی فی المسمی غیر المعنی الاخر من اتحاد المسمی

اب بحمد اللہ ثابت ہوا کہ اس قرآن کا کوئی معنی دوسرے کے متنافی نہیں اور کوئی وجہ دوسری وجہ کو چھوڑ دینا واجب نہیں کرتی اسی وجہ سے تم دیکھوگے کہ علماء ایک تاویل پر بنائے دلیل رکھتے ہیں اور اس بات سے باز نہیں رکھتا انہیں ان کا یہ علم کہ اس جگہ دوسری وجوہ بھی جن کو ان کے مقصد سے تعلق نہیں، اور کاہے کو باز رکھے حالانکہ انہیں خبر ہے کہ قرآن اپنی تمام وجوہ پر حجت ہے اور یہ اختلاف وجوہ تو محض تفنن کلام و تلون عبارت ہے، ہمیں خبر دی مولی سراج نے مفتی جمال سے انہوں نے سند سندی سے انھوں نے شیخ صالح سے انھوں نے محمد بن السنۃ اور سلیمان درعی سے انہوں نے شریف محمد بن عبداللہ سے انہوں نے سراج بن الالجائی سے انہوں نے بدر کرخی و شمس علقمی سے، ان سب نے جلال الملۃ والدین سیوطی سے روایت کی کہ انہوں نے اتقان میں ابن تیمیہ سے نقل فرمایا کہ تفسیر میں سلف کے درمیان اختلاف کم ہے اور اکثر اختلاف جو سلف سے ثابت ہے اختلاف طرز تعبیر کی طرف لوٹتا ہے متضاد باتوں کا اختلاف نہیں اور یہ (تعبیروں کا اختلاف) دو صنف ہے:

ان میں سے **ایک صنف** یہ کہ ان لوگوں میں سے کوئی اپنی مراد کی تعبیر ایک عبارت سے کرے جو اس کے ساتھی کی عبارت سے جداگانہ ہو اور معنی ایک ہو جیسے علماء نے

کتفسیر هم الصراط المستقیم "بعض بالقرآن ای اتباعه وبعض بالاسلام فالقولان متفقان لان دین الاسلام هو اتباع القرآن ولکن کل منها نبه علی وصف غیر الوصف الاخر کماان لفظ الصراط یشعر بوصف ثالث، وکذلك قول من قال هو السنة و الجماعة وقول من قال هو طریق العبودیة وقول من قال هو طاعة الله ورسوله و امثال ذلک، فهؤلاء کلهم اشاروا الی ذات واحدة ولکن وصفها کل منهم بصفة من صفاتها۔	الصراط المستقیم کی تفسیر کی کسی نے قرآن کہا یعنی قرآن کی پیروی اور کسی نے اسلام تو یہ دونوں قول ایک دوسرے کے موافق ہیں اس لئے کہ دین اسلام تو قرآن کی پیروی ہے۔ لیکن ان دونوں نے ایک دوسرے کے وصف سے جدا ایک وصف پر متنبہ کیا جیسے کہ لفظ صراط تیسرے وصف کی خبر دیتا ہے اسی طرح اس کی بات جس نے یہ کہا تھا کہ صراط مستقیم مسلک اہل سنت و جماعت ہے اور اس کی بات جس نے کہا کہ وہ طریق بند گی ہے اور اس کا قول جو بولا کہ وہ اللہ ورسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی اطاعت ہے اور جیسے اس طرح کے دوسرے اقوال اس لئے کہ ان سب نے ایک ذات کی طرف رہنمائی کی لیکن ہر ایک نے اس کی ایک صفت اس کی صفات سے بیان کر دی۔
الثانی ان یذکر کل منهم من الاسم العام بعض انواعه علی سبیل التمثیل وتنبیه المستمع علی النوع، لاعلی سبیل الحد المطابق للمحدود فی عمومه و خصوصه مثاله مانقل فی قوله تعالٰی ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا الایة فمعلوم ان الظالم لنفسه یتناول المضیع للواجبات والمنتهك للحرمات و المقتصد یتناول فاعل	**دوسری صنف** یہ ہے کہ ہر عالم لفظ عام کی کوئی قسم مثال کے اوپر ذکر کرے اور مخالف کو اس نوع پر متنبہ کرے اور اس نوع کو ذکر کرنا ذات اس کے عموم و خصوص میں ذات کی حد تام و تعریف تمام کے طور پر نہ ہو وہ جو اللہ تعالٰی کے قول ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا الایۃ کی تفسیر میں منقول ہوا اس لئے کہ معلوم ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس کو شامل ہے جو واجبات کو ضائع کرے اور حرمتوں کو توڑے اور مقتصد

الواجبات وتارك المحرمات، والسابق یدخل فیہ من سبق فتقرب بالحسنات مع الواجبات فالمقتصدون اصحاب الیمین والسابقون السابقون اولئك المقربون، ثم ان کلامنھم یذکر ھذا فی نوع من انواع الطاعات کقول القائل السابق الذی یصلی فی اول الوقت، والمقتصد الذی یصلی فی اثنائہ والظالم لنفسہ الذی یؤخر العصر الی الاصفرار او یقول السابق المحسن بالصدقۃ مع الزکوۃ، والمقتصد الذی یؤدی الزکاۃ المفروضۃ فقط، والظالم مانع الزکوۃ[1] اھ۔	واجبات کی تعمیل اور محرمات کو ترک کرنے والے کو شامل ہے اور سابق میں وہ داخل ہے جو سبقت کرے تو واجبات کے ساتھ حسنات سے اللہ کی قربت حاصل کرے تو مقتصد لوگ دہنے ہاتھ والے ہیں اور سابق سابق ہیں وہی اللہ کے مقرب ہیں پھر ان میں سے ہر عالم اس مثال کو انواع عبادات میں سے کسی قسم میں ذکر کرتا ہے جیسے کسی نے کہا: سابق وہ ہے جو اول وقت میں نماز پڑھے اور مقتصد وہ ہے جو درمیان وقت میں پڑھے اور ظالم وہ ہے جو عصر کو سورج زرد ہونے تک موخر کر دے، اور کوئی کہے، سابق وہ ہے جو صدقہ نفل زکوۃ کے ساتھ دے کر نیکی کرے، اور مقتصد وہ ہے جو صرف زکوۃ فرض دے، اور ظالم وہ ہے جو زکوۃ نہ دے اھ۔
وعن الزرکشی "ربما یحکی عنھم عبارات مختلفۃ الالفاظ فیظن من لافھم عندہ ان ذلك اختلاف محقق فیحکیہ اقوالا و لیس کذلك بل یکون کل واحد منھم ذکر معنی من الایۃ لکونہ اظھر عندہ او الیق بحال السائل وقد یکون بعضھم یخبر عن الشیئ بلازمہ ونظیرہ والاخر بمقصودہ	اور سیوطی نے زرکشی سے نقل کیا بسااوقات علماء سے مختلف عبارتیں منقول ہوتی ہیں تو جو فہم نہیں رکھتا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی ہے تو وہ اس کو کئی قول بنا کر حکایت کرتا ہے، حالانکہ بات یوں نہیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر عالم آیت کا ایک معنی ذکر کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس کے نزدیک ظاہر تر یا حال سائل کے زیادہ شایاں ہوتا ہے اور کبھی کوئی عالم شے کا لازم یا اس کی نظیر بتاتا ہے اور دوسرا اس کا مقصود

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ / ۴۳۸

وثمرته والکل یؤل الی معنی واحد غالبا[1] الخ وعن البغوی والکواشی وغیرهما التاویل صرف الایة الی معنی موافق لما قبلها وبعدها تحتمله الایة غیر مخالف للکتاب والسنة من طریق الاستنباط غیر محظور علی العلماء بالتفسیر کقوله تعالٰی "انفروا خفافا وثقالا" قیل شبابا وشیوخا،وقیل اغنیاء و فقراء،قیل عزابا ومتاهلین،وقیل نشاطا وغیر نشاط وقیل اصحاء ومرضی وکل ذلك سائغ والایة تحتمله[2] الخ،وهذا فصل عمیق بعید لوفصلنا فیه الکلام خرج بناء عما نحن بصدده من المراد،فیما اوردناه کفایة الاولی الاحلام لاسیما من له اجالة نظر فی کلمات المفسرین وتمسکات العلماء بالقرآن المبین۔	وثمرہ بتاتا ہے اور اکثر سب کا بیان ایک ہی معنی کی طرف لوٹتا ہے الخ۔ اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے بغوی وکواشی وغیرہما سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ تاویل براہ استنباط آیت کو ایسے معنی کی طرف پھیرنا ہے جو اس کی اگلی آمد پچھلی آیت کے موافق ہو،اور آیت اس کا احتمال رکھتی ہو اور وہ معنی کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو،ایسی تاویل ان لوگوں کو منع نہیں جنہیں تفسیر کا علم ہے،جیسے اللہ تعالٰی کے قول "انفروا خفافا وثقالا (یعنی کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے) میں کسی نے کہا: بوڑھے اور جوان۔اور کسی نے کہا غنی وفقیر۔اور کسی کا قول ہے۔شادی شدہ اور مجرد۔اور کسی کا قول ہے: چست وسست۔اور کسی نے کہا: صحت مند و بیمار (یعنی یہ سب کوچ کریں) اور یہ تمام وجوہ بنتی ہیں اور آیت سب کی محتمل ہے اور یہ فصل وسیع وعریض ہے اگر ہم اس میں مفصل کلام کریں تو وہ کلام ہمیں ہمارے اس مقصود سے باہر کردے گا جس کے ہم درپے ہیں،اور جو ہم نے ذکر کیا اس میں سمجھ والوں اور ان کے لئے جن کی نظر کلمات مفسرین اور علماء کے قرآن سے تمسکات میں رواں ہے، کفایت ہے۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۴۴

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۴۸

المقدمة الرابعة: هذا التأویل الذی فتحنا ابواب الکلام علی ایھا نه اعنی تفسیر الاتقی بالتقی انما ھو مروی عن ابی عبیدۃ کما صرح به العلامة النسفی رحمه الله تعالٰی فی مدارك التنزیل[1] وحقائق التاویل وابوعبیدۃ ھذا رجل نحوی لغوی من الطبقة السابعة اسمه معمر بن المثنی کان یری رأی الخوارج وکان سلیط اللسان وقاعا فی العلماء وتلمیذہ ابو عبیدالقاسم بن سلام احسن منه حالا وابصر منه بالحدیث انبأنا مفتی مکة سیدی عبدالرحمن عن جمال بن عمر عن الشیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی عن ابن السنة عن المولی الشرف عن محمد ابن ارکماش الحنفی عن حافظ ابن حجر العسقلانی قال فی التقریب معمر بن المثنی ابو عبیدۃ التیمی مولاھم البصری النحوی اللغوی صدوق اخباری وقدرمی برای الخوارج من السابعة مات سنة ثمان ومائتین وقیل بعد ذلك وقد قارب المائة[2] انتھی۔	**چوتھا مقدمہ:** یہ تاویل جس کے ضعف بتانے کے لئے ہم نے کلام کے دروازے کھولے (یعنی اتقی کی تفسیر تقی سے کرنا) یہ صرف ابو عبیدہ سے منقول ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح علامہ نسفی نے مدارک التنزیل میں کی ہے، اور یہ ابوعبیدہ ایک آدمی ہے نحو ولغت کا عالم، جو ساتویں طبقہ پر ایک فرد ہے، اس کا نام معمر بن المثنی ہے، خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا، اور یہ بدزبان علماء کا بدگو تھا، اور اس کے شاگرد ابو عبید قاسم بن سلام کا حال اس سے اچھا تھا اور انہیں حدیث میں اس سے زیادہ بصیرت تھی۔ مجھے مفتی مکہ سیدی عبدالرحمٰن نے جمال بن عمر سے خبر دی انہوں نے شیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی سے روایت کی انہوں نے ابن السنۃ سے انہوں نے مولی شریف سے انہوں نے محمد بن ارکماش حنفی سے انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت کی کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں فرمایا معمر بن مثنی ابو عبیدہ تیمی بنو تیم کا آزاد کردہ، بصری نحوی، لغوی سچا ہے تاریخ کا راوی ہے، اور خوارج کے مذہب سے متہم کیا گیا، طبقہ ہفتم کے علماء سے ہے ۲۰۸ھ میں انتقال ہوا، اور بعض کا قول ہے کہ اس کے بعد وفات ہوئی اور عمر تقریبًا سو سال ہوئی انتھی۔

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایة ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[2] تقریب التھذیب ترجمہ ۶۸۳۶ معمر بن المثنی دار الکتب العلمیه بیروت ۲/ ۲۰۳

وقد قال ابن خلکان کما نقل الفاضل عبد الحی فی مقدمة[عـــــه] الهداية ابو عبيد بغيرتاء مذکور فی باب الجنايات من کتاب الحج اسمه القاسم بن سلام ذا باع طويل فی فنون الادب والفقه. قال القاضی احمد بن کامل کان ابوعبيد فاضلا فی دينه متفننا فی اصناف العلوم من القراءات والفقه العربية و الاخبار حسن الرواية صحيح النقل روی عن ابی زيد والاصمعی وابی عبيده وابن الاعرابی والکسائی والفراء وغيرهم وروی الناس من کتبه المصنفة بضعة وعشرين فی الحديث والقراءات والامثال ومعانی الشعر وغريب الحديث وغير ذلك ويقال انه اول من صنف فی غريب الحديث. وقال الهلال مَنَّ الله تعالٰی علی هذه الامة باربعة فی زمانهم الشافعی فی فقه الحديث وباحمد بن حنبل فی المحنة ولولاه لکفر الناس وبيحيی بن معين فی ذب الکذب عن الاحاديث وبابی عبيد القاسم بن	اور ابن خلکان نے کہا جیسا کہ فاضل عبد الحیّ نے مقدمہ ہدایہ میں کہا: ابو عبید بغیر تاء کتاب الحج کے باب الجنایات میں مذکور ہوا ان کا نام قاسم بن سلام ہے ادب کے فنون وفقہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ قاضی احمد بن کامل نے فرمایا: ابو عبید اپنے دین میں فاضل مختلف علوم قراءت وفقہ وعربیت وتاریخ کے ماہر تھے ان کی روایت حسن ہے اور نقل صحیح ہے انہوں نے ابوزید واصمعی وابو عبیدہ وابن الاعرابی وکسائی وفراء وغیرہم سے روایت کی اور لوگوں نے ان کی تصنیفات سے حدیث وقراءت وامثال ومعنی شعر واحادیث غریبہ وغیرہا میں تیئیس سے انتیس تک کتابوں کو روایت کیا، اور کہتے ہیں قاسم بن سلام نے سب سے پہلے غریب الحدیث میں تالیف فرمائی۔ اور ہلال نے فرمایا اللہ تعالٰی نے اس امت پر اپنے اپنے زمانہ میں چار شخصوں سے منت رکھی، شافعی سے فقہ حدیث میں اور احمد بن حنبل سے ان کی آزمائش کے سبب (یعنی وہ آزمائش جس میں حضرت امام احمد بن حنبل زمانہ مامون میں مخالفت عقیدۂ خلق قرآن کے سبب مبتلا ہوئے) اور اگر امام احمد نہ ہوتے تو لوگ

[عـــــه]: فی الاصل بیاض وعبارة المقدمة منقولة من المترجم ۱۲ النعمانی۔

سلام فی غریب الحدیث و کانت وفاته بمکة وقیل بالمدینة سنة اثنتین اوثلث وعشرین ومائتین وقال البخاری سنة اربع وعشرین۔ ویوجد فی بعض نسخ الهدایة فی الموضع المذکور ابو عبیدة بالتاء واسمه معمر بن المثنی وقد ذکرنا ترجمته فی الاصل وقال العینی فی شرحه ابو عبید اسمه معمر بن المثنی التیمی، وفی بعض النسخ ابو عبیدة بالتاء واسمه القاسم بن سلام البغدادی، والاول اصح انتهی، وهذا مخالف لما فی تاریخ ابن خلکان وغیره من التواریخ المعتمدة من ان ابا عبید بغیر التاء کنیة القاسم وبالتاء کنیة معمر [1]۔	کافر ہو جاتے، اور یحیٰی بن معین سے یوں منت رکھی کہ انہوں نے احادیث سے دروغ کو الگ کر دیا اور ابو عبید بن قاسم بن سلام سے غریب احادیث کو جمع کرنے میں، ان کی وفات مکہ میں ہوئی، اور ایک قول پر مدینہ میں ۲۲۳ھ یا ۲۲۲ھ میں ہوئی اور بخاری نے سن وفات ۲۲۴ھ میں فرمایا، اور ہدایہ کے بعض نسخوں میں یوں ہے موضع مذکور میں ابو عبیدة بالتاء اور ان کا نام معمر بن مثنی ہے اور ہم نے اس کے حالات اصل میں ذکر کئے اور عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ابو عبید معمر بن مثنی بن تیمی ہے۔ اور بعض نسخوں میں ابو عبیدة بالتاء ہے اور ان کا نام قاسم بن سلام بغدادی ہے، اور پہلا قول اصح ہے۔ اور یہ بات اس کے مخالف ہے جو تاریخ ابن خلکان وغیرہ تواریخ معتمدہ میں ہے کہ عبید بغیر تاء قاسم کی کنیت ہے اور تاء کے ساتھ معمر کی کنیت ہے۔
واما قدماء العلماء ککنیف ملئ علما حامل تاج المسلمین نعال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم سیدنا عبدالله مسعود وحبر الامة سلطان المفسرین عبدالله بن عباس وعروة بن زبیر وشقیقه عبدالله وافضل التابعین سعید	رہے علمائے متقدمین جیسے علم سے بھرے ہوئے ظرف حامل تاج مسلمانان نقش پائے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود اور عالم امت سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس اور عروہ بن زبیر اور ان کے سگے بھائی عبداللہ اور افضل التابعین سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم

[1] مذیلة الدرایة لمقدمة الهدایة لعبد الحی مع الهدایة المکتبة العربیة کراچی ص ۴

بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عھنم اجمعین فقد روینا لك ماقالوا فی الایة۔	تو ہم آیت کریمہ کی تفسیر میں ان کے اقوال تمہارے لئے روایت کرچکے۔
المقدمة الخامسة: لعلك یا من یفضل علیا علی الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین تفرح و تمرح ان ھؤلاء المفسرین انما عدلوا عن الاتقی الی التقی کیلا یلزم تفضیل الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ علی من عداہ وحاشاھم عن ذلک،الاتری انھم کما فسروا الاتقی بالتقی کذلك اولوا الاشقی بالشقی فاین ھذا من قصدك الذمیم الذی ترید لاجلہ تغییر القرآن العظیم وانما الباعث لھم علی ذلك ما ذکرہ ابوعبیدة بنفسہ۔	**پانچواں مقدمہ:** اے تفضیلیہ شاید تو خوش ہو اور فخر کرے یہ مفسرین اتقی سے تقی کی طرف اسی لئے پھرے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فضیلت ان کے ماسوا دوسرے صحابہ پر لازم نہ آئے اور وہ اس خیال سے بری ہیں۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ انہوں نے جس طرح اتقی کی تفسیر تقی سے کی یونہی اشقی کی تاویل شقی سے کی تو مفسرین کی اس روش کو تیرے اس بد ارادے سے کیا علاقہ ہے جس کے لئے تو قرآن عظیم کو بدلنا چاہتا ہے،ان کے لیے اس تفسیر پر ابوعبیدہ کا قول مذکور باعث ہوا۔
انبانا سراج العلماء عن المفتی ابن عمر عن عابد سندی عن یوسف المزجاجی عن ابیہ محمد بن العلاء عن حسن العجیمی عن خیر الدین الرملی عن العلامة احمد بن امین الدین بن عبد العال عن ابیہ عن جدہ عن العزعبد الرحیم بن الفرات عن ضیاء الدین محمد بن محمد الصنعانی عن قوام الدین مسعود بن ابراھیم الکرمانی عن	ہمیں سراج العلماء نے خبر دی مفتی ابن عمر سے انہوں نے روایت کی عابد سندی سے انہوں نے یوسف مزجاجی سے روایت کی انہوں نے اپنے باپ محمد بن علاء سے انہوں نے حسن العجیمی سے روایت کی انہوں نے خیر الدین رملی سے انہوں نے علامہ احمد بن امین الدین بن عبد العال سے انہوں نے اپنے باپ سے پھر اپنے دادا سے انہوں نے عزعبد الرحیم بن فرات سے انہوں نے ضیاء الدین محمد بن محمد صنعانی سے انہوں نے قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانی سے انہوں نے مولی

المولی حافظ الدین ابی البرکات محمود النسفی قال فی مدارك التنزیل قال ابو عبیدة الاشقی بمعنی الشقی و هو الکافر، والاتقی بمعنی التقی وهو المؤمن لانه لا یختص بالصلی اشقی الاشقیاء ولابا لنجاة اتقی الاتقیاء وان زعمت انه تعالٰی نکر النار فاراد نارا مخصوصة بالاشقی، فما تصنع لقوله وسیجنبها الاتقی الذی لان الاتقی یجنب تلك النار المخصوصة لا الاتقی منهم خاصة[1] انتهی۔	حافظ الدین ابو البرکات محمود نسفی سے روایت کیا کہ (علامہ نسفی نے) مدارک التنزیل میں فرمایا ابو عبیدہ نے کہا اشقی بمعنی شقی کے ہے اور وہ کافر ہے، اور اتقی تقی کے معنی میں ہے اور اس سے مراد مومن ہے، اس لئے کہ آگ میں جانا سب اشقیاء سے بڑھ کر شقی کی خصوصیت نہیں ہے اور نجات پانا سب پرہیزگاروں سے افضل کے لئے مخصوص نہیں ہے اور اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایا (اور نکرہ جب محل اثبات میں ہو تو اس سے مراد فرد مخصوص ہوتا ہے) تو اللہ تعالٰی کی مراد ایک مخصوص نار ہے تو تم (یعنی اس سے بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار) کے ساتھ کیا کروگے اس لئے کہ ہر متقی اس نار مخصوص سے دور رکھا جائے گا نہ کہ خاص کر سب سے بڑا متقی۔
وتلخیص المقام: ان قوله سبحنه وتعالٰی "فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ "[2] لایمکن اجراءه علی ظاهره لانه یقتضی قصر دخول النار علی اشقی الاشقیاء من الکفار فیلزم ان	**مقام تلخیص**: یہ ہے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی کے قول "فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ " (تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) کو اس کے ظاہر معنی پر جاری رکھنا ممکن نہیں اس لئے

---
[1] مدارك التنزیل (تفسیر المدارک) تحت الایة ۹۲/۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۲۳

[2] القرآن الکریم ۹۲/۱۴تا۱۶

لایدخلها احد غیرہ کالفجار والکافرین القاصرین عنه فی الشقاء والاستکبار وهذا باطل قطعا فاختار الواحدی والرازی والقاضی المحلی وابو السعود واخرون ماملحظه ان لیس المراد بالاشقی رجل مخصوص یکون اشقی الاشقیاء بل المعنی من کان بالغا ؏ فی الشقاء	کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوزخ میں وہی جائے جو کافروں میں سب بد نصیبوں سے بڑا بد نصیب ہو تو لازم آئے گا کہ وہ فجار و کفار جو بد نصیبی اور گھمنڈ میں اس سے کم رتبے کے بد نصیب ہوں دوزخ میں نہ جائیں، اور یہ قطعاً باطل ہے، لہٰذا واحدی و رازی و قاضی و محلّی وابو السعود اور دیگر مفسرین نے یہ اختیار کیا جن میں یہ لحاظ ہے کہ اشقی سے مراد کوئی خاص نہیں جو سب سے بڑا شقی ہو بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شقاوت میں حد کو پہنچا ہوا ہو اور

؏: قوله بالغا فی الشقاء الخ" انت خبیر بانا قررنا کلامهم بحیث یندفع عنه یراد قوی کان یتخالج فی صدری تقریر الایراد ان المؤمن الفاجر له قسط من الشقاوة کما ان له قسطا عظیما من السعادة، ولیس ان الشقاء یختص بالکفرة. الاتری ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم سمی الخبیث الشقی عبدالرحمن بن ملجم الذی قتل السید الکریم المرتضی رضی الله تعالٰی عنه وخضب الحیة الکریمة بدم راسه الاقدس اشقی الاخرین کما ورد بطریق عدیدة عن سیدنا علی کرم الله تعالٰی وجهه وانما کان هذاك الخبیث رجلا من الخوارج واذا کان الامر هکذا

(قولہ بد بختی میں حد کو پہنچا ہوا الخ) تم خبردار ہو کہ ہم نے ان علماء کے کلام کی تقریر اس طور پر کی جس سے وہ قوی اعتراض جو میرے سینے میں متردد تھا دفع ہو جائے۔ اس اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مومن فاجر کے لئے بد بختی سے ایک حصہ ہے جیسا کہ اس کے لئے سعادت سے عظیم بہرہ ہے اور ایسا نہیں کہ بد بختی کافروں کیلئے خاص ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس خبیث شقی عبدالرحمٰن بن ملجم کو جس نے سید کریم مرتضی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کیا اور ان کی ریش مبارک کو ان کے سر اقدس کے خون سے رنگین کیا پچھلوں کا سب سے بڑا بد بخت فرمایا، جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے متعدد سندوں سے روایت ہے اور یہ خبیث (باقی بر صفحہ آئندہ)

متناهیا فیه وهم الکفار عن	اس مفہوم کے مصداق سارے کافر ہیں اور وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فما لهولاء اولو الاشقی بالشقی ثم خصوه بالکافر حتی عاد الاعتراض بخروج الفجار مع ان بعضهم یدخل النار قطعا، فلو انهم اجروه علی العموم یسلموا من ذاك و تقریر الجواب انهم لما فطموا الافعل عن معناه الحقیقی اعنی الزائد فی الاتصاف بالمبدء علی کل من عداه کرهوا ان یذهبو ا به مذهبا ابعد من حقیقة کل البعد، فاردوا به البالغ فی الشقاء المتناهی فیه ابقاء لمعنی الزیادة المدلول علیها بصیغة التفضیل، والوجه فی ذلك ان هناك ثلثة امور، الاول الا تصاف بالمبدء وهو مفاد اسم الفاعل، و الثانی الکثرة فیه و هو مدلول صیغة المبالغة، و الثالث الزیادة فیه عن غیره و

تو خارجیوں میں کا ایک شخص تھا (یعنی کافر نہ تھا بلکہ گمراہ تھا) اور جب بات ایسی ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا جنہوں نے اشقی کی تاویل شقی سے کی پھر اسے کافر کے لئے مخصوص کیا تو اعتراض لوٹا کہ فاجر مسلمان اس حکم سے نکل گئے حالانکہ بعض فاجر مسلمان یقینا جہنم میں جائیں گے تو اگر انہوں نے حکم عام رکھا ہوتا تو اس اعتراض سے بچ جاتے، اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ جب انہوں نے افعل، (اسم تفضیل) کو اس کے حقیقی معنی سے مجرد کیا یعنی جو مصدر سے متصف ہونے میں اپنے ہر ماسوا سے زائد ہو تو انہیں یہ پسند نہ ہوا کہ اسم تفضیل کو ایسے مذہب پر لے جائیں جو اس کے حقیقی معنی سے بالکل دور ہو لہٰذا انہوں نے اشقی سے مراد لیا کہ بدبختی میں حد کو پہنچا ہو تاکہ زیادتی کا مفہوم جس پر صیغہ افعل تفضیل دلالت کرتا ہو باقی رکھیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ تین امور ہیں، پہلا مصدر سے موصوف ہونا اور یہ اسم فاعل کا مفاد ہے اور دوسرا امر اس وصف میں کثرت اور یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفہوم ہے، اور تیسرا امر اس وصف میں دوسرے سے بڑھ جانا اور یہ وہ مفہوم ہے جس کے لئے اسم تفضیل (باقی بر صفحہ آئندہ)

اخرهم لانسلاخهم عن السعادة بالمرة اما المؤمن الفاجر فان كان له وجه الى الشقاء الزائل فوجهه الاخر الى السعادة الابدية وهى الايمان، و هؤلاء القائلون لماراأوا مادة الايراد لم تنحسم اذ دخول بعض الفجار ايضا مقطوع فزعوا الى تاويل الصلى باللزوم ،وزعم الواحدى انه معناه الحقيقى فقال كما نقل الرازى معنى"لايصلاها" لايلزمها فى حقيقة اللغة يقال صلى الكافر النار اذا لزمها مقايسا شدتها وحرها ،وعندنا ان هذه الملازمة لاتثبت الا الكافر اما الفاسق فاما ان لايدخلها اوان دخلها تخلص منها[1] انتهى

سعادت سے بالکل محروم ہیں۔رہا مومن فاجر تو اس کا ایک پہلو شقاوت فانیہ کی طرف ہے تو دوسرا ابدی سعادت کی طرف ہے اور وہ سعادت ابدی ایمان ہے۔اور ان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ اعتراض کا مادہ بالکل ختم نہ ہوا اس لئے کہ بعض بد عمل مسلمانوں کا دوزخ میں جانا ہی قطعی امر ہے۔لہٰذا یہ لوگ صلی کی تاویل لزوم سے کرنے کی طرف راغب ہوئے۔واحدی نے کہا کہ لزوم اس کا حقیقی معنی ہے جیسا کہ امام رازی نے نقل کیا ہے کہ "لایصلاھا" کا معنی حقیقت لغت میں "لایلزمھا" ہے کہتے ہیں کہ صلی الکافر النار جب وہ اس حال میں آگ کو لازم پکڑے درانحالیکہ اس کی شدت وحرارت کو برداشت کرے،اور ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ملازمۃ فقط کافر کیلئے ثابت ہے،رہا فاسق تو وہ یا تو اس میں داخل ہی نہ ہوگا یا داخل تو ہوگا مگر اس سے چھٹکارا پالے گا۔انتہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

هو الموضوع له اسم التفضيل فالثانى و كالوسط بين الاول والثالث و العدول عن طرف الى طرف ابعد من الميل عن طرف الى الوسط فهذا الذى حملهم على ذلك فيما اظن و الله تعالٰى اعلم منه عفاالله تعالٰى عنه امين۔

کی وضع ہے تو دوسرا جیسے اول وسوئم کے درمیان ہے اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف پھرنا ایک کنارے سے درمیان کی طرف مائل ہونے سے زیادہ دور ہے تو میرے گمان میں یہی ان کو اس پر باعث ہوا،واللہ تعالٰی اعلم منہ عفا اللہ تعالٰی عنہ۔آمین !

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایۃ ۹۲/ ۱۵تا۱۶ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ ۳۱/ ۲۰۴

اقول:وما احسن هذا تاویلا اواصفاه لو لاان یکدره ماسأذکره قریبا فارتقب ورکن الرازی الی وجه اخر من التاویل وهوان یخص عموم هذا الظاہر بالایات الدالة علی وعید الفساق [1]	میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل کس قدر اچھی ہے اور یہ رنگ کتنا صاف تھا اگر اس کو اس بات نے مکدر نہ کیا ہوتا جو میں عنقریب ذکر کروں گا، تو انتظار کرو، اور رازی ایک دوسری تاویل کی طرف مائل ہوئے، اور وہ یہ کہ اس کے ظاہر معنی کا عموم ان آیات کے ساتھ خاص ہو جو فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہو۔
اقول: هذا جمع بین التاویل والتخصیص وهو مستغنی عنه اذ لوقیل بالتخصیص فکما دلت الایات علی وعید الفساق کذالك دلت علی ایعاد سائر الکفار بدلالة اظهر واجلی۔اللهم الاان یقال فیه تکثیر التخصیص جدا والقصر علی فردو احد اشد بعد و هذا عــــہ ولقد سلك	**میں کہتا ہوں** یہ تاویل و تخصیص کو یکجا کرنا ہے اور اس کی حاجت نہیں اس لئے کہ اگر تخصیص کا قول کیا گیا تو جس طرح آیات فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہیں یونہی تمام کافروں کی وعید پر روشن اور صاف تر دلالت فرماتی ہیں۔الٰہی! تو مدد فرما، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں بہت زیادہ تخصیص لازم آئے گی، اور ایک فرد پر منحصر کردینا بہت زیادہ مستبعد ہے یہ لو، اور

عــــہ:اعلم ان العبد الضعیف لما فرغ من تحریر هذه المقدمات الخمس وبلغ الی اخر ما کتبنا فی جواب الشبة الاولی استعار تفسیر فتح العزیز المتعلق بجزء عم یتساءلون من

تمہیں معلوم ہو کہ بندہ ناتواں جب ان پانچ مقدمات کی تحریر سے فارغ ہوا اور پہلے شبہہ کے جواب میں جو ہم نے لکھا اس کے آخر تک پہنچا تو ایک دوست سے تفسیر فتح العزیز جو جزء عم یتساء لون سے متعلق ہے عاریت لی تو (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۱۵/ ۹۲و۱۶ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳/ ۲۰۴

القاضی الامام ابو بکر کما	قاضی امام ابوبکر نے جیسا کہ امام فخر رازی نے مفاتیح الغیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعض الاصدقاء فطالعت فیہ من ھذا المقام ورایت المولی الفاضل استاذ استاذی عبدالعزیز ذکر الدفع ھذا الایراد اعنی نقض الحصر فی الکفار بدخول بعض الفجار النار بوجھین اخرین جیدین الاول ان المراد بالنار نار مخصوصۃ بالکفار، والثانی ان دخول بعض المومنین لما کان تطھیرا، وتادیبا کان کلا دخول وانما الدخول کل الدخول دخول لیس بعدہ خروج فالحصر بھذا المعنی وھو حق صحیح بلا امتراء انتھی۔

بالحاصل **اقول**: ما انعمھما من وجھین وادفعھما لکل شین لکنک یا عریف انت خبیر بانھما یجریان ایضا بعد شیئ من تغیر العبارۃ فیما اذا حملنا الاشقی علی معناہ الحقیقی کما ستسمع منا ان شاء اللہ تعالٰی فیا لیت المولی الفاضل لما تنبہ علی ھذین کما تنبھنا تجنب التاویل کما اجتنبنا اذ البدایۃ بتاویل الاشقی بالشقی ثم التحصن بھذین الحصنین المانعین

میں نے اس میں اس مقام کا مطالعہ کیا اور میں نے دیکھا کہ مولی فاضل استاذ استاذی عبدالعزیز نے اس اعتراض کے دفع کے لئے یعنی اس حصر کا کفار میں بعض فجار کے آتش جہنم میں داخل ہونے سے منقوض ہونا دو اور بہتر وجہیں ذکر کیں، پہلی یہ کہ نار سے مراد وہ نار ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری یہ کہ بعض مسلمانوں کا آگ میں جانا جبکہ ان کی تطہیر و تہذیب کے لئے ٹھہرا، تو یہ آگ میں جانا نہ جانے کے مثل ہے اور آگ میں بالکل جانا وہ جانا ہے جس کے بعد آگ سے نکلنا نہ ہوگا تو آیت کا حصر کفار میں اس معنی پر ہے اور بے شک حق و صواب ہے۔

الحاصل **میں کہتا ہوں** یہ دونوں وجہیں کس قدر اچھی ہیں اور ہر خرابی کی کیسی دافع ہیں، لیکن اے جاننے والے! تم خبردار کہ یہ دونوں وجہیں عبارت کی قدرے تفسیر کے بعد اس صورت میں بھی جاری رہتی ہیں جب ہم اشقی کو اس کے معنی حقیقی پر رکھیں جیسا کہ تم ہم سے سنوگے ان شاء اللہ تو کاش مولائے فاضل جب ہماری طرف ان دونوں وجہوں پر متنبہ ہوئے اسی طرح تاویل سے بچتے جیسے ہم بچے، اس لئے کہ پہلے اشقی کی تاویل شقی سے کرنا پھر ان دو محکم وجہوں جو اصل تاویل سے مانع ہیں سے تمسک

(باقی برصفحہ آئندہ)

اثر عنه الفخر الرازی فی مفاتیح الغیب مسلکا حسنا اذحاول ابقاء الاشقی علی معناه الحقیقی اعنی من لایدانیه احد فی الشقاء وذکر لتصحیح الحصر وجهین یرتاح بهما اللبیب وینددحض کل شك مریب: **الاول** ان یکون المراد بقوله تعالٰی "نارا تلظی" نارا مخصوصة من النیران لانها درکات بقوله تعالٰی ان المنفقین فی الدرك الاسفل من النار" فالایة تدل علی ان تلك النار المخصوصة لایصلها سوی هذا الاشقی، ولاتدل علی ان الفاسق وغیر من هذا صفته من الکفار لایدخل سائر النیران [1] انتهی۔ **اقول:** فکان کقوله تعالٰی "وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ﴿۱۲﴾" [2] ای اعظم النیران جمیعا علی احد وجوه التاویلات	میں نقل کیا ہے ایک اچھا مسلک اختیار کیا اس لئے کہ انہوں نے اشقی کو اس کے حقیقی معنی پر باقی رکھنے کی کوشش کی جن سے دانشمند چین پائے اور دھوکے میں ڈالنے والا ہر شک زائل ہو جائے: **پہلی وجہ** یہ کہ قول خدا تعالٰی نارا تلظی سے دوزخ کی آتشوں سے ایک مخصوص آتش مراد ہو اس لئے کہ آگ کے مختلف طبقے ہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "بے شک منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہیں، "اب آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخصوص آگ میں یہی اشقی جائے گا اور اس کا یہ معنی نہیں کہ اس بڑے بد نصیب کے سوا دوسرے کافر اور فاسق آگ کے باقی طبقوں میں نہ جائیں انتہی۔ **میں کہتا ہوں** اللہ تعالٰی کے فرمان "وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ﴿۱۲﴾" (دور رہے گا اس سے وہ بڑا بد نصیب جو بڑی آگ میں دھنسے گا) یعنی ایک تاویل پر سب سے بڑی آگ دلیل ہو گئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عن اصل التاویل مما یفضی الی العجب فکان کمن تمنی غرضا ورمی غرضا فاخطا بعد کادان یصیب، وماتوفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب ۱۲ منه عفا اللہ تعالٰی عنه امین۔

ایسی چیز ہے جو تعجب کا سبب ہے تو یہ ایسا ہوا جیسے کوئی ایک نشان چاہے اور دوسرے کو مارے تو نشانے پر تیر پہنچنے کے قریب ہو کر چوک جائے اور میری توفیق اللہ ہی سے ہے اس پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۴و۱۵ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۴

[2] القرآن الکریم ۸۷/ ۱۱و۱۲

وردہ الرازی بان قولہ تعالٰی "نارا تلظی" یحتمل ان یکون ذلك صفة لکل النیران وان یکون صفة لنار مخصوصة لکنہ تعالٰی وصف کل نار جھنم بھذا الوصف فی ایۃ اخری فقال "اِنَّهَا لَظٰى ۙ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ۝" [1]	اور رازی نے اس قول کو یوں رد کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول نارًا تلظی میں احتمال ہے کہ وہ سب آتشوں کی صفت ہو اور ممکن ہے کہ مخصوص آتش کی صفت ہو۔ لیکن اللہ تعالٰی نے جہنم کی سب آتشوں کا یہی وصف دوسری آیت میں فرمایا، اس کا ارشاد گرامی ہے: "اِنَّهَا لَظٰى ۙ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ۝" وہ تو بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی۔
اقول: یترأی من ھذہ العبارۃ للایراد وجھتان: الاولی ان المورد کانہ ظن ان القاضی الامام یدعی تخصیص النار بصفة التلظی کما یتخصص الغلام فی قولنا جاء نی غلام عاقل بصفة العقل، ومن ھذا الطریق یقول ان المراد نار مخصوصة اعظم النیران فلا یرادح ظاھر الورود اذ الاوصاف انما تخصص اذا کانت خصائص توجد فی فرد دون اخر والتلظی لا یختص بنار دون نار۔ الاتری ان اللہ سبحنہ وتعالٰی وصف النار مطلقا "اِنَّهَا لَظٰى ۙ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ۝" [2] ولکن لم یکن القاضی الامام	**میں کہتا ہوں** اس عبارت سے اعتراض کی دو۲ جہتیں نظر آتی ہیں۔ **پہلی** تو یہ ہے کہ گویا معترض نے یہ گمان کیا کہ قاضی امام ابو بکر آتش جہنم کے لپٹ مارنے کی صفت سے مخصوص ہونے کے مدعی ہیں اس طور پر جیسے غلام ہمارے قول جاءنی زید عاقل میں صفت عقل سے مخصوص ہے اور اس طریقے سے وہ فرماتے ہیں کہ مراد خاص آگ ہے جو سب سے بڑی آگ ہے، تو اعتراض کا ورود اس صورت میں ظاہر ہے اس لئے کہ اوصاف ذات کے ساتھ اسی وقت خاص ہوتے ہیں جبکہ وہ اس فرد کا خاصہ ہوں کہ دوسرے میں نہ پائے جائیں اور لپٹ مارنا ایسا نہیں کہ ایک آگ کی خاص صفت ہو دوسری کی نہ ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی مطلقاً آتش جہنم کا وصف بیان فرماتا ہے: "اِنَّهَا لَظٰى ۙ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ۝" (یعنی وہ تو

[1] القرآن الکریم ۷۰/ ۱۵و۱۶

[2] القرآن الکریم ۷۰/ ۱۵و۱۶

لیرید هذا وانما ملحظه الی ان التنکیر للتعظیم فقوله تعالٰی نارا ای نارا عظیما لیس کمثله نارکانه اشیر بالتنکیر الی انها بشهرة امرها وشیوع فزعها واخذ اهوالها بمجامع القلوب صارت بمثابة لاتسبق الاذهان الا الیها،فاغنت شهرتها و انتشار ذکرها عن تعریف اسمها کما یفید ذلك تنکیر الملیك فی قوله تعالٰی "فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾"[1] وتنکیر الظلم فی قوله تعالٰی "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ"[2] ای ظلم لاظلم کمثله وهو الشرك۔ انبانا مولانا السید حسین جمل اللیل امام الشافعیة بمکة المحمیة عن خاتمة المحدثین محمد عابد السندی عن صالح الفلانی عن	بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی) لیکن حضرت قاضی امام یہ معنی مراد لینے والے نہیں ان کا اشارہ تو اس طرف ہے کہ نکرہ تعظیم کیلئے ہے تو اللہ تعالٰی کے فرمان نارا کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی آگ ہے اس جیسی کوئی آگ نہیں، گویا وہ اپنی حالت کی شہرت اور اس کی ہیبت کے عام چرچے اور اس کی ہولناکیوں کی پورے دلوں پر پکڑ کے سبب اس مقام پر ہے کہ ذہن اسی کی طرف سبقت کرتے ہیں، تو اس کی شہرت اور اس کے عام ذکر نے اس سے بے نیاز کردیا کہ اس کا نام لے کر اسے معین کیا جائے، جس طرح یہی فائدہ لفظ ملیك اللہ تعالٰی کے قول "فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر" (یعنی سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور) کا نکرہ ہونا دیتا ہے اور لفظ ظلم اللہ تعالٰی کے قول "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" میں یہ فائدہ دیتا ہے یعنی ایسا ظلم کہ کوئی ظلم اس جیسا نہیں اور وہ ظلم شرک ہے۔ ہمیں خبر دی مولانا سید نا حسین جمال اللیل نے جو مکہ میں امام شافعیہ ہیں وہ روایت کرتے ہیں خاتمۃ المحدثین محمد عابد سندی سے انہوں نے روایت کیا صالح فلانی سے انہوں نے روایت کی

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۶/۸۲

محمد بن سنة عن احمد العجلی عن قطب الدین النهر والی عن ابی الفتوح عن یوسف الهروی عن محمد بن شاه بخت عن ابی النعمان الختلانی عن الفربری عن محمد بن اسمعیل البخاری ثنا ابوعدی ثنا شعبة عن سلیمان عن ابراهیم عن علقمة عن عبدالله لما نزلت الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون[1] قال اصحاب رسول الله تعالٰی علیه وسلم اینا لم یظلم فنزل الله ان الشرك لظلم عظیم۔	محمد بن سنہ سے انہوں نے احمد عجلی سے انہوں نے قطب الدین نہروالی سے انہوں نے ابوالفتوح سے انہوں نے یوسف ہروی سے انہوں نے محمد بن شاہ بخت سے انہوں نے ابونعمان ختلانی سے انھوں نے فربری سے انھوں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے، بخاری نے فرمایا ہم سے ابوعدی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی انہوں نے سلیمان سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے علقمہ نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ "الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم اولئك لهم الامن و هم مهتدون" (یعنی وہ جو ایمان لائے اور اپنے امان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لئے ایمان ہے اور وہی راہ پر ہیں) نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اصحاب بولے ہم میں کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا، اللہ تعالٰی نے آیہ کریمہ "ان الشرك لظلم عظیم" بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ ت) نازل فرمائی۔
انبانا شیخ العلماء مولانا السید زین دحلان المکی الشافعی عن العلامة عثمان بن حسن الدمیاطی	ہمیں شیخ العلماء مولانا سید احمد دحلان مکی شافعی نے خبر دی انہوں نے علامہ عثمان بن حسن دمیاطی شافعی ازہری سے انہوں نے امیر کبیر

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الانعام، باب قول تعالٰی ولم یلبسوا ایمانهم بظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۶۲، انوار التنزیل و اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی) ۶/۸۲ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۲۶ و ۴۲۶

الشافعی الازھری عن الامیر الکبیر العلامۃ محمد المالکی الازھری والشیخ عبداللہ الشرفاء الشافعی و سیدی محمد الشنوانی الشافعی واخرین باسانیدھم الی الامام مسلم بن الحجاج النیسابوری بسندہ الی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فیہ قالوا اینالا یظلم نفسہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس ھو کما تظنون انما ھو کما قال لقمان لابنہ"یابنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم"[1] وھکذا اخرجہ الامام احمد والترمذی وقد اختار الرازی بنفسہ عین ھذا التوجیہ فی قولہ تعالٰی "ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی"[2] قال التنکیر فی عبد یدل علی کونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاملا فی العبودیۃ کانہ تعالٰی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبدلایفی العالم بشرح	علامہ محمد مالکی ازہری اور الشیخ عبداللہ شرفائی الشافعی اور سیدی محمد الشنوانی الشافعی اور دیگر علماء سے ان کی سندوں کے ساتھ جو امام مسلم بن حجاج نیشاپوری تک پہنچتی ہیں انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ تک اپنی سند سے روایت کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تالی عنہ نے فرمایا صحابہ نے عرض کی ہم میں کس نے ظلم نہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ ظلم نہیں جو گمان کرتے ہو یہ تو اس طرح ہے جیسے لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے ! اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے، اور مسلم کی حدیث کے مثل امام احمد وترمذی نے بھی روایت کیا اور خود رازی نے توجیہ اللہ تعالٰی کے قول "ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی" (بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ت) میں اختیار کی انہوں نے فرمایا کہ عبدا کا نکرہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمام جہان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حقیقت کے بیان اور عبودیت میں ان کے اخلاص کی توصیف کا حق ادا نہیں

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب صدق الایمان واخلاصہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷، جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الانعام امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۲، مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۲۴

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایۃ ۹۶/ ۹و۱۰ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۲/ ۲۰

بیانیه وصفة اخلاصه فی عبودیته[1] انتھٰی والثانیة ان توصیفه بالتلظی ینافی ھذا التخصیص لانه وصف مطلق النار لا نار مخصوص۔ اقول ولیس بشیئ اذ لا یمتنع توصیف فرد عظیم من جنس بوصف عام نشترك فیه الافراد جمیعا و انما الممتنع عکسه، اعنی توصیف جمیع الافراد بما یختص به فرد خاص، الاتری الی قوله تعالٰی "مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ"[2] مع انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اعظم الرسل و اکرمھم بالاطلاق، والرسالة وصف عام یشترك فیه المرسلون جمیعا، و لیس فی الایة مایدل علی القصر ینافی العموم علی ان التلظی مقول بالتشکیك فیجوز ان یراد ھنا تلظ خاص لیس کمثله تلظ کما قال اللہ سبحنه وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ"[3] اطلق الضلال و

کر سکتا۔

دوسری یہ کہ آگ کو تلظی (بھڑکنے) سے موصوف فرمانا اس تخصیص کے منافی ہے اس لئے کہ بھڑکنا مطلقًا ہر آگ کی صفت ہے نہ کہ کسی خاص آگ کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض کوئی چیز نہیں اس لئے کہ کسی جنس کے عظیم فرد کو ایسے عام وصف سے جس میں سارے افراد شریک موصوف کرنا ممتنع نہیں، ممتنع تو اس کا عکس ہے یعنی تمام افراد کو ایسی صفت سے موصوف کیا جائے جو کسی خاص فرد کی صفت ہو گیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے اس قول کی طرف "اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں" حالانکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب رسولوں سے مطلقًا افضل و اعلٰی ہیں اور رسالت ایک وصف عام ہے جس میں سب رسول شریک ہیں، اور آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو کہ عموم کے منافی ہو، مزید برآں تلظی (بھڑکنا) کلی مشکک ہے لہٰذا جائز ہے کہ اس جگہ خاص تلظی (بھڑکنا) مراد ہو جس کے مثل کوئی تلظی نہ ہو، جیسے اللہ تعالٰی سبحنہ وتعالٰی نے فرمایا: "اے ایمان والو! تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ پر ہو

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیة ۹۲/۹ و ۱۰ المطبعة البھیته المصریة مصر ۳۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

ارادا الضلال البعید وھو الکفر۔	"ضلال بولا اور ضلال بعید مراد لیا اور وہ کفر ہے۔
اخرج الامام احمد و الطبرانی وغیرھما عن ابی عامر الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سالت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ھذہ الایۃ فقال لایضرکم من ضل من الکفار اذا اھتدیتم [1] والعجب ان الرازی جنح بنفسہ الی نحو من ھذا فی قولہ تعالٰی "نار حامیۃ" قال والمعنی ان سائر النیران بالنسبۃ الیھا کانھا لیست حامیۃ وھذ القدر کاف فی التنبیہ علی قوۃ سخونتھا نعوذ باللہ منھا [2] الخ، فما للشعیر یوکل ویذم۔	امام احمد و طبرانی وغیر ہمانے ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ سے دریافت کیا اس آیت کے بارے میں تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا (یعنی کافر لوگ) جبکہ تم راہ پر ہو۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ فخر رازی خود اس کے قریب توجیہ کی طرف مائل ہوئے اللہ تعالٰی کے قول نار حامیۃ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ ہر آگ جہنم کی آگ کے مقابل گویا گرم ہی نہیں اور اتنی بات آتش جہنم کی سخت گرمی پر متنبہ فرمانے کو کافی ہے ہم اللہ کی اس سے پناہ مانگتے ہیں جو کھایا جائے اور برا بھی کہا جائے۔
اقول: لك ان تقول ان لظی من المجرد وتلظی من المزید و زیادۃ اللفظ تدل علی زیادۃ المعنی، کما قالوا فی الرحمن والرحیم وغیر ذلك مع فیہ من التشدید	**میں کہتا ہوں** اور تمہیں پہنچتا ہے کہ تم کہو کہ لظی مجرد کے قبیل سے ہے اور تلظی مزید کے قبیل سے ہے اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، جیساکہ رحمٰن ورحیم وغیرہ میں علماء نے فرمایا اس کے ساتھ تلظی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی عامر الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۲۹۔۲۰۱، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ دار الکتاب بیروت ۷/ ۱۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایۃ ۱۰۱/۱۱ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۲/ ۷۴

لفظ المنبئی عن الشدۃ معنی کما فی قتل وقتّل وقاتل وقتال مع ان باب الادعاء واسع وقصر ا لوصف علی اعظم من یوصف شائع قال تعالٰی فی المھاجرین "اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾"[1] ویمکن ان تجعل من ھذا القبیل امثال قولہ تعالٰی "اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾"[2]۔ وقد حققنا المسالۃ فی خاتمۃ رسالتنا سلطنۃ المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما لا مزید علیہ ھذا وکان قلب ابی عبیدۃ رکن الی ھذا الوجہ الذی ذکر القاضی الامام شیئا قلیلا ثم بدا لہ مابدا فانحجم کما حکینا لك کلامہ ستسمع منا جوابہ ان شاء اللہ تعالٰی۔

الثانی من وجھی القاضی "ان المراد بقولہ تعالٰی نارا تلظی النیران اجمع، ویکون المراد بقولہ تعالٰی لا یصلٰھا الا الاشقی ای ھذا الاشقی بہ احق، وثبوت ھذا الزیادۃ فی الاستحقاق

میں لفظی شدت ہے جو معنوی شدت کی خبر دیتی ہے جیسے لفظ قتل اور قتّل اور قاتل وقتال میں، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ادعاء کا باب واسع ہے اور صفت کو سب موصوفین سے بڑے موصوف پر مقصود رکھنا عرف شائع ہے۔ اللہ تعالٰی کا مہاجرین کے بارے میں ارشاد ہے "اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾" (یہی لوگ سچے ہیں) اور ممکن کہ تم اللہ تعالٰی کے قول (بے شک وہی ہے سنتا جانتا ہے) کہ اس قبیل سے قرار دو۔

اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتمہ میں ایسے کلام سے جس میں زیادتی نہیں ہوسکتی کی ہے اور اس توجیہ کی طرف جو قاضی امام نے بیان فرمائی ابو عبیدہ کا دل کچھ مائل ہوا تھا پھر اس کو سوجھی جو سوجھی تو وہ اس سے منحرف ہوگیا جیسا کہ ہم تم سے اس کا کلام ذکر کرچکے اور عنقریب تم ہم سے اس کا جواب سنو گے ان شاء اللہ تعالٰی۔

قاضی کی ارشاد فرمودہ دو وجہوں میں سے **دوسری** یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول نارا تلظی سے مراد تمام آتشیں ہیں اور اللہ تعالٰی کے قول لایصلٰھا الا الاشقی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت) سے مراد یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا بدبخت ان تمام آزمائشوں کے

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۸

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۶

غیر حاصل الا لهذا الاشقی [1] انتهی والی نحو من هذا یمیل ماجزم به الزمخشری فی الکشاف مقتصرا علیه ونقله الامام النسفی رامزا الیه من ان الایة واردة فی الموازنة بین حالتی عظیم من المشرکین وعظیم من المؤمنین فارید ان یبالغ فی صفتیهما المتناقضتین،فقیل الاشقی وجعل مختصا بالصلی کان النار لم تخلق الاله،وقیل الاتقی وجعل مختصا بالنجاة کان الجنة لم تخلق الا له [2] انتهی۔	سب سے زیادہ سزاوار ہے اور استحقاق کی زیادتی اسی سب سے بڑے بدبخت کو حاصل ہے انتہی،اور اس سے قریب توجیہ کی طرف وہ توجیہ مائل ہے جس پر زمخشری نے جزم کیا کشاف میں اس پر اکتفا کرتے ہوئے اور زمخشری کی وہ توجیہ امام نسفی نے اسکی طرف اشارہ فرماتے ہوئے نقل فرمائی وہ توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے ایک عظیم اور مومنین کے ایک عظیم کے دو متناقض صفتوں میں مبالغہ فرمایا جائے تو اشقی فرمایا گیا اور اسے آتش جہنم میں جانے کیلئے مخصوص ٹھہرایا گیا گویا جہنم کی آگ اسی کے لئے پیدا ہوئی ہے اور اتقی فرمایا گیا اور نجات کے لئے مخصوص فرمایا گیا گویا جنت اسی کے لئے بنی ہے انتہی۔
اقول: وهذا هو الحصر الادعائی الذی وصفنا لك ولا شك انه دائر سائر بین البلغاء یشهد بهذا من تتبع دواوین العرب وکلامهم فی المدح والهجاء ومعلوم ان الزمخشری له ید طولی وکعب علیا فی فنون الادب وصنائع الادباء فقول الرازی انه ترك الظاهر من غیر دلیل [3] انتهی غیر مستحسن	**میں کہتا ہوں** یہی وہ حصر ادعائی جس کا بیان ہم نے تم سے کیا اور کوئی شک نہیں کہ یہ بلغاء میں دائر وسائر ہے اس کی گواہی عرب کے دیوانوں کو اور مدح وہجو میں ان کے کلام کو خوب مطالعہ کرنے والا دے گا،اور یہ معلوم ہے کہ زمخشری کو فنون ادب اور ادیبوں کی صنعتوں میں بڑی دسترس ہے اور اونچا درجہ حاصل ہے تو فخر رازی کا زمخشری پر یہ اعتراض کہ اس کی یہ توجیہ ظاہر کو بے دلیل چھوڑنا ہے انتہی خوب نہیں

[1] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر)تحت الایة ۹۲/ ۱۵-۱۶ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

[2] مدارك التنزیل التفسیر الکبیر تحت الایة ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[3] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر)تحت الایة ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

وای شیئ اکبر دلالۃ من الاحتیاج الی تصحیح الکلام ولیس تاویل الاشقی بالشقی اقرب الی الظاھر من ھذا الحصر من شیوعه وکثرۃ وقوعه نظماً ونثرا وتصحیح الکلام قرینۃ کافیۃ فی امثال ھذا المقام الاتری انك اذا سمعت رجلا یقول زید ھو الکریم علمت اول وھلۃ من دون تامل ولامھلۃ ان مرادہ ان لیس کریم مثله لا ان لاکریم مثله وھذا ظاھر جدا، ھذا مایتعلق بحکم الاشقی، ولاشك ان الکلام ھھنامحتاج بظاھرہ الی تاویل او توجیه لکن ابا عبیدۃ زاد فی الشطرنج بغلۃ ثم تتابع فی قوم من المتاخرین ینقلون کلامه من دون تنقیح کما حکینا لك دیرنھم من کلام الامام العلامۃ السیوطی رحمه اللّٰه تعالٰی حمله علی ذلك ان ظن ان ایۃ الاتقی ایضاً محتاجۃ الی التاویل حیث قال و ان زعمت انه تعالٰی نکر النار الی اخر الخ مانقلنا عنه فلم یثبت ان اخذ الاتقی بمعنی التقی لیشمل کل مؤمن ووافقه علی ذلك الزمخشری وغیرہ لکنھم	اور کلام کی تصحیح کی حاجت سے بڑی کون سی دلیل ہے اور اشقی کی تاویل شقی سے اس حصر کی بہ نسبت ظاہر سے نزدیک تر نہیں باوجود اس کے یہ حصر عرف میں شائع ہے اور نظم ونثر میں بکثرت واقع ہے اور تصحیح کلام کی حاجت اس جیسے مقامات میں قرینہ کافیہ ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جب تم کسی کو یہ کہتے سنو کہ زید ہی کریم ہے تو پہلی فرصت میں تم جان جاؤگے کہ زید جیسا کوئی کریم نہیں نہ یہ کہ زید کے سوا کوئی کریم نہیں اور یہ خوب ظاہر ہے تو یہ حکم اشقی سے متعلق تھا اور یہ کوئی شک نہیں کہ اس مقام پر کلام اپنے ظاہر سے تاویل یا توجیہ کا محتاج ہے لیکن ابوعبیدہ نے شطرنج کے مہروں میں بغلہ (خچر) بڑھادیا پھر متاخرین میں سے کچھ لوگ پے در پے اس کا کلام بغیر تنقیح کے نقل کرتے رہے، جیسا کہ ہم نے تم سے امام علامہ سیوطی کے کلام سے ان کی عادت کی حکایت کی، اس کے لئے اس کا سبب یہ ہوا کہ اس نے یہ گمان کیا کہ وہ آیت بھی جس میں اتقی وارد ہوا تاویل کی حاجتمند ہے اس لئے کہ اس نے کہا کہ اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایا الخ تو کچھ دیر نہ ٹھہرا کہ اتقی کو بمعنی تقی کے لیا تاکہ آیت ہر مومن کو شامل ہوجائے اور اسی بات میں زمخشری وغیرہ نے اس سے اتفاق کیا مگر اس کی تاویل

لم یوافقه علی التاویل کما سمعت وهذا کلام لایقوم علی ساق اذلیس فی قوله تعالٰی وسیجنبها الاتقی مایدل علی الحصر والقصر انما یصف الله سبحنه وتعالٰی عبدا له اتقی بانه یجنب النار و یبعد عنها لاانه لایجنب النار الاهو و رحم الله الرازی حیث تفطن لهذا فذکر فی الاشقی قولا انه بمعنی الشقی ولم یذکره فی الاتقی راسابل صرح بخلافه حیث قال"هذا لایدل علی حال غیر الاتقی الا علی سبیل المفهوم والتمسك بدلیل الخطاب [1]	میں ان لوگوں نے اس کی موافقت نہ کی جیسا کہ تو نے سنااور یہ کلام پائے ثبات پر قائم نہیں اس لئے اللہ تعالٰی کے قول وسیجنبها الاتقی میں کوئی لفظ نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو، اللہ تعالٰی تو اپنے ایک بندے کا وصف بیان فرماتا ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو، یوں کہ وہ جہنم کی آتش سے بہت دور رکھا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کی آگ سے وہی بچایا جائے گا۔اور اللہ تعالٰی علامہ رازی پر اپنی رحمت فرمائے کہ انہوں نے اس امر کو سمجھ لیا لہٰذا اشقی میں ایک قول ذکر کیا کہ وہ بمعنی شقی کے ہے اور اتقی میں اسے بالکل ذکر نہ کیا بلکہ اس کے خلاف کی تصریح کی انہوں نے فرمایا یہ آیت کریمہ جس میں اتقی کے لئے بشارت ہے غیر اتقی کے حال پر دلالت نہیں کرتی مگر اپنے مفہوم کے اعتبار سے اور دلیل خطاب سے تمسک کے طور پر الخ۔
اقول: بل ولا یتمشی علی مذهب القائلین بمفهوم الصفة ایضا فان الکلام مسوق لمدح الاتقی کما یدل علیه سبب النزول ومقام المدح والذم مستثنی عندهم ایضا کما هو مذکور فی کتب الاصول فیا للعجب من القاضی البیضاوی الشافعی	**میں کہتا ہوں** بلکہ یہ بات ان کے مذہب پر بھی نہیں چلتی جو مفہوم صفت کے قائل ہیں اس لئے کہ کلام مدحت اتقی کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ اس پر سبب نزول دلالت کرتا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک مقام مدح وذم بھی مستثنی ہے جیسا کہ کتب اصول فقہ میں مذکور ہے تو قاضی بیضاوی شافعی پر تعجب ہے انہوں نے

[1] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر)تحت الایة ۹۲/۱۷ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

کیف تمسك ھھنا بالمفھوم،مع انه لیس محله بالاتفاق واشدالعجب من القاضی الامام ابی بکر الشافعی اذ زل قلمه فمال الی افادۃ الحصر مع انه یخالف ائمته فی القول بالمفھوم راسا،وھکذا یرینا اللہ ایاته فی الافاق و فی انفسنا کیلا یغتر مغتر بدقة انظارہ ولا یسخر ساخر من عاثر فی افکارہ اذ نری کل صارم ینبو وکل جواد یکبو فعلام یزھو من یزھو و سقی اللہ عھد من قالوا وما ادراك من قالوا سادۃ کرام قادۃ الامة ابراھیم النخعی ومالك بن انس وغیرھما من الائمة اذ قالوا ولنعم ماقالوا کل احد ماخوذ من کلامه ومردود علیه الا صاحب ھذا القبر [1] صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نسال اللہ الوقایة فی البدایة والنھایة،والحمدللہ رب العالمین۔	کیونکر مفہوم سے استدلال کیا حالانکہ بالاتفاق یہ اس کا محل نہیں،اور سخت تعجب تو قاضی امام ابوبکر شافعی پر ہے کہ ان کے قلم نے لغزش کی تو وہ اس طرف مائل ہوئے کہ آیت حصر کا فائدہ دیتی ہے حالانکہ وہ قول بالمفہوم میں اپنے ائمہ کے بالکل مخالف ہیں اور یونہی اللہ ہمیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ہمارے نفوس میں دکھاتا ہے تاکہ کوئی اپنی باریک بینی پر مغرور نہ ہو اور کوئی ہنسنے والا اپنے افکار میں لغزش کرنے والے سے نہ ہنسے،اس لئے کہ ہر تلوار اچٹتی ہے اور ہر گھوڑا گرتا ہے تو گھمنڈ کرنیوالا کاہے کو گھمنڈ کرے اور اللہ تعالٰی ان کے زمانے کو سیراب کرے جنہوں نے فرمایا اور تمہیں کیا خبر وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے فرمایا سرداران بزرگ امت کے مقتدا ابراہیم۔۔۔ومالک بن انس وغیرہ ائمہ کہ انہوں نے فرمایا اور کیا خوب فرمایا کہ ہر شخص کی کوئی بات مقبول ہوتی ہے اور کوئی نامقبول مگر اس قبر شریف کے ساکن یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ ان کی ہر بات قبول ہے ہم اللہ تعالٰی سے حفاظت مانگتے ہیں ابتداء وانتہاء میں،والحمد للہ رب العالمین۔

[1] الیواقیت والجواہر المبحث التاسع والاربعون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

والاٰن اٰن ان نستکمل الرد علی ابی عبیدۃ فیما فرعنه وفیما اطمان علیه **فاقول** وباللّٰه التوفیق زعم الرجل اولا ان تاویل الاشقی بالشقی ینجیه عما فیه اذ اٰل الکلام الی ان لایصلی النار الاکافر وھذا حق لاغبار علیه۔	اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم ابوعبیدہ کارد اس میں جس سے اس نے فرار اختیار کیا اور جس پر وہ مطمئن ہوا تمام کریں، تو **میں کہتا ہوں** اور اللہ سے ہی توفیق ہے اس شخص نے پہلے خیال یہ کیا کہ اشقی کی تاویل شقی سے اسے اس آفت سے نجات دے دے گی جس میں وہ مبتلا ہے اس لئے کہ کلام کا مآل یہ ہوا کہ دوزخ کی آگ میں کافر ہی جائے گا۔اور یہ بات حق ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔
قلنا نظرت الموصوف وترکت الصفة یقول اللّٰه سبحنه وتعالٰی " لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ "[1] ومعلوم ان من الکفار من لم یکذب النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مدۃ عمرہ لابجنانه ولا بلسانه وانما اکفرہ ان سبق الکتاب وخذل التوفیق والعیاذ بوجه المولی الکریم۔	ہم کہیں گے کہ تم نے موصوف کو دیکھا اور صفت کو چھوڑ دیا اللہ سبحنہ وتعالٰی فرماتا ہے لایصلھا الاالاشقی الذی کذب وتولی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) اور یہ معلوم ہے کہ کافروں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی تمام عمر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ جھٹلایا نہ اپنے دل سے نہ اپنی زبان سے،اس کا کفر تو یوں ہوا کہ اللہ کا لکھا غالب آیات اور توفیق الٰہی نے اس کا ساتھ نہ دیا اور مولائے کریم کی ذات کی پناہ ہے۔
اقول: و ھذا ابو طالب عم رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم افنی عمرہ فی حفظه وحمایته وبلغ الغایۃ القصوی	**میں کہتا ہوں** یہ ہیں ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا جنہوں نے اپنی عمر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حفاظت وحمایت میں فنا کردی اور وہ حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۵۔۱۶

من مجته وولايته قد كان حبه صلى الله تعالٰى عليه وسلم اخذ بمجامع قبله،حتى كا ن يفضله على الاطفال الصغار من بنى صلبه،و لما بعث الله تعالٰى نبيه صلى الله تعالٰى عليه وسلم فدعا المشركين الى التوحيد،وهجم عليه الاعداء من كل شاء وبعيد، قام يناضل عنه صلى الله تعالٰى عليه وسلم فاعظم بر ہ ولازم نصره وقاسى ماقاسى من شدائد لاتحصى فى مهاجرة المشركين من عشيرته الاقربين۔وهو الذى لما تما لات قريش على المصطفى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ونفر و اعنه من يريد الاسلام انشاء قصيدة تدل على عظم حبه المصطفى وشدة بغضه اعدائه اللىام كما روى ابن اسحق وغيره من الثقات ومنها هذه الابيات ۔ اعبد مناف انكم خير قومكم فلا تشر كوا فى امر كم كل واغل فقد خفت ان لم يصلح الله امر كم تكونوا كما كانت احاديث وائل اعوذ برب الناس من كل طاعن علينا بسوء او ملح بباطل	علیہ وسلم کی محبت اور نصرت کی انتہائی حد کو پہنچے، سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت نے ان کے پورے دل کو ایسا پکڑ لیا تھا کہ اپنے صلبی کم سن بچوں پر حضور علیہ السلام کو فضیلت دیتے تھے اور جب اللہ تعالٰی نے اپنے نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو سرکار نے مشرکین کو وحدانیت کی طرف بلایا اور دین کے دشمن ہر سمت دور دراز سے حملہ آور ہوئے ابو طالب ان کی حمایت کو کافروں سے لڑنے کو کھڑے ہوگئے تو سرکار کے ساتھ بڑی نیکی کی اور ہمیشہ ان کی مدد کی اور اپنے قریبی رشتہ دار مشرکون کی طرف سے کیسی بے شمار سختیاں جھیلیں۔یہ وہ ابو طالب تھے کہ جب سارے قریش مصطفے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مخالف ہوئے اور اسلام کے خواہشمندوں کو سرکار علیہ السلام سے دور کیا تو انہوں نے ایک قصیدہ کہا جو مصطفے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بڑی محبت اور ان کے کمین دشمنان سے شدید عداوت کی دلیل ہے، جیسا ابن اسحٰق نے معتمد راویوں سے روایت کیا ہے۔اسی قصیدہ کے یہ شعر ہیں: اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنی قوم میں سے بہتر ہو، تو تم اپنے معاملہ میں ہر خسیس کو شریک نہ کرو، بے شک مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اللہ نے تمہارا حال ٹھیک نہ کیا تو تم وائل کے افسانوں کی طرح افسانہ ہو جاؤگے میں لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں ہر برائی کا طعنہ دینے والے اور باطل پر اصرار کرنے والے سے

ومن کاشح یسعی لنا بعیبة ومن ملحق فی الدین مالم یحاول وثور ومن ارسی ثبیر امکانه وراق لبر فی حراء ونازل۔ وبالبیت حق البیت فی بطن مکة وباللّٰه ان اللّٰه لیس بغافل کذبتم وبیت اللّٰه نبزی محمدا ولما نطاعن دونه ونناضل ونسلمه حتی نصرع حوله ونذهل عن ابناء نا والحلائل لعمری لقد کلفت وجدا باحمد واجبته داب المحب المواصل فمن مثله فی الناس ای مؤمل اذا قاسه الحکام عند التفاضل حلیم رشید عاقل غیر طائش یوالی الاھالیس عنه بغافل	اور کینہ پرور سے جو ہم پر گھمنڈ کی کوشش کرے اور اس سے جو دین میں ایسی بات شامل کرے جو دین میں کبھی نہ پائی گئی ہو۔ اور کوہ ثور سے اور اس سے جس نے کوہ ثبیر کو اپنی جگہ جمایا اور کوہ حرا میں عبادت کے لئے چڑھنے اور اترنے والے سے۔ اور اللہ تعالٰی کے سچے گھر کی قسم اور اللہ کی قسم، بیشک اللہ تعالٰی بخبر نہیں۔ اللہ کے گھر قسم! اے کافرو! تم جھوٹے ہو اس گمان میں کہ ہم محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو چھوڑ دیں گے۔ حالانکہ ابھی ہم نے حضور علیہ السلام کے گرد نیزوں اور تیروں سے جنگ نہ کی اور کیا ہم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمہارے سپرد کریں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل نہ ہوجائیں۔ مجھے اپنی جان کی قسم! مجھے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شدید محبت ہے اور میں انہیں ایسا چاہتا ہوں جس طرح پیہم چاہنے والے کی عادت ہوتی ہے۔ جب فیصلہ کرنے والے مقابلے کے وقت کسی کو ان پر قیاس کریں تو ان جیسا لوگوں میں کون ہے جس کے لئے یہ امید ہو کہ وہ ان کا ہم پلہ ہوگا۔ حلم والے رشد والے، عقل والے، طیش والے نہیں وہ بیوقوف وبے قدر سے محبت رکھتے ہیں جو ان سے غافل نہیں۔

فواللہ لولا ان اجی بسبة تجر علی اشیاخنا فی المحافل لکنا اتبعناہ علی کل حالة من الدھر جدا غیر قول التھازل فاصبح فینا احمد فی ارومة تقصر عنھا سورة المتطاول حدیث بنفسی دونہ وحمیتہ ودافعت عنہ بالذرا والکلاکل[1]	تو خدا کی قسم اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں ایسا کام کروں جو ہمارے بزرگوں پر محافل میں ملامت کا سبب بنے۔ توہم نے زمانہ کی ہر حالت میں ان کی پیروی کی ہوتی تو یہ بات سنجیدگی سے بے مذاق کے کہتا ہوں۔ تو احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے اندر ایسے عالی نسب ہیں جس کو فخر کرنے والے کی محبت پانے سے عاجز ہے۔ میں نے اپنی جان کو ان کے سپرد کردیا اور ان کی حمایت کی اور سرداروں اور گروہوں کے ذریعہ (یا سروں او رسینوں کے ذریعہ) دشمنوں سے حضور کا بچاؤ کیا۔
ولقد کان یتبرك بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و یتوسل بہ الی اللہ تعالٰی فی الدعاء کما یدل علیہ ما روی العلماء من سنة قریش وحدیث الاستسقا[2] و قد حث الناس علی اتباعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و اخبر عن امور لم تقع فصدق	اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے برکت طلب کرتے اور دعا میں آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام کو وسیلہ بناتے چنانچہ اس پر قریش کی قحط سالی اور سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ جسے علماء نے روایت فرمایا ہے دلالت کرتا ہے اور بے شک ابو طالب نے لوگوں کو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع پر ابھارا اور ان باتوں کی خبر دی جو واقع نہ ہوئی تھیں تو ایسا ہی

[1] السیرۃ النبویۃ سید احمد زینی دحلان باب وفاۃ عبدالمطلب المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۸۳، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام شعر ابی طالب فی استعطاف قریش دار ابن کثیر بیروت الجزء الاول والثانی ص۲۸۰ تا ۲۷۲

[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

سبحنه وتعالٰی ظنه ووقع کمثل اخبارہ فوقع ولقد له موقع عظیم فی قلب النبی الکریم علیه افضل الصلوۃ والتسلیم حتی انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لما جاءہ اعرابی فقال یارسول الله اتیناك ومالنا صبی یغط ولا بعیر یئط وانشد ابیاتا فقام صلی الله تعالٰی علیه وسلم یجر رداءہ حتی صعد المنبر ورفع یدیه الی السماء فوالله ماردیدیه بکریمتین حتی التقت السماء بابرا قها وجاءوا یضجون الغرق، فضحك صلی الله تعالٰی علیه وسلم حتی بدت نواجذہ وتذکر قول ابی طالب فی مدحه حیث یقول ؎ وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل [1] فقال لله در ابی طالب لوکان حیا لقرت عیناہ من ینشد ناقوله، فقال علی کرم الله تعالٰی وجهه یارسول الله	ہوا جیسا انہوں نے خبر دی اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے دل میں ان کے لئے مقام عظیم تھا یہاں تک کہ جب سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کی کہ ہم سرکار کے پاس آئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ضعف سے ہمارے بچوں کی آواز نہیں نکلتی اور ہمارے اونٹ لاغری سے کراہتے نہیں اور اس اعرابی نے سرکار کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام چادر اقدس کو گھسیٹتے ہوئے اٹھے اور منبر پر صعود فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو خدا کی قسم ابھی سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ آسمان بجلیوں سے بھر گیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ پکارتے ہوئے آئے کہ ہم ڈوبے، تو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے تبسم فرمایا یہاں تک کہ دندان اقدس چمکے اور آپ کو اپنی تعریف میں ابوطالب کا قول یاد آیا جب انہوں نے عرض کیا تھا کہ ؎ سرکار گورے ہیں جن کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کی ٹیک اور بیواؤں کا سہارا ہیں۔ پھر سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اللہ کے لئے ابوطالب کی خوبی ہے اگر وہ زندہ ہوتے توان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں کون ہمیں ان کے شعر سنائے گا۔ تو حضرت علی

[1] صحیح البخاری، ابواب استسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷، دلائل النبوۃ للبیهقی باب الاستسقاء النبی صلی الله علیه وسلم دار الکتب العلمیه بیروت ۶/ ۱۴۱

كانك تريد قوله وابيض يستسقى، وذكر ابياتا فقال صلى الله تعالٰى عليه وسلم اجل كما اخرجه البيهقى فى دلائل النبوة [1] عن سيدنا انس رضى الله تعالٰى عنه فانظر الى قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم "لله در ابى طالب" وقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم "لوكان حيا لقرت عيناه" وقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم من ينشدنا قوله" ولم ينقل عنه مرة انه رد على النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم وكذبه فيه بل هو القائل فى تلك القصيدة مخاطبا لقريش ؎

لقد علموا ان ابننا لامكذب
لدينا ولايعنى بقول الاباطل [2]

ولذا كان اهون اهل

کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کیا گویا سرکار کی مراد ان کا وہ قصیدہ ہے جسمیں انہوں نے عرض کی "وہ گورے رنگ والے جن کے چہرے کے ذریعہ بارش طلب کی جاتی ہے۔اور سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے چند شعر پڑھے تو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ہاں میں یہی چاہتا تھا۔ جیسا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا تو سرکار ابد قرار علیہ الصلوۃ والسلام کے قول "للہ در ابی طالب" (اللہ کے لئے ابوطالب کی خوبی ہے) کو دیکھو اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمان کو دیکھو کہ اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد پر نظر کرو کہ ہمیں کون ابوطالب کے شعر سنائے گا۔اور ایک بار بھی منقول نہ ہوا کہ ابو طالب نے سرکار کی کسی بات کو رد کیا ہو یا سرکار کو جھٹلایا ہو، بلکہ خود اسی قصیدہ میں قریش سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم لوگ جانتے ہیں کہ ہمارا فرزند ہمارے نزدیک ایسا نہیں کہ جھٹلایا جائے اور نہ اسے جھوٹی باتوں سے کام ہے۔

اور اسی وجہ سے ابوطالب پر تمام دوزخیوں

---

[1] دلائل النبوة للبيهقى باب استسقاء النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم الخ دار الكتب العلمية بيروت ۶/ ۱۴۱

[2] السيرة النبوية لسيد احمد زينى دحلان باب وفاة عبد المطلب المكتبة الاسلامية بيروت ۱/ ۸۳

النار عذابا کما فی الصحاح و نفعته شفاعة الشفیع المرتجی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم حتی اخرج الی ضحضاح[1] علی خلاف من سائر الکافرین الذین لا تنفعهم شفاعة الشافعین، ویالیته لو اسلم لکان من افضل اصحاب النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ولکن قضاء اللّٰه لایرد وحکمه لایعقب وللّٰه الحجة السامیة ولاحول ولاقوة الا باللّٰه العزیز الحکیم وقد فصلنا المسئلة فی بعض فتاونا واظهرنا بطلان قول من قال باسلامه واذا کان ذلك ظهر ان الحصر فی الشقی المکذب ایضا غیر مستقیم الی هذا اشار القاضی الامام حیث قال لایمکن اجراء هذه الایة علی ظاهرها، و یدل علی ذلك ثلثة اوجه۔	سے ہلکا عذاب ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہوا اور شفیع مرتجی (امید گاہ عاصیاں) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت نے انہیں نے نفع دیا تو ان پر تخفیف کے لئے انہیں جہنم کے بالائی سرے پر رکھ دیا گیا اور یہ معاملہ ان کے ساتھ سارے کافروں کے بر خلاف ہے جنہیں شفیعوں کی شفاعت کام نہ دے گی اور کاش وہ ایمان لاتے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افضل صحابہ سے ہوتے۔ لیکن اللہ کا لکھا نہیں ٹلتا اور اس کا حکم نہیں بدلتا اور اللہ ہی کے لئے حجت بلند اور معصیت سے پھرنے کی قوت اور طاعت کی طاقت اللہ عزوجل حکیم کے دئے بغیر نہیں، اور ہم نے اس مسئلہ کو اپنے بعض فتاوی میں تفصیل سے بیان کیا اور ابوطالب کے اسلام کے قائل کی رائے کا بطلان ظاہر کیا ہے اور جب یہ بات یوں ہے تو ظاہر ہوا کہ حصر شقی مکذب (جھٹلانے والے) میں بھی درست نہیں اسی طرف امام ابوبکر نے اشارہ کیا چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کو اس کے ظاہری معنی پر جاری کرنا ممکن نہیں اور اس پر تین وجوہ دلالت کرتی ہیں۔
احدها انه یقتضی ان لایدخل النار "الا الاشقی الذی کذب وتولی" فوجب فی الکافر	ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حصر اس کا مقتضی ہے کہ جہنم میں وہی کافر جائے گا جو سب سے بڑا بد بخت ہو جس نے نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸

الذی لم یکذب ولم یتول ان لایدخل النار [1] الخ۔ **قلت** وبما قررنا المقال بان لك انخساف ماقال الرازی متعقبا للامام القاضی ان کل کافر لابد و ان یکون مکذبا للنبی فی دعواہ ویکون متولیا عن النظر فی دلالۃ صدق ذلك النبی [2] الخ وظھر ایضا ان ھذ التاویل الذی ارتضاہ کثیر من المتاخرین ولایسد خلۃ ولا یشفی غلۃ وعلیك بتلطیف القریحۃ۔ وزعم **ثانیا** ان ایۃ الاتقی ایضا تفتقر الی التاویل لقرینتھا فارتکب ماکان فی مندوحۃ عنہ کما حققنا۔ وزعم **ثالثا** ان تاویل الاتقی بالتقی ممایفیدہ ویغنی زعما منہ ان غیر التقی المذکور	کی تکذیب کی ہو اور ان کی سچائی کے دلائل میں نظر سے اعراض کرتا ہو، تولازم آیا کہ وہ کافر جس سے تکذیب و عراض سرزد نہ ہو (جیسے ابوطالب) جہنم میں نہ جائے۔ **میں کہتا ہوں** جس طور پر اپنے مقالہ کی تکذیب کی اس سے امام رازی کے اس قول کا ضعف ظاہر ہوگیا جو انہوں نے امام قاضی پر بطور اعتراض کیا ہے کہ ہر کافر کا نبی کو اس کے دعوی میں جھٹلانا ضروری ہے اور اس نبی کے دلائل صدق میں نظر سے روگردانی اسے لازم ہے، اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ تاویل جسے بہت سے متاخرین نے پسند کیا کوئی حاجت پوری نہیں کرتی نہ تشنگی کو اکساتی بجھاتی ہے اور تم لطافت طبع کو لازم پکڑو۔ اور **ثانیًا** اسے گمان کیا کہ وہ آیت جو اتقی کے بارے میں ہے وہ بھی اپنے ساتھ والی آیت کی طرح محتاج تاویل ہے، تو اس کا ارتکاب کیا جس سے وہ بے نیاز تھے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی۔ اور **ثالثًا** گمان کیا کہ اس کا اتقی کو تقی کی طرف مؤول کرنا اسے فائدہ دے گا اور غنا بخشے گا اس گمان کی بنا پر کہ اس کے نزدیک

[1] مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر تحت الایۃ ۹۲/۱۵۔۱۶ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۳

[2] مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر تحت الایۃ ۹۲/ ۱۵۔۱۶ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۴

فی الایۃ لایجنب النار۔ **اقول:** ولا یرد علیہ ماسیظن ان این رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ العصاۃ وقد اذنت نصوص قواطع ان کثیرا من الفجار والمثقلین بالاوزار والھالکین علی الاصرار لا یسمعون حسیس النار بمحض رحمۃ العزیز الغفار و فیض شفاعۃ الشفیع المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم ،اذا التقوی درجات وفنون اولھا اتقاء الکفر و ھذا یستوی فیہ المؤمنون وقد افصح ابوعبیدۃ عن مرادہ اذقال الاتقی بمعنی التقی وھو المؤمن [1] انتھی۔ **اقول:** وبہ اندفع مایترای من النقض بالصبیان والمجانین فان المراد بالتقی المؤمن والصبی ان عقل فاسلامہ معقول مقبول و الجنون ان طرء فیستصحب الایمان السالف والا فینسحب علیھما حکم الفطر ۃ الاسلامیۃ۔لکنی **اقول:** اولا فح ماذا تصنع بالام الداخلۃ علی الاتقی	آیت میں مذکور تقی کے سوا کوئی آتش دوزخ سے نہ بچایا جائے گا۔ **میں کہتا ہوں** اور اس پر وہ سوال وارد نہیں ہوتا جس کا عنقریب وہ گمان کریگا کہ پھر اللہ تعالٰی کی رحمت گنہگاروں پر کہاں گئی حالانکہ قطعی دلیلیں بتاچکیں کہ بہت سے بد عمل اور گناہوں سے بوجھل اور مرتے دم تک گناہوں کے عادی محض رحمت عزیز غفار اور شفیع مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب آتش دوزخ کی بھنک تک نہ سنیں گے اس لئے کہ تقوی کے درجات واقسام میں ان کا پہلا درجہ کفر سے بچنا ہے جس مومن برابر ہیں اور ابو عبیدہ نے اپنی مراد ظاہر کردی کہ اس نے کہا اتقی بمعنی تقی کے ہے اور تقی مومن ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** اس تقریر سے وہ اعتراض دفع ہوگیا جو بچوں اور پاگلوں سے نقض کے ذریعہ اٹھتا معلوم ہوتا تھا اس لئے کہ تقی سے مراد مومن ہے اور بچہ اگر سمجھ والا ہے تو اس کا اسلام معقول اور مقبول ہے اور مجنون پر جنون اگر طاری ہے تو شرعا اس کا ایمان سابق اس کے ساتھ مانا جائے گا ورنہ ان دونوں پر حکم فطرت اسلامیہ جاری (یعنی انہیں بہ حکم مسلمان جانیں گے) لیکن **میں کہتا ہوں** کہ اولا جب اتقی بمعنی تقی کے ٹھہرا تو اس صورت میں اس لام

[1] مدارک التنزیل التفسیر النسفی بحوالہ ابی عبیدہ تحت الایۃ ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

اذقد تقرر فی الاصول انھا ان لم تکن للعھد فللاستغراق[1] ومعلوم ان من المؤمنین من یعذب ولا یجنب، ولا ینفع ارادۃ اللزوم بالصلی اذا الکنایۃ للنار دون الصلی ولقد اغرب من تفطن لبعض من ھذا کالقاضی البیضاوی فحمل الکلام علی من یتقی الکفر و المعاصی اقول نعم الان یصح الاستغراق و لکن من للحصر المزعوم الذی یرتکب لاجلہ تاویل الاتقی، اذمن الفجار من یجنب ولا یعذب کما ذکرنا وعلی ھذا یرد النقض ایضا بالصبی والمجنون۔	کے ساتھ کیا معاملہ کروگے جو اتقی پر داخل ہے اس لئے کہ اصول میں مقرر ہوچکاہے کہ لام اگر عہد کے لئے نہ ہوگا تو استغراق کے لئے ہوگا۔اور یہ معلوم ہے کہ مومنون میں وہ ہیں جنہیں عذاب ہوگااور وہ آتش دوزخ سے نہ بچائے گے اور یہ مفید نہیں کہ یصلی سے بجائے آگ میں جانے کے آگ کا لازم ہونا مراد لیا جائے اس لئے کہ یجنبھا (اس دوزخ سے دور کیا جائیگا میں ضمیر جہنم کی آگ کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ صلی مصدر کی طرف (جس کا معنی آگ میں جانا ہے) اور جس کا ذہن ان باتوں مین سے بعض کی طرف پہنچااس نے عجیب و غریب کام کیا جیسے قاضی بیضاوی، توانھوں نے کلام کو اس پر محمول کیاجو کفراور گناہوں سے بچے لیکن اس حصر مزعوم کامدد گار کون جس کی وجہ سے اتقی کی تاویل کاارتکاب کیا جاتا ہے، اس لئے کہ فاجروں میں وہ بھی ہے جو دوزخ کی آگ سے دور رہے گااور اسے عذاب نہ ہوگا)
واقول ثانیا اغمضنا ھذا کلہ وترکناکم وشانکم فاذھبوا بالکلام الی ما تشتھیہ انفسکم الا انکم اغفلتم الصفۃ ھھنا ایضا غفولکم عنھا	اور **ثانیا میں کہتاہوں** کہ ہم نے ان تمام باتوں سے آنکھ میچی اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑا تو کلام کو جدھر چاہئے لے جائے مگر آپ لوگ یہاں بھی صفت سے غافل رہے جس طرح اشقی (جس نے جھٹلایااور منہ موڑا)

[1] التوضیح والتلویح نورانی کتب خانہ پشاور ص۱۳۶

فی "الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾"[1] فان الله سبحنه وتعالٰی لم یرسل الاتقی ارسالا بل خصه "الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ﴿ۚ۱۸﴾"[2] ومعلوم ان التقی الفقیر لا مال له و انه مجنب عن النار لاشک،فان کان الکلام علی الحصر کمازعمتم فالحصر لم یستقیم بعد والا فما ذا یلجئکم الی التاویل والعدول عن ظاہر التنزیل، عن ھذا نقول ان الوجه ترک التکلف وصون اللفظین لاسیما الاتقی عن التغییر و التصرف لانعدام الحاجة فی احدی الآیتین و اندفاعها بطریق اسلم فی الاخری کما یفیده الوجهان اللذان ذکرهما القاضی الامام مع ماشاهدنا ان التاویل یراد ولا مفاد ویقاد ولا ینقاد بید انی مایدرینی لعل الجدال یوری نارا موقدة تطلع علی الافئدة فیقوم قائل ان وجهی القاضی ایضا یعکر علیها بشی فلامناص من تشدید الارکان	کے معاملہ میں آپ نے صفت سے غفلت کی اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے اتقی کو مطلع نہ رکھا بلکہ اسے اس کے ساتھ خاص کیا جو اپنا مال ستھرا ہونے کو راہ خدا میں دے اور یہ معلوم ہے کہ تقی فقیر کے پاس مال نہیں ہے حالانکہ وہ آتش دوزخ سے بے شک دور رہے گا۔ تو اگر کلام بر سبیل حصر ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا زعم ہے تو حصر تواب بھی درست نہیں ہوا اور اگر حصر پر بناء نہیں تو آپ کو تاویل اور ظاہر تنزیل سے عدول کی طرف کون سی چیز مضطر کرتی ہے اسی سبب سے ہم کہتے ہیں کہ صحیح طریقہ یہی ہے کہ تکلف چھوڑا جائے اور دونوں لفظوں خصوصا اتقی کو تصرف و تغیر سے محفوظ رکھیں اس لئے کہ ایک آیت میں تاویل کی حاجت نہیں اور دوسری میں مسلک اسلم سے حاجت مندفع ہوجاتی ہے جیسا کہ ان دو وجہوں نے افادہ کیا جو قاضی امام نے ذکر فرمائیں باوجودیکہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ تاویل مراد ہوتی ہے حالانکہ کوئی مفاد نہیں ہوتا اور وہ کھینچی جاتی ہے جبکہ وہ نہیں کھنچتی۔ لیکن میں کیا جانوں شاید بحث روشن آگ کو بھڑکائے جو دلوں پر چمکیں تو کوئی قائل کھڑا ہوجائے اور کہے کہ قاضی کی مذکورہ دو[۲] وجہوں پر بھی کچھ غبار ہے لہذا ارکان کو مضبوط

[1] القرآن الکریم ۹۲/۱۵، ۱۶

[2] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۸

وتجدید الارصاد علی حسب الامکان۔

فاقول: وربی ولی الاحسان یستبعد علی الوجه الاول وصف الاتقی بانه یجنب تلك النار الکبری فان مدح اکرم القوم بانه لیس ارذل القوم مما لایستملح۔

اقول: والمخلص الاستخدام وهو شائع فی فصیح الکلام بل عدوه والتوریة اشرف انواع البدیع، بل منهم من قدمه فی الشرف علی الجمیع کما ذکر الامام العلامة السیوطی[1] ومنه فی القران العظیم قوله تعالٰی "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ "[2]

کرنا اور اشیاء کی تجدید بقدر امکان ضروری ہے۔

تو میں کہتا ہوں اور میرا رب ولی نعمت ہے، پہلی وجہ پر اتقی کا یہ وصف بیان کرنا کہ وہ بڑی آگ سے دور رکھا جائے گا مستبعد ہے اس لئے کہ قوم کے بزرگ ترین کے لئے یہ کہنا کہ وہ رذیل ترین نہیں ہے اس میں کوئی ملاحت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں اور اس سے نجات دہندہ وہ استخدام ہے اور وہ کلام فصیح میں شائع ہے، بلکہ علماء نے استخدام وتوریہ ف کو بدیع کی سب سے عمدہ قسم شمار کیا ہے بلکہ بعض علماء نے استخدام کو شرف میں تمام اقسام بدیع پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے، اور اس قبیل سے قرآن عظیم میں اللہ تعالٰی کا قول ہے "اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں"

ف: توریہ ایہام کو کہتے ہیں، اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کو لیں جس کے دو معنی ہوں ایک قریب دوسرا بعید، اور معنی قریب سے بعید معنی کا توریہ کریں، اور بعید معنی مراد ہو تو معنی قریب کو مورّی بہ اور معنی بعید کو مورّی علیہ کہتے ہیں۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النور الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵۳

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۱۲و۱۳

المراد بالانسان ابو نا ادم علیه السلام وبضمیر ولده، ومنه قوله تعالٰی "اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ"[1]۔ المراد بامر الله بعثة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی احد الوجوه فی تاویله اخرج ابن مردویة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه فی قوله تعالٰی اتی امر الله قال محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم، والمراد بالضمیر قیام الساعة قاله العلامة السیوطی[2] نفعنا الله تعالٰی بعلومه، امین۔	آیت میں انسان سے مراد ہم انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور ضمیر سے مراد ان کی اولاد ہے اور اسی قبیل سے اللہ تعالٰی کا قول ہے کہ "اللہ تعالٰی کا حکم آیا تو اس کی جلدی نہ مچاؤ۔ اس آیت میں ایک وجہ پر امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول "اتی امر اللہ" میں امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ اور ضمیر سے مراد قیامت کا قائم ہے، یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے ذکر کیا ہے اللہ تعالٰی ہمیں ان کے علوم سے نفع بخشے آمین۔
اقول: فان قلت اذا اردتم بالنار اعظم النیران المخصوص باشقی الاشقیاء فما انذار سائر الناس عنه قلت المعنی ان شاء الله تعالٰی ان الاشقی انما بلغ ما بلغ من کمال الشقاء وسوء الجزاء وجهد البلاء بما ثابر علیه من اللدادو	**میں کہتا ہوں** اب اگر تم کہو جبکہ آپ نے آیت میں مذکور نار سے دوزخ کی سب سے بڑی آگ مراد لی جو تمام اشقیاء سے بدتر شقی کے لئے مخصوص ہے تو سب لوگوں کو اسے ڈرانے کا کیا مقصد ہے، تو میں کہوں گا کہ مقصد ان شاء اللہ تعالٰی یہ ہے کہ وہ سب سے بڑا شقی کمال شقاوت اور بری جزا اور سخت بلا کے جس درجہ پر پہنچا اس کا سبب وہی کفر وعناد ہے اور ہر ناہت اور

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵۴

العناد والاصرار والاستکبار فاحذروا انتم یا ایھا الناس ان لم تنیبو االی الحق ودمتم کدوامه ان تعادلوہ فی الشقاء فتلقوا اثاما کمثل اثامه فکانت الاٰیة علی حد قوله تعالٰی "فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ﴿۱۳﴾ "[1] فانھم انما اصابھم ما اصابھم لمثل ھذا الاعراض فماذا یؤمنکم ان مضیتم علی دابھم ان تعذبوا بعذابھم وحصل الانذار بانه تعالٰی اخبر ان ھناك عدوا اشقی من یوجد وله جزاء اسوء مایکون والناس غیر دارین انه من ھو،ولم یذکر الله تعالٰی من صفاته الاالتکذیب و التولی، فحق ان تنقطع قلب کل مکذب وینفلق کبد کل متول خوفا وفرقا ان یکون ھو ھو فمن ھذا الوجه جاء الانذار لسائر الناس فاتقنه فانه من احسن السوانح بتوفیق الملك العلیم الفاتح جل جلاله	گھمنڈ ہے جس پر وہ قائم رہاتو اے لوگو! تم ڈرو کہ اگر تم حق کو نہ مانو اور ناحق پر جمے رہو جیسا کہ وہ بڑ بدبخت جمارہا کہیں تم بدبختی میں اس کے برابر نہ جاؤ تو اس کے عذاب جیسا عذاب پاؤتو یہ آیت اللہ تعالٰی کے قول "پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی، کے طور پر ہے اس لئے کہ عاد و ثمود پر جو مصیبت اتری وہ اسی طور کے اعراض (روگردانی) کے سبب اتری تو تمہیں کون سی چیز بے خوف کرتی ہے، اگر تم ان اگلوں کی عادت پر جمے رہو ان جیسا عذاب پانے سے یا سب کے لئے تنبیہ ہوگئی کہ اللہ تعالٰی نے بتایا کہ آخرت میں اللہ تعالٰی کا ایک دشمن نہایت بدبخت ہوگا اور اس کے لئے نہایت بدترین سزا ہے اور لوگ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے، اور اللہ تعالٰی نے اس کی صفات میں سے جھٹلانے اور، منہ موڑنے کے سوا کچھ ذکر نہیں کیا تو بجاہے کہ ہر جھٹلانے والے کا دل کٹ جائے اور ہر منہ موڑنے والے کا کلیجہ پھٹ جائے اس ڈر سے کہ کہیں وہ ہی نہ سب سے بڑا بدبخت ہو جس کی یہ سزا سنائی گئی تو اس وجہ سے یہ تخویف سے لوگوں کے لئے آئی، اس نکتہ کو یاد رکھو کہ یہ بادشاہ علیم فاتح (علم والے عقدہ کھولنے والے جل جلالہ) کی توفیق سے ایک

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۳

وھذا الکلام یجری بعضه فی الوجه الثانی ایضا لکن ھنا دقیقة غامضة وھی ان امثال ھذا الحصر الادعائی انما تناسب المقام اذا کان سوق الکلام لذم ھذا الاشقی الملام ،فکانه قیل انه بلغ من الشقاء مبلغا تضمحل دونه سائر الشقاوات فکانه لایلج النار الا ھو ،اما اذا سیق مساق الانذار لجمیع الکفار أو قصد ذٰلك ایضًا مع قصد الذم فلعله لایستحسن حینئذ حصر العقاب فی رجل واحد، تأمل فانه موضعه و العبد الضعیف لھذا یجد نفسه ارکن الی الوجه الاول دون الثانی ،وفیه الغنیة و حصول المنیة، و الحمدﷲ معطی الامانی ،ثم لما بلغت ھذا المقام رجعت العزیزی بعد ما استعرته من بعض الاعزة فرأیت المولٰی عبد العزیز تجاوز اللّٰه تعالٰی عنا وعنه تنبه لھٰذا الاستبعاد الذی ذکرته فی الوجه الاول وجھی القاضی وحق له ان یتنبه لانه العلم فی الذکاء و الفطانة ،ثم اجاب عنه بجوابین: **الاول یقارب ما**	اچھا خیال ہے اور یہ تقریر کچھ وجہ ثانی میں بھی جاری ہے، لیکن یہاں ایک نہایت خفی نکتہ ہے اوہ یہ کہ ایسے حصر ادعائی موقع کے مناسب اسی وقت ہوں گے جبکہ سیاقِ کلام اس بڑے بدبخت وقابل ملامت کی مذمت کے لئے ہو، تو گویا یوں فرمایا گیا کہ یہ شخص شقاوت کے اس درجہ تک پہنچا جس کے آگے سب شقاوتیں ہیچ ہیں تو گویا دوزخ میں اس کے سوا کوئی نہ جائے گا، مگر جبکہ یہ کلام تمام کافروں کی تخویف کے لئے ہو یا، مذمت کے ساتھ یہ قصد بھی ہو تو شاید عذاب کو ایک شخص میں منحصر بتانا مستحسن نہیں، غور کرو کہ یہ مقام غور ہے اور یہ بندۂ ناتواں اسی لئے خود کو دوسری وجہ کے بجائے پہلی وجہ کی طرف زیادہ مائل پاتا ہے اور اسی میں بے نیازی اور مطلب کا حصول ہے اور اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے جو مرادیں عطا فرماتا ہے، پھر میں جب اس مقام تک پہنچا میں نے تفسیر عزیزی اپنے بعض اعزہ سے عاریۃً لے کر دیکھی تو میں نے حضرت مولانا عبدالعزیز کو (اللہ تعالٰی ہمیں اور انہیں معاف فرمائے) دیکھا کہ وہ اس اعتراض کی طرف متنبہ ہوئے جو وجہ اول پر اعلٰی حضرت نے فرمایا اور انہیں متنبہ ہونا ہی چاہئے اس لئے کہ وہ ذکاوت وفطانت کا پہاڑ ہیں، پھر اس کے دو جواب دیے: **پہلا** تو وہی جو علماء نے اختیار فرمایا یعنی

دنا التوفیق الیه من القول بالاستخدام۔	استخدام کا طریقہ۔
والثانی ان التجنیب من تلك النار المخصوصة بالکفار ایضا لها عرض عریض وغایة القصوی مختصة بالاتقی وسائر المومنین وان کانوا مجنبین لکن لا کمثله[1] انتہی معرّبًا۔	دوسرا یہ کہ اس نار سے دور رکھا جانا جو کافروں کے ساتھ خاص ہے اس میں بڑی وسعت ہے اور اس کی آخری حد اتقی کے لئے خاص ہے اور باقی مسلمان اگرچہ وہ بھی اس آگے سے دور رہیں گے لیکن اس کی طرح نہیں اھ۔
اقول: الوجه الوجه الاول وعلیه عندی المعول واما ماذکر من الوجه الثانی فلیس بشیئ عندی وانکان هو المرضی لدیه حتی اورد الاول بصیغة التمریض وذٰلك لان کون التجنیب مقولا بالتشکیل مسلم فی مطلق النار التی یمکن ان یدخلها بعض المومنین ومعنی العرض العریض فیه کما یسبق الیه ذهنی القاصر أن الذنوب مقتضاها الأصلی الذی لو خلیت هی وطبایعها ماأقتضت الا ایاہ انما هو اصابة الجزاء الذی اوعد به علیها وهذا ظاهر جدًّا، فکل من	**میں کہتاہوں** وجہ تو پہلی ہے اور میرے نزدیک وہی معتمد ہے، اور جو دوسری وجہ ذکر کی وہ میرے نزدیک کوئی چیز نہیں اگرچہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو دوسری پسند ہے کہ پہلی کو ایسے صیغہ سے ذکر کیا جس سے اس کے ضعف، کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس لئے کہ نار سے دور رہنا اس کا کلی مشکک ہونا مطلق نار میں مسلم ہے جس میں بعض مومن داخل ہو سکتے ہیں اور تجنیب (ناردوزخ سے دور رہنا) میں بڑی وسعت کا معنٰی جیسا کہ میرا ذہن قاصر اس کی طرف سبقت کرتا ہے کہ گناہوں کا وہ مقتضائے اصلی کہ اگر گناہ اپنی طبیعت کے ساتھ چھوڑ دئے جائیں تو اسی کا تقاضا کریں تو یہ ہے کہ بندہ کو وہ سزا ملے جس کی اسے گناہوں پر وعید سنائی گئی، اور یہ بہت ظاہر ہے، تو ہر وہ شخص جس نے

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیة ۹۲/ ۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۰۴

اذنب ذنباولو مرة استحق بذنبه هذا أن یؤاخذه الملك جل جلاله، ولا تقبض حسناته المكتاثرة علی العزیز االمقتدراذ نفع الحسنات انما یعوداليه، فكیف یمن علی اللہ تعالٰی بما عمله لنفع نفسه، فكیف یجعله ذریعة الی ابطال منشور الجزاء عن رأسه وقد قیل له بأفصح بیان ان كما تدین تدان[1] غایة الامران یقسم لبثه فی الدارین علٰی مقدار لبثه فی العملین كمًا وكیفًا، فیجوز ان تسمه النار بما یعدل هذا المقدار، وقد اعتقدنا نحن معشر اھل السنة و الجماعة رزقنا اللہ سبحٰنه وتعالٰی حظ الرحمة و الشفاعة أنه تبارك وتعالٰی له ان یؤاخذ عبده كل جریرة ولو صغیرة كما ان له ان یتجاوز عن كل كبیرة، فضل وذٰلك عدل وما اللہ بظلامٍ للعبید۔

ثم ان المولٰی جل وعلا بغایة عدله وضع الجزاء مشاكلًا للعمل ولذا یدیم تنغیم المومن وتعذیب الكافر

ایک بار بھی گناہ کیا اللہ تعالٰی کی پکڑ کا مستحق ہے اور بندہ کی بکثرت نیکیاں خدائے غالب وقدیر کو مانع نہیں ہوسکتیں اس لئے کہ نیکیوں کا نفع تو بندہ ہی کو پہنچتا ہے تو کیسے اللہ تعالٰی کو اپنے بھلے کے لئے کیے ہوئے کام کا احسان جتائے گا اور کیونکر اسے سزا کے دستور کو سرے سے باطل کرنے کا ذریعہ بنائے گا، حالانکہ بندہ کو خوب واضح بیان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جیسا تُو کرے گا ویسا تجھے بدلہ دیا جائے گا، غایت امر یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں بندہ کی مدت اقامت کو نیک وبد ہر دو عمل میں ٹھہرنے کی مقدار پر باعتبار قدر وکیفیت تقسیم کریں تو ممکن ہے کہ اسے آگ اتنی مدت تک چھوئے جو اس کے مقدار عمل کے برابر ہو اور ہم اہلسنت وجماعت (اللہ ہمیں رحمت و شفاعت سے نصیب عطا فرمائے) کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی کو حق ہے کہ وہ بندے سے ہر جرم پر مواخذہ کرے اگرچہ صغیرہ ہو جس طرح کہ اس کو سزاوار ہے کہ ہر گناہ سے درگزر فرمائے اگرچہ کبیرہ ہو اور یہ اس کا فضل ہے اور وہ اس کا عدل اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اسی لئے جنت میں مومنین کی آسائش اور جہنم میں کافر کا عذاب ہمیشہ ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالٰی کو انکی نیت اور مخفی ارادے کا

[1] کنزالعمال حدیث ۴۳۰۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

اذقد علم من نیتهما ومکنونات طویتهما أنهما عازمان علی ادامة ماهما من الکفر والایمان حتی لو دامو افی الدنیا لداموا علیه الا تری الی قوله تعالٰی "وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ"[1] ولذٰلك لما انسلخ ابو طالب عن الکفار بشراشره واثبت قدمیه علی تلك الملة الخبیثة نجا الدیان سبحٰنه وتعالٰی سائر بدنه من النار وسلط العذاب علی قدمیه کما فی حدیث الشیخین[2] وغیرهما فقضیة المشاکلة أن من تساوت حسناته وسیأته یساوی لبثه فی العذاب بلبثه فی دار الثواب ومن اذنب ذنبا واحدا اذیق اثامه ومن الم بسیئة ثم انقلع عنها فجزاءه المشاکل ان یدنی الی النار ثم یبعدعنها لیذوق من الفزع والغم قدر ماذاق من اللذة فی اللمم هذا حکم العدل وحکم العدل هو الاصل لکن المولی الجواد الکریم	علم ہے کہ یہ دونوں اپنی اپنی حالت کفروایمان پر قائم ودائم رہنے کا عزم کئے ہوئے ہیں یہاں تک کہ اگر دنیا میں ہمیشہ رہتے اپنے حال پر ہمیشہ رہتے کیا تم اللہ کے فرمان کو نہیں دیکھتے "اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے "اور جب ابوطالب کفار سے تمام وکمال جدا ہوئے اور اپنے قدم اس خبیث ملت پر جمائے رکھے جزادینے والے رب سبحٰنہ وتعالٰی نے ان کے سارے بدن کو نار سے نجات دی اور عذاب کو ان کے قدموں پر مسلط فرمادیا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے تو عمل وجزا میں مشاکلت کا مقتضٰی یہ ہے کہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اس کا عذاب میں رہنا ثواب کے گھر میں رہنے کے برابر ہوا، جو ایک گناہ کرے وہ اس کا عذاب چکھے اور جو برائی کے قریب جائے پھر اس سے جدا رہے تو اس کی جزامشابہ عمل یہ ہے کہ وہ نار کے قریب کیا جائے پھر اس سے دور رکھا جائے تاکہ غم اور گھبراہٹ کا مزہ ارادۂ گناہ میں لذت کے بمقدار چکھے، یہ حکم عدل ہے اور حکم عدل ہی اصل ہے، لیکن جودو کرم والے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۲۸

[2] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصه ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸، صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعة النبی صلی اللہ علیه وسلم لابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵

الذی "كَتَبَ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ؕ" [1] وجعل لها السبقة على الغضب منة ونعمة تشفع اليه شفيعان رفيعان وجيهان حبيبان لايردان ولا يخيبان رحمته الكاملة العامة الشاملة وهذا النبی الكريم المبعوث من الحرم بفيض الجود والكرم صلی اللّٰه تعالٰی عليه واٰله وبارك وسلم فوعد بالطاف جميلة ورحمات جليلة فضلامن لديه من دون وجوب عليه، وحاشاه أن يجب عليه شيئ "وَّهُوَ يُجِيۡرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ" [2] وبشر "اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ" [3] وان اللمم معفوعنا ان شاء اللّٰه تعالٰی "اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَةِ ؕ" [4] وان اللّٰه تجاوزلنا عما همت به انفسنا مالم نعمل اونتكلم و أن من تعادلت كفتاه لم يدخل النار وان لا يهلك على اللّٰه المارد متمرد وهذا كله تفضل وتكرم من المولى الحی جلت	مولٰی نے اپنے اوپر رحمت کولازم فرمایا اور اس کے لئے غضب پر سبقت رکھی اپنے کرم واحسان سے اس سے سفارش کی جو رفعت وجاہت والے وپیارے شفیعوں نے جو نہ پھیرے جائیں نہ محروم ہوں ایک اللہ تعالٰی کی رحمتِ تمام وعام اور دوسرے یہ نبی کریم جو حرم سے فیض جودو کرم کے ساتھ مبعوث ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جمیل مہربانیوں اور جلیل رحمتوں کا وعدہ فرمایا محض اپنے فضل سے نہ اس سبب سے کہ اس پر کچھ واجب ہے اور وہ اس سے منزہ ہے کہ اس پر کچھ واجب ہو حالانکہ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور اس نے خوشخبری دی کہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اور یہ کہ لمم (ارادۂ گناہ) پر ہمیں معافی دے دی گئی بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے اور بیشک اللہ تعالٰی ان باتوں سے در گزر فرماتا ہے جن کا ارادہ ہمارے نفوس کرتے ہیں جب تک انکو انجام نہ دیں یا انہیں نہ بولیں اور جس کے دونوں پلے برابر ہوں گے وہ نار میں نہ جائے گا۔ اور یہ کہ اللہ تعالٰی کے یہاں صرف نہایت سرکش نرانافرمان ہی ہلاک ہوگا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۲
[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۸۸
[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۴
[4] القرآن الکریم ۵۱/ ۳۲

الاءہ وتوالت نعماؤہ ولہ الحمد کما یحب ویرضی۔ فکل من اذنب او الم ثم جنبہ المولی النار فانما جنبہ علی استحقاق منہ لجزاء ما عملہ کما قال تبارك و تعالٰی " اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ " [1] بل لا معنی للمغفرۃ الا تجاوز صاحب الحق عن استیفاء حقہ کلًا او بعضًا فھذا تجنیب بعد تقریب وأنجاء بعد الجاء مع مافیہ ایضا من تفاوت الرتب کمالا یخفی، اما الذی بلغ من التقوٰی غایتہ القصوی حتی تنزہ عن کل مایکرہ وفنی عن الخلق وبقی بالحق و ارتفع شانہ عن اتیان عصیان ونظر بالرضی الی ما یبغض الرحمٰن، فھذا محال ان یکون من النار فی شیئ أو النار منہ فی شئی لاسیما اتقی الاتقیاء وأصفی الاصفیاء	(یعنی کافر) اور یہ سب مولائے غنی کریم کا فضل و کرم ہے۔ اس کی نعمتیں جلیل ہیں اور اس کے احسان پیہم ہیں، اور اسی کے لیے حمد ہے۔ جیسی وہ چاہے اور پسند فرمائے، تو ہر وہ شخص جس نے گناہ کیا یا گناہ کے پاس جا کر رُک گیا پھر اللہ تعالٰی نے اسے نار سے دور رکھا تو اسے اس کے استحقاق کی جہت سے اس کے عمل کی جزا دینے کو دور رکھا چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالٰی لوگوں کو بخشنے والا ہے انکے ظلم کے باوجود" بلکہ مغفرت کا معنی یہی ہے کہ صاحب حق اپنے حق کو لینے سے کلی یا جزوی طور پر در گزر کرے تو یہ نار سے قریب کرکے اس سے دور رکھنا ہے اور نار کی طرف لیجا کر اس سے بچانا ہے اس کے باوجود اس میں رتبوں کا تفاوت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں مگر جو تقوٰی کی سب سے آخری حد تک پہنچ گیا، یہاں تک کہ کہ ہر ناپسندیدہ بات سے دور رہا اور خلق سے فانی اور حق پر باقی ہوگیا اور اس کی شان معصیت کے ارتکاب سے اور رحمٰن کے مبغوض کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے سے بلند ہوگئی تو محال ہے کہ ایسے شخص کو نار سے علاقہ ہو یا نار کو اس سے کوئی تعلق ہو خصوصًا وہ متقیوں کا متقی اور سارے اصفیاء سے زیادہ

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۶

الذی لم یزل من الحق بعین الرضا فی جمیع احواله، ولم یسوء النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعلة من افعاله. فذاك العبد ذاك العبد کلت الالسن عن شرح کماله وتاهت العقول فی تیه جلاله جالت و عالت، فبقیت تکبو ثم رجعت فسئلت فقالت هو هو، فغایة القول فیه أنه أولی العباد وأول المراد بقول الجواد "اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾" [1] هذا معنی العرض العریض للتجنبی من مطلق النار علی حسب مایطیقه البیان، ولا یتاتی مثله فی النار المخصوصة بالکفار اذ انما هی جزاء الکفر والمؤمنون کلهم متساوون فی التباعد عنه اذ الکفر والایمان لایزیدان ولا ینقصان و

صاف باطن جس کے تمام احوال پر حق کی چشم رضا رہی، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جس کا کوئی کام بُرا نہ لگا تو یہی وہ خدا کا بندہ ہے یہی وہ خاص بندہ ہے زبانیں جس کے کمال کو بیان کرنے سے عاجز ہیں جس کی عظمت کے صحرا میں عقلیں گم ہیں اس میں عقلیں دوڑیں اور گھومتی پھریں، پھر گرتی پڑتی رہیں پھر لوٹیں تو ان سے پوچھا تو بولیں وہی وہ ہے، تو اس خاص بندہ کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ وہ سارے بندوں سے اولٰی اور خدائے جواد کے قول "بیشک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہوچکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا" کی پہلی مراد ہے، مطلق نار سے دور رکھنے میں جو بڑی وسعت ہے اس کا مقدور بیان کے مطابق یہ معنی ہے اور ایسی بات اس نار کے بارے میں نہیں بنتی جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے وہ تو کفر کی سزا ہے اور تمام مسلمان اس نار سے دور رہنے میں برابر ہیں اس لئے کہ کفر وایمان یہ دونوں وصف گھٹتے بڑھتے نہیں ہیں اور یہ

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱تا۱۰۳

المسئلة اجماعية والنزاع لفظی فوجب ان یتساووا فی البُعد عن جزاء الکفر ایضًا، واما قوله تبارك وتعالٰی "هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ"[1] فھٰذا بالنظر الی الظاھر اذالاٰیة فی المنافقین لقوله تعالٰی "يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ"[2] یعنی أنھم کانوا یتظاھرون بالایمان فیظن الجاھل بما فی السرائر انھم مؤمنون، لما کانوا یتباعدون بالسنھم عن الکفر ثم لما انخزلوا عن عسکر المؤمنین وقالوا "لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ"[3] تخرق الحجاب وغلب علی الظنون انھم لیسوا بمؤمنین مع تجویز ان یکون ھذا القول منھم تکاسلًا واخلادًا الی ارض الدعة، فھذامعنی القرب و البعداوالمراد بالکفر والایمان اھلوھما

مسئلہ (کفروایمان کا کم زیادہ نہ ہونا) اجماعی ہے اوراختلاف لفظی ہے تو ضرری ہے کہ مسلمان کفر کی سزا سے دور رہنے میں بھی برابر ہوں۔ رہا اللہ تعالٰی کا قول "اس دن وہ ظاہری ایمان کی بہ نسبت کہیں کفر سے زیادہ قریب ہیں" تو یہ باعتبار ظاہر کے ہے اسلئے کہ آیت منافقین کے بارے میں ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالٰی نے ان کے بارے میں فرمایا: "اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ منافقین ظاہری طور پر ایمان والے بنتے تھے تو ان کے دلوں میں چھپی بات سے بے خبر یہ گمان کرتا تھا کہ وہ مسلمان چونکہ منافقین کفر سے دوری ظاہر کرتے تھے پھر جب وہ مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہوگئے اور بولے کہ "اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔" ان کا پردہ فاش ہوگیا اور گمانوں پر غالب ہوگیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں اس احتمال کے ساتھ کہ منافقوں کی یہ بات سُستی اور آسائش کی زمین پکڑنے کی وجہ سے ہو تو قُرب اور بُعد کا یہ معنٰی ہے یا کفروایمان سے مراد صاحبان کفروایمان ہیں اس لئے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷
[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷
[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

اذتقلیلهم سوادالمومنین بالانعزال عنهم تقویة للمشرکین کذا قال المفسرون هذا ماعندی، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

وبالجملة فهبت نسائم التحقیق علی ان الوجه ابقاء اللفظین علی ظاهر هما، وانما تحتاج الی امرین لایعد شیئ منهما تکلفًا ولاتغیرًا۔

الاول ان تنکیرنارًاللتعظیم وهو کما تری شائع فی الکلام الفصیح قرانا وقدیما وحدیثا واخذ التلظی بمعنی اشد مایکون حملا للمطلق علی فرده الکامل وهو ایضامنتشر مستطیر۔

والثانی الاستخدام وهو کما سمعت اعلٰی اومن اعلی انواع البدیع او ارجاع الضمیر الی نفس الموصوف مجردا عن الصفة وهذا لیس من التاویل فی شیئ علی ان غرضنا یتعلق بأیة الا تقی ولا مساغ فیه للتاویل بتا وقطعًاهکذاینبغی التحقیق والله ولی التوفیق والحمدلله رب العالمین۔

اذا وعیت هذا ودریت مافیه

کہ منافقوں کا مسلمان کے گروہ کو کم کرنا مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہو کر مشرکوں کو تقویت دینا ہے ایسا ہے مفسرین نے فرمایا ہے، یہ ہے وہ جو میری رائے ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

خلاصہ یہ کہ اب تحقیق کی ہوائیں چلیں اس پر کہ وجہ تو یہی ہے کہ دونوں لفظوں کو انکے ظاہر پر رکھا جائے اور تمھیں حاجت صرف دو امر کی ہوگی اوران میں سے کوئی نہ تکلف کے شمار میں ہے نہ تغیر کی گنتی میں۔

پہلی بات یہ کہ یہاں "نارًا" نکرہ تعظیم کے لیے ہے اور یہ اسلوب جیسا کہ تم جانتے ہو قرآن وحدیث اور قدیم وجدید کلام فصیح میں شائع ہے اور **تلظی** (آگ کی بھڑک) مطلق کو فرد کامل پر محمول کرتے ہوئے سخت ترین بھڑکنے کے معنی میں لیاجائے اور یہ بھی خوب شائع ہے۔

اور **دوسری بات** استخدام، اور وہ جیسا کہ تم نے سنا اقسام بدیع میں سب سے اعلٰی ہے یا منجملہ اعلٰی اقسام کے ہے یا ضمیر کو نفس موصوف کی طرف بلا لحاظ صفت لوٹائیں اور یہ تاویل سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔علاوہ بریں ہماری غرض توآیت اتقی سے ہے، اوراس میں قطعًاتاویل کی گنجائش نہیں۔اسی طرح تحقیق چاہیے اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو مالک ہے سب جہانوں کا۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی اور تم نے اس کے

وألقيت السمع وانت نبيه هأن عليك الجواب عن هٰذه الشبهة الاولٰى بوجوه۔	مضمون کو سمجھ لیا اور تم نے کان دھرا اور تم ذہین ہو تو تمہیں اس پہلے شبہہ کا جواب چند وجوہ سے آسان ہے:
الاول ظاهر اللفظ واجب الحفظ الا بضرورة واين الضرورة۔	**پہلی وجہ** یہ ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی کی حفاظت واجب ہے یعنی لفظ کو ظاہر سے پھیرنا جائز نہیں مگر بہ ضرورت، اور ضرورت کہاں۔
الثانی ماما لوا اليه لم يزدد الا قدحًا فوجب ان نضرب عنه صفحًا، وابوعبيدة فيما عانٰى لا أصاب ولا أغنٰى فكيف نترك ظاهر قول الله سبحٰنه وتعالٰى بقول رجل لم يكن معصومًا ولا صحابيًا ولا تابعيًا ولا سنّيا ولا مصيبًا فى ماطلب ولا مجديا فى ماالیه هرب۔ ايها الناس انى سائلكم عن شيئ فهل انتم مخبرون أرأيتم لو ان الاٰية وردت بلفظ التقى وفسره بالاتقى ابوعبيدة اللغوى فتعلقناه بقوله وندبناكم الى قبوله ماذا كنتم فاعلين لكن الانصاف شيئ عزيز ولا يؤتى الا ذا حظ عظيم۔	**دوسری وجہ** یہ ہے کہ جس تاویل کی طرف لوگ مائل ہوئے اس سے تو قباحت ہی زیادہ ہوئی تو ضرور ہوا کہ ہم اس سے منہ پھیریں، اور ابوعبیدہ نے جو پاپڑ بیلے اس کاوش میں وہ نہ صواب کو پہنچا اور نہ کوئی مفید بات کہی تو ہم اللہ تعالٰی کے قول کے ظاہری معنٰی کو ایسے شخص کے کہنے سے کیسے چھوڑ دیں جو نہ معصوم تھا، نہ صحابی تھا، نہ تابعی، نہ سنی، نہ اپنے مطلب میں صواب کو پانے والا، نہ اپنے مفَر میں نفع بخش۔ اے لوگو! میں تم سے ایک بات پوچھوں تو کیا جواب دو گے، مجھے بتاؤ اگر آیت لفظ تقی کے ساتھ وارد ہوتی اور ابو عبیدہ لغوی اسے اتقی سے تفسیر کرتا تو ہم اس کے قول سے چمٹ جاتے اور تمہیں اسے قبول کرنے کی دعوت دیتے اب تم کیا کرتے، لیکن انصاف کمیاب شیئ ہے اور بڑے نصیب والے ہی کو ملتا ہے۔
الثالث سلمنا كونه فى الاٰية وجهًا وجيهًا لكن هو الوجه فيها بل وجهنا هو الأوضح والأجلى	**تیسری وجہ** یہ ہے کہ ہم نے آیت میں اس کا وجہ وجیہ ہونا مان لیا، مگر آیت میں کیا یہی وجہ ہے، بلکہ ہماری وجہ واضح تر اور زیادہ

ولا تنافی بین نجاۃ التقی ونجاۃ الاتقی والقرآن محتج به علی کل تاویل واحد الوجهین یوجب التفضیل و الوجه الاٰخر لاینافیه فوجب القبول والقول بما فیه۔ ولذٰلك تری علمائنا رحمهم الله تعالٰی لم یزالوا محتجین بالاٰیة الکریمة علی تفضیل العتیق الصدیق رضی الله تعالٰی عنه وهم ادری منا ومنکم بما قاله أبو عبیدة وغیره ثم هذالم یقعدهم عن سلوك تلك المسالك ولم ینکر علیهم احد ذٰلك فثبت ان مقصودنا بحمدالله حاصل ومزعومکم بحول الله باطل، والحمدلله رب العٰلمین ایاه نرجو وبه نستعین۔

روشن ہے تقی اور اتقی کی نجات میں کوئی منافات نہیں ہے اور قرآن ہر تاویل پر حجت ہے، اور دو وجہوں میں سے ایک تفضیل کی مقتضی ہے اور دوسری اس کی منافی نہیں تو قبول کرنا اور اس وجہ کے مضمون کا قائل ضروری ہے۔
اسی لئے ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کو دیکھتے ہو کہ وہ اس آیت سے سیدنا عتیق صدیق کی فضیلت پر دلیل لاتے ہیں حالانکہ وہ ابوعبیدہ وغیرہ کے کلام کو ہم سے اور تم سے زیادہ جانتے ہیں، پھر بھی علماء کو اس بات نے اس مسالک پر چلنے سے نہ روکا، نہ کسی نے اس مسلک کو ناپسند کیا اب ثابت ہوگیا کہ ہمارا مقصد بحمداللہ حاصل ہے اور تمہارا زعم اللہ کی قدرت سے باطل ہے اور سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو مالک ہے سب جہانوں کا، ہم اسی سے امید رکھیں اور اسی سے مدد چاہیں۔

الشبهة الثانیة:مانقله المولی الفاضل استاذ استاذی عبدالعزیز بن ولی الله الدهلوی سامحنا الله وایهما بلطفه الخفی وفضله الوفی فی تفسیر فتح العزیز بعد ماذکر استدلال اهل السنة والجماعة بالاٰیة الکریمة علی الطریق المشهور بین علماء الدهور،قال وقالت اهل التفضیل ان الاتقی محمول علی التقی منسلخ عن معنی التفضیل اذلولاه لشمل باطلاقه النبی صلی الله تعالٰی

دوسرا شبہہ: وہ ہے جو میرے استاذ الاستاذ ومولا فاضل عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی (اللہ تعالٰی ہمیں اور انہیں اپنے لطف خفی اور فضل کامل سے معاف فرمائے) نے تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کریمہ سے اہل سنت وجماعت کے استدلال کو علمائے زمانہ کے درمیان مشہور طریقہ پر ذکر کرنے کے بعد نقل فرمایا، انہوں نے فرمایا کہ تفضیلیہ نے کہا کہ اتقی بمعنی تقی ہے، اور وہ (اسم تفضیل) معنی تفضیل سے مجرد ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی نہ ہو تو اسم تفضیل کے اطلاق کے

عليه وسلم فيلزم ان يكون الصديق اتقى منه صلى الله تعالٰی علیه وسلم وهو باطل قطعًا بالاجماع فقال واجاب اهل السنة والجماعة ان حمل الاتقى على التقى يخالف اللسان العربي والقراٰن انما نزل بها فحمله على ماليس منها غير سديد، وما ذكروا من الضرورة مندفع بان الكلام فی سائر الناس دون الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام لما علم من الشريعة ان الانبياء اعلى كرامة واشرف مكانة عندالله تبارك و تعالٰی فلايقاسون بسائر الناس ولا يقاس سائر الناس بهم فعرف الشرع حين جريان الكلام فی مقام التفاضل وتفاوت الدرجة يخص امثال هذا اللفظ بالامة والتخصيص العرفی اقوى من التخصيص الذكری كقول القائل خبز القمح احسن خبز لن يفهم منه تفضيله علٰی خبزاللوز لأن استعماله غير متعارف وهو خارج عن المبحث اذ الكلام انما انتظم الحبوب دون الفواكه[1] هذا كلامه فی التفسير الفارسی اوردناه نقلًا بالمعنٰی۔

سبب صدیق کی فضیلت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شامل ہوگی تو لازم آئیگا کہ صدیق نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتقی ہوں اور یہ قطعًا اجماعی طور پر باطل ہے، شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ اہل السنت والجماعت نے جواب دیا کہ اتقی کو تقی کے معنی میں لینا عربی زبان کے خلاف ہے اور قرآن تو اسی میں اترا، تو ایسے طریقہ پر محمول کرنا جو زبان عربی کے دستور میں نہ ہو صحیح نہیں ہے اور جو ضرورت تفضیلیہ نے ذکر کی وہ مندفع ہے، اس لئے کہ کلام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں ہے کیونکہ شریعت سے یہ معلوم ہے کہ انبیاء کی عظمت سب سے زیادہ ہے اور انکا مرتبہ سب پر بلند ہے تو انہیں باقی لوگوں پر قیاس نہ کیا جائے گا، نہ باقی لوگ ان پر قیاس کئے جائینگے، تو شریعت کا عرف مقام فضیلت اور تفاوت مراتب کی جاری گفتگو میں ایسے الفاظ کو امت کے ساتھ خاص کردیتا ہے اور تخصیص عرفی تخصیص ذکری سے زیادہ قوی ہے جیسے کوئی کہے کہ گیہوں کی روٹی سب سے اچھی روٹی ہے، اس سے گیہوں کی روٹی کی فضیلت بادام کی روٹی پر نہ سمجھی جائیگی اس لئے کہ اس کا استعمال متعارف نہیں ہے اور وہ بحث سے خارج ہے اس لیے کہ کلام اناج کو شامل ہے نہ کہ میووں کو۔ یہ شاہ عبدالعزیز کا تفسیر فارسی میں کلام تھا جس کے مفہوم کو ہم نے نقل کیا۔

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی پ عم ص ۳۰۴

اقول: وباللہ التوفیق اما ماذکر من ان ھذا یخالف اللسان العربیۃ فممنوع ومدفوع. الا تری الی قولہ تعالٰی "ھُوَالَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْہِ ؕ"[1] ولیس شیئ اھون علی اللہ تعالٰی من شیئ والمعنی فی نظرکم علی احد تاویلات فی عسٰی ولعل الواردین فی القران، والی قولہ تعالٰی "اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ یَوْمَىٕذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾"[2] ولا خیر للغیر ولا حسن لأھل الضیر اولاٰیۃ جاریۃ علی سبیل التھکم بھم کما قال المفسرون لکن الأمر أن	**میں کہتا ہوں** اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے، رہی وہ بات جو شاہ صاحب نے ذکر کی کہ یہ (اتقی بمعنی تقی ہونا) ممنوع ومدفوع ہے، کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا قول "اور وہی ہے کہ اول بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہیے" حالانکہ اللہ تعالٰی کے لئے کوئی چیز دوسری چیز سے زیادہ آسان نہیں (یعنی اللہ تعالٰی کو ہر چیز پر یکساں قدرت حاصل ہے) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ بنانا تمہاری نظر میں زیادہ آسان ہونا چاہیے اور یہ عسٰی ولعل جو قرآن میں وارد ہیں ان کی تاویلات میں سے ایک تاویل کی بناپر ہے اور کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا یہ قول "جنت والوں کا اس دن (سب سے عـــہ) اچھا ٹھکانا اور حساب کی دوپہر کے بعد (سب سے) اچھی آرام کی جگہ" حالانکہ غیر کے لئے خیر نہیں اور خسارہ والوں کیلئے

عـــہ: آیت کا ترجمہ ہم نے "کنزالایمان" سے نقل کیا ہے اور بریکٹ میں دو جگہ لفظ "سب سے" بڑھادیا ہے تاکہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ خیر واحسن کا اسم تفضیل کے لحاظ سے اصل ترجمہ اس طرح ہونا چاہیے تھا، مگر قرینہ حالیہ کے سبب صحیح وہ ہے جو اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے کیا، اور اس سے ظاہر ہے کہ یہاں خیر واحسن کا حقیقی معنی تفضیل والا نہیں۔ ازہری غفرلہ

[1] القرآن الکریم ۳۰/ ۲۷

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۴

الافعل حقیقته فی التفضیل ولا یسار الی الانسلاخ عنه الا لضرورة دعت بقرینة قامت کما فی الاٰیتین اللتین تلونا وحیث لاضرورة ولا قرینة کمانحن فیه لانقول به والمصیر الیه اشبه بالتحریف منه بالتفسیر کما قد حققنا وھذا القدر یکفی للرد علیھم، واما ماذکر من حدیث التخصیص عرفا فجری منه علی تسلیم ماادعی الخصم من أن اللفظ بصیغته یشمل الانبیاء علیھم الصلوٰة والسلام وان بغیت الحق المرصوص فلا شمول ولا خصوص لأن الا تقٰی ان عم عم افرادہ وھم المفضلون المرجحون دون المرجوحین المفضل علیھم۔

کوئی اچھائی نہیں، یا آیت کفار سے استہزاء کے طور پر جاری ہے، جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسم تفضیل کامعنٰی حقیقی تفضیل ہے اور تفضیل سے مجرد ہونے کی طرف بغیر ضرورت داعیہ بہ سبب قرینہ قائمہ نہ پھرے گی جیسا کہ ان دوآیتوں میں جو ہم نے تلاوت کیں اور جہاں نہ ضرورت ہو اور نہ قرینہ ہو وہاں ہم تفضیل سے مجرد ہونے کا قول نہ کریں گے اوراس طرف پھرنا تفسیر کی بہ نسبت تحریف سے زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ ہم نے تحقیق کیا اوراس قدر انکے رد کے لئے کافی ہے،اور رہی وہ تخصیص عرفی کی بات جو شاہ صاحب نے ذکر فرمائی تو مدعی کا وہ دعوی کہ لفظ اپنے صیغہ کے سبب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی شامل ہے تسلیم کرنے کی تقدیر جاری ہوئی اور اگر تم حق محکم کو چاہو تو نہ شمول ہے نہ خصوص ہے اس لئے کہ اتقی اسم تفضیل اگر عام ہے تو اپنے افراد کو عام وشامل ہے۔اوراس کے افراد وہ ہیں جنہیں فضیلت وترجیح دی گئی ہے نہ کہ وہ مرجوح جن پر دوسروں کو فضیلت دی گئی۔

وسر المقام بتوفیق الملك العلام ان الافضل لابد له من مفضل علیه والمضل علیه یذکر صریحا اذا استعمل مضافا اوبمن اما اذا استعمل باللام فلا یورد فی الکلام

اوراس مقام میں علم والے بادشاہ کی توفیق سے راز یہ ہے کہ افضل کے لئے ایک مفضل اور دوسرا مفضل علیہ لازم ہے اور جب اسم تفضیل اضافت کے ساتھ یا من کے ساتھ مستعمل ہو تو مفضل علیہ صراحۃً مذکور ہوتا ہے،

ولكن اللام تشير اليه على سبيل العهد فى ضمن الاشارة الى المفضل لان ذات ماله الفضل كما هو مفاد لفظ افعل بلا لام لاتتعين الا وقد تتعين المفضل عليه فعهدها يستلزم عهده واذلم يكن هناك عهد فى اللفظ فالمصير الى العهد الحكمى وقد عهد فى الشرع المطهر تفضيل بعض الامة علٰى بعض لاتفضيلهم على الانبياء الكرام فلا يقصده المتكلم ولا يفهمه السامع فلم يدخلوا حتى يخرجوا .تأمل، انه دقيق،وقد كنت أظن هكذا من تلقاء نظرى الى ان رايت علماء النحو صرحوا بما ابدى فكرى ولله الحمد۔	لیکن جب اسم تفضیل الف لام کے ساتھ آتا ہے تو اس میں مفضل علیہ کلام میں ذکر نہیں کیاجاتا لیکن لام تعریف بر سبیل عہد مفضل علیہ کی طرف مفضل کی طرف اشارہ کے ضمن میں اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ کوئی ذات جس کو دوسرے پر فضیلت ہو جیسا کہ صیغہ افعل کا مفاد ہے بغیر لام تعریف کے اسی وقت متعین ہوگی جب مفضل علیہ متعین ہو تو اس کی تعیین مفضل علیہ کی تعیین کو مستلزم اور جب کہ تعیین صراحۃً موجود نہیں تو مآل کار حکمًا تعیین مانتا ہے اور شرع مطہر میں بعض امتیوں کی تفضیل دوسرے امتیوں پر معروف ہے نہ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر فضیلت ہو تو نہ متکلم کی مراد ہوتی ہے نہ مخاطب ہی یہ معنی سمجھتا ہے،اب انبیائے کرام عموم میں داخل ہی نہیں کہ اس سے مستثنٰی کئے جائیں،اس کلام میں غور کرے،بیشک یہ دقیق ہے اور میں اپنی سمجھ سے یہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے نحو کے عالموں کی تصریح اپنے نتیجہ فکر کے مطابق دیکھی وللہ الحمد۔
قال المولى السامى نور الملة والدين الجامى قدس الله تعالٰى سره وضعه لتفضيل الشيئ على غيره فلا بدفيه من ذكر الغير الذى هو المفضل عليه وذكره مع من و الاضافة ظاهر ،واما مع	حضرت بلند مرتبت نور الملۃ والدین جامی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ نے فرمایا اسم تفضیل کی وضع شَے کی غیر پر فضیلت بتانے کے لئے ہے،لہٰذا اس میں غیر جو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ضروری ہے اور من اور اضافت کے ساتھ تو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ظاہر ہے۔رہا لام تعریف کے ساتھ تو مفضل علیہ ظاہرًا مذکور کے حکم میں ہے اس لئے کہ لام

اللام فھو فی حکم المذکور ظاھرًا لانه یشار باللام الی معین بتعیین المفضل علیه مذکور قبل لفظًا او حکمًا کما اذطلب شخص افضل من زید، قلت عمر و الأفضل ای الشخص الذی قلنا انه افضل من زید، فعلی ھذا لاتکون اللام فی افعل التفضیل الا للعھد انتھٰی۔	تعریف سے ایک معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو لفظ میں مذکوریا حکم میں موجود مفضل علیہ کی تعیین سے متعین ہوتا ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص زید سے افضل مطلوب ہو تو تم کہو کہ عمرو افضل ہے (لام تعریف کے ساتھ) تو مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسے ہم نے زید سے افضل کہا عمرو ہے، تو اس بناء پر صیغہ افعل التفضیل میں لام عہد (تعیین) ہی کے لئے ہوگا **انتھی**۔
قلت وتنقیح المرام بتحقیق المقام یستدعی بسطا نحن فی غنی عنه(**لطیفتان**)بمثل ماصرّح المولی الجامی [1] صرح الرضی الاسترآبادی الذی لم تکن فی مصرہ عمارۃ عصرہ الابنحوہ لکنا لم ناثر عنه لان علی قلبه آفة لاحدلھافھم من فھم ھذا ثم ان المولی الفاضل نقل فی التفسیر جوابًا آخر عن بعض الاجلة الاکابر ولعله یریدبه اباہ وھو أن الاتقی ھٰھنا	**قلت** (میں نے کہا) مقصود کی تنقیح اس بحث کی تحقیق کے ذریعہ تفصیل کو چاہتی ہے جس سے ہم بے نیاز ہیں (دو لطیفے) جس طرح اسم تفضیل کے بارے میں فاضل جامی نے تصریح کی، ایسی ہی تصریح رضی استرآبادی نے بھی کی جس کے شہر میں اس کے زمانے میں اسی کی نہج ونحو پر عمارت قائم ہوئی، مگر ہم نے اس کا کلام نقل نہ کیا اس لئے کہ اس کے دل پر ایسی آفت ہے جس کی حد نہیں ہے، اس کو سمجھا جو سمجھا، پھر فاضل مولانا نے بعض گرامی قدر اکابر سے ایک اور جواب نقل کیا اور شاید ان کی مراد ان کے والد ہیں اور وہ یہ کہ اتقی اس جگہ اپنے معنی پر ہے یعنی جو تقویٰ میں اپنے

[1] شرح الجامی الاسماء والوافقھا بحث اسم التفضیل مطبع مصطفائی لکھنؤ ص ۲۷۷

علٰی معناہ اعنی من فضل فی التقوی علٰی کل من عداہ نبیا کان او غیرہ الا انہ یختص بالاحیاء الموجودین فالصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ یوصف بہ فی اٰخر عمرہ حین خلافتہ بعد ارتحال المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسیدنا عیسٰی علٰی نبینا علیہ الصلٰوۃ و السلام لما کان مرفوعا الی السماء لم یبق فی حکم الاحیاء ،ولا یجب للتقی ان یکون اتقی فی جمیع الاوقات وبالنسبۃ الٰی کل احد من الاحیاء والاموات و الالم یوجد لہ فی العٰلمین مصداق اذلا یتصور التقوی فی زمن الصبا وکل منصب محمود شرعًا فالعبرۃ فیہ باٰخر العمر کالعدل والصلاح والغوثیۃ و القطبیۃ و الولایۃ والنبوۃ ولھذا یدعی بھٰذہ الاوصاف من تشرف بھا فی اواخر عمرہ وان لم یکن لہ ذٰلك من بدو امرہ.فالاتقی من فضل بالتقوی من سائر الموجودین فی آخر عمرہ الذی ھو وقت اعتبار الاعمال وبہ یثبت المدعی بلا تکلف ولا تاویل[1] اھ بالتعریف وقد ارتضاہ المولی الفاضل جانحا الیہ وساکتا علیہ۔

ماسوا سے افضل ہو خواہ نبی ہو یا غیر نبی، مگر یہ کہ اس صورت میں یہ ان کے ساتھ خاص ہوگا جو زندہ موجود ہیں۔ پھر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اتقی کے مصداق اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنی خلافت کے دور میں مصطفٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال کے بعد ہوئے اور سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ جب آسمان پر اٹھالئے گئے تو وہ زندوں کے حکم میں نہ رہے اور اتقی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام اوقات میں اتقی ہو اور تمام احیاء و اموات سے افضل ہو، ورنہ عالم میں کوئی اس کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ بچپن کے زمانہ میں تقویٰ متصور نہیں، اور ہر منصب جو شرعًا محمود ہو اس میں اعتبار آخر عمر کا ہے جیسے عدل و صلاح غوثیت وقطبیت ولایت ونبوت اسی لئے جو ان اوصاف سے مشرف ہوتا ہے اسے اس کے آخری ایام میں ان اوصاف کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اگرچہ یہ اوصاف ان لوگوں کو ابتداء سے حاصل نہیں ہوتے تو اتقی وہ ہے جو تمام موجودین کے بیچ تقویٰ میں سب سے افضل ہو، اپنی اواخر عمر میں جس وقت اعمال کا اعتبار ہوتا ہے اور اس تقریر سے صدیق کی افضلیت کا دعوی بے تکلف وتاویل ثابت ہوجاتا ہے، عربی عبارت کا ترجمہ ختم ہوا اور اس تقریر کو فاضل مولانا نے اس کی طرف میلان اور اس پر سکوت کرتے ہوئے پسند کیا۔

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی، پارہ عم ص ۳۰۴۔۵

اقول: وان جعل اللہ الفطانۃ بمرأی العین من قلب وکیع اتقن وأیقن ان ھذا لایزید علی تلمیح ھب ان حدیث"العبرۃ بالخواتیم"[1] حق واجب التسلیم لکن الیس العقل السلیم شھیدًا بانہ اذا ذکر أحد من الاحیاء الموجودین بنعت من النعوت لایفھم منہ الا اتصافہ فی الحال لانہ یصیر ھکذا بالمآل والتبادر دلیل الحقیقۃ والافتیاق الی قرینۃ تصرف الافھام،و تظھر المرام و امارۃ المجاز فماذا یحوجنا الیہ مع استقامۃ الحقیقۃ من دون تکلف ولا تاویل، اما علی طریقتنا فالامر أبین واجلی، واما علی طریقۃ الشیخ العزیز عبد العزیز فلان امثال تلك التخصیصات تکون مرتکزۃ فی الاذھان من دون حاجۃ الی البیان،ولیس دلالۃ ھذا التلویح أدون من ارشاد التصریح ولھذا لا ینزل العام عن درجۃ القطعیۃ کما فی الکتب الاصولیۃ واعجب من ھذا عدہ تکلفاوتاویلامع شیوعہ فی	**اقول:** (میں کہتاہوں)اوراگر اللہ تعالٰی ذہانت کو قلب کے سامنے رکھے تو وہ محکم یقین کرلے گا کہ یہ ملمع سے زیادہ نہیں،مان لو کہ حدیث کاارشاد ہے "خاتمہ کااعتبار ہے "حق واجب التسلیم ہے لیکن کیا عقل سلیم شاہد نہیں کہ جب دنیا میں زندہ موجود لوگوں میں سے کوئی کسی وصف کے ساتھ مذکور ہو تواس سے اس کافی الحال متصف ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ ایساآئندہ ہوجائے گا،اور تبادر (معنی کی طرف سبقت فہم) معنی حقیقی کی دلیل ہےاور قرینہ کی حاجت جو ذہن کو دوسرے معنٰی کی طرف پھیرے اور مقصد ظاہر کرے مجازی معنی کی علامت ہے تو ہمیں مجاز کی ضرورت کس لئے پڑی باوجودیکہ حقیقت بغیر تکلف وبغیر تاویل درست ہے ہمارے طریقے پر،تو معاملہ خوب ظاہر وباہر ہے، اور شیخ عبدالعزیز کے طریقہ پر حقیقی معنی کی درستگی اس لئے ایسی تخصیصات عرفی اذہان میں مرتکز ہوتی ہیں جن کے بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور عرف عام کے اس اشارہ کی دلالت صراحت کی دلالت سے کم رتبہ نہیں،اوراسی لئے عام درجہ قطعیت (تیقن) سے نہیں گرتا،جیساکہ اصول فقہ کی کتب میں مصرح ہے،اوراس سے عجیب تر یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے اس (تخصیص)

[1] صحیح البخاری کتاب القدر باب العمل بالخواتیم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۷۸، کنزالعمال حدیث ۵۹۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۲۵

النصوص حدیثا وتنزیلا فلو کان من باب التکلف فما اکثر التکلف فی افصح الکلام وکلام من ھو افصح الانام علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام، واغرب من ھذا زعم طریقتہ بریئۃ من التکلف مع انھا تحتاج الی ماھو ابرد وابعد فان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یکن بالحقیقۃ أتقی لا لموجودین فی حین من الاحیان لحیات سیدنا عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام علی أرجح الاقوال وزعم التحاقہ بالاموات لارتفاعہ الی السمٰوٰت کلمۃ ھو قائلھا ما علیھا دلیل ولا برھان، وان سلم فاین انت من سیدنا الخضر علیہ السلام مع أن المعتمد المختار نبوتہ وحیاتہ[1] فان قلت انہ مختف عن الابصار معتزل عن الامصار فالتحق بالاموات کان عذرًا أفسد من الاول فافھم علی أنا قد اثبتنا اطلاق السفۃ علی من سیکون کذا تجوز ولا تجوز الابقرینۃ ولا قرینۃ الاتخصیص الانبیاء

عرفی کو تکلف وتاویل میں شمار کیا باجودیکہ یہ قرآن وحدیث کی نصوص میں شائع ہے تو اگر یہ تکلف کے باب سے ہو تو افصح الکلام (قرآن) اور سب سے زیادہ فصیح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں کس قدر تکلف ہوگا۔ اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے پسندیدہ طریقہ کو تکلف سے بری کہا جب کہ وہ بہت دور کی اور بہت بارد تاویل کا محتاج ہے اس لئے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کسی وقت بھی تمام موجودین سے حقیقۃً زیادہ متقی نہ تھے اس لئے کہ راجح مذہب پر سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں زندہ ہیں اور آسمانوں میں حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے ہونے کے سبب انھیں اموات سے ملحق بتانا ایسی بات ہے جو انہوں نے کہی اور اس پر کوئی دلیل وبرہان نہیں ہے۔ پھر اگر یہ بات تسلیم کرلیں تو تم سیدنا خضر علیہ السلام سے کہاں غافل ہو باوجودیکہ معتمد ومختار یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور دنیا میں زندہ ہیں تو اگر تم کہو کہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ اور شہروں سے جدا ہیں اس بنا پر اموات سے ملحق ہیں تو یہ عذر پہلے سے زیادہ فاسد ہوگا تو تم سمجھ لو، علاوہ ازیں ہم ثابت کرچکے کہ صفت کا اطلاق ایسے شخص پر جو آئندہ صفت کا مصداق ہوگا مجاز ہے اور مجاز بغیر قرینہ کے ماننا درست نہیں اور قرینہ شرعی انبیاء کی تخصیص ہے، تو کلام کو

[1] شرح المقاصد المقصد السادس الفصل الرابع المبحث السابع دار المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۲/۳۱۱

شرعًافباتکائہ حمل الکلام علی الحقیقۃ اولٰی ام المصیر الی التجوز معتمداعلٰی تلك القرینۃ نفسھا، وقدبقی بعد خبایافی زوایالانذکرھا مخافۃ للطویل فحق الجواب والحق فی الجواب ماذکر العبدالذلیل وولی التوفیق ربی الجلیل۔ **ثم اقول:** وھناك نکتۃ اخری أحق واحری بقبول النھٰی لم ارمن تنبہ لھا وھی ان افعل التفضیل لا محید لہ من مفضل علیہ فالمحلی منہ باللام اما ان یکون مفادہ التفضیل علی جمیع من عھد التفاضل فیما بینھم فی امثال ھذا المقام کالحبوب فی قولنا خبزالبرھوالاحسن والاکثرفیما نحن فیہ.او علی بعضھم دون بعض اولا ولا بل احتمالاعلی الاول حصل المقصود والثانی باطل بالبداھۃ الاتری الی قولہ تعالٰی "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَىۙ(۱)"[1] وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی دعائہ دبر الصلوۃ اسمع و	حقیقت پر محمول کرنا اولٰی ہے یا مجاز کی طرف اسی قرینہ پر اعتماد کی وجہ سے پھیرنا انسب ہے اور کچھ پوشیدہ باتیں گوشوں میں رہ گئی ہیں جنہیں ہم طوالت کے ڈر سے ذکر نہیں کرتے تو جواب برحق اور جواب کا حق وہی ہے جو بندہ ناتواں نے اپنے رب جلیل کی توفیق واعانت سے ذکر کیا۔ **ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) اس مقام میں ایک دوسرا نکتہ ہے جو عقلوں کو قبول ہونے کا زیادہ سزاوار ہے، میں نے نہ دیکھا کہ کسی کو اس نکتہ کی طرف توجہ ہوئی ہو اور وہ نکتہ یہ ہے کہ افعل التفضیل کے لئے مفضل علیہ ضروری ہے تو اس صیغہ پر جب لام تعریف داخل ہوگا تو یا تو ایسے مقام میں ان تمام افراد پر فضیلت ہوگا جن کے درمیان ایسے مواقع پر حرف میں تفاضل سمجھا جاتا ہے جیسے ناج کی قسموں میں ہمارے جملہ "گیہوں کی روٹی ہی اچھی ہے" میں اور وہی زیادہ تر مستعمل ہے اس مقام میں جس کی بابت ہم گفتگو کررہے ہیں، یا اس صیغہ سے بعض پر فضیلت سمجھی جائے گی اور بعض پر فضیلت مفہوم نہ ہوگی یا نہ پہلی صورت ہوگی نہ دوسری، بلکہ دونوں کا احتمال ہوگا۔ پہلی تقدیر پر ہمارا مدعا حاصل ہے اور دوسری تقدیر پر بداہۃً باطل ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے قول "اپنے رب اعلٰی کی پاکی بولو

[1] القرآن الکریم ۸۷/۱

استجب اللہ اکبر والاکبر علی روایۃ الرفع. اخرجہ ابوداود. والنسائی وابن السنی وقول ابن امسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] بین الصفاء والمروۃ "رب اغفر وارحم انك انت الاعزاالاکرم. رواہ ابن ابی شبیۃ[2] بل الٰی قول کل مصل فی سجودہ سبحٰن ربی الاعلٰی" وعلی الثالث کانت الآیۃ مجملۃ فی حق المفضل علیھم والمجمل ان لم یبین عد من المتشابھات ولم یعد ھا أحد منھا لکنا بحمد اللہ وجدنا البیان من صاحب البیان علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام. اخرج الامام ابو عمر بن عبدالبر من حدیث مجالد عن شعبی قال سألت ابن عباس او سئل ای الناس اول اسلامًا قال اما سمعت قول حسان بن ثابت۔	کی طرف اور نماز کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول "اے رب! دعا سن لے اور قبول فرما، اللہ اکبر، اللہ اکبر، کی طرف۔ اکبر کے مرفوع ہونے کی روایت پر اس حدیث کو روایت کیا ابوداود، نسائی اور ابن السنی نے، اور صفاومرہ کے درمیان ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول "اے رب بخش دے اور مہر فرما بیشک توہی عزت والا کرم والا ہے" کو نہیں دیکھتے۔ اسے روایت کیا ابن ابی شیبہ نے، بلکہ سجدے میں ہر نمازی کے قول "سبحان ربی الاعلٰی" کو نہیں دیکھتے اور تیسری تقدیر پر ہر آیت مفضل علیہم کے حق میں مجمل ہوگی اور مجمل آیت کا بیان اگر نہ ہوا تو وہ متشابہ آیتوں میں شمار ہوگی حالانکہ اس آیت کو کسی نے متشابہات میں شمار نہ کیا، لیکن ہم نے بحمد اللہ اس آیت کا بیان صاحب بیان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پایا۔ امام ابو عمر ابن عبد اللہ نے روایت کی حدیث مجالد سے انہوں نے شعبی سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے پوچھا یا ابن عباس سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ انہوں نے فرمایا: کیا تم نے حسان بن ثابت کے یہ شعر نہ سنے:

[1] سنن ابی داود کتاب الصلوٰۃ باب مایقول الرجل اذا سلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۱۱، عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول فی دبر صلوٰۃ الصبح دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ص ۳۲

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الحج باب ۴۶۰ حدیث ۱۵۵۶۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۰۴

اذا تذکرت شجوًا من اخی ثقة فاذکر اخاك ابابکر بما فعلا خیر البریة اتقاها واعدلها بعد النبی واوفاها بما حملا والثانی التالی المحمود مشهده واول الناس منهم صدق الرسلا [1] انتہی	(ترجمہ اشعار) "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی ابو بکر کو انکے کارناموں سے یاد کر جو نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقوٰی اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے، جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سفر ہجرت میں چلے، جن کا منظر محمود ہے اور لوگوں میں سب سے پہلے جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی" (صلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد وسلم)
انبانا عبدالرحمن عن ابن عبداللہ المکی عن عابد الزبیدی المدنی عن الفلانی عن ابن السنة عن الشریف عن ابن ارکماش عن ابن حجر العسقلانی عن الکمال ابی العباس أنا ابو محمد عبداللہ بن الحسین بن محمد بن ابی التائب عن محمد بن ابی بکر البلخی عن الحافظ السلفی عن ابی عمران موسٰی بن ابی تلمید عن الامام ابی عمر یوسف بن عبدالبر، قال فی الاستیعاب یروٰی أن رسول اللہ	ہمیں خبر دی عبدالرحمٰن نے انھوں نے روایت کی ابن عبد اللہ مکی سے انہوں نے روایت کی عابد زبیدی مدنی سے انہوں نے روایت کی فلانی سے وہ روایت کرتے ہیں ابن السنۃ سے وہ روایت کرتے ہیں شریف سے وہ روایت کرتے ہیں ابن ارکماش سے وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر عسقلانی سے وہ راوی ہیں کمال ابو العباس سے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو محمد عبداللہ بن حسین بن محمد بن ابی التائب نے محمد بن ابی بکر بلخی سے وہ راوی ہیں حافظ سلفی سے وہ راوی ہیں ابو عمران موسٰی بن ابی تلمید سے وہ روایت کرتے ہیں امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر سے، ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حرف العین ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لحسان "ھل قلت فی ابو بکر شیئا؟ قال نعم، وانشد ھذہ الابیات وفیھا بیت رابع وھی:۔" والثانی اثنین فی الغار النیف وقد طاف العدو بہ اذصعد والجبلا۔ فسر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذٰلك فقال احسنت یاحسّان[1] وقد روی فیھا بیت خامس:ـ وکان حب رسول اللہ قد علموا خیر البریۃ لم یعدل بہ رجلا[2] انتھٰی۔ **قلت** ویروی بدلہ ع من الخلائق لم یعدل بہ بدلا[3] وحدیث ابن عباس رواہ	روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حسان سے فرمایا کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں کچھ کہا ہے؟انہوں نے عرض کی: جی۔اور حضرت حسان نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ شعر سنائے اوران میں چوتھا شعر ہے وہ یہ ہے: (ترجمہ) "غار شریف میں وہ دوسری جان درانحالیکہ دشمن اس کے گرد چکر لگاتے تھے جبکہ وہ دشمن (صدیق اکبر کی نظروں کے سامنے) پہاڑ پر چڑھے تھے۔" تونبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اشعار کو سن کر خوش ہوئے اور فرمایا: اے حسان! تم نے اچھا کیا۔اوران میں پانچواں شعر بھی مروی ہوا: (ترجمہ) "(شہرت، چمک یا حرارت محبت میں) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محبوب لوگوں نے انہیں جانا، تمام مخلوق سے بہتر، جس کے برابر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو نہ رکھا۔" **قلت** (میں کہتاہوں) مصرعہ ثانی کے بجائے یوں بھی مروی: (ترجمہ "مخلوق سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے برابر نہ رکھا۔") اور حدیث ابن عباس کو طبرانی نے بھی

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳
[2] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳
[3] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

الطبرانی ایضًا فی المعجم الکبیر [1] وعبدالله بن احمد فی زوائد الزهد، واما الحدیث المرفوع اعنی به استماع النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اشعاره وتحسینه علیها فاصله مروی ایضا عند الحاکم من حدیث غالب بن عبدالله عن ابیه عن جده حبیب بن [2] ابی حبیب وعند ابی سعد فی الطبقات وعند الطبرانی عن الزهری ورواه الحاکم ایضا من حدیث مجالد عن الشعبی من قوله کمثل حدیث [3] ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما والاصولی یعرف ان الموقوف فی مثل هذا کالمرفوع اذ المجمل لا یبین بالرأی ولهذا ان لم یبین وانقطع عــه نزول القراٰن عاد متشابها، ثم ان	روایت کیا معجم کبیر میں، اور عبدالله بن احمد نے زوائد زہد میں۔ رہی حدیث مرفوع یعنی نبی صلی الله تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت حسان کے اشعار کو سن کرانہیں سراہنا تو اس کی اصل بھی مستدرک حاکم میں غالب بن عبدالله کی حدیث میں بطریق غالب بن عبدالله عن ابیہ عن جدہٖ حبیب بن ابی حبیب مروی ہے (یعنی یہ حضرت غالب بن عبدالله نے اپنے والد عبدالله سے سنی انہوں نے اپنے باپ غالب کے دادا حبیب بن ابی حبیب سے سنی) اور طبقات ابن سعد میں اور طبرانی میں زہری سے مروی ہے، اور نیز حاکم نے مجالد کی حدیث میں بروایت شعبی انکا قول حدیث ابن عباس رضی اللہ کے بلفظٍ مشابہ روایت کیا، اور اصولی جانتا ہے کہ ایسی جگہ پر موقوف (صحابی کا قول) مرفوع (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول) کی طرح ہے، اس لئے کہ مجمل کا بیان رائے سے نہیں ہوتا لہٰذا اگر شارع نے بیان نہ کیا اور قرآن کا نزول بند ہوگیا

عــه: یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات سے کنایہ ہے ۱۲منہ۔

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۵۶۲ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲/ ۸۹

[2] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة دارالفکر بیروت ۳/ ۶۴و ۸۷، کنزالعمال حدیث ۳۵۶۷۳و۳۵۶۸۵ مؤسسة الرساله بیروت ۵۲۳و ۵۱۳، الدرالمنثور بحواله ابن عدی وابن عساکر مکتبة آیة الله العظمی قم ایران ۳/ ۲۴۱

[3] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة دارالفکر بیروت ۳/ ۶۴

البیان یلتحق بالمبین اذ لا یفید الا رفع التشکیك وتعیین احد المحتملات فکان حکمه کحکم القرینة والمفاد انما ینسب الی الکلام کما اوضحته الاصول فثبت بالاٰیة تفضیله رضی اللّٰه تعالٰی عنه علی کل من عداہ فی التقوٰی والحمدللّٰه علٰی ما اولٰی۔	تو مجمل تشابہ ہو جائے گا، پھر بیان مبین (مجمل) سے ملحق ہوگا اس لئے کہ بیان کا یہی فائدہ ہے کہ شک دور کرے اور محتمل معانی میں سے کوئی ایک معین کردے تو بیان کا حکم وہی ہے جو قرینہ کا ہے اور کلام کا مفاد کلام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ نے واضح کیا تو اس آیت سے صدیق اکبر کی فضیلت تقوٰی میں ہر امتی پر ثابت ہوگئی اور اللہ تعالٰی کیلئے اس کی نعمتوں پر حمد ہے۔
اقول: واخذ الافعل بمعنی کثیر الفعل فطام له عما یحتاج الیه فی اصل وضعه اعنی المفضل علیه فیکون صرفا عن المعنی الحقیقی المتبادر فلا بدمنه قرینة واین القرینة ولتکن حاجة وماذاالحاجة.نعم ھذا مفاد صیغة المبالغة وشتان مھما فلیتنبه لھذا واللّٰه تعالٰی الموفق۔	**میں کہتا ہوں** اور افعل کو بمعنی کثیر الفعل لینا اس کو اس شَے سے الگ رکھنا ہے جس وہ اصل وضع کے لحاظ سے محتاج ہے یعنی مفضل علیہ تو یہ معنی حقیقی متبادر سے پھیرنا ہوگا اب تو قرینہ ضروری ہے اور قرینہ کہاں، اور اس کے لئے حاجت بھی چاہیے اور حاجت کیا ہے، ہاں یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفاد ہے اور اسم تفضیل اور مبالغہ میں فرق ہے۔
الشبھة الثالثة: وھی تتعلق بالکبری من قیاس اھل السنة والجماعة ان المحمول فی قوله تعالٰی "اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰهِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ"[1] ھو الاتقٰی فکان حاصل المقدمتین ان	**تیسرا شبہہ:** اس کا تعلق اہلسنت وجماعت کے قیاس کے کبرٰی کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول "اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰهِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ" میں محمول الاتقی ہے۔ تو دونوں مقدموں کا حاصل یہ ہے ہوا کہ صدیق اتقٰی ہیں اور

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

الصدیق اتقی وکل اکرم اتقی وھذا لیس من الشکل الاول فی شیئ ولا ثانیًا ایضًا لعدم الاختلاف فی الکیف وان عکستم الکبرٰی جاء ت جزئیۃ لاتصلح لکبرویۃ الشکل الاول فمفاد الاٰیتین لایضرنا ولا ینفعکم ومن الشبھۃ ھی اللتی بلغنی عن بعض المفضلۃ عرضھا علٰی بعض المتکلمین منا۔	ہر اکرم اتقی ہے، اور یہ کسی طرح شکل اول کے قبیل سے نہیں اور شکل ثانی بھی نہیں اس لئے کہ کیف میں اختلاف نہیں ہے، اور اگر کبرٰی کا عکس کردیا جائے اس صورت میں موجبہ جزئیہ ہوگا جو شکل اول کے کبرٰی بننے کے لائق نہیں، تو دونوں آیتوں کا مفاد ہمیں مضر نہیں اور تمہیں مفید نہیں، اور یہ وہی شُبہ ہے جس کے بارے میں مجھے خبر پہنچی کہ کسی تفضیلی نے ہمارے کسی عالم سے عرض کیا۔
وانا اقول: وباللّٰہ التوفیق ما استخفہ تشکیکا و اضعفہ دخلًا رکیکًا غلط ساقط باطل عاطل لایستحق الجواب ولکن اذا قیل وسئل فلا بدمن ابانۃ الصواب فاعلم ان اللطیف الخفی وفقنی لازھاق ھذا التلبیس الفلسفی باثنی عشر وجھا امھاتھا ثلثۃ وجوہ کل منھا یکفی ویشفی۔	اور **میں کہتاہوں** اور توفیق اللہ ہی سے ہے، یہ کتنی سخیف تشکیک ہے اور کس قدر ضعیف اعتراض رکیک ہے جو غلط ہے ساقط ہے باطل وعاطل ہے جواب کا مستحق نہیں، لیکن یہ جب کہا گیا اور پوچھا گیا تو صواب کو ظاہر کرنا ضروری ہے، اب تم جانو کہ اللہ لطیف خفی نے اس قید فلسفی کے قلع قمع کے لئے مجھے بارہ وجوہ سے توفیق بخشی ان بارہ کی اصل تین وجہیں ہیں ان میں سے ہر ایک کافی وشافی ہے۔
الاول لو کان لھذا القائل علم بمحاورات القراٰن او الحدیث اوبماروی العلماء فی شان النزول او التفسیر المرفوع الی جناب الرسول صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اوکلمات العلماء والائمۃ الفحول او رزق حظًا من فھم الخطاب ودرک المفادو	**پہلی** یہ کہ اگر اس معترض کو قرآن وحدیث کے محاورات یا شان نزول میں علماء کی روایات جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب ومرفوع تفسیر یا علماء اور جلیل القدر ائمہ کے کلمات کا علم ہوتا یا نظم قرآن کی سمجھ اور مفاد و معنی کی فہم اور کلام کو غرض مقصود پر رکھنے سے کچھ حصہ روزی ہوا ہوتا تو وہ جان لیتا کہ اکرم

تنزیل الکلام علی الغرض المراد لعلم ان حمل الاکرم ھو المعتبروصدرالکلام بتصدیر الخبر و ذٰلك لوجوه اوقفنی الله تعالٰی علیھا بمنه وعمیم کرمه۔ **فاقول اولًا:** کانت الجاھلیة تتفاخر بالانساب وتظن ان الانسب ھو الافضل فجاء ت کلمة الاسلام برد کلمة الجاھلیة "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ" [1] فالنزاع انما وقع فی موصوف الافضل لافی صفته وھذا کما اذا سأل سائل عن الذ الاطعمة فقال قائل الحامض الذ فنقول رداعلیه الابل الذھا احلاھا فانما ترید ان الاحلی ھو الالذ والوجه ان الاتقی فی الاٰیة کالاحلی فی قولك ھذه مرأة لملاحظة الذات والاکرم حکم علیه کالالذوانما الخبرماحکم به	کو محمول بناناہی معتبر ہے تو کلام اس طرح صادر ہوا کہ اس میں تقدیم خبر ہے اور یہ دعوی چند دلیلوں سے ثابت ہے اس پر اللہ تبارک وتعالٰی نے مجھے اپنے احسان اور لطف عام سے مطلع کیا۔ **فاقول:** (میں کہتاہوں) **اوّلا** اہل جاہلیت نسبت پر فخر کرتے تھے اور وہ گمان کرتے تھے کہ جس کا نسب بہتر ہے وہی افضل ہے تو اسلام کا کلمہ جاہلیت کے بول کو رد کرتاہوا آیا "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ" (بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والاوہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے) تونزاع تو اس میں ہے کہ وصف اول کا موصوف کون ہے نہ کہ صفت افضل میں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی پوچھنے والا پوچھے کہ کھانوں میں سب سے مزیدار کھانا کون سا ہے؟ تو کوئی کہے کہ الذّھا اخلاھا (کھٹا سب سے زیادہ مزیدار ہے) تو اس کا رد کرنے کے کو تم یوں کہو: نہیں بلکہ الذھا احلاھا (سب سے زیادہ مزیدار میٹھی چیز ہے) توہماری مراد یہی ہے کہ سب سے زیادہ میٹھا سب سے زیادہ مزیدار ہے، اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اتقٰی تمارے اس قول "ذات کے ملاحظہ کیلئے یہ آئینہ ہے" میں احلی کی مثل ہے اور اکرم

[1] القرآن الکریم ۴۹ /۱۳

لاماحکم علیہ ولقد دری من لہ قلیل ممارسۃ بکلام العرب ان الذھن اول ماتلقّی الیہ امثال ھذا الکلام لایسبق الا الی ان المراد مدح الاتقیاء والترغیب فی التقوی والوعد الجمیل بان من یتقی یکن کریمًا علینا عظیماً لدینا وھٰکذا فھم المفسرون فھذا الزمخشری النکتۃ فی الادب الشامۃ فی معرفۃ کلام العرب یقول فی تفسیرہ "المعنی ان الحکمۃ التی من اجلھا رتبکم علٰی شعوب وقبائل ھی ان یعرف بعضکم نسب بعض فلایعتزی الٰی غیراٰبائہ،لاان تتفاخروا بالاٰباء والاجداد وتدعواالتفاوت و التفاضل فی الانساب،ثم بین الخصلۃ التی بھا یفضل الانسان غیرہ ویکتسب الشرف والکرم عنداللّٰہ تعالٰی فقال ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم "وقرئ ان بالفتح کانہ قیل لایتفاخر بالانساب فقیل لان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم لا انسبکم [1] الخ وبمثلہ قال الامام

محکوم علیہ ہے جیسے الذ۔اور خبر تو محکوم بہ ہوتی ہے نہ کہ محکوم علیہ۔اور بیشک وہ سمجھتاہے جسے کلام عرب سے تھوڑاساسابقہ ہو کہ جیسے ہی ایسا کلام ذہن میں آتا ہے اس کی سبقت اسی طرف ہوتی ہے کہ مراد پرہیزگاروں کی تعریف اور تقوٰی کی رغبت دلاتاہے اور یہ وعدہ جمیل کہ جو تقوٰی اختیار کرے گا ہمارے یہاں عزت و کرامت والا ہوگا۔اوراسی طرح مفسرین نے سمجھاتو یہ زمخشری جوادب میں نکتہ کی مانند اور کلام عرب میں تِل کی مثال سے ہے اپنی تفسیر میں قائل ہیں بیشک وہ حکمت جس کی وجہ سے تمھاری ترتیب کنبوں اور قبیلوں پر رکھی وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کانسب جان لے۔تو اپنے آباء و اجداد کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت نہ کرے نہ یہ کہ تم آباء واجداد پر فخر کرو اور نسب میں فضیلت اور برتری کا دعوی کرو پھر اللہ نے وہ خصلت بیان کی جس سے انسان دوسرے سے برتر ہوتاہے اوراللہ کے یہاں عزت وبزرگی کا اکتساب کرتاہے تو اللہ نے فرمایا ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم اورایک قراءت ان فتح ہمزہ کے ساتھ ہے گویا کہ کہا گیا ہے کہ نسبت پر فخر کیوں نہ کیا جائے،تو بتایا گیا کہ اس وجہ سے کہ تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے نہ وہ جو سب سے بڑے نسب والا ہو الخ

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۱۳/۴۹ دارالکتب العربی بیروت ۴/ ۳۷۵

النسفی فی المدارک [1]۔

واقول ثانیًا القراٰن انما نزل لبیان الاحکام التی لا یطلع علیھا الا اطلاع اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کالنجاۃ و الھلاك والکرامۃ والھوان والردوالقبول والغضب و الرضوان لالبیان الامور الحسیۃ وکون الرجل تقیا او فاجرا مما یدرك بالحس ففی جعل الاکرم موضوعًا کقلب الموضوع ولقد کان ھذا الوجہ من اول ماسبق الیہ فکری حین استماع الشبھۃ ثم فی اثناء تحریر الرسالۃ لما راجعت مفاتیح الغیب رأیت الفاضل المدقق تنبہ للشبھۃ ودندن فی الجواب حول ما او مانا الیہ حیث یقول"فان قیل الاٰیۃ دلت علٰی ان کل من کان اکرم کان اتقی"وذٰلك لایقتضی ان کل من کان اتقی کان اکرم ،قلنا وصف کون الانسان اتقی معلوم مشاھد

اور اسی طرح امام نسفی نے مدارک میں فرمایا۔

اقول ثانیًا: قرآن تو ان احکام کے بیان کے لئے نازل ہوا ہے جن کا علم اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے اطلاع کئے بغیر نہیں ہوسکتا جیسے کہ نجات وہلاکت، عزت وذلت اور مردودومقبول ہونا اور غضب ورضائے الٰہی، یہ محسوسات کے بیان کے لئے نہیں اترا اور آدمی کا پرہیزگار یامددگار ہونا ان باتوں سے ہے جن کا علم احساس سے ہوتا ہے تو اکرم کو موضوع بنانا قلب موضوع ہے اور بیشک یہ وجہ ان باتوں سے ہے جن کی طرف میری فکر نے شبہ کو سن کر سبقت کی، پھر اس رسالہ کی تصنیف کے دوران جب میں نے تفسیر "مفاتیح الغیب "دیکھی تو میں نے فاضل مدقق کو دیکھا کہ وہ اس شبہ کی طرف متنبہ ہوئے اور جواب میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اس کے گرد مبہم کلام فرمایا اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں پھر اگر کہا جائے کہ یہ آیت تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ شخص جو اکرم (بڑا عزت والا) ہوگا،اتقی (بڑا پرہیزگار) ہوگا،اور یہ اس بات کا مقتضی نہیں کہ ہر وہ شخص جو اتقی (بڑا پرہیزگار) ہو وہ اکرم (بڑا عزت دار) ہو۔ہم کہیں گے کہ انسان کا اتقی ہونا وصف معلوم ومحسوس ہے

---

[1] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۳ دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

ووصف کونه افضل غیر معلوم ولامشاهد والاخبار عن المعلوم بغیر المعلوم هوالطریق الحسن، اما عکسه فغیر مفید، فتقدیر الاٰیة کانه وقعت الشبهة فی ان الاکرم عندالله من هو؟ فقیل هو الاتقٰی، واذا کان کذٰلك کان التقدیر اتقٰکم اکرمکم عند الله انتهی۔[1]	اور انسان کا افضل ہونا نہ وصف معلوم ہے اور نہ محسوس۔ اور معلوم کے بارے میں وصف غیر معلوم کے ذریعہ خبر دینا، یہی بہتر طریقہ ہے۔ رہا اس کا عکس، تو وہ مفید نہیں۔ تو آیت میں عبارت مقدر ہے، گویا کہ اس بارے میں شبہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک اکرم کون ہے؟ تو فرمایا گیا کہ اکرم اتقی ہے، اور جب بات یوں ہے تو آیت کی تقدیر یوں ہوگی اتقٰکم اکرمکم عنداللہ (تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا ہے)
قلت ولعلك لایخفی علیك مابین التقدیرین من الفرق وما بین هذا الوجه و وجوهنا الباقیة من التفاوت العظیم "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ"[2] و لحمدلله رب العٰلمین۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) اور شاید تم پر پوشیدہ نہ ہو وہ فرق جو دونوں تقدیروں میں ہے اور وہ عظیم تفاوت جو اس وجہ میں اور ہماری باقی وجوہ میں ہے یہ اللہ کے فضل میں ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے جو رب ہے جہان والوں کا۔
ثم اقول عسٰی ان یزعجك الوهم الصؤل فیلجئك ان تقوم تقول الیس التقوٰی من افعال القلوب، قال الله سبحٰنه و	**ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) قریب ہے کہ تمہیں وہم بے چین کرے پھر تمہیں مجبور کرے کہ تم کھڑے ہو کر یہ کہو کہ کیا تقویٰ افعال القلوب سے نہیں، اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کا ارشاد

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة ۳۱/ ۲۰۵

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۴

تعالٰی "اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ"[1] وقال تعالٰی "وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾"[2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "التقوٰی ھٰھنا، التقوٰی ھٰھنا، التقوٰی ھٰھنا، یشیر الٰی صدرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔" اخرجہ مسلم[3] وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "لکل شیئ معدن ومعدن التقوٰی قلوب العارفین" اخرجہ الطبرانی[4] عن ابن عمرو البیہقی عن الفاروق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنھما، فکیف قلتم انھا من المحسوسات۔	ہے: "یہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔" اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: "ہر شے کے لئے کان ہے اور تقوٰی کی کان اولیاء کے دل ہیں۔" اس حدیث کو طبرانی نے ابن عمر سے اور بیہقی نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، تو آپ نے کیسے کہہ دیا کہ تقوٰی محسوسات سے ہے۔
قلت بلٰی ان التقوٰی مقامھا القلب وعن ھذا قلنا ان الصدیق لما کان اتقی الامۃ باسرھا وجب ان یکون اعرفھا باللہ تعالٰی	**قلت** (میں جواب میں کہتا ہوں) ہاں بے شک تقوٰی کا مقام قلب ہے اور اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ بے شک جب صدیق تمام امت سے زیادہ پرہیزگار ہوئے تو ضروری ہوا کہ وہ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہوں

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۳

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[3] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

[4] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۱۸۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۳۰۳

لکن القلب امیر الجوارح فاذا استولی علیه سلطان شیئ اذعنت له الجوارح طرًا ولعمت علیها آثارہ جهرًا وهذا مشاهد فی الحیاء والحزن والفرح و الغضب وغیرذٰلك من صفات القلب قال المصطفٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم "الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب"اخرجه الشیخان [1] عن نعمان ابن بشیر رضی الله تعالٰی عنه،وقال صلی الله تعالٰی علیه و سلم"اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد فاشهدواله بالایمان"اخرجه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجة وابن خزیمة وابن حبان والحاکم والبیهقی [2] عن ابی سعید	لیکن قلب اعضاء کا امیر ہے،توجب قلب پر کسی شے کا سلطان غالب ہوتا ہے تو تمام اعضاء اس کے تابع ہوجاتے ہیں اور اعضاء پراس کے آثار صاف جھلکتے ہیں اورحیاء وغم،خوشی وغضب وغیرہ صفات قلب میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:"خبردار! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ سدھرتا ہے پورا جسم سدھر جاتا ہے اورجب وہ بگڑتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے،سنتے ہو وہ قلب ہے۔"اس حدیث کو بخاری ومسلم نے نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیااور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:جب تم آدمی کو مسجد میں آنے جانے کا عادی پاؤتواس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔"اس حدیث کو امام احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،ابن خزیمہ،ابن حبان، حاکم وبیہقی نے ابوسعید

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبراء لدینه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳،صحیح مسلم کتاب المساقات باب اخذ الحلال وترك الشبهات قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۸

[2] جامع الترمذی کتاب التفسیر تحت الآیة ۹/ ۱۸امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۵،سنن ابن ماجة کتاب المساجد والجماعات باب لزوم المساجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۵۸،مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۸،المستدرك للحاکم کتاب الصلوٰۃ بشر المشائین فی الظلم الی المساجد الخ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۱۲،السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب فضل المساجد الخ دارصادر بیروت ۳/ ۶۶،موارد الظمان الی زوائد الظمان باب الجلوس فی المسجد بالخیر حدیث ۳۱۰ المطبعة السلفیه ص۹۹

الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ **اقول ثالثا** کل ماذکر فی شان النزول فانما یستقیم و یطابق التنزیل اذا کان الموضوع ھو الاتقٰی۔اما اذا عکس فلایتاتی ولایاتی الرمی علی المرمی.اما روایۃ یزید بن شجرۃ فطریق الاستدلال فیھا انکم استحقرتم ھذا العبدلانہ عبداسود فقلتم عاد ذلیلًا وحضر جنازۃ ذلیل لکنہ عندنا کریم جلیل اذ کان متقیا والفضل عندنا بالتقوٰی فمن کان تقیاکان کریماعندنا وان کان عبدا اسود اجدع۔وھذا الطریق ھو المفھوم من الاٰیۃ عند کل من لہ ذوق سلیم .اما علی ما زعمتم فیکون حاصل استدلال اللہ سبحٰنہ و تعالٰی انہ کان کریما وکل کریم متق فلذا اعادہ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضر دفنہ.وھذاالطریق کما تری اذا کان ینبغی الاستدلال الاستدلال بامر مسلم عندھم یستلزم مالم یسلموہ کالتقوٰی علٰی تقریرنا۔	خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ **اقول ثالثا:** جو کچھ آیت کریم کے شان نزول میں مسطور ہوا وہ تو اسی وقت راس آتا ہے اور تنزیل کے مطابق ہوتا ہے جب آیت کریمہ میں اتقی ہی موضوع ہو۔رہی وہ صورت جب اس کا عکس کردیں تو بات نہیں بنتی،ہر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ رہی یزید ابن شجرہ کی روایت تو اس میں استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اے لوگو! تم نے غلام کو حقیر جانا اس لئے کہ سیاہ فام غلام ہے تو تم نے اعتراض کیا کہ ذلیل کی عیادت کی ذلیل کے جنازہ میں حاضر ہوئے، لیکن وہ غلام ہمارے نزدیک باعزت جلیل القدر ہے اس لئے کہ وہ متقی تھا اور ہمارے یہاں بزرگی تقوٰی سے ہے تو جو متقی ہوگا ہماری بارگاہ میں عزت والا ہوگا اگرچہ کالا نکٹا غلام ہو۔اور آیت سے ہر ذوق سلیم والے سے یہی طریق استدلال مفہوم ہوتا ہے،اور تمہارے زعم پر اللہ تبارک وتعالٰی کے استدلال کا حاصل یوں ہوگا کہ وہ بے شک عزت والا تھا اور ہر عزت والا متقی ہے اسی لئے تو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی عیادت کی اور اس کے دفن میں شریک ہوئے۔اور یہ طریق استدلال جیسا ہے تمہیں معلوم ہے اس لئے کہ دلیل لانا ایسے امر سے چاہئے تھا جو کفار کو مسلم ہوا اور جو اس کو مستلزم ہو جس کو وہ تسلیم نہیں کرتے جیسے تقوٰی ہماری تقریر پر۔

واما الکرامة فلم تکن ثابتة عندهم والالما قالو ما قالوا، علی ان المقدمة المذکورة فی الاٰیة تبقی ح عبثًا والعیاذباللہ تعالٰی فان الرد علیهم تم بالمطویة القائلة انه رجل کریم عنداللہ تعالٰی وبعد ذٰلك ای حاجة الی ان یقال کل کریم متق، اذلم یکن نزاعهم فی التقویٰ بل فی الکرم۔ وبالجملة یلزم اخذالمدعی صغری واستنتاج مالیس بمدعی وهٰکذا یجری الکلام فی روایة مقاتل واستحقارقریش سیدنا عتیق العتیق اعتقنااللہ بهما من عذاب الحریق، اٰمین۔

رہی عزت (اس سیاہ فام غلام کی) کافروں کے نزدیک ثابت ہی نہ تھی ورنہ یہ کافر وہ کچھ نہ کہتے جو انہوں نے کیا۔ علاوہ ازیں وہ مقدمہ جو اس آیت میں ذکر ہوا اس تقدیر پر عبث ٹھہرے گا والعیاذ باللہ، اس لئے کہ کفار پر رَد تو اس قضیۂ مطویہ (پوشیدہ) سے تام ہو لیا جس میں یہ دعوی ہے کہ وہ غلام، اللہ کے نزدیک باعزت ہے۔ اس کے بعد کون سی حاجت ہے کہ کہا جائے کہ ہر کریم، متقی ہے اس لئے کہ کافروں کا نزاع تقویٰ میں نہ تھا بلکہ کرامت میں تھا۔ بالجملہ اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مدعا صغری ہو اور نتیجہ وہ نکلے جو مدعا نہیں اور یونہی کلام روایت مقاتل میں اور قریش کی جانب سے سیدنا عتیق العتیق (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تحقیر میں جاری ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں ان دونوں کے صدقے میں جہنم کے عذاب سے آزاد فرمائے امین۔

ولنقرر **بعبارة اُخری** قال "کل جدید لذیذ" کان طریق استدلالهم علٰی حقارته رضی اللہ تعالٰی عنه بانه عبد ولاشیئ من العبد کریمًا فهو لیس بکریم و الاٰیة نزل فی الردعلیهم فلابدمن نقض احدی المقدمتین من قیاسهم لکن الصغرٰی لامردلها، فتعین ان الاٰیة انما تبطل الکبرٰی باثبات

اور ہم بلفظ دیگر تقریر کریں اس لئے کہ "کل جدید لذیذ"، کفار کا طریق استدلال حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حقارت پر بایں طور تھا کہ وہ غلام ہیں اور کوئی غلام عزت والا نہیں ہوتا، تو عزت والے نہیں، اور یہ آیت کفار کے رد میں اُتری لہٰذا ان کے قیاس میں دو مقدموں میں سے ایک کا نقض ضروری ہے لیکن صغرٰی کا رد نہیں ہوسکتا۔ اب متعین ہوا کہ آیت کبرٰی کا ہی ابطال کرتی ہے اس کی نقیض

نقیضھا، وھو ان بعض العبید کریم ولا یمکن اثباته الا علی طریقتنا بان نقول بعض العبید یتقی الله تعالٰی ومن یتقی الله تعالٰی فھو کریم. اما علٰی طریقتکم فی اصل المقدمتین ان بعض العبید متق وکل کریم متق وھذا ھو القیاس الذی انتم دفعتموہ وھکذا یتمشی التقریر فی روایة ابن عباس رضی الله تعالٰی عنھما بکلا الوجھین۔	کے اثبات کے ذریعہ اور کفار کے کبرٰی کی نقیض یہ ہے کہ بعض غلام باعزت ہیں اور اس کا ثابت کرنا ممکن نہیں مگر ہمارے طریقے پر بایں طور کہ ہم کہیں بعض غلام، اللہ تبارک وتعالٰی سے ڈرتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہی عزت والا ہے۔ رہا اصل مقدمتین میں تمہارے طریقے پر یہ قیاس کہ بعض غلام متقی ہیں اور ہر عزت والا متقی ہے تو یہ وہی قیاس ہے جس کو تم دفع کرچکے۔ اور یونہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت میں دونوں وجوہ کے ساتھ یہ تقریر چلے گی۔
ولنقررہ **بعبارۃ ثالثة** استحقر ثابت بن قیس رضی الله تعالٰی عنه بعض اھل المجلس بقوله یا ابن فلانة ای یادنی النسب فردالله سبحٰنه وتعالٰی علیه بانك ان زعمت ان بعض الادانی فی النسب لایکون کریمًا فقولك ھذا صادق لکن علام استحقرت ھذا بخصوصه اذیجوز ان لایکون ھذا من ذٰلك البعض وان اردت السلب الکلی فباطل قطعًا. اذلو صدق لصدق ان بعض المتقین لیس کریمًا لان بعضھم دنی النسب فلم یکن کریمًا عندك لکن التالی باطل	اور ہم تقریر مدعا تیسری عبارت سے کریں حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعض اہل مجلس کی تحقیرانہیں، "یا ابن فلانه" (اے فلانی کے بیٹے) کہہ کر کی یعنی اے نسب میں کمتر، تو اللہ تبارک وتعالٰی نے ان کا رد یوں فرمایا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ کچھ کمتر نسب والے شریف نہیں ہوتے تو تمہاری یہ بات سچی ہے لیکن تم نے خاص اس شخص کو کس بنیاد پر حقیر جانا؟ اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ ان بعض میں سے نہ ہو اور اگر تمہاری مراد سلب کلی ہے تو یہ قطعًا باطل ہے اس لئے

لصدق نقیضه وهو ان کل متق کریم فالمقدم مثله.هذا علی طریقتنا اما علی طریقتکم فالمقدمة الاستثنائیة ان کل کریم متق وهو لایرفع اللازم فلا یرفع الملزوم اتقن هذا فان الفیض مدرار۔ والحمدلله۔	کہ اگر یہ صادق ہو تو یقیناً یہ صادق ہوگا کہ بعض متقی شریف نہیں اس لئے کہ ان میں کے بعض نسب میں کمتر ہیں تو تمہارے نزدیک شریف نہ ہوں گے لیکن تالی باطل ہے اس لئے کہ اس کی نقیض صادق ہے اور وہ یہ کہ ہر متقی کریم ہے تو مقدم بھی اس کی طرح باطل ہے یہ ہمارے طریقے پر ہے لیکن تمہارے طریقے پر تو مقدمہ استثنائیہ [عـــه] یہ ہے کہ ہر شریف متقی ہے اور یہ لازم کو مرتفع نہیں کرتا تو ملزوم کو بھی مرتفع نہ کرے گا۔اس تقریر کو خوف ضبط کرلو اس لئے کہ فیض (کادریا) زوروں پر ہے،اور تمام خوبیاں اللہ ہی کی ہیں۔
اقول رابعًا الاحادیث التی جات تفسیرا الاٰیة اوترد موردمشرعها اوتلحظ ملحظ منزعها انما تعطی ما ذکرنا من المفاد وتابی عما بغیتم من الافساد و منها ماانبانا المولی السراج عن الجمال عن عبدالله السراج ح وعالیًابدرجة عن ابیه عبدالله السراج عن محمد بن هاشم ح ومساویاللعالی عن الجمال عن السندی ح وشافعهنی عالیابدرجتین	**اقول رابعًا** وہ احادیث جو اس آیت کی تفسیر کرتی ہے یا اس کے گھاٹ کے راستے پر چلیں یا اس جگہ اشارہ کرتی ہیں جہاں سے اس کا تیر کھینچا وہ تو وہی مفاد دیتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور اس فساد انگیزی سے انکار کرتی ہیں جو تم نے چاہا منجملہ ان حدیثوں کے یہ ہے کہ جس کی خبر ہمیں مولٰی سراج نے دی وہ روایت کرتے ہیں جمال سے وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ سراج سے (ح) نیز ہم نے سراج سے یہ حدیث ایک درجہ عالی سند سے روایت کی وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ عبد اللہ سراج سے وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ہاشم سے (تحویل) نیز اس سند سے اس روایت کی جو سند عالی کے

عـــه: مقدمہ استثنائیہ کو قیاس استثنائی بھی کہا جاتا ہے،اور قیاس استثنائی وہ ہے جس میں نتیجہ یا اس کی نقیض بالفعل مذکور ہو جیسے ہمارا یہ کہنا کہ "یہ اگر جسم ہے تو متحیز ہے" لیکن وہ جسم ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ متحیز ہے اور یہی بعینہٖ قیاس یعنی مقدمہ میں مذکور ہے اور نقیض کی مثال یہ کہ وہ متحیز نہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ جسم نہیں اور اس کی نقیض کہ وہ جسم ہے مقدمہ میں مذکور ہے۔(تعریفات جرجانی ص ۱۵۹)

سیدی جمل اللیل عن السندی کلاھما عن صالح العمری باسانیدہ الامامین الجلیلین بسندھما الٰی سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای الناس اکرم، فقال اکرمھم عند اللہ اتقٰیھم[1]۔	مساوی ہے انہوں نے روایت کی جمالی سے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے اور میرے اوپر دو درجہ عالی سند سے اس حدیث کو مجھ سے روایت کیا سیدی جمل اللیل نے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے دونوں نے روایت کی صالح عمری سے ان امامین جلیلین (بخاری ومسلم) کی اسانید کے ساتھ ان دونوں اماموں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال ہوا: لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔
اقول: انظر الٰی اٰثار رحمۃ اللہ کیف یوضح المحجۃ ولا یدع لاحد حجۃ انما سئل المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان ای الناس اکرم ای من الموصوف بہ لا ان الاکرم ماھو بای نعت یزھو فاجاب الاٰیۃ الکریمۃ فلولا ان الاتقی ھو الموضوع لما طابق الجواب	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اللہ تبارک وتعالٰی کی رحمت کے آثار دیکھو راستہ کو کس طرح واضح کرتا ہے یہ کسی کے لئے حجت نہیں چھوڑتا مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تو یوں سوال ہوا تھا کہ کون سا شخص سب سے زیادہ عزت والا ہے یعنی اس وصف سے کون موصوف ہے یہ سوال نہ ہوا تھا کہ "اکرم کی ماہیت کیا ہے۔ "اکرم" (سب سے زیادہ عزت والا) اور کون سے وصف پر ناز کرتا ہے، تو سرکار نے

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ یوسف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل یوسف علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

السوال وعلیك بتزکیة الخیال ومن تمام نعمة اللّٰه تعالٰی ان فسرالشراح الحدیث بما یعین المراد ویقطع کل وھم یراد۔	آیۃ کریمہ سے جواب دیا تو اگر بات یہ نہ ہوتی کہ اتقی (سب سے بڑا پرہیزگار) ہی موضوع ہے تو جواب سوال کے مطابق نہ ہوتا اس پر خیال کا تزکیہ ہے، اور اللّٰہ تبارک وتعالٰی کی نعمت کی تمامی سے یہ ہے کہ حدیث کے شارحین نے اس کی تفسیر اس جملہ سے کردی جو مراد کو متعین کردیتا ہے اور وہم کا قاطع ہے۔
قال العلامة المناوی "اکرم الناس اتقھم لان اصل الکرم کثرۃ الخیر" فلما کان المتقی کثیر الخیر فی الدنیا وله الدرجات العلٰی فی الاٰخرۃ کان اعم الناس کرما فھو اتقٰھم [1]. انتھی۔	اس میں علامہ مناوی کا ارشاد ہے: اکرم الناس اتقاھم (سب لوگوں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) اس لئے کہ کرم اصل میں کثرت خیر ہے، توجب متقی دنیا میں خیر کثیر والا ہے اور آخرت میں اس کے درجے بلند ہوں گے، توسب سے زیادہ کرم والا وہی ہے جو سب سے زیادہ تقوٰی والا، انتھی۔
انظر این ذھبت شبھتك الواھیة فھل تری لھا من باقیة، ومنھا ما انبانا المولٰی عبدالرحمن عن الشریف محمد بن عبداللّٰه کما مضی عن علی بن یحیٰی الزیادی عن الشھاب احمد بن محمد الرملی عن الامام ابی الخیر السخاوی عن	دیکھو تمہارا واہی شبہہ کہاں گیا، اب اس کا کچھ نشان دیکھتے ہو۔ اور ازانجملہ وہ حدیث ہے جس کی ہمیں خبر دی مولٰی عبدالرحمٰن نے، انہوں نے روایت کی سید محمد بن عبداللّٰہ سے، جیسا کہ گزرا، اور وہ روایت کرتے ہیں علی بن یحیٰی زیادی سے، وہ روایت کرتے ہیں شہاب احمد بن محمد رملی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابوالخیر سخاوی سے، وہ روایت کرتے ہیں،

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اکرم الناس اتقاھم مکتبۃ الامام الشافعی ۱/ ۲۰۳

العزعبدالرحیم بن فرات عن الصلاح بن ابی عمر عن الفخربن البخاری عن فضل الله ابی سعید التوقانی عن الامام محی السنۃ البغوی انا ابوبکر بن ابی الھیثم انا عبدالله بن احمد بن حمویۃ انا ابراھیم بن خزیم ثنا عبدالله بن حمید انا الضحاك بن مخلد عن موسٰی بن عبیدۃ عن عبد الله بن دینار عن ابن اعمر ان النبی صلی الله علیه وسلم طاف یوم الفتح علی راحلته یستلم الارکان بمحجته فلما خرج لم یجد مناخًا فنزل علی ایدی الرجال ثم قام فخطبهم فحمدالله واثنی علیه، وقال الحمدلله الذی اذھب عنکم غبیۃ الجاھلیۃ وتکبرھا بآبائھا انما الناس رجلان بر تقی کریم علی الله وفاجر شقی ھیّن علی الله ثم تلا "یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثٰی "ثم قال اقول قولی ھذا واستغفر الله	عز عبدالرحیم بن فرات سے، وہ روایت کرتے ہیں صلاح بن ابی عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں فخر ابن بخاری سے، وہ روایت کرتے ہیں فضل اللہ ابو سعید توقانی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابی السنۃ بغوی سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابو بکر ابن ابی ہیثم نے عبداللہ ابن احمد ابن حمویہ سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابراہیم ابن خزیم نے، ہم سے حدیث بیان کی عبداللہ ابن حمید نے، ہمیں خبر دی ضحاک ابن مخلد نے، وہ روایت کرتے ہیں اس کو موسٰی ابن عبیدہ سے، وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن دینار سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی سواری پر طواف کیا، ارکان کعبہ کا بوسہ اپنے عصائے مبارک سے لیتے تھے، تو جب باہر تشریف لائے تو سواری کو ٹھہرانے کی جگہ نہ پائی تو لوگوں میں سواری سے اتر گئے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تبارک وتعالٰی کی حمد وثناء کی اور فرمایا: اللہ کے لئے حمد جس نے تم سے جاہلیت کا گھمنڈ اور آباو اجداد کا غرور دور کیا۔ لوگوں میں دو قسم کے مرد ہیں، ایک نیک متقی اللہ کے یہاں عزت والا، دوسرا بدکار، بدبخت، اللہ کی بارگاہ میں ذلیل، پھر یہ آیت پڑھی: "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا"، پھر فرمایا: "میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے

لی ولکم[1]۔

اقول: انظر کیف قسم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الخلق الٰی قسمین برتقی ووصفھم بالکرم وفاجر شقی ووصفھم بالھوان وھذا صریح فیما قلنا۔ ومنھا ما اخرج ابن النجار والرافعی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من دعائه: "اللھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم واکرمنی بالتقوٰی وجملنی بالعافیة۔"[2] قال المناوی اکرمنی بالتقوی لاکون من اکرم الناس علیك ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم[3] اھ۔

اقول: والوجه حذف

لئے اور تمہارے لئے مغفرت چاہتاہوں۔"

اقول: دیکھو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مخلوق کو دو قسم کیا، ایک نیک، پرہیزگار، اوران کو عزت سے موصوف کیا۔ اوردوسرے بدکار، بدبخت، اورانہیں ذلیل بتایا۔ اوریہ ہمارے دعوٰی کی صریح دلیل ہے۔ ان احادیث میں سے ایک وہ ہے جس کی تخریج ابن نجار اور رافعی نے کی سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دُعاکے یہ کلمات مروی ہے ہیں: "اے اللہ! مجھ علم کے ساتھ غنا، حلم کے ساتھ زینت، تقوٰی کے ساتھ اکرام اور عافیت کے ساتھ جمال عطافرما۔" مناوی نے (دعاکا مطلب بیان کرتے ہوئے) کہا: "مجھے تقوٰی کے ساتھ اکرام عطافرما تاکہ میں تیرے یہاں سب سے زیادہ عزت پانے والے لوگوں میں سے ہوجاؤں (بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے) اھ

میں کہتاہوں صحیح یہ ہے کہ لفظ من

---

[1] معالم التنزیل(تفسیر البغوی)تحت الآیة ۴۹/۱۳ دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۹۶

[2] کنزالعمال بحواله ابن النجار حدیث ۳۶۶۳ مؤسسة الرساله بیروت ۲/ ۱۸۵و۲۰۲، الجامع الصغیر حدیث ۱۵۳۲ دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۹۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اللھم اغننی بالعلم الخ مکتبة الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۲۱

من وکانه اراد ماتريد الامة عند الدعاء به تاسيا بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔ ومنها ما اورد الزمخشری فی الکشاف ثم الامام النسفی فی المدارك عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم من سرہ ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ [1] اھ۔ وھذا ابین واجلی۔ **واقول خامسا:** العلماء مافهموا من الاٰية الا مدح المتقين ولم يزالوا محتجين بها علٰی فضيلة التقوی واهلها فلو كان الامر كمازعمتم لا ندحض هذه التمسكات بحذافيرها، اذ لما كان المعنی ان كل كريم متق وهو لايستلزم ان كل متق كريم فای مدح فيه للمتقين وبم ذا يفضلون علی الباقين، الاتری ان كل كريم انسان وحيوان وجسمان	کو حذف کیا جائے۔ گویا اس کی مراد وہ ہے جس کا ارادہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی میں دعا کرتے ہوئے امت کرتی ہے۔ من جملہ ان حدیثوں میں سے یہ حدیث ہے جسے زمخشری نے کشاف میں پھر امام نسفی نے مدارک میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ذکر کیا فرمایا: جس کی یہ خوشی ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ عزت والا ہو تو اللہ تعالٰی سے ڈرے۔ اور یہ ظاہر تر ہے۔ **اقول خامسا:** علماء نے اس آیت سے متقی لوگوں کی تعریف ہی سمجھی اور اس آیت سے تقوٰی اور اہل تقوٰی کی فضیلت پر دلیل لاتے رہے، تو اگر معاملہ یوں ہوتا جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو یہ تمام استدلال سرے سے باطل ہو جاتے اس لئے کہ جب معنی یہ ٹھہرے کہ ہر کریم متقی ہے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ ہر متقی کریم ہو تو اس میں پرہیزگاروں کے لئے کون سی تعریف ہے اور پرہیزگار دوسروں سے کس وصف سے برتر ہوں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر کریم انسان، حیوان

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۷۵، مدارك التنزيل (تفسير النسفی) تحت الآية ۴۹/ ۱۳ دار الكتاب العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

عربی	اردو
ولا یکون بھذا کل فرد من ھٰؤلاء محمودا فی الدین۔	اور جسم ہے اور اس کے ساتھ ان تینوں میں سے ہر فرد محمود نہیں ہوتا۔
فان قلت ان التقوی وصف خاص بالکرماء فلھذا استحق الثناء بخلاف ماذکرتم من الاوصاف۔	**فان قلت** (تو اگر تم کہو کہ) بے شک تقوٰی کریموں کے ساتھ خاص ہے لہٰذا یہ وصف تعریف کا مستحق ہے بخلاف ان اوصاف کے جو آپ نے ذکر کئے۔
قلت الاٰن اتیت الی ابیت فان التقوٰی اذا اختص بھم ولم یوجد فی غیرھم وجب ان یکون کل متق کریمًا وفیہ المقصود قال المولی الفاضل الناصح محمد افندی الرومی البرکلی فی الطریقۃ المحمدیۃ بعد ماسرد الاٰیات فی فضیلۃ التقوٰی فتأمل فیما کتبنا من الاٰیات الکریمۃ کیف کان المتقی عنداللہ تعالٰی اکرم[1] انتھٰی۔	**قلت** (میں کہوں گا) اب تم اسی بات پر آگئے جس کا تم نے انکار کیا تھا اس لئے کہ تقوٰی جب کریموں کے ساتھ خاص ہے دوسروں میں نہیں پایاجاتا تو ضروری ہے کہ ہر متقی کریم ہو اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ مولٰی فاضل ناصح محمد آفندی رومی برکلی طریقہ محمدیہ میں تقوٰی کی فضیلت میں آیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں تو ان آیات کریمہ میں غور کرو جو ہم نے لکھیں کیونکہ متقی اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ کریم ٹھہرا۔
قال المولی الشارح العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرحھا الحدیقۃ الندیۃ اشارۃ الی الاٰیۃ الاولٰی من قولہ تعالٰی "ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم"[2] انتھٰی۔	کتاب مذکور کے شارح مولا عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں مصنف کا اشارہ پہلی آیت یعنی اللہ تعالٰی کے قول "ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم" کی طرف ہے۔
واقول سادسًا: الی یاموفق تحقیق بالقبول احق اخرج	**واقول سادسًا:** اے توفیق والے میری طرف آ، یہ ایک تحقیق ہے جو قبول کی

[1] الطریقۃ المحمدیۃ الباب الثانی الفصل الثالث مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/ ۱۲۹

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الفصل الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۴۱۰

الامام احمد والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرم المرء دینہ ومروتہ عقلہ وحسبہ خلقہ[1] واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب الیقین عن یحیٰی بن ابی کثیر مرسلاً ینمیہ الی المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الکرم التقوٰی و الشرف التواضع"[2] واخرج الترمذی محمد بن علی الحکیم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الحیاء زینۃ والتقی کرم"[3] انظر الی الاحادیث ما اجلاھا و افصحھا واحلھا واملحا انظر الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مروتہ

سزاوار ہے، امام احمد، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا: "آدمی کی عزت اس کا دین ہے اور اس کی مروت اس کی عقل ہے اور اس کا خلق۔" اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الیقین میں یحیٰی بن ابی کثیر سے بسند مرسل روایت کیا درآنحالیکہ اس حدیث کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے کہ فرمایا: "کرم، تقوٰی ہے اور شرف تواضع ہے۔" اور ترمذی محمد ابن علی الحکیم نے جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا درانحالیکہ اس کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے کہ فرمایا: "حیاء زینت ہے اور تقوٰی کرم ہے۔" احادیث کو دیکھو کس قدر روشن اور کتنی فصیح ہیں اور کیسی شیریں اور کیسی ملیح ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول کہ آدمی کی مروت اس

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۶۵، المستدرك للحاکم کتاب العلم کرم المومن دینہ الخ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۲۳، لمستدرك للحاکم کتاب النکاح الحسب والمال والکرم الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۳، السنن الکبرٰی کتاب النکاح باب اعتبار الیسار فی الکفاءۃ دارصادر بیروت ۷/ ۱۳۶، السنن الکبرٰی کتاب الشھادات باب بیان مکارم الاخلاق الخ دارصادر بیروت ۱۰/ ۱۹۵

[2] کتاب الیقین من رسائل ابن ابی الدنیا حدیث ۲۲ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱/ ۲۸

[3] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل السادس والخمسون والمائۃ دارصادر بیروت ص ۲۰۰

عقله فانما وصف العقل بالمروة لاالمروة بالعقل و كذا قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم "حسبه خلقه و الشرف التواضع" فانما حکم علی الخلق بانه الحسب وعلی التواضع بانه الشرف حسما لما یدعیه المدعون من ان المال هو الشرف، ولذا ان قال قائل ان الحسب خلق والمروة عقل والشرف تواضع لم یقبل قوله منه، وان عکس قبل فهکذا فی الفقرتین اعنی قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الکرم التقوٰی وکرم المرء دینه۔

وانا اعطیك ضابطة لهذا کلما رأیت فی امثال عـــه هذا المقام اسمین معرفین باللام محمولا احدهما علی الاٰخر فان صح ان یحمل الاٰخر علی الاول مجردا عن اللام فاعلم انه یجوز ان یکون محمولًا فی تلك القضیة ایضًا والالا نظیره قول الشاعر ؎

کی عقل ہے۔ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقل ہی کو مروت سے موصوف کیا اور اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "آدمی کا حسب اس کا خُلق ہے اور شرف تواضع ہے" تو اس لئے کہ خُلق پر حکم لگایا کہ وہ حسب ہے اور تواضع پر حکم فرمایا کہ وہی شرف ہے مدعیوں کے دعوے کو رد کرنے کے لئے کہ مال ہی شرف ہے اسی لئے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ بے شک حسب خُلق ہے اور مروت عقل ہے اور شرف تواضع ہے تو اس کا قول مقبول نہ ہوگا اور اگر اس کا عکس کردے تو قبول کیا جائے گا تو اسی طرح دونوں حدیثوں میں اپنے بعد فقروں سے ملے ہوئے فقروں میں یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول کرم تقویٰ ہے اور آدمی کی عزت اس کا دین ہے (یعنی ان جملوں کا عکس مقبول نہ ہوگا۔)

اور میں تم کو اس کے لئے ایک ضابطہ دیتاہوں جب کبھی تم ایسے مقامات میں دو اسم معرف باللام دیکھو کہ ان میں کا ایک دوسرے پر محمول ہوتا ہے تو اگر دوسرے کا پہلے کے لئے محمول بننا بغیر لام کے صحیح ہو تو جان لو کہ وہ اس قضیے میں بھی محمول ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، اسکی نظیر شاعر کا شعر ہے:

عـــــه: اشاربه الی انك تقول الخ (المصنف)

بنونا بنو ابناءنا وبنو بناتنا ابناء الرجال فانك ان قلت احفادنا ابناء لنا صدقت وان قلت ابنائنا احفادلنا کذبت فکان بنونا ھو المحکوم بہ و السر فی ذلك ان المحمول یجوز تنکیرہ ابدًا وافادۃ القصر علٰی تسلیمہ عـــہ کلیًا امر زائد علٰی نفس الحکم و الموضوع لاینکر تنکیرا محضافلذٰلك لا یقال الکرم تقوٰی اوالکرم دین وانما تقول بالتعریف لان الاٰخر ھو الموضوع حقیقۃ لاجل ھذا ان عکست ونکرت صح اما رایت ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم لماقدم التقوٰی فی حدیث الحکیم نکر الکرم و لما عکس فی الحدیث الاٰخر عرف التقوٰی. اللھم لك الحمد علٰی تواتر اٰلائك ولا اخالك یاھذا مغمورافی غیابات الغباوت بحیث یعسر علیك الانتباہ لما فی تلك الاحادیث	"یعنی ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے اور مردوں کے بیٹے ہیں۔" اس لئے کہ اگر تم یوں کہو کہ ہمارے پوتے ہمارے بیٹے ہیں تو یہ صادق ہوگا، اور اگر یوں کہو کہ ہمارے بیٹے ہمارے پوتے ہیں تو یہ کاذب ہوگا تو شعر میں "بنونا" ہی محکوم بہ ہے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہمیشہ محمول کو نکرہ لانا جائز ہے اور افادہ قصر اگر اس کو امر کلی تسلیم کرلیں نفس حکم پر ایک زائد بات ہے، اور موضوع کبھی نکرہ محضہ نہیں لایا جاتا ہے تو اس لئے یوں نہ کہا جائے گا کہ الکرم تقوٰی یا الکرم دین یعنی جبکہ جملے کا جز ثانی مبتدا ٹھہرائیں تو اس کو نکرہ لانا جائز نہیں بلکہ تم یہ جملہ دوسرے جز کی تعریف کے ساتھ بولوگے اس لئے کہ حقیقت میں دوسرا جز ہی موضوع ہے اسی وجہ سے اگر اس جملے کا عکس کردو اور پہلے جز کو نکرہ کردو تو صحیح ہوگا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب تقوٰی کو مقدم کیا حکیم ترمذی کی گزشتہ حدیث میں تو "کرم" کو نکرہ لائے، اور دوسری حدیث میں جب اس کا عکس کیا تو "تقوٰی" کو معرفہ لائے۔ الٰہی! تیری پیہم نعمتوں پر تیرے لئے حمد اے شخص میں گمان نہیں کرتا کہ تو کم فہمی کی اندھیریوں

عـــہ: اشارہ الی انہ مع اشتھارہ فی کثیر من الناس الخ (المصنف)

التی جاءت مرۃ بتقدیم الکرم واخرٰی بتصدیر التقوی من لمعات بوارق یکاد سناھا یختف ابصار الشبھات ولا سیما حدیث الترمذی مع ماتقررفی الاصول ان اللام ان لاعھد فللاستغراق بال الجنس ایضا مفید اذحکمہ لابدوان یسوی فیہ الافراد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

میں ایسا بھٹکا ہو کہ تیرے اوپر ان چمکتی تجلّیوں سے تنبیہ ہونا دشوار ہو جن کی روشنی لگتا ہے کہ شبہات کی آنکھوں کو اچک لے گی جو ان احادیث میں ہیں جن میں کبھی کرم کو مقدم فرمایا اور کبھی تقویٰ کو صدر کلام میں لائے بالخصوص حدیث ترمذی باوجودیکہ اصول میں مقرر ہوچکا کہ لام جبکہ عہد کے لئے نہ ہو تو استغراق کے لئے ہوگا بلکہ جنس بھی مفید استغراق ہے اس لئے کہ ضروری ہے کہ جنس کے حکم میں سب افراد برابر ہوں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

اقول: سابعًا ان قیل لك اکرم الناس اتقاھم ثم من دونہ فی التقوٰی وھٰکذا یأتی ینزل تدریجا لاجرم ان تسلمہ وتقول ھذا لاریب فیہ لکنك لم تدران قد انصرفت عما اقترفت وقداعترفت بما انحرفت، قل لی ماذا محصل قولك ان اکرم الناس یوصف اولاً بانہ اتقی وثانیًا بانہ قلیل التقوٰی وثالثًا بانہ اقل، ھل ھذا الا کلام مجنون تفوہ بلفظ فی الجنون وما دری وما عقل وھذہ الشناعۃ

اقول: سابعًا اگر تم سے کہا جائے کہ سب لوگوں سے زیادہ باعزت سب سے زیادہ پرہیزگار ہے پھر جو تقوی میں اس سے کم ہے اور اسی طرح سے تدریجًا کم سے کم تر کی طرف نازل ہو، لامحالہ تم اس کو تسلیم کروگے اور کہوگے کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن تم نے نہیں سمجھا کہ تم اس سے پھر گئے۔ جس کا تم نے ارتکاب کیا تھا۔ اور انحراف کا اعتراف کرلیا مجھے بتاؤ تمہارے اس قول کا حاصل کیا ہے کہ اکرم الناس اولًا اتقی سے موصوف ہوتا ہے (سب سے زیادہ پرہیزگار) اور ثانیًا قلیل التقویٰ کے ساتھ اور ثالثًا اس سے بھی اقل کے ساتھ (یعنی اس صورت میں جب کہ جزِ ثانی یعنی اتقی کو محمول مانیں کیا یہ ایسے مجنون کا کلام نہیں۔ جو جنون میں لفظ

تکدر علیك زعمك العجیب فی کل ما جاء علی الترتیب وھو کثیر فی الاحادیث، قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "احب الاعمال الی اللہ الصلوٰۃ لوقتھا ثم بر الوالدین ثم الجھاد فی سبیل اللہ "اخرجہ الائمۃ احمد [1] والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی و النسائی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فالمعنٰی علی زعمك ان احب الاعمال یوصف اولاً بانہ صلوٰۃ ثم یمکث فیصیر برا ثم یلبث فیعود جھادًا وھذا من اعجب ماسمع السامعون،

بولتا ہے اور سمجھتا ہے ورنہ اسے خبر ہوتی، اور یہ شناعت تمہارے زعم عجیب میں ان تمام احادیث کو مکدر کردے گی جن میں ترتیب کے ساتھ اعمال کی فضیلت بیان ہوئی اور یہ مضمون احادیث میں بہت ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کو سب کاموں سے زیادہ پیاری نماز ہے جو وقت پر پڑھی جائے۔ پھر ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ "اس حدیث کو روایت کیا احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو تمہارے زعم پر معنٰی یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ محبوب کام پہلے صلوٰۃ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر حسنِ سلوک بن جاتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر جہاد ہوتا ہے اور یہ سب سے زیادہ عجیب باتوں میں سے ہے جو سُننے والوں نے سُنی۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب فضل الصلوۃ لوقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۶، صحیح البخاری کتاب الجھاد باب فضل الجھاد لوقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۰، صحیح البخاری کتاب الادب باب قولہ تعالٰی ووصینا الانسان بوالدیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۸۲، صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون الایمان باللہ افضل الاعمال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲، مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۱۰ و ۴۱۸۔۴۲۱ و ۴۳۹ و ۴۴۴ و ۴۴۸ و ۴۵۱، جامع الترمذی ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۴، جامع الترمذی ابواب البروالصلۃ باب ماجاء فی برالوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۳، سنن النسائی کتاب المواقیت فضل الصلوۃ لمواقیتھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۰۰، سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب المحافظۃ علی الصلوات آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۱

تذئیل ایاك وان تظن ان تقدیم الخبر فی امثال ھذا المقام قلیل فی فصیح الکلام حتی یعد تاویلا للمرام بل ھو شائع تکثر بل ھو الاکثر الاوفر، ولو سرد نالك من الاحادیث الواردة علٰی ھذا المنوال لنافت علی مئاتٍ ورمیتنی بالاملال، ثم منھا ما فی نفس الحدیث دلیل علی ما نرید کتقدیم الصفات و تاخیر الذوات وغیر ذٰلك ومنھا ما شرح الشارحون بعکس الترتیب من دون حاجة الٰی ماھنالك فعلم انه طریق شائع، کثیرًا مایجری الکلام علیه وتتبادر الافھام الیه بلا احتیاج الی صوارف ولا توقف علٰی موقف ولو لا انا علی حذر من الاطناب لارینالك منھا العجب العجاب، لکن لا باس ان تذکر طرفًا من احادیث اکثرھا من القسم الثانی لانھا اوضح فی المقصود وضوحًا جمیلًا و نقدم علیھا حدیثا ذکر فیه المصطفٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مقدمتین فاستنتج منھما العلماء کمثل صنیعنا فی الاٰیتین

تذئیل خبردار یہ گمان نہ کرنا کہ ایسے مقامات میں خبر کو مقدم رکھنا کلام فصیح میں نادر ہے۔ یہاں تک کہ مقصود کے لیے تاویل کرنا ٹھہرے، بلکہ وہ بکثرت شائع ہے بلکہ یہی اکثر و اوفر ہے اور اگر ہم تم سے ان احادیث میں سے کچھ کا ذکر کریں جو اس طریقے پر وارد ہوئیں تو گنتی میں سینکڑوں سے زیادہ ہوں گی اور تم مجھے اکتا دینے پر تہمت لگاؤ گے۔ پھر ان میں سے وہ بھی ہے جو نفسِ حدیث میں ہمارے مدعا کی دلیل ہے جیسے صفات کو مقدم کرنا اور ذوات کو مؤخر کرنا اور اس کے علاوہ ان میں شارحین حدیث کا حدیث کی شرح میں ترتیب الٹ دینا بلا ضرورت، تو اس سے معلوم ہوا کہ خبر کو مقدم کرنا شائع ہے اور بسا اوقات کلام اس ڈھنگ پر چلتا ہے اور قرائن صارفہ کی حاجت کے بغیر لوگوں کی فہم اس کی طرف سبقت کرتی ہے اور کسی بتانے والے پر موقوف نہیں ہوتی اور اگر ہمیں تطویل کا ڈر نہ ہو تو ہم تمھیں ان احادیث کا عجیب و غریب نمونہ دکھاتے لیکن اس میں حرج نہیں کہ ہم ان احادیث کا ایک حصہ ذکر کریں جن میں اکثر قسم ثانی کے قبیل سے ہیں۔ اس لیے کہ وہ مقصود میں خوب واضح ہیں اور ہم پہلے ایک حدیث ذکر کریں جس میں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو مقدمے ذکر کیے تو اس سے علماء نے نتیجہ نکالا، جس طرح دو آیتوں میں

لیکون ھذا اشدتنکیلا، انبأنا حسین الفاطمی عن عابد بن احمد عن صالح الفاروقی عن سلیمان الدرعی عن محمد الشریف، عن الشمس العلقمی عن الامام السیوطی عن احمد بن عبدالقادر بن طریف انا ابو اسحاق التنوخی انا ابوالحجاج یوسف بن الزکی المزی انا الفخر بن البخاری سماعًا بسماعه عن ابی حفص عمر بن طبرزد انا ابوالفتح عبدالملك ابن قاسم الکروخی، انا القاضی ابوعامر محمود بن القاسم الازدی وابوبکر احمد بن عبدالصمد الغورجی انا ابو محمد عبدالجبار الجراحی المروزی انا ابوالعباس محمد بن احمد بن المحبوب المحبوبی المروزی، انا الترمذی ثنا محمد بن یحیی نامحمد بن یوسف ناسفٰین عن ھشام بن عروۃ عن ابیه عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خیر کم خیر کم لاھله	ہم نے کیا تاکہ قید سخت ہو۔ہم سے حدیث بیان کی حسین فاطمی نے،وہ روایت کرتے ہیں عابد بن احمد سے،وہ روایت کرتے ہیں صالح فاروقی سے،وہ روایت کرتے ہیں سلیمان بن درعی سے،وہ روایت کرتے ہیں محمد شریف سے،وہ روایت کرتے ہیں شمس علقمی سے،وہ روایت کرتے ہیں امام سیوطی سے،وہ روایت کرتے ہیں احمد بن عبدالقادر ابن طریف سے،ہمیں خبر دی ابواسحٰق تنوخی نے۔ہمیں خبر دی ابوالحجاج یوسف ابن زکی مزی نے۔ہمیں خبر دی فخر الدین ابن بخاری نے۔سماعًا ابوحفص عمر بن طبرزد سے سن کر۔ہمیں خبر دی ابو الفتح عبدالملک ابن قاسم کروخی نے۔ہمیں خبر دی قاضی ابو عامر محمود ابن قاسم ازدی اور ابوبکر احمد بن عبدالصمد غورجی نے۔ہمیں خبر دی ابو محمد عبدالجبار جراحی مروزی نے،ہمیں خبر دی ترمذی نے،حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن یحیٰی نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد بن یوسف نے،حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے،انہوں نے روایت کی ہشام بن عروہ سے انھوں نے روایت کی اپنے باپ سے۔انھوں نے روایت کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے۔انھوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

وانا خیر کم لاھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ۔ھذا حدیث حسن صحیح[1] **قلت** ومروی ایضاعندابن ماجة[2] من حدیث ابن عباس وعندالطبرانی فی معجمه[3] الکبیرعن معٰویة بن ابی سفٰین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین قال الامام العلامة الشارح عبدالرؤف المناوی فی التیسیر شرح الجامع الصغیراللامام المولٰی جلال الحق و الدین السیوطی رحمة اللہ تعالٰی علیھما فانا خیر کم مطلقاوکان احسن الناس عشرة لھم[4] انتھی۔ **اقول**:یاھذاان ابدیت فرقًابین ھذاالقیاس والقیاس	نے "تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کے لیے تم سب سے بہتر ہوں جب تمہارا کوئی ساتھی مرجائے تو اسے چھوڑ دو" (یعنی اس کا ذکر برائی سے نہ کرو) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ **قلت** (میں کہوں گا کہ) یہ حدیث ابن ماجہ کے یہاں منجملہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے اور طبرانی کے یہاں ان کے معجم کبیر میں معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے امام علامہ عبدالرؤف مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر مصنفہ امام مولٰی جلال الحق والدّین سیوطی رحمہما اللہ تعالٰی میں فرمایا "تو میں مطلقًا تم سب سے بہتر ہوں۔اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنے اہل کے ساتھ سب سے بہتر سلوک فرماتے تھے۔" **اقول**: (میں کہتا ہوں) اے شخص اگر تو اِس قیاس میں اور اُس قیاس میں جس کی صحت کا

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فضل ازواج النبی صلی اللہ تعالٰی لیہ وسلم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۹،موارد الظمأن الی زوائد ابن حبان حدیث ۱۳۱۲ المکتبة السلفیہ ص ۳۱۸،الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۸۵۳ دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱۷۰،الجامع الصغیر حدیث ۴۱۰۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۴۹

[2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب حسن معاشرة النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۸۵۳ مکتبة الفیصلیہ بیروت ۱۹/ ۳۶۳

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر کم خیر کم لاھلہ مکتبة الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۳۳

الذی تنکر صحته لشکرك المفضلة ابدا ما کانوا و لکن هیهات هیهات انّی لك ذٰلك اخرج احمد و الشیخان عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، خیر نساء رکبن الابل صالح نساء قریش [1]	تو منکر ہے فرق نمایاں کردے تو تفضیلیہ عمر بھر تیرے شکر گزار ہوں گے، لیکن ہیہات ہیہات تجھ سے کیونکر ایسا ممکن ہے۔امام احمد و بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ سے راوی، انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا۔ اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں۔
قال الفاضل الشارح فالمحکوم له بالخیریة الصالحة منهن لا علی العموم [2] اھ انظر کیف جعل الخیر محکومًا به اخرج احمد والترمذی والحاکم باسناد صحیح عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنهما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خیر الاصحاب عند اللہ خیر هم لصاحبه وخیر الجیران عنداللہ خیر هم لجاره [3] قال الفاضل الشارح "فکل	فاضل شارح نے فرمایا تو جن کے لیے سب سے بہتر ہونے کا حکم فرمایا گیا وہ قریشی عورتوں میں نیک عورتیں ہیں اور یہ حکم اپنے عموم پر نہیں دیکھو کس طرح شارح نے خیر کو محکوم بہ قرار دیا۔امام احمد۔ترمذی اور حاکم بسندِ صحیح حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے سب سے بہتر ہو اور ہمسایوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۷۵ و ۳۹۳، صحیح البخاری کتاب النکاح باب الی من ینکح وایّ النساء خیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۰، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل نساءِ قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۰۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث خیر نساء رکبن مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۴۲

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۶۸، المستدرك للحاکم کتاب المناسك خیر الاصحاب عنداللہ الخ دار الفکر ۱/ ۴۴۳، الجامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی حق الجوار امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶

من کان اکثر خیرًا لصاحبه و جاره فهوافضل عند الله و العکس بالعکس [1] اھ اخرج احمد و ابن حبان والبیهقی عن سعید بن ابی وقاص رضی الله تعالٰی عنه باسناد صحیح عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم خیر الذکر الخفی [2] قال الفاضل الشارح "ای ما اخفاه الذاکر وستره عن الناس فهو افضل من الجهر [3] اھ. اخرج الطبرانی عن ابی امامة الباهلی رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم افضل الصدقة سر الی فقیر [4] قال الفاضل الشارح "قال تعالٰی "وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ" [5] اھ"	ہمسایوں کے لیے سب سے بہتر ہو۔ فاضل شارح نے کہا تو ہر وہ شخص جو اپنے ساتھی اور پڑوسی کے لیے کثیر الخیر ہو وہ اللہ کے نزدیک افضل ہے۔ اور اس کے برعکس ہو تو حکم برعکس ہے انتهی۔ امام احمد، ابن حبان اور بیہقی نے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسندِ صحیح روایت کیا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ سرکار نے فرمایا "سب سے بہتر ذکر ذکرِ خفی ہے" فاضل شارح نے کہا یعنی وہ ذکر جسے ذاکر خفیہ رکھے اور لوگوں سے چھپائے وہ ذکرِ جہر سے افضل ہے انتهی، طبرانی، ابن ماجہ، ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا، "سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو خفیہ طور پر فقیر کو دیا جائے" فاضل شارح نے کہا اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ "وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ"۔ انتهٰی

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الاصحاب الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۲۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن سعید بن ابی وقاص المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۷۲، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۲۳۲۳ المکتبۃ السلفیہ ص ۵۷۷، شعب الایمان حدیث ۵۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۰۷

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الذکر مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۲۶

[4] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۷۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۸/ ۲۵۹، الجامع الصغیر حدیث ۱۲۷۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۸۰

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث افضل الصدقہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۱۸۵

اقول: انظر فقد اخرت الاٰیة وقدم الحدیث، اخرج احمد والحاکم عن رجل من الصحابة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا[1] قال الفاضل الشارح فالاسمن افضل من العدد[2] اھ اخرج احمد والطبرانی فی الکبیر عن ماعز رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم افضل الاعمال الایمان باللہ ثم الجھاد ثم حجة برة تفضل سائر العمل[3]۔	**اقول:** دیکھو آیت کریمہ نے خیر کو (جو موضوع ہے) موخر کیا اور حدیث نے اس کو مقدم کیا۔ امام احمد اور حاکم نے کسی صحابی سے دریافت کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا "قربانی کے جانوروں میں سب سے بہتر سب سے قیمتی سب سے فربہ ہے۔" فاضل شارح نے کہا تو جو سب سے فربہ ہے وہ عدد سے افضل ہے اھ امام احمد اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا "سب سے بہتر عمل اللہ پر ایمان رکھنا ہے پھر جہاد۔ پھر حج مقبول تمام اعمال سے افضل ہے۔"
اقول: انظر الی ھذہ الکلمة الاخرة صدر بالافضل ثم اخرہ۔ اخرج ابو الحسن القزوینی فی امالیه الحدیثیة عن ابی امامة	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کلمہ میں دیکھو، پہلے افضل کو مقدم کیا پھر اس کو موخر لائے۔ ابوالحسن قزوینی اپنے امالی حدیثیہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی

[1] مسند احمد حنبل حدیث جد ابی الاشد السلمی المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۴۲۴، المستدرك کتاب الاضاحی باب افضل الضحایا الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۳۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ان افضل الضحایا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۲

[3] مسند احمد بن حنبل حدیثِ ماعز رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۴۲، المعجم الکبیر حدیث ۸۰۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰/ ۳۴۴ و ۳۴۵

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "ان اشد الناس تصدیقًا للناس اصدقھم حدیثا وان اشد الناس تکذیبًا اکذبھم حدیثا"[1] قال الفاضل الشارح فالصدوق یحمل کلام غیرہ علی الصدق لاعتقاد قبح الکذب والکذوب یتھم کل مخبر بالکذب لکونہ شانہ۔[2] اھ	وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔"سب سے زیادہ لوگوں کی تصدیق کرنے والا وہ ہے جس کی بات سب سے زیادہ سچی اور لوگوں کو سب سے زیادہ جھوٹا بتانے والا وہ ہے جو اپنی بات میں سب سے بڑا جھوٹا ہو۔" فاضل شارح نے فرمایا وہ سچا دوسرے کے کلام کو سچائی پر محمول کرتا ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ کو بُرا جانتا ہے۔اور جھوٹا ہر مخبر کو جھوٹ کی تہمت لگاتا ہے اس لیے کہ جھوٹ بولنا اس کا کام ہے،اھ
اخرج احمد فی کتاب الزھد عن سلمان الفارسی واقفًا علیہ وابن لال وابن النجار عن ابی ھریرۃ والسجزی فی الابانۃ عن ابن ابی اوفی رافعین الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکثر الناس ذنوبًا یوم القیمۃ اکثرھم کلامًا فیما لایعنیہ[3] قال الفاضل الشارح "لان	امام احمد نے کتاب الزھد میں حضرت سلیمان فارسی سے حدیث موقوف روایت کی اور ابن لال اور ابن نجار نے ابو ہریرہ سے اور سجزی نے ابانہ میں ابن ابی اوفٰی سے،ان سب نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعًا روایت کیا کہ فرمایا"سب لوگوں سے زیادہ قیامت کے دن اس کے گناہ ہوں گے۔جو سب سے زیادہ لایعنی باتیں کرے۔" فاضل شارح نے فرمایا اس لیے کہ

[1] کنزالعمال حدیث نمبر ۶۸۵۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۳۴۴،الجامع الصغیر حدیث نمبر ۲۲۰۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۴

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحدیت حدیث ان اشد الناس تصدیقا دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۳۱۱

[3] الجامع الصغیر بحوالہ ابن لال وابن نجار حدیث نمبر ۱۳۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۸۶،کتاب الزھد ۸۱۱ دارالکتاب العربی دارالکتب العلمیہ بیروت ص۲۱۹

من کثر کلامه کثر سقطه فتکثر ذنوبه من حیث لا یشعر[1]"اھ	جس کا کلام کثیر ہوگا تو اس میں مہمل خلافِ شرع باتیں زیادہ ہوں گی تو اس کے گناہ بڑھیں گے اور اس کو شعور نہ ہوگا اھ۔
اخرج البخاری فی التاریخ والترمذی و ابن حبان بسند صحیح عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان اولی الناس بی یوم القیٰمة اکثرھم علیّ صلٰوة[2]۔	امام بخاری تاریخ میں اور ترمذی اور ابن حبان بہ سندِ صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا" قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوگا جو سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔
قال الفاضل الشارح"ای اقربھم منی فی القیٰمة و احقھم بشفاعتی اکثرھم علیّ صلاة فی الدنیا لان کثرة الصلوة علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم تدل علی صدق المحبة و کمال الوصلة فتکون منازلھم فی الاخرة منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بحسب تفاوتھم فی ذٰلك[3]اھ	فاضل شارح نے فرمایا یعنی قیامت میں سب سے مجھ سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ میری شفاعت کا حقدار وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کی کثرت سچی محبت پر اور کمال ربط پر دلالت کرتی ہے۔ تو لوگوں کے مدارج حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قُرب میں اس امر میں لَوگوں کے تفاوت کے حساب سے ہوں گے۔
اقول: انظر شرح اولًا لفظ الحدیث	**اقول:** دیکھو پہلے لفظ حدیث کی شرح

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اکثر الناس ذنوبا یوم القیٰمة مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۰۰

[2] جامع الترمذی ابواب الوتر باب ماجاء فی فضل الصلوة علی النبی امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۴، الجامع الصغیر حدیث ۲۲۴۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۳۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اولی الناس بی الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۶

ثم علل بما لایستقیم الاعلی جعل الاولٰی محکومًا به،وابین من ھذا ان العلماء المحدثین افاض اللہ علینا من برکاتھم استدلوا بھٰذا الحدیث علٰی فضل اھل الحدیث،وانھم اولی الناس برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لانھم اکثر الناس صلوۃ علیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لایذکرون حدیثا الاو یصلون فیه علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عشرًا وخمسًا او مرتین اومرۃ لا اقل کما ھو معلوم مشاھد والحمد للہ۔	کی پھر علت وہ بیان کی جو اسی صورت میں ٹھیک بیٹھتی ہے جب کہ حدیث میں (وارد) لفظ اولٰی کو محکوم بہ ٹھہرائیں اور اس سے روشن تر یہ ہے کہ علماء محدثین نے (اللہ تبارک و تعالٰی ہمارے اوپر ان کی برکتیں برسائے) اس حدیث سے علماء حدیث کی فضیلت پر استدلال کیا۔اور اس پر دلیل پکڑی کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہیں اس لیے کہ وہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔جب کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دس مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا دو مرتبہ یا کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھتے ہیں جیسا کہ معلوم ہے اور اس کا مشاہدہ ہے۔والحمدللہ۔
ارایتك ھذا الاستدلال الیس علٰی طبق احتجاجنابا لایتین حذوا بحذو وسواء بسواء۔ثمّ من تمام نعمة اللہ ان جاء حدیث عند البیھقی برجال ثقات عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "اکثروا من الصلوۃ علی فی کل یوم جمعة فان صلوۃ امتی تعرض علیّ فی کل یوم جمعة فمن کان اکثرھم علی	مجھے بتاؤ کیا استدلال ان دونوں آیتوں سے ہمارے استدلال کے بالکل مطابق نہیں۔پھر اللہ تبارک و تعالٰی کی تمامی نعمت سے یہ ہے کہ ایک حدیث بیہقی میں ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے آئی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا کہ ہر جمعہ کے دن بکثرت درود بھیجو اس لیے کہ تمہارا درود ہر جمعہ کے دن میرے اوپر پیش ہوتا ہے تو سب سے زیادہ جو میرے اوپر درود بھیجے گا وہ درجے

صلوٰۃ کان اقربھم منی منزلۃ"[1] فعلم انہ لایبالٰی فی امثال المقام بتقدیم ولا تاخیر لعدم الا لتباس والسرفیہ ما القیناعلیك ان ھذہ احکام شرعیۃ لایطلع علیھاالا باطلاع الشارع فھی التی تلیق ان تجعل محمولات،ولا تسبق الاذھان الا الٰی ذلك مقدمۃ جاءت اومؤخرۃ وھذا کلّہ واضح جلی کاد ان یقال بدیھی واولٰی لایسوغ انکارہ الا لجاھل خرف اومتجاھل متعسف،ونخشی ان یعد اکثار نا ھذا من اقامۃ الدلائل علیہ شبیھا بالعبث عند العلماء لان اُذانھم ممتلئۃ بالوف الاف من امثال تلك المحاورات،وھم العارفون باسالیب الکلام ومجاری البیان فی مناھج المرام،فحاشاھم ان یتعسر علیھم تمییز محمول من(ھُھنا سقط ظاھر ولعل العبارۃ ھکذا ان یخطر ببالھم)یحط ببالھم نحوھذہ الخدشات، لکنی،اتنصل الیھم وعذری ان شاء اللہ تعالٰی واضح لدیھم

میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب ہوگا۔تو معلوم ہوا کہ ایسے مقامات میں تقدیم و تاخیر کی پرواہ نہیں کی جاتی اس لیے کہ اشتباہ نہیں ہوتا اور اس میں سر وہی ہے جو ہم نے بتایا۔تو یہ احکامِ شرعیہ ہیں جن پر بغیر شارع کے بتائے اطلاع نہیں ہوتی۔تو یہی اس کے لائق ہیں کہ محمول بنائے جائیں۔اور اذہان کی سبقت انہیں کی طرف ہوتی ہے خواہ مقدم آئیں یا مؤخر،اور یہ سب واضح و روشن ہے۔قریب ہے کہ اس کو بدیہی و اولٰی کہا جائے اس کا انکار جاہل بے خرد یا جاہل بننے والے معاند کے سوا کسی کو نہ بن پڑے گا اور ہم کو ڈر ہے کہ ہمارا اس پر بکثرت دلائل قائم کرنا علماء کے نزدیک عبث کے مشابہ قرار دیا جائے۔اس لیے کہ ان کے کان اسی قسم کے ہزاروں محاورات سے بھرے پڑے ہیں اور وہ کلام کے اسالیب سے اور مقصود کے طریقوں میں بیان کی راہوں سے آگاہ ہیں۔تو وہ اس سے منزہ ہیں کہ انہیں محمول کی تمیز موضوع سے دشوار ہو اور یہ ان کے ذہن میں ایسے خدشات جگہ پائیں۔لیکن میں ان کی طرف معذرت کرتا ہوں اور میرا عذر ان کے نزدیک ظاہر ہے اس لیے کہ میری مثال اور ان لوگوں کی مثال جو میری نہیں مانتے

---

[1] السنن الکبرٰی کتاب الجمعۃ باب مایؤمر بہ فی لیلۃ الجمعۃ الخ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۳/ ۲۴۹

فانما مثلی ومثل الذین لاینقادون لی کجمال شردت عن صاحبها فهو یقصد اسرها ویقتفی اثرها لا تعلو شرفا ولا تهبط وادیا الا اتبعها۔

ان اونٹوں کی سی ہے جو اپنے مالک کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوں تو ان کا مالک ان کو پکڑنے کا قصد کرے اور ان کے پیچھے پیچھے چلے وہ کسی بلندی پر نہ چڑھیں اور نہ کسی گھاٹی میں اتریں مگر یہ کہ وہ ان کا پیچھا کرتا ہو۔

تکمیل: ومن ھٰھنا بان لك ان ماقالت النحاۃ من وجوب تقدیم المبتداء علی الخبر اذا کان معرفتین او متساویین امر اکثری لاکلی وانما المعنی علی اللبس و اذ لیس فلیس، بذٰلك صرح الشراح و لا یغرنك اطلاق المتون فانها ربما تمشی علی الاطلاق فی مقام التقیید فی علم الفقه فکیف بغیرہ من الفنون۔

تکمیل: یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ نحویوں نے جو یہ کہا کہ مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا ضروری ہے۔جب دونوں معرفہ ہوں یا تنکیر و تعریف میں دونوں برابر ہوں یہ اکثری قاعدہ ہے کلی قاعدہ نہیں اور معنٰی یہی ہے کہ مبتدا کی تقدیم ایسی صورت میں اس وقت واجب ہے۔جب کہ التباس کا اندیشہ ہو اور جب التباس کا اندیشہ نہ ہو تو واجب نہیں۔شارحین نے اس کی تصریح کی تو ہر گز تمہیں متون کا اس مسئلہ کو مطلق کرنا دھوکا میں نہ ڈالے اس لیے کہ متون تو بسا اوقات اطلاق کی راہ پر چلتے ہیں مسئلہ کو مقید رکھنے کے مقام میں علم فقہ میں تو تمہارا کیا گمان ہے فقہ کے سوا دوسرے فنون میں،

انبانا مفتی الحرم عن ابن عمر عن الزبیدی عن یوسف المزجاجی عن ابیه محمد بن علاء الدین عن حسن العجیمی عن العلامة خیر الدین الرملی عن ابی عبدالله محمد بن عبدالله الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار قال فی منح الغفار "ان العجب من اصحاب المتون

ہمیں خبر دی مفتیِ حرم نے،وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر سے،وہ روایت کرتے ہیں زبیدی سے۔وہ روایت کرتے ہیں یوسف مزجاجی سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد بن علاء الدین سے۔وہ روایت کرتے ہیں حسن عجیمی سے۔وہ روایت کرتے ہیں خیر الدین رملی سے۔وہ روایت کرتے ہیں ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنفِ تنویر الابصار سے، انہوں نے منح الغفار میں فرمایا اصحابِ متون سے تعجب ہے اس لیے کہ وہ اپنے

فانهم یترکون فی متونهم قیودا لابدمنها وهی موضوعة لنقل المذہب فیظن من یقف علی مسائله الاطلاق فیجری الحکم علٰی اطلاقه وهو مقید فیرتکب الخطاء فی کثیر من الاحکام فی الافتاء والقضاء [1] انتهی	متون میں ضروری قیدیں چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ متون نقل مذہب کے لیے وضع کیے گئے ہیں کہ جو متن کے مسائل سے واقف ہوتا ہے وہ حکم کو مطلق گمان کرتا ہے تو اس حکم کو اس کے اطلاق پر جاری کرتا ہے حالانکہ وہ مقید ہوتا ہے تو وہ خطا کر جاتا ہے فتوٰی اور قضا کے دوران بہت سارے احکام میں۔ انتہی۔
انبانا السراج بالسندالمذکور الی العلامة الغزی عن العلامة زین بن نجیم المصری قال فی البحر الرائق "قصد هم بذٰلك ان لایدعی علمهم الا من زاحمهم علیه بالرکب ولیعلم انه لایحصل الا بکثرة المراجعة وتتبع عباراتهم و الاخذعن الاشیاخ [2]۔ انتهی	ہمیں خبر دی سراج نے علامہ غزی تک اسی سند مذکور سے۔ انہوں نے روایت کیا علامہ زین ابن نجیم مصری سے۔ انہوں نے بحر الرائق میں فرمایا کہ اس طریقے سے ان کا قصد یہ ہے کہ ان کے علم کا دعوٰی وہی کرے جو زانوؤں سے ان کا مزاحم ہو اور تاکہ معلوم ہو کہ یہ علم کثرت مراجعت اور فقہاء کی عبارات کی تلاش اور مشائخِ فن سے حاصل کیے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ انتہی۔
اقول: وقد و الله رأینا تصدیق هذا فی کثیر من ابناء الزمان ممن تصدر بالدعوی وتصدی للفتوی، وما عنده ما یرد عن الطغوی فمنهم من افتی بتوریث المنکوحة بالنکاح الفاسد واٰخر ببطلان تزویج الام الصغیرة من دون حضرة العم	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور بے شک بخدا میں نے اس کی تصدیق آج کل کے ان لوگوں میں وہ پائی جو زبانی دعوی سے خود صدر بن بیٹھے اور فتوٰی دینے کے درپے ہوئے حالانکہ ان کے پاس وہ علم نہیں جو انہیں حد سے گزر جانے سے باز رکھے ان میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے نکاح فاسد سے بیاہی گئی عورت کے وارث ہونے کا فتوٰی دیا تو ان میں سے کسی دوسرے نے یہ فتوٰی دیا کہ چچا کی

[1] ردالمحتار کتاب الجهاد فصل فی کیفیة القسمة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۳۵

[2] ردالمحتار بحواله البحر الرائق کتاب الصلوة باب صفة الصلوة العربی بیروت ۱/ ۳۰۳

منع انه متوقف لاباطل، واخر باعطاء المسمّٰی من نکحت فی عدۃ اختها واُخر بتحریم بیع هذه القراطیس الافرنجیة المقدرۃ بقدر معلوم من الدراهم بما یزید علی هذا المقدار او ینقص ظنامنه انه ربٰو مع عدم الا تحادجنسا ولا قدرًا۔ واُخر بتجویز اخذ الربٰو من کفار الهند زعما منه انهادار الحرب مع عدم الانقطاع عن دار الاسلام من کل جانب وشیوع بعض الشعائر الاسلامیة قطعًا۔ واُخر بحل ماقطع من حیوان حی اُخذا من قول الهدایة وما ابین من الحی"وان کان میتافمیته حلال [1]"حتی انتهت ریاسة الفتوٰی و انتمت السیادۃ الکبرٰی الٰی من اباح بنت الاخ رضاعًا، وتقدمه مجتهداُخر فجوز نکاح العمة النسبیة فالی الله المشتکی من فساد الزمان ولاحول ولاقوۃ الا بالله العلی العظیم وسیعلم هذامن جرب

غیر موجودگی میں ماں کو صغیرہ (نابالغہ) کا عقد کردینا باطل ہے حالانکہ یہ متوقف ہے نہ کہ باطل ہے۔ اور کسی دوسرے نے فتوی دیا کہ اس عورت کو جو اپنی بہن کی عدت میں شادی کرے مہر مسمّٰی دیا جائے گا۔ اور دوسرے نے ان افرنگی کاغذوں کو جن پر روپوں کی ایک معین مقدار سے زائد یا کم پر بیچنے کو حرام ہونے کا فتوی دیا اپنی طرف سے اس گمان کی بناء پر کہ یہ تبادلہ سود ہے حالانکہ نہ جنس میں اتحاد ہے نہ مقدار میں۔ اور ایک اور نے فتوی دیا کہ ہندی کافروں سے سُود لینا جائز ہے اس زعم پر کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ حالانکہ یہ ملک دارالاسلام ہے ہر جانب سے کٹا ہوا نہیں اور بعض اسلامی شعار یقینا جاری ہیں۔ اور ایک نے فتوی دیا کہ زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا جائے حلال ہے۔ ہدایہ کی اس عبارت سے "اور اگر مردہ ہو تو اس کا مردار حلال ہے۔" اس مسئلہ کو اخذ کیا یہاں تک کہ ریاست اسی فتوی تک پہنچی اور سیادتِ کبرٰی اس سے منسوب ہوئی جس نے رضاعی بھائی کی لڑکی سے نکاح حلال ٹھہرایا۔ اور ایک دوسرا مجتہد اس سے آگے بڑھا تو اس نے حقیقی پھوپھی کا نکاح جائز ٹھہرادیا تو فسادِ زمانہ کی شکایت اللہ ہی سے ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم۔ تو عنقریب اس کو وہ جان لے گا جو میرے جیسے تجربہ کرے گا،

[1] الهدایة کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکله ومالا یحل مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۱

مثل تجربتی، اسأل الله تطهیر جنانی و تقویم لسانی وتسدید بنانی فبه اعتصامی وعلیه کلانی اٰمین،

تسجیل: ولعلك تقول لقد کشفت النقاب ورفعت الحجاب فبین لی ماالنکتة فی تقدیم الخبر وانما حقه ان یوخر، **قلت** نعم فیه نکت بدیعة منها ان المحکوم به لما کان خفیا والمحکوم علیه مدرگا جلیًا اشبه الاول بالمعرف والاخربا لتعریف فاستحسن تقدیمه لیکون الاخیر کالتعریف له۔ ومنها تشویق السامع لا ن النفوس متطلعة الی علم مالا تعلم فاذا سمعت بما هو خفی لدیها ورجت ان یذکر بعده ما یظهره علیها توجهت للاستماع وتفرغت للاطلاع فکان الکلام اوقع وامکن والنفس الیه امیل و اسکن۔ ومنها ان الاعمال لا تقصد فی الشرع لذواتها بل لما یترتب علیها

اللہ سے میں اپنے قلب کی پاکی اور زبان کی درستگی اور ہاتھ کی صلاح طلب کرتا ہوں تو اسی سے میری حفاظت ہے اور اسی پر میرا بھروسا ہے۔ یاالٰہی۔ قبول فرما،

تسجیل: اور شاید تم کہو بے شک تم نے نقاب اٹھادیا اور حجاب کو دُور کردیا تو مجھ سے بیان کرو کہ خبر کو مقدم کرنے میں کیا نکتہ ہے حالانکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کو موخر رکھا جائے۔ **میں کہوں گا** ہاں اس میں بدیع نکتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ محکوم بہ (خبر) جب کہ پوشیدہ ہو اور محکوم علیہ (مبتداء) ادراک میں ظاہر ہو تو پہلا (خبر) معرّف کے مشابہ ہوگا اور دوسرا (مبتدا) تعریف کے مشابہ ہوگا۔ لہٰذا اس کو مقدم کرنا مستحسن ہے تاکہ لفظ اخیر اس کے لیے تعریف کے مانند ہو جائے اور انہیں نکتوں میں سے سننے والوں کو شوق دلانا ہے اس لیے کہ نفوس انجانی بات کو جاننے کے لیے ہمکتے ہیں تو جب کسی ایسی چیز کو سنیں گے جو ان کے نزدیک پوشیدہ ہے اور امید رکھیں گے کہ اس کے بعد وہ ذکر کیا جائے جو ان پر ظاہر ہے۔ تو سننے کے لیے متوجہ ہوں گے اور جاننے کے لیے فارغ ہوں گے تو اس صورت میں کلام زیادہ دلنشین اور راسخ ہوگا اور نفس کو اس کی طرف زیادہ میلان اور سکون ہوگا۔ اور ان میں سے یہ ہے کہ شریعت میں اعمال اپنی ذات کے لیے مقصود نہیں ہوتے۔

من ثمراتہافضلا من المولی سبحٰنہ وتعالٰی۔فکانت الثمرات ھی المقاصدوحق المقاصدان تقدم الٰی غیر ذلك ممالا یخفی علی اولی الالباب وفیماذکرنامایغنی عن الاطناب والحمدﷲ رب العٰلمین ھذا کلہ مما حبانی الملك الجواد تبارك وتعالٰی فقد بان لك صدقی فی قولی ان ھذاالزاعم لاخبرۃ لہ بمناھج الکلام فی النصوص ولاباسباب النزول فی ھذا الخصوص ولا بالتفسیر المرفوع الی الجناب الرفیع و لابتصریح القادۃ فی کلامھم البدیع ولا بشیئ مما خلا والحمد ﷲ جل وعلا۔	بلکہ ان ثمرات کے لیے مقصود ہوتے ہیں جو ان پر مرتب ہوتے ہیں اللہ تبارک و تعالٰی کے فضل سے لہٰذاوہ ثمرات ہی مقاصد ہیں اور مقاصد کا حق یہ ہے کہ ان کو مقدم کیا جائے۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی نکتے ہیں جو عقل والوں پر پوشیدہ نہیں۔اور جو ہم نے ذکر کیا ان میں تطویل سے بے نیازی ہے۔یہ سب ان عنایتوں سے ہے جو اللہ تبارک و تعالٰی نے مجھے عطا کی۔اب تمہیں میری سچائی ظاہر ہوگئی میری اس بات میں کہ اس زعم والے شخص کو نصوص میں کلام کے طریقوں کی خبر نہیں نہ ان نصوص میں اسباب نزول کو جانتا ہے۔اور نہ جنابِ رفیع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی تفسیر مرفوع سے خبر ہے اور نہ رہنمایانِ شریعت کی ان کے کلام بلیغ میں تصریحات کی واقفیت ہے اور نہ ان چیزوں سے جن کا ذکر گزرا اس کے پاس کچھ نہیں۔والحمدﷲ جل وعلا۔
من وجوہ الجواب عن ھذا الارتیاب اقول:بتوفیق الوھاب لئن جئنا علی المماکسۃ والاستقصاء لما ترکناکم ان تزعموا ان الایۃ لا تقتضی باکرمیۃ الاتقی وان سلمنا الموضوع	اس شبہہ کے جواب میں دوسری وجہ۔میں اللہ وہاب کی توفیق سے کہتا ہوں اگر ہم اس بحث کا دائرہ بند کرنے پر اور حد تک پہنچانے پر آجائیں تو ہم تم کو نہ چھوڑیں کہ تم یہ کہو کہ آیت اتقی کی فضیلت کا تقاضا نہیں کرتی۔اگرچہ ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ آیت میں اکرم ہی

هوالاکرم وذٰلك لان اتقٰکم واکرمکم لایصدقان بل لایصلحان لان یصدقا الاعلی واحد ولا یجوز تعددھما بمعنی الصدق مرۃ علی ھذا واخری علی ذاك فاذا ثبت اتحادھما فی الوجود کما ھو مقتضی الحمل وجب التعاکس اذلما اتحد مصداقھما وقد علمنا بطلان التعدد کانا کعلمین لجزئی واحد،لك ان تجعل ایھما شئت مرآۃ لملاحظۃ وایھما شئت محمولًا علیه و له نظائر جمۃ تقول افضل الانبیاء اولھم خلقا واکرم الرسل اٰخرھم بعثًا۔واحسن الجنّٰت اقربھا الی العرش واعظم شجرۃ فی الجنۃ طوبٰی۔ ومنتھی جبریل سدرۃ المنتھٰی،وافضل الصلوۃ الصلوۃ والوسطی،وابوك ابوہ۔وامك امه،و اول من دخل اٰخرمن خرج،واقل الاعداد اول الاعداد،و الشمس النیرالاعظم۔واعلی	موضوع ہے یہ اس وجہ سے کہ اتقاکم اور اکرمکم صادق نہیں آتے بلکہ ان میں صلاحیت ہی نہیں اس کی کہ وہ ایک ذات واحد پر صادق آئیں تو ان دونوں کا تعدد جائز نہیں بایں معنی کہ کبھی اس پر صادق ہوں اور کبھی اس پر صادق ہوں کہ جب ان کا وجود میں اتحاد ثابت ہوگیا تو دونوں کا باہم عکس ضروری ہوا اس لیے کہ جب دونوں کا مصداق ایک ہے اور ہم نے تعدد کا باطل ہونا جان لیا تو یہ دنوں ایک ذات واحد کے دو علم کی مثال ہوئے تمہیں اختیار ہے کہ جن کو چاہو ذات کے لیے مراۃ ملاحظہ بناؤ۔اور جن کو چاہو محمول علیہ بناؤ اور اس کی بہت ساری مثالیں ہیں تم کہتے ہو سب نبیوں سے افضل وہ ہیں جو سب سے پہلے مخلوق ہوئے اور سب رسولوں سے اکرم وہ ہیں جو سب کے بعد مبعوث ہوئے۔اور سب جنتوں سے بہتر وہ جنت ہے جو سب سے زیادہ عرش سے قریب ہے۔اور جنت میں سب سے بڑا پیڑ طوبٰی ہے۔۔اور جبریل کا منتہٰی سدرۃ المنتہٰی ہے اور سب نمازوں سے بہتر بیچ کی نماز (عصر) ہے۔ اور تمہارا باپ اس کا باپ ہے اور تمہاری ماں اس کی ماں ہے۔اور سب سے پہلے داخل ہونے والا سب کے بعد نکلنے والا ہے۔اور عدد میں سب سے کمتر پہلا عدد ہے۔اور سورج نیرِ اعظم ہے

الافلاك اكبرها حجما ,واخص الكليات اقلها افرادًا و فلك جوز هو فلك القمر و سيارة لا تدوير لها ذكاء و المتحيرة السوداء زحل ,والخاتس الكانس الاحمر مريخ الى غير ذلك ممالايعد ولايحصى ومحال ان تبدى مثالا يحمل فيه افعل مضافا على افضل مضافا الى اضيف اليه الاول مع جريا نهما على معناهما الحقيقى ثم لايصح العكس، فاذا صدقت القضية بالنظر الى الواقع كفانا هذا الانتظام القياس واستنتاج المدعى ,والسرفى ذٰلك ان الموجبات انما تنعكس الى مالا يصلح لكبروية الاول لجواز عموم المحمول واذا كان هناك مفهومان ليس لكل منهما الامصداق واحد بحسب ظرف الخارج اوالذهن ايضًا بطل عمومهما بحسب ذلك الظرف(فلايجوزان يكون احدهما اعم من الاٰخر بمعنى شموله له ولغيره فى ذلك الظرف)فلم يبق باعتباره الا التساوى)اوالتباين ولا ثالث لهما ,فان صدقت الحملية القائلة ان هذا ذاك	اور سب سے اونچا فلک حجم میں سب سے بڑا ہے۔ اور خاص تر کلی سب سے کم افراد والی ہے اور فلک جوز فلک قمر ہے۔ اور وہ سیارہ جس میں گولائی نہیں وہ سورج ہے اور سیارہ سیاہ متحیرہ زحل ہے اور سیدھے چل کر اُلٹے پھرنے والا اور غائب ہو جانے والا سرخ سیارہ مریخ ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری مثالیں جن کی گنتی اور شمار نہیں۔ اور محال ہے کہ تم ایسی مثال ظاہر کرو جس میں افعل التفضیل مضاف ہو کر دوسرے افضل التفضیل پر محمول ہو درانحالیکہ وہ اس کی طرف مضاف ہو جس کی طرف پہلا مضاف ہوا ہے اور اسی کے ساتھ دونوں اپنے معنی حقیقی پر جاری ہوں پھر ان دونوں کا عکس صحیح نہیں۔ تو جب قضیہ نظر بنفس الامر صادق ہے تو ہمیں نظم قیاس اور مدعا کا نتیجہ حاصل کرنے کے لیے یہی کافی ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ موجبہ قضیے کا عکس وہ آتا ہے جو شکل اول کے کبرٰی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے کہ محمول کے عموم کا احتمال ہے اور جب کہ دو مفہوم وہاں ایسے ہوں کہ جن میں سے ہر ایک کے مصداق کا اعتبار اس کے محل خارجی کے اعتبار سے ایک ہو یا ذہن میں بھی متحد ہو تو ان دونوں کے مفہوم کا عموم باعتبار اس محل کے باطل ہے تو اس کے اعتبار سے نہ رہی مگر تساوی یا تباین اور ان دونوں کا ثالث نہیں تو اگر قضیہ حملیہ جس میں یہ دعوی ہو کہ بے شک یہ شخص وہی ہے تو ضروری ہے کہ یہ قضیہ

وجب صدق القائلة ان ذاك هذا والالجاز السلب فیتباینان فتبطل الاولٰی هف فاذا بلغنا مثلاً عن رجل قولان احدهما قوله لعمرو زید ابوك والاٰخر قوله ابی ابوك امكن لنا ان نعمل من قولیه شكلاً ینتج ان زیدا ابی لانه اذا صدق قوله ابی ابوك لزم صدق ابوك ابی والا لتعددا بواهما فبطل الاول واذا صدقت هذه انتظم الشكل بان زیدا ابوك وابوك ابی فزید ابی،وافعل التفضیل مضافًا الٰی جماعة اذا كان باقیًا علٰی معناه الحقیقی المتبادر منه شانه هذا،اذلا یكون الفرد الاكمل من جماعة الاواحدا ولن یصدقن ابدا قضیتان قائلتان بان هذا اكملهم و ذلك اكملهم معًا وهذا ظاهر جدا بل شان هذا انور من شان الشمس واخواتها فان العقل

حملیہ صادق آئے کہ وہ شخص یہی ہے ورنہ اس کا سلب جائز ہوگا توآپس میں دونوں متباین ہوں گے توپہلا قضیہ باطل ہو جائے گا اور یہ خلاف مفروض ہے لہٰذا اگر ہمیں ایک شخص سے دو باتیں پہنچیں ان میں سے ایک اس کا قول عمرو سے مخاطب ہو کر کہ زید تیرا باپ ہے اور دوسرا اس کا قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے تو ہمیں ممکن ہے کہ ہم اس کے دونوں قول سے ایک شکل بنائیں تو یہ نتیجہ دیں کہ زید میرا باپ ہے اس لیے کہ جب اس کا یہ قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے صادق ہے تولازم ہے کہ یہ قول صادق ہو کہ تیرا باپ میرا باپ ہے ورنہ ان دونوں کے باپ متعدد ہوں گے توپہلا قول باطل ہو جائے گا اور جب یہ قضیہ صادق ہے تو شکل اسی طور پر بنے گی کہ زید تیرا باپ ہے اور تیرا باپ میرا باپ ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ زید میرا باپ ہے۔اور افعل التفضیل جو ایک جماعت کی طرف مضاف ہو جب وہ اپنے اس معنی حقیقی پر باقی ہو جو اس سے متبادر ہوتے ہیں تو اس کی شان یہی ہوتی ہے اس لیے کہ کسی جماعت سے فرد اکمل ایک ہوگا اور ہر گز کبھی ایسے دو۲ قضیے صادق نہ آئیں گے جو یہ دعوی کرتے ہوں کہ یہ شخص ساری جماعت سے اکمل ہے اور وہ شخص ساری جماعت سے افضَل ہے۔اور یہ سب ظاہر ہے بلکہ اس کا معاملہ سورج اور اس کے امثال کے ظہور سے روشن تر ہے اس لیے کہ عقل

یجیز صدقھا علٰی افراد کثیرۃ ثبیرۃ واذا وجدلھا فی الخارج فرد لم یستبعد وجود اٰخر بخلاف افعلھم فانما یقبل الاشتراك علٰی سبیل البدلیۃ واذا صدق فی الخارج علی فرد حال العقل صدقہ علی اٰخر منحازًا عنہ کدأب اسماء الاشارۃ سواء بسواء فصدق العکس ھٰھنا ابین واجلی،واما قول اھل المیزان لا تنعکس الموجبۃ الاجزئیۃ معنا ہ ان کلما جعلت موضوع موجبۃ کلیۃ محمولًا و محمولھا موضوعًا و اتیت بسورا لکلیۃ کانت القضیۃ کاذبۃ،فان الواقع یکذبہ بل المعنی عدم الاطراد،وھم لا اقتصرنظر ھم علی الکلیات لایعتدون الا بالمطرد المضبوط الذی لایتخلف فی مادۃ من المواد،وعدم الاطراد لا یستلزم المراد العدم،ولا اقول:انہ عکس منطقی،و لاانھا تلزم القضیۃ لزومًا عا مًا لکنھا تلزم فی امثال المقام لاشک،فتصدق القضیۃ بالنظر الی الواقع	شمس وغیرہ کے مفہومات کا صادق آنا بہت سارے افراد پر جائز جانتی ہے اور جب ان مفہومات کا خارج میں کوئی فرد پایا جائے تو عقل دوسرے فرد کے وجود کو بعید نہیں جانتی بخلاف اَفعَلُھُم کہ یہ تواشتراک کو بر سبیل بدلیت قبول کرتا ہے اور جب خارج میں کسی فرد پر اس کا مصداق پایا جائے تو عقل محال جانتی ہے کہ افعل التفضیل کا مصداق دوسرے پر صادق آئے جو اس سے منفرد ہو اس کا معاملہ اسمائے اشارہ کے مانند برابر برابر ہے تو یہاں پر عکس کا صادق ہونا روشن تر اور ظاہر تر ہے۔رہا منطق والوں کا یہ قول کہ موجبہ کا عکس نہیں ہوتا مگر جزئیہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب کبھی تم موجبہ کلیہ کے موضوع کو محمول بناؤ اور اس کے محمول کو موضوع بناؤ اور اس پر کلیہ کا سور لاؤ تو قضیہ کاذب ہوگا اس لیے کہ واقعہ اس بات کو جھٹلاتا ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ یہ مطرد نہیں اور منطقیوں کی نظر چونکہ کلیات تک محدود ہوتی ہے تو وہ اعتبار نہیں کرتے مگر اس مفہوم کا جو مطرد و مضبوط ہو مواد میں سے کسی مادہ میں جس کا حکم متخلف نہ ہو اور عدمِ اطراد اطراد عدم کو مستلزم نہیں ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ یہ عکس منطقی ہے۔نہ یہ دعوی کرتا ہوں کہ یہ قضیہ کو عام طور پر لازم ہے لیکن اس مقام کے امثال میں بلاشبہہ عکس لازم ہوتا ہے تو قضیہ منعکسہ واقعہ پر نظر کرتے ہوئے

سمّاھا المیزانیون عکسًا اوّلًا وھذا القدر یکفی لانتظام الشکل فان صادقتین مستجمعتین للشرائط لا تنتجان الاصادقة ولایلزم اثبات الصدق علی انھا عکس منطقی لقضیة صادقة وانکار ھذا من اخنی المکابرات۔ثم ھذاالعکس لم یرشدنا الیه الا الاٰیة الکریمة اذھی التی دلتنا علی اتحادھما فی الوجود فاذا کان ھذا فی مفھومین لا تعدد لمصداق شیئ منھما ان ارشادًا الی التعاکس قطعًا کما اذا سمعت رجلًا یقول ابی زید جازلك ان تقول کان الرجل یقول زیدا بی لان زیدًا لایتعددو ابوالرجل لایتعدد فاذا کان ابوہ زیدا کان زید اباہ کذا ھذا من دون شك ولا اشتباہ الحمد للّٰه علی نعمائه وعلیك بتسکین الھواجس یافلسفیاہ۔

صادق ہے اہل منطق نے اس کا نام عکسِ اول رکھا ہے اور اتنی مقدار انتظام شکل کے لیے کافی ہے اس لیے کہ دو قضایا صادقہ جو شرائط کے جامع ہوں ایک قضیہ صادق ہی کا نتیجہ دیں گے اور صدق کا ثابت کرنا اس پر موقوف نہیں کہ وہ قضیہ صادقہ عکس منطقی ہو اور اس کا انکار نہایت بے شرمی کے مکابرات میں سے ہے۔ پھر اس عکس کی طرف آیت کریمہ نے ہی رہنمائی کی کہ اس لیے کہ اس نے ہم کو یہ دکھایا کہ دونوں قضیے وجوب میں متحد ہیں تو جب یہ حال ایسے دو مفہوموں میں ہے کہ ان میں سے کسی شے کا مصداق متعدد نہیں تو یہ یقینًا دونوں قضیے کے باہم منعکس ہونے کی طرف رہنمائی ہے جیسے کہ تم جب کسی شخص کو کہتے سنو کہ میرا باپ زید ہے تو تمہیں جائز ہے کہ تم کہو گویا کہ یہ شخص یوں کہہ رہا ہے کہ زید میرا باپ ہے اس لیے کہ زید متعدد نہیں اور اس شخص کے باپ متعدد نہیں۔ تو جب اس کا باپ زید ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زید اس شخص کا باپ ہے۔ اسی طور پر بلا شک و شبہہ یہ آیت ہے اور اللہ کے لیے اس کی نعمتوں پر حمد۔ اور اے فلسفی تجھے لازم ہے کہ وساوس کو ساکن رکھ،

الثالث من وجوہ الجواب اقول:و ربی ھادی الصواب اخترناعن ھذاکلّه وسلمنا ان مفاد الاٰیة الاولٰی قولنا

وجوہِ جواب میں سے تیسری وجہ، میں کہتا ہوں اور میرا رب راہِ صواب دکھانے والا ہے ہم نے اس سب کو اختیار کیا اور مان لیا۔ آیت اولٰی کا مفاد ہمارا یہ قول ہے کہ

کل اکرم اتقٰی وینعکس بعکس النقیض الٰی قولنا "من لیس باتقی لیس باکرم" وقد اثبتنا فیما اسلفنا عرش التحقیق علی ان المراد بالاتقی فی الایة الثانیة اعنی قوله تعالٰی "وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی ﴿۱۷﴾" [1] اتقی الصحابة جمیعًا فوجب ان لایکون احد من الصحابة اتقی منه۔ ولامساویًا له فی التقوٰی اذا ثبت هذا فنقول کل صحابة فهو لیس باتقی من ابی بکر ومن لیس باتقی منه لیس باکرم منه۔ انتج ان کل صحابة فهو لیس باکرم من ابی بکر وصغری القیاس معدولة کما لوحنا الیه بتقدیم اداة الربط علی حرف السلب ولك ان تجعلها موجبة سالبة المحمول اعنی علی قول قوم من المتاخرین ویرشدك الی مایزیح وهمك جعل السلب فی الکبرٰی مراٰة الملاحظة افراد الاوسط۔ وان شئت لم تعکس الاٰیة الاولی ایضا ونسجت الشکل	کل اکرم اتقٰی (یعنی ہر اکرم سب سی بڑا متقی ہے) اور اس کا عکس نقیض ہمارا یہ قول ہے کہ من لیس باتقٰی لیس باکرم (جو اتقی سب سے بڑا متقی نہیں ہے وہ اکرم نہیں ہے) اور ہم نے ان کلمات میں جو ہم پہلے کہہ چکے عرش تحقیق کو ثابت کردیا کہ مراد اتقی سے آیت ثانیہ یعنی اللہ تبارک و تعالٰی کے قول "وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی ﴿۱۷﴾" میں تمام صحابہ سے زیادہ متقی شخص مراد ہے تو ضروری ہے کہ صحابہ میں کوئی اس سے بڑھ کر متقی نہ ہو اور نہ تقوٰی میں اس کے کوئی مساوی ہو۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ ہر صحابی ابوبکر سے بڑھ کر متقی نہیں اور جو ان سے بڑھ متقی نہیں وہ کرامت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر صحابی ابوبکر سے زیادہ عزت والا نہیں اور اس قیاس کا صغرٰی معدولہ ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اداتِ ربط کو حرفِ سلب پر مقدم کرکے اشارہ کیا اور تمہیں اختیار ہے کہ تم اس قضیہ کو موجبہ سالبۃ المحمول بناؤ یعنی متاخرین میں سے ایک قوم کے قول پر اور تمہاری رہنمائی اس بات کی طرف جو تمہارے وہم کو دور کردے سلب کو کبرٰی میں افراد اوسط کے لیے مراٰۃ ملاحظہ بنانے سے ہوگی۔ اور اگر تم چاہو تو آیتِ اولٰی کا عکس نہ کرو اور شکل کو آیتِ ثانیہ کے طرز پر منتظم کرو بایں طور کہ تم کہو کہ کوئی صحابی ابوبکر سے بڑھ کر عزت والا نہیں۔ اور شاید تم اس کو قیاس استثنائی کے طور پر

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

علی منوال الثانی بان تقول لاشیئ من الصحابة اکرم من ابی بکر و کل اکرم من ابی بکر اتقی منه انتج ان لا شیئ من الصحابة اکرم من ابی بکر و لعلّك ان تقررہ قیاسًا استثنا ئیًا یرفع المقدم لرفع التالی فتقول لوکان احد من الامة اکرم من الصدیق لکان اتقی منه لان کل اکرم اتقی لکنهم لیسوا باتقی منه للاٰیة الثانیة فلیسوا باکرم منه وفیه المقصود۔	مقرر رکھو جو مقدم کو ارتفاع تالی کی وجہ سے مرتفع کردے تو تم یوں کہو امت میں اگر کوئی صدیق سے بڑھ کر عزت والا ہوتا تو وہ ضرور صدیق سے بڑھ کر متقی ہوتا اس لیے کہ ہر اکرم اتقی ہے لیکن ساری امت صدیق سے بڑھ کر متقی نہیں بدلیل آیت ثانیہ۔ تو وہ صدیق سے بڑھ کر عزت والے نہیں اور اسی میں ہمارا مقصود ہے۔
تنبیه: سیقول السفهاء من الناس ماولکم عن دعوٰئکم التی کنتم علیها فان الثابت علی هذه التقاریر الثلثة الاخیرة انما هو نفی اکرم من الصدیق وهو لا یستلزم اکرمیته رضی الله تعالٰی عنه اذ یحتمل التساوی۔	**تنبیہ:** اب کہیں گے بے وقوف لوگ اس دعوی سے جس پر تم قائم تھے کس چیز نے تمہیں پھیر دیا اس لیے کہ ان تین تقاریر اخیرہ پر جو ثابت ہوتا ہے وہ صدیق سے زیادہ عزت والے کی نفی ہے اور اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی (اولویت) سب پر لازم نہیں آتی اس لیے کہ تساوی کا احتمال ہے۔
اقول: اوقد قالوا افلئن قالوا افلقد زاغوا۔ **امااولًا** فنصوص الشرع و محاورات البلغاء طافحة بسوق الکلام الٰی غرض التفضیل علی الاطلاق علی هذاالمساق یقولون لیس احد افضل من فلان ویریدون انه افضل الکل وذلك لان التساوی	**اقول:** کیا ان بے وقوفوں نے یہ بات کہی اگر انہوں نے ایسا کہا تو بے شک وہ منحرف ہوگا۔ **اولًا** نصوص شرع اور اہلِ بلاغت کے محاورے اس ڈھنگ سے بھرے ہیں کہ کلام کو علی الاطلاق فضیلت بتانے کی غرض سے اس طور پر لایا جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی فلاں سے افضل نہیں ہے اور مراد لیتے ہیں کہ وہ سب سے افضل ہے اور یہ اس لیے کہ تساوی حقیقی عادتًا گویا

الحقیقی کالمحال عادۃ وعلیك بکلام شراح الحدیث۔	محال ہے اور تم شراح حدیث کے کلام کو لازم پکڑو۔
واما ثانیًا: فلك ان تضم الیه اجماع الامۃ علی وجود التفاضل والحق لایخرج عن اقوالھم۔	**ثانیًا:** تمہیں یہ اختیار ہے کہ اس کے ساتھ وجود تفاضل پر امت کا اجماع ضم کرو اور حق اقوالِ اُمت سے باہر نہ ہوگا۔
واما ثالثًا: ھو الطراز المعلم ان العارف باسالیب الکلام یفھم من الایۃ الاولٰی تسبب التقوٰی لایراث الکرامۃ وقصر حصولھا علی حصوله وبه صرحت الاحادیث الناشیۃ عن ارشاد الایۃ اللاحظۃ الی ملحظ الکریمۃ انبأنا سراج الحنیفۃ بالسند عن الشریف عن محمد بن ارکماش عن العلامۃ ابن حجر عسقلانی عن عبدالرحمن بن احمد بن المبارك الغزی عن احمد بن ابی طالب الحجار عن علی بن اسمعیل بن قریش عن الحافظ المنذری قال فی کتاب الترغیب والترھیب عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنه ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال ان انسابکم ھذہ لیست بسباب علی احد وانما انتم ولد آدم طف الصاع لم تملؤوہ لیس لاحد فضل علی احد الابالدین او	**ثالثًا:** اور وہ وجہ طراز معلم یہ کہ اسالیب کلام کا واقف آیتِ اولٰی سے سمجھتا ہے کہ تقوٰی عزت حاصل ہونے کا سبب ہے اور عزت کا حصول تقوٰی کے حصول پر منحصر ہے اسی کی تصریح ان احادیث نے کی کہ جو ارشادِ آیت سے ناشی ہیں اور آیتِ کریمہ کے مطمحِ نظر کی طرف دیکھتی ہیں۔ ہمیں سراج الحنفیہ نے خبر دی اپنی سند سے۔ وہ روایت کرتے ہیں شریف سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محمد ابن ارکماش سے۔ وہ روایت کرتے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن ابن احمد ابن مبارک غزی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں احمد ابن ابی طالب حجار سے۔ وہ روایت کرتے ہیں علی ابن اسمٰعیل ابن قریش سے۔ وہ روایت کرتے ہیں حافظ منذری سے۔ انہوں نے فرمایا، کتاب الترغیب والترہیب میں کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا یہ نسب کسی کے لیے گالی نہیں ہے تم تو آدم کی اولاد ہو پیمانہ کی طرح جو تم نے نہیں بھرا کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح کے سبب۔ اس

عمل صالح۔رواہ احمد والبیہقی کلاھما من روایۃ ابن لھیعۃ ولفظ البیہقی قال لیس لا حد علی احد فضل الابالدین او عمل صالح حسب للرجل ان یکون بذیا بخیلا۔وفی روایۃ لیس لاحد علی احد فضل الابدین اوتقوٰی وکفی بالرجل ان یکون بذیا فاحشا بخیلا،قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طف الصاع بالاضافۃ ای قریب بعضکم من بعض [1] اھ قلت واخرجہ الطبرانی فی حدیث طویل من طریق ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ولفظہ انما انتم من رجل وامرأۃ کجُمام الصاع لیس لاحد علی احد فضل الاّ بالتقوٰی [2] اھ قولہ صلی اللہ تعالٰی لیہ وسلم کجُمام الصاع جُمام بالضم مایملأ والمعنی انکم متساوون فی القدر کحبّات الصاع تکال فیعرف مقدار ھا و استواء ھا بمثلھا کیلاً من	حدیث کو روایت کیا احمد اور بیہقی دونوں نے ابن لہیعہ کی روایت سے۔اور بیہقی کے لفظ یوں ہیں۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح سے۔اور آدمی کے بُرا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ بدزبان کنجوس ہو۔اور ایک روایت میں ہے۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا تقوٰی سے۔اور آدمی کے لیے کافی برائی ہے کہ وہ بدگو بے حیاء کنجوس ہو۔حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول"طف الصاع"اضافت کے ساتھ کا معنی یہ ہے یعنی تم میں سے بعض بعض کے قریب ہے۔انتہی۔ **قلت**(میں کہتا ہوں)اور طبرانی میں اس کی تخریج کی ایک حدیث طویل میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے طریق سے،اور ان کے لفظ یہ ہیں۔تم لوگ ایک مرد اور عورت سے ہو جمام صاع کی طرح۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے انتھی۔حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول "جُمام صاع"جمام بضم جیم وہ چیز ہے جو پیمانہ میں بھری جاتی ہے اور معنی یہ ہے کہ تم قدر میں ایک دوسرے سے برابر ہو پیمانہ کے حبّوں کی طرح جس کو پیمانہ میں بھرا جاتا ہے تو ان کی مقدار اور ان کے مثل کے ساتھ

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۶ و ۷ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

[2] الجامع لاحکام القرآن تحت الایۃ ۳ ۴۳/ ۴۴ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶/ ۸۲

دون حاجة الی الوزن لتساویها ثقلًا واکتنازًا وبه قال المنذری عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنه "ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال له انظر فان لست بخیر من احمر ولا اسود الا ان تفضله بتقوٰی - رواہ احمد و رواته ثقات مشهورون الا ان بکر بن عبداللہ المزنی لم یسمع من ابی ذر - اھ[1]	ان کی برابری پیمانہ میں معلوم ہوتی ہے اور انہیں تولنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ بوجھ اور موٹائی میں وہ برابر ہوتے ہیں۔ اور اسی مضمون کو منذری نے ابو ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "بے شک تم سیاہ فام سے اور سُرخ سے بہتر نہیں اور نہ سیاہ فام تم سے بہتر ہے۔ مگر یہ کہ تم اس پر فضیلت پاؤ تقوٰی کی وجہ سے۔" اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔ اور اس کے راوی ثقہ معروف ہیں مگر یہ کہ بکر بن عبد اللہ مزنی نے اس حدیث کو ابوذر سے نہیں سنا۔ انتہی،
قلت والمرسل مقبول عندنا وعند الجمهور - وبه قال عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنهما قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی اوسط ایام التشریق خطبة الوداع فقال - یا ایها الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد - الا لا فضل لعربی علٰی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علٰی اسود ولا لاسود علٰی احمر الا بالتقوٰی ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم الاھل	**قلت** (میں کہتا ہوں) اور مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔ اور اسی مضمون کی روایت کی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایامِ تشریق کے درمیانی دن میں خطبہ الوداع دیا کہ فرمایا "اے لوگو۔ بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ سنتے ہو عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ سرخ کو کالے پر اور نہ کالے کو سرخ پر فضیلت ہے مگر تقوٰی سے۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانه لا فضل لاحد الخ حدیث ۸ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

بلغت، قالوا بلٰی یارسول اللہ، قال فلیبلغ الشاھد الغیب، ثم ذکر الحدیث فی تحریم الدماء والاموال والاعراض رواہ البیھقی وقال فی اسنادہ بعض من یجھل[1] انتھی	سنتے ہو کیا میں نے رب کا پیغام پہنچادیا۔ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں۔ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) فرمایا اب جو حاضر ہیں وہ غائبین کو پہنچادیں۔ پھر حدیث ذکر کی جو لوگوں کے خون۔ مال اور آبرو کی حرمت میں ارشاد ہوئی۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور کہا اس کی سند میں بعض مجہول ہیں۔
قلت ولا یضرنا فی الشواھد واخرج الطبرانی فی الکبیر عن حبیب بن خراش رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المسلمون اخوۃ لا فضل لاحد علی احد الا بالتقوی۔[2] وبالجملۃ فالاحادیث کثیرۃ فی ھذا المعنی ثم ان الکرامۃ والتقویٰ کلاھما مقولان بالتشکیک فکلما زاد زادت وکلما نقص نقصت و المتساویان فیہ یتساویان فیھا کالعصیان عـــہ سبب للھوان فیزداد بزیادتہ وینتقص بانتقاصہ وھکذا فاذا ثبت ھذا کان معنی قولنا کل اکرم اتقی منحلا الی ثلث قضایا احدھا ھذہ والثانیۃ کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنہ فی التقویٰ	**قلت** (میں کہتا ہوں) شواہد میں ہم کو راوی کی جہالت مضر نہیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں حبیب بن خراش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ سے۔ بالجملہ اس معنی کی حدیثیں بکثرت وارد ہیں مگر کرامت اور تقویٰ دونوں تشکیک کے ساتھ بولے جاتے ہیں تو جب تقویٰ زیادہ ہوگا کرامت زیادہ ہوگی اور جب تقویٰ کم ہوگا کرامت کم ہوگی۔ اور تقویٰ میں متساوی کرامت میں متساوی ہوں گے جیسے کہ عصیان سبب ذلت کا۔ تو ذلت عصیان کی زیادتی سے زیادہ اور اس کی کمی سے کم ہوتی ہے۔ اور یونہی جب یہ بات ثابت ہے تو ہمارے قول "کل اکرم اتقٰی" کے معنی کی تحلیل تین قضیوں کی طرف ہوگی ان کا ایک تو یہی ہے اور دوسرا

عـــہ: ای فی اصل قضیۃ المجازاۃ اما تدارک الرحمۃ ففضل الٰھی یختص بہ من یشاء ما اسلفنا تحقیقہ (۱۲ منہ) غفرلہ۔

یعنی اصل مقتضائے مجازات میں رہا تدارک رحمت تو یہ فضلِ الٰہی ہے اللہ تبارک و تعالٰی جسے چاہے اس کے ساتھ مخصوص فرماتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق گزشتہ میں کی ۱۲ منہ غفرلہ

[1] الترغیب والترہیب من احتقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲ تا ۶۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۳۵۴۷ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۵

والثالث کل متساویین فیھا متساویان فیه والایة الثانیة ایضاتنحل الٰی ثلث مقدمات"ابوبکر اتقی الکل"وھو المنطوق ولا یزید علیه احد فی التقوٰی و لایساویة احدفیه و عندھذا لیسھل علیك دفع الاشکال ونظم الاشکال لقطع الاحتمال والحمد ﷲ المھیمن المتعال ھذا ما الھمنا المولٰی تبارك وتعالٰی بمنیع فضله ورفیع کرمه ومنحنا من عظام اٰلائه وحسان نعمه فی تقریر دلیل اھل السنة والجماعة ودفع شبھات(اھل)البطالة والخلاعة وارجوان تکون عامة ما فی تلك الخیام من عرائس بیض تجلو الظلام وبسائم تکشِرعن بردالغمام۔اکون انا ابا عذرتھا وماذون الدخول فی حجرتھا وان قال الاول لیس علی الله بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد۔ فقلت اناقدقدر الله فلاتنکر۔ان لحق العاجز بالقادر کیف وقدفازبافضاله ال۔کل فماظنك بالقادری۔	یہ ہے کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنه فی التقوٰی (عزت میں دوسرے سے کم تراس سے تقوٰی میں کمتر ہے) اور تیسرا کل متساویین فیھا متساویان فیه (ہر وہ شخص جو تقوٰی میں برابر ہیں وہ عزت میں برابر ہیں) اور اس صورت میں تمہیں اشکال کا دفع کرنا قطع احتمال کے سبب آسان ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لیے جو نگہبان و برتر ہے۔۔۔۔۔۔یہ وہ ہے جو ہمیں اللہ تبارک و تعالٰی نے الہام فرمایا اپنے فضل عظیم اور کرمِ رفیع سے۔اور بخشا ہمیں اپنے عظیم احسانوں سے۔اور حسین نعمتوں سے اہلسنت و جماعت کی دلیل کی تقریر میں تائید اور اہل بطالت و ضلالت کے شبہات کے دفع کرنے کے لیے۔اور میں امید کرتا ہوں کہ ان خیموں میں جو خوبصورت دلہنیں ہیں وہ اندھیروں کو دور کریں اور مسکراتی صورتیں جو بارش کے اولے دکھائیں ان میں سے اکثر کا میں ہی صاحب ہوں۔اور ان کے حجرے میں دخول کا مجاز ہوں۔ اور مجھ سے پہلے نہ کہا تھا کہ اللہ پر مستبعد نہیں کہ عالم کو ایک میں جمع کردے۔تو میں نے کہا بے شک اللہ نے مقدر کیا تو اس کا انکار نہ کرنا کہ اللہ نے عاجز کو قادر سے ملحق کردیا۔یوں نہ ہو حالانکہ اللہ کے فضل سے سب بہرہ مند ہیں تو تیرا کیا گمان ہے۔قادری کے ساتھ۔

خاتمه:رزقنا الله تعالٰی حسنها امین فان قلت لقد تفضل الله علیك یا وضیع القدر فنطقت بکلمات بلغن قاموس البحر فماذا تأمرنی فی المسئلة اقطع بتفضیل الصدیق نظرًا الٰی هذا الاستدلال۔ مع مافی الاٰیة من تاویل واحتمال۔ اذ ذهب ذاهبون الٰی ان الاتقی بمعنی التقی وان زیفت قولهم بتحقیق نقی۔	**خاتمہ**: اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں حسنِ خاتمہ نصیب کرے۔اب اگر تم کہو بے شک اللہ نے اے کمترین۔ تیرے اوپر احسان فرمایا تو تُو نے وہ کلمات بولے جو سمندر کی گہرائیوں میں پہنچ گئے۔اب مجھے اس مسئلہ میں کیا حکم دیتا ہے۔آیا میں فضیلت صدیق کا یقین لاؤں،۔اس استدلال پر نظر کرتے ہوئے باوجود یہ کہ اس آیت میں تاویل و احتمال ہے اس لیے کہ جانے والے اس طرف گئے کہ اتقی بمعنی تقی ہے اگرچہ تُو نے ان کا قول ستھری تحقیق سے غلط ثابت کردیا۔
قلت نعم اقطع ولاتبال بما قیل او مایقال اذ قاطعان لایأتیان قط الا بقطع وقد سمعت ان الصدیق هو المراد بالاتقی باجماع الامة قاطبة ولم ینقل فی ذلك شذوذ شاذ فکان قطعیا والاٰیة الاُخری نص فی المرام لا شك اما ما ذکرت من حدیث من ذهب الٰی ما ذهب فقد سمعت ان الاٰیة لا مساغ فیها للتاویل واحتمال بلا دلیل لاینزل التنزیل عن درجة برهان قاطع جلیل، الا تری ان کل نص یحتمل التاویل ومع ذٰلك هو قطعی قطعًا کما صرح به ائمة الاصول۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) ہاں یقین کر اور قیل و قال کی پرواہ نہ کر۔اس لیے کہ دو قطعی نتیجہ نہیں دیتے مگر قطعی کا۔اور تم سن چکے کہ صدیق ہی مراد ہیں اتقی سے ساری امت کے اجماع کے بموجب اور اس میں کسی نادر کی رائے شاذ بھی منقول نہیں۔تو یہ اجماع قطعی ہوا۔اور دوسری آیت مدعا میں نص ہے جس میں کوئی شک نہیں۔رہی وہ بات جو تم نے اس رائے کی کہی جس کی طرف جانے والے گئے۔تو تم سُن چکے کہ آیت میں تاویل کی گنجائش نہیں اور احتمال بے دلیل تنزیل کو برہان قاطع جلیل کے درجے سے نازل نہیں کرتا۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نص تاویل کی محتمل ہے اور وہ اس کے باوجود یقینًا قطعی ہے جیسا کہ ائمہ اصول نے اس کی تصریح کی۔

وتحقیق المقام علٰی ما الھمنی الملك العلام ان العلم القطعی یستعمل فی معنیین۔

احدھما: قطع الاحتمال علی وجه الاستیصال بحیث لایبقی منه خبرولا اثر وھذاھو الاخص الاعلٰی کما فی المحکم والمتواتر وھو المطلوب فی اصول الدین فلا یکتفی فیھا بالنص المشھور۔

والثانی: ان لایکون ھناك احتمال ناش من دلیل و ان کان نفس الاحتمال باقیًا التجوز و التخصیص و سائر انحاء التاویل کما فی الظواھر والنصوص و الاحادیث المشھورۃ والاول یسمی علم الیقین و مخالفه کافر علی الاختلاف فی الاطلاق کما ھو مذھب فقھاء الاٰفاق، والتخصیص بضروریات الدین ما ھو مشرب العلماء المتکلمین۔و الثانی علم الطمانیة و مخالفه مبتدع ضال ولا مجال الی اکفارہ کمسئلة وزن الاعمال یوم القیمة قال تعالٰی "وَالْوَزْنُ یَوْمَىٕذِ اِلْحَقُّ ۚ"[1] ویحتمل النقد احتمالًا لاصارف

اور مقام کی تحقیق اس طور پر جو مجھے اللہ ملک العلام نے الہام کیا یہ ہے کہ علم قطعی دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ احتمال جڑ سے منقطع ہوجائے بایں طور کہ اس کی کوئی خبر یا اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔اور یہ اخص اعلٰی ہے جیسا کہ محکم اور متواتر میں ہوتا ہے۔اور اصولِ دین میں یہی مطلوب ہے۔تو اس میں نصِ مشہور پر کفایت نہیں ہوتی۔

دوسرا: یہ کہ اس جگہ ایسا احتمال نہ ہو جو دلیل سے ناشی ہو اگرچہ نفس احتمال باقی ہو۔جیسے کہ مجاز اور تخصیص۔اور باقی وجوہِ تاویل۔جیسا کہ ظواہر اور نصوص اور احادیث مشہورہ میں ہے۔اور پہلی قسم کا نام علم یقین ہے اور اس کا مخالف کافر ہے علماء میں اختلاف کے بموجب مطلقًا۔جیسا کہ فقہائے آفاق کا مذہب ہے یا ضروریات دین کی قید کے ساتھ یہ حکم مخصوص ہے جیسا کہ علمائے متکلمین کا مشرب ہے اور دوسرے کا نام علم طمانیت ہی اور اس کا مخالف بدعتی و گمراہ ہے اور اس کو کافر کہنے کی مجال نہیں۔جیسے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے کا مسئلہ۔اللہ تعالٰی کا قول ہے "اور قیامت کے دن تول ہونا برحق ہے" اور یہ آیت نقد (پرکھ) کا ایسا احتمال رکھتی ہے۔

[1] القرآن الکریم ۷/۸

اليه ولا دليل اصلاعليه فيكون كقولك"وزنته بميزان العقل"وهورائج فى العجم ايضًاتقول"سخن سنج"اى ناقدا لكلام۔ و مسئلة رؤية الوجه الكريم للمؤمنين۔رزقنا المولٰى بفضله العميم۔قال تعالٰى "وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ ﴿۲۳﴾ "[1] ويحتمل احتمالًا كذلك ارادة الامل و والرجاء وهو ايضًا مما توافقت عليه العرب والعجم تقول"دستِ نگر من ست"اى يرجو عطائى ويحتاج الٰى نوالى وهٰكذا مسئلة الاسراء الى السمٰوٰت العلى و الشفاعة الكبرٰى للسيد المصطفٰى عليه افضل التحية والثناء فكل ذل ثابت بنصوص قواطع بالمعنى الثانى۔ ولذا لا نقول بالكفار المعتزلة والروافض اولالين المأؤلين۔و هكذا الظن له معنيان اذ مقابل الاعم اخص والاعم اخص كما لا يخفى۔اذا عرفت هذا فمسئلتنا هذه ان اريد فيها القطع بالمعنى الاخص فهذا

جس کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز نہیں اور نہ اصلًا اس پر کوئی دلیل ہے۔اب آیت کا معنٰی تمہارے قول "میں نے اس کو میزانِ عقل سے تولا" کے مثل ہوگا۔اور یہ عجم میں رائج ہے۔تم کہتے ہو "سخن سنج" یعنی کلام کو پرکھنے والا۔

اور مومنین کے لیے اللہ تبارک وتعالٰی کے دیدار کا مسئلہ۔ مولائے کریم اپنے فضل عظیم سے نصیب فرمائے۔اللہ تعالٰی نے فرمایا "کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے "احتمال رکھتا ہے اسی طرح اُمید ورجاء کے ارادے کا۔اور یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن پر اب عرب وعجم سب متفق ہیں۔تم کہتے ہو "دستِ نگر من ست" یعنی میری عطا کی امید رکھتا ہے اور میری بخشش کا محتاج ہے۔اور اسی طرح آسمانوں کی سیر اور شفاعتِ کُبری محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے کہ یہ تمام باتیں دوسرے معنی پر نصوصِ قطعی سے ثابت ہیں۔اور اسی لیے ہم تاویل کرنے کے سبب معتزلہ اور اگلے روافض کی تکفیر نہیں کرتے۔اور اسی طرح ظن کے دو معنی ہیں اس لیے کہ اعم کا مقابل اخص ہے اور اعم اخص ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔جب تم نے یہ جان لیا تو ہمارا یہ مسئلہ اگر اس میں قطعی بالمعنی الاخص مراد لیا جائے تو یہ

[1] القرآن الكريم ۷۵ /۲۳و۲۲

جبل وعرصعب المرتقی۔اذما وردفیھا فامانص او ظاھر وکلاھما یقبلان التاویل ولو قبولًا ضعیفًا بعیدًا او ابعد اضعف مایکون کالا تقی فیما نحن فیه یحتمل التجوز بالبالغ فی التقوی والخیر والافضل فی الاحادیث یحتمل تقدیر من کقول القائل "فلان اعقل الناس" وما جاء من الاحادیث مفسّرًا محکمًا فاحاد تطرق الیھا الاحتمال من قبل النقل لکنا مالنا ولھذا القطع، اذلا نقول باکفار المفضلة ومعاذ الله ان نقول اما الا بتداع فیثبت بخلاف القطع بالمعنی الثانی وھو حاصل لا شك فیه لایسوغ انکارہ الا لغافل او متغافل فقد تظافرت علیه النصوص تظافرا جلیا و بلغت الاخبار تواترًا معنویا والاحتمالات الرکیکة السخیفة الناشیة من غیر دلیل لا تقدح فی القطع بھٰذا المعنی کما صرحت به علماء الاصول و زادنا نورًا الٰی نورو رشادًا الٰی رشاد اجماع الصحابة الکرام و	پہاڑ ہے سخت دشوار گزار چڑھائی والا۔اس لیے کہ اس میں جو کچھ وارد ہوا ہے یا تو نص ہے یا ظاہر ہے اور دونوں تاویل کو قبول کرتے ہیں اگرچہ ضعیف بعید یا بہت زیادہ ابعد اضعف سہی۔ جیسے کہ ہمارے اسی مسئلہ میں جس میں ہمیں بحث ہے جیسے کہ اتقی، تقویٰ اور خیر میں بالغیت کے معنی مجازی کا احتمال رکھتا ہے اور احادیث میں لفظ افضل کے مقدر ہونے کا احتمال رکھتا ہے جیسے کوئی کہے "فلان اعقل الناس" (فلاں شخص لوگوں سے زیادہ عاقل ہے) اور جو احادیث مفسر محکم آئیں تو وہ خبر واحد ہیں جن میں روایت کی طرف سے احتمال راہ پاتا ہے لیکن ہمیں اس طرز کے قطعی سے کیا کام۔اس لیے کہ ہم تفضیلیوں کے کافر ہونے کا قول نہیں کرتے اور اللہ کی پناہ ہو کہ ہم یہ قول کریں۔ لیکن اُن کا بدعتی ہونا وہ تو ثابت ہے برخلاف قطعی بمعنی دیگر تو وہ بلاشک حاصل ہے جس کا انکار سوائے غافل یا غافل بننے والے کے کسی کو نہ بن پڑے گا اس لیے کہ اسپر واضح کثرت کے ساتھ نصوص آئیں اور احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئیں اور رکیک کمزور احتمالات جو کسی دلیل سے ناشی نہیں ہوتے اس معنی پر قطعی میں اثر انداز نہ ہوں گے۔ جیسا کہ علمائے اصول نے اس کی تصریح کی ہے اور ہمارے لیے نُور پر نور بڑھایا اور ہدایت کے اوپر ہم کو ہدایت کی صحابہ کرام اور

التابعین العظام ما نقله جمهور الائمة الاعلامه، منهم سیدنا عبدالله بن عمر و ابو هریرة من الصحابة ومیمون بن مهران من التابعین والامام الشافعی من الاتباع وغیرهم من لایحصون لکثرتهم۔ و حکایة ابن عبدالبر لا معقولة فی الدرایة ولا مقبولة فی الروایة کما حققناه فی مطلع القمرین مع ما ارشدنا القرآن العظیم واحادیث المصطفٰی الکریم علیه افضل الصلوة والتسلیم الی دلائل جمة توخذ منهما بالاستنباط ووفق لها هذا الفقیر الضعیف کما عقدنا لها الباب الثانی من الکتاب البیر فلولا الا احد من هذه لشفی و کفی ودفع کل ریب ونفی، فکیف اذا کثرت وجلت وعقدت و حلت ورعدت و برقت و اضاء ت واشرفت فلا وربك لم یبق للشك محل ولا للریب مدخل والحمد لله الاعلی الاجل۔ اما قول من قال انا وجدنا النصوص متعارضة فهذا اخبار عن نفسه فکیف یحتج به علی من نظر وابصر ونقد واختبر فقتلها خبرا واحاط بما لدیها علمًا علی

تابعین عظام کے اجماع نے۔ جیسا کہ اس کو نقل کیا ہے جمہور آئمہ اعلام نے۔ ان میں عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ صحابہ میں سے۔ اور میمون ابن مہران تابعین میں سے۔ اور امام شافعی تبع تابعین میں سے۔ اور ان کے سوا جن کی گنتی نہیں بوجہ ان کی کثرت کے۔ اور ابن عبدالبر کی حکایت نہ تو از راہِ درایت معقول ہے اور نہ روایت مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کی ہے مطلع القمرین میں مع ان دلائل کثیرہ کے جن کی طرف ہماری رہنمائی قرآن عظیم اور احادیثِ مصطفٰی کریمہ علیہ الصلوۃ والسلام نے کی۔ یہ دلائل قرآن و حدیث سے استنباط کے ذریعہ ماخوذ ہیں اور ان کے لیے اس فقیر ناتواں کو توفیق ہوئی جیسا کہ ہم نے اس کے لیے اپنی کتاب کبیر کا باب دوئم باندھا ہے تو اگر ان دلائل میں سے نہ ہوتی مگر ایک دلیل تو وہ بھی شافی وکافی ہوتی اور ہر شک کی دافع و نافی ہوتی تو کیا گمان ہے جب کہ یہ دلائل کثیر و جلیل ہوں اور دین کی گرہیں باندھیں اور شبہوں کی رسیاں کھولیں اور گرجیں اور چمکیں اور روشن اور بلند ہوں تو تیرے رب کی قسم شک کا محل باقی رہا نہ شبہہ کا مدخل۔ والحمد للہ الاعلی الاجل۔ رہی اس کی بات جس نے ہا ہم نے نصوص کو متعارض پایا تو یہ اس کی اپنی حالت کی خبر ہے۔ تو وہ کیسے حجت لاتا ہے اس سے اس پر جس نے دیکھا اور غور کیا اور جانچا اور پرکھا تو نصوص کو خوب پرکھ کے جان لیا اور انکے پاس جو علم ہے اس کا احاطہ

انہ ان ارادا التعارض الصوری وقد یطلق علیہ ایضًا کقول الا صولیین یقدم المحکم علی المفسّرو المفسر علی النص والنص علی الظاھر عند التعارض مع انہ لاتعارض لضعیف مع قوی فھذا لا یضرنا ولا ینفعہ وان اراد الحقیقی اعنی تزاحم الحجتین علی حد سواء فنقول معنا ناش عن غفول وعلی قائلہ اومن یمشی بمشیہ ان ینور دعواہ ببینۃ مبینۃ وانی لھم ذالك ولیت شعری الامر یودی ضیق العطن اذا رأی احادیث لاتخیر وابین الانبیاء [1] ولا تفضلونی علی یونس بن متی [2] وافضل الانبیاء آدم [3] وذالك (ای) خیر البریۃ ابراھیم [4] ایقول بتعارض النصوص فی تفضیل المصطفٰی	کیا۔علاوہ بریں یہ کہ اگر اس نے تعارض صوری مراد لیا اور کبھی تعارض کا اطلاق اس پر بھی آتا ہے جیسے اصولی کہتے ہیں کہ محکم کو مفسر پر اور مفسر کو نص اور نص کو ظاہر پر تعارض کے وقت مقدم کیا جائے گا حالانکہ بلاشبہ ضعیف کا قوی کے ساتھ اصلاً تعارض نہیں ہوتا تو یہ ہم کو نقصان نہ دے گا نہ اس کو فائدہ دے گا اور اگر اس نے تعارض حقیقی مراد لیا یعنی دو دلیلوں کا برابری کی حد پر ایک دوسرے کے مزاحم ہونا تو ہم کہیں گے یہ معنی غفلت سے ناشی ہے اور اس کے قائل پر یا جو اس کے طریقے پر چلے لازم ہے کہ اپنے دعوی کو روشن دلیل سے منور کرے اور ان کو یہ کیونکر بن پڑے گا۔اور کاش میں سمجھتا کہ کہ بندش کی تنگی کا انجام یا ہوگا جبکہ وہ یہ حدیثیں دیکھتے کہ انبیاء میں باہم ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو اور مجھے یونس ابن متی پر فضیلت مت دو،اور آدم افضل انبیاء ہیں۔اور ابراہیم خلق میں سب سے بہتر ہیں۔کیا وہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] صحیح البخاری کتاب الخصومات باب ما یذکر فی الاشخاص قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵،صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل موسی علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد "الاصل السابع" دار الفکر بیروت ۲/ ۱۰۵

[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۳۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۱۶۰،

[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراھیم علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۵

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی العالمین جمیعا ام یرجع الٰی نفسہ فیدری ان التعارض شیئ ومجرد وجود النفی والاثبات شیئ اخر۔

وبھٰذا التحقیق البدیع الانیق الذی خصنا بہ المولٰی تبارك وتعالٰی امکن لنا التوفیق بین کلمات الائمۃ الکرام فمن قال بالقطع ونفی الظن فانما ارادا لقطع بالمعنی الا عم والظن وبالمعنی الاخص وھو حق لا مریۃ فیہ ومن عکس فقد عکس وھو صدق لاغبار علیہ۔فان تخالج فی صدرك ان المسئلۃ من الاعتقادیات فکیف اکتفیتم بالقطع بالمعنی الثانی۔

قلت ھذا اشد ورودًا علی القائلین بالظن ان ارادوا الظن بالمعنی الاخص والحل ان المسئلۃ لیست من اصول الاسلام حتی یکفر جاحدھا کمسئلۃ امامۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وبھذا المثال ینقطع قلب من قال من بطلۃ الزمان انھا اذا لم تکن من الاصول کما صریح بہ السید الشریف فی شرح المواقف[1]

کی سب جہان پر فضیلت میں تعارض نصوص کو مانے گا یا اپنے نفس کی طرف لوٹے گا تو سمجھے گا کہ تعارض ایک شے ہے اور مجرد وجود نفی واثبات دوسری شے ہے۔اور اس تحقیق انیق و بے نظیر سے جو خاص اللہ تبارک و تعالٰی نے ہم کو عنایت کی ہم کو آئمہ کرام کے کلمات میں مطابقت ممکن ہے تو جس نے اس مسئلہ کو قطعی کہا اور ظن کی نفی کی تو اس نے قطعی بالمعنی الاعم ہی کو مراد لیا اور ظن بالمعنی الاخص۔ اور حق یہ ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور جس نے عکس کیا تو اس نے عکس کیا اور وہ سچ ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔اب اگر تمہارے سینے میں یہ خلش ہو کہ یہ مسئلہ تو اعتقادیات سے ہے تو تم نے معنی ثانی میں قطعی پر کیسے اکتفا کر لیا۔

قلت(میں کہتا ہوں) یہ اعتراض ان لوگوں پر جو ظنی کے قائل ہیں زیادہ سختی کے ساتھ وارد ہوتا ہے جب کہ وہ ظن بالمعنی الاخص مراد لیں۔اور اس کا حل یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصولِ اسلام سے نہیں ہے کہ اس کا منکر کافر ٹھہرے۔جیسے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی خلافت کا مسئلہ۔اور اس مثال سے اس کا دل ٹکڑے ہو جائے گا جو اس زمانہ کے اہلِ باطل میں سے کہتا ہے کہ جب یہ مسئلہ اصول میں سے نہیں جیسا کہ سید شریف نے شرح مواقف

---

[1] شرح الموقف المرصد الرابع فی الامامۃ منشورات الرضی قم ایران ۸ /۳۴۴تا۴۰۱

وغیرہ من المتکلمین الفحول وکذا قد شھد علٰی نفسه بالرسة الکبرٰی فی مناصب الجھل والسفاھة من قال اذلم تکن قطعیة قلنا ان نطوی الکشح عن تسلیمھا قل لھم اترکوا الواجبات باسرھا ثم انظروا مایأتیکم من وعید الشریعة وتأثیمھا واذ قد علمت ان ھذا التحقیق یرفع الخلاف ویورث التطبیق فعلیك به اتفقت الاقوال اواختلفت اذ کلمة جامعة خیر من آراء متدافعة فان رأیت شیئا من کلمات المتاخرین تابی ھذا النور المبین فاعلم ان تخطیة ھذاالبعض خیر من تخطیة احد الفریقین من آئمه الدین،لاسیما القائلین بالقطع فھم العمد الکبار للدین الحنیف۔وبھم تشید ارکان الشرع المنیف۔ فمنھم من ھو اولھم واولٰھم سیدھم ومولٰیھم اکثرھم للتفضیل تفصیلا واشد ھم علی المخالف تنکیلا سیدنا المرتضٰی اسد اللہ العلی الاعلی کرم اللہ تعالٰی وجھه الکریم اذقد تواتر عنه فی ایام امامته وکرسی زعامته

میں اور دوسرے علماء متکلمین نے اس کی تصریح کی اور یونہی مناسب جہل وحماقت میں اپنی زعامتِ کبرٰی پر گواہی دی اس نے جس نے یہ کہا کہ جب یہ مسئلہ قطعی نہیں ہے تو ہمیں اختیار ہے کہ ہم اسے تسلیم کرنے سے پہلو تہی کریں۔ان سے ہو سارے واجبات کو چھوڑ دو پھر دیکھو کہ تمہارے پاس شریعت کی کیسی وعید اور تمہارے گنہ گار ہونے کی تہدید آتی ہے۔جب تم نے جان لیا کہ یہ تحقیق خلاف کو اٹھاتی اور کلماتِ علماء میں مطابق پیدا کرتی ہے تو تم اس کو لازم پکڑو اقوال متفق ہوں یا مختلف اس لیے کہ ایک جامع بات باہم ٹکراتی باتوں سے بہتر ہے تو اگر تم دیکھو کلماتِ متاخرین میں کوئی عبارت اس نورِ مبین سے اِباء کرتی ہے تو جان لو کہ اس بعض کو خاطی جاننا بہتر ہے اس سے کہ آئمہ دین میں کسی فریق کو خاطی ٹھہرایا جائے خصوصًا وہ آئمہ کرام جو اس مسئلہ کو قطعی کہتے ہیں اس لیے کہ وہی دین حنیف کے بڑے ستون ہیں اور انہیں سے شرع بلند وبرتر کے ستون قائم ہیں۔تو ان میں سے ایک وہ ہیں جو سب سے زیادہ اول واولٰی اور ان سب کے سید ومولٰی اور مسئلہ تفضیل کو سب سے زیادہ بیان کرنے والے اور مخالفین کو سخت سزا کا خوف دلانے والے سیدنا علی مرتضٰی اللہ بلند وبالا کے شیر کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم اس لیے کہ ان کے ایامِ خلافت اور کرسی زعامت میں

تفضیل الشیخین علٰی نفسه وعلی سائر الامة۔ ورٰی بهابین اکتاف الناس و ظهورهم حتی جلی ظلام شکوك مدلهمة۔ روی الدارقطنی عنه رضی الله تعالٰی عنه قال لااجد احدًا فضلنی علی ابی بکر و عمر الا جلدته حد المفترٰی[1] عـــه۔	ان کا شیخین ابوبکر و عمر کو خود پر اور تمام امت پر فضیلت دینا تواتر سے ثابت ہوا اس کو لوگوں کے کندھوں اور پشتوں پر مارا یعنی اس مسئلہ کو لوگوں کے سامنے اور ان کے پیچھے خوب روشن کیا یہاں تک کہ تیرہ و تار شبہات کی اندھیری کو دور کر دیا۔ دارقطنی نے اسی جناب سے روایت کیا۔ فرمایا میں کسی کو نہ پاؤں گا جو مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دے مگر یہ کہ میں اس کو مفتری کی حد مار دوں گا۔

عـــه: وقد کان رضی الله تعالٰی عنه یبوح بهذا فی المجامع الشاملة والمحافل الحافلة والمساجد الجامعة وفیهم من فیهم من الصحابة والتابعین لهم باحسان ثم لم ینقل عن احد منهم انه ردقوله هذا ولقد کانوا اتقٰی الله تعالٰی من ان یسکنوا عن حق اویقروا علٰی خطأ هم الّذین وصف الله سبحٰنه وتعالٰی فی القرآن العظیم بانهم "خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

اور سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ عام مجمعوں میں اور بھری محفلوں میں اور جامع مسجدوں میں اس بات کا اعلان فرماتے تھے اور لوگوں میں صحابہ اور تابعین کرام موجود ہوتے تھے پھر ان میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول کو رد کیا ہو اور بے شک وہ اللہ تعالٰی سے بہت ڈرنے والے تھے اور اس بات سے دور تھے کہ حق بتانے سے خاموش رہیں یا کسی خطا کو مقرر رکھیں حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تبارک و تعالٰی نے قرآن عظیم میں یوں بیان فرمایا "اور تم بہترین اُمت ہیں جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی کہ (باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

[1] الصواعق المحرقة بحواله الدارقطنی الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۱

قال سلطان الشان ابو عبداللہ الذهبی حدیث صحیح۔	اس فن کے سلطان حضرت ابو عبداللہ ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔
قلت انظر الی هذا الوعید الشدید ا افتراہ معاذ اللہ مجترأعلی اللہ تعالٰی فی اجراء الحدود مع تعارض الظنون وھو الراوی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علی وسلم ادرؤاالحدود [1] اخرجه عنه الدار قطنی والبیهقی۔ وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم	**قلت** (میں کہتا ہوں) اس وعید شدید و دیکھو تو کیا تم حضرت علی کو گمان کروگے پناہ بخدا اللہ تبارک و تعالٰی پر جرات کرنے والا حدود کو جاری کرنے میں باوجود گمانوں کے تعارض کے حالانکہ وہی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ فرمایا "حدود کو دفع کرو۔ مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیہقی ودار قطنی نے روایت کیا اور فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے "مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو جب تک تم کو استطاعت ہے۔ تم اگر تم مسلمان کے لیے کوئی راہِ خلاص پاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" [2] وائمتهم الکرام کانوا اتقی ومنهم احرص علی الرشد والصواب۔ و قد کانوا یحثون العلماء علی ابانة الحق ان خطاء وتقویمه الاودان مالوا۔	بھلائی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے ہو" اور اس گروہ کے آئمہ کرام ان سے زیادہ متقی اور ہدایت و صواب پر ان سے زیادہ حریص تھے اور علماء کو حق ظاہر کرنے پر اکساتے تھے اگر ان سے خطا ہو اور کجی کو درست کرنے کی ترغیب دیتے تھے اگر وہ منحرف ہوں۔

[1] سنن الدار قطنی کتاب الحدود والدیات حدیث ۳۰۶۲ ۳/ ۶۲ دار المعرفة بیروت ۳/ ۶۲، سنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبهات دار صادر بیروت ۸/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۰

فان وجد تم للمسلم مخرجًا فخلوا سبیله فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة رواہ ابن ابی شیبة والترمذی [1] والحاکم و البیھقی عن اُم المومنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنھا ومنھم میمون ابن مھران من فقھاء التابعین سُئِل ابوبکر و عمر افضل امر علی۔فقف شعرہ و ارتعدت فرائصه حتی سقطت عصاہ من یدہ وقال ما کنت اظن ان اعیش الٰی زمان یفضل الناس فیه احدًا علی ابی بکر و عمر او کما قال رواہ ابونعیم [2] عن فرات بن السائب۔ومنھم عالم المدینة الامام مال بن انس رضی اللہ تالٰی عنه سُئِل عن افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لیے کہ امام کا در گزر میں خطا کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ عقوبت میں خطا کرے" اس حدیث کو ابن ابی شیبہ۔ترمذی۔حاکم اور بیہقی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا اور انہیں میں سے حضرت میمون ابن مہران ہیں جو کہ فقہائے تابعین سے ہیں ان سے سوال ہوا کہ سیدنا ابوبکر و عمر افضل ہیں یا علی تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور ان کی رگیں پھڑکنے لگیں یہاں تک کہ چھڑی ان کے ہاتھ سے گر گئی اور انہوں نے کہا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک جیوں گا۔جس میں لوگ ابوبکر و عمر پر کسی کو فضیلت دیں گے۔یا جیسا انہوں نے فرمایا اس حدیث کو روایت کیا ابونعیم نے فرات بن سائب سے۔اور انہیں میں سے عالمِ مدینہ امام مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل کے بارے میں۔تو فرمایا ابوبکر و عمر۔پھر

[1] المستدرك للحاکم کتاب الحدود باب ان وجدتم لمسلم مرجا الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۸۴، جامع الترمذی ابواب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۱، السنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات دار صادر بیروت ۸/ ۲۳۸، المصنف لابن ابی شیبیه کتاب الحدود باب فی درء الحدود بالشبھات حدیث ۲۸۴۹۳ دار الکتب العلمیه بیروت ۵/ ۵۰۸

[2] حلیة الاولیاء ترجمہ ۲۵۱ میمون بن مھران دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۹۲ و ۹۳

فقال ابوبکر و عمر۔ثم قال اوفی ذٰلك شك[1] ومنهم الامام الاعظم الاقدم الاعلم الاکرم سیدنا ابو حنیفه رضی الله تعالٰی عنه سئل ن علامات اهل السنة فقال ان تفضل الشیخین وتحب الختنین و تمسح علی الخفین[2] ومنهم عالم قریش مالئی طباق الارض علمًا سیدنا الامام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نقل اجماع الصحابة والتابعین علٰی تفضیل الشیخین ولم یحك خلافا[3] ومنهم امام اهل السنة و الجماعة صاحب الحکمة الیمانیة سیدنا الامام ابو الحسن الاشعری رحمة الله تعالٰی علیه کما نقل عنه العلماء الثقات ومنهم الامام الهمام حجة الاسلام ذکر فی قواعد عقائد الاماجد وذر فیها مسئلة التفضیل وقال فی اٰخرها ان فضل

فرمایا کیا اس میں کوئی شک ہے۔اور انہیں میں سے امام اعظم اقدم سب سے زیادہ علم رکھنے والے سب سے زیادہ مکرم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا اہلسنت کی علامات کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا اہلسنت کی پہچان یہ ہے کہ تو شیخین ابوبکر و عمر کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل جانے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں دامادوں سے محبت کرے اور خفین پر مسح کرے۔انہیں میں سے عالم قریش زمین کے طباق کو علم سے بھرنے والے سیدنا امام محمد ابن ادریس شافعی مطلبی انہوں نے صحابہ اور تابعین افضلیتِ شیخین پر اجماع نقل کیا۔ اور انہیں میں امام اہلسنت و جماعت حکمتِ یمانیہ سیدنا امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں۔جیسا کہ ان سے علمائے ثقات نے نقل کیا اور انہیں میں امام ہمام حجۃ الاسلام (غزالی) انہوں نے قواعد العقائد میں مجد والے آئمہ کے عقائد کو ذکر کیا اور ان عقائد میں مسئلہ تفضیل کو ذکر کیا اور اس کے آخر میں کہا کہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة المقصد السابع الفصل الثالث دار المعرفة بیروت ۷ /۳۸

[2] تمہید ابی الشکور السالمی الباب الحادی عشر القول السادس دار العلوم حزب الاحناف لاہور ص ۱۶۵، خلاصة الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۳۸۱

[3] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد السابع الفصل الثالث دار المعروفة بیروت ۷/ ۳۹، تدریب الراوی شرح تقریب النوادی النوع التاسع والثلاثون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۹۶

الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم علی حسب ترتیبهم فی الخلافة اذ حقیقة الفضل ما هو فضل عند الله عزوجل وذٰلك لا یطلع علیه الّا الرّسول صلی الله تعالٰی علیه وسلم [1] وان یعتقد فضل الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم و ترتیبهم وان افضل الناس بعد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله تعالٰی عنهم [2] ومنهم الامام جبل الحفظ علامة الورٰی سیدنا ابن حجر العسقلانی والامام العلام احمد بن محمد القسطلانی و المولٰی الفاضل عبدالباقی الزرقانی و ناظم قصیدة بدء الامالی والفاضل الجلیل مولانا علی القاری وغیرہم رحمة الله تعالٰی علیهم اجمعین حدثنا المولٰی الثقة الثبت سلالة العارفین السید الشریف الفاطمی سیدنا ابوالحسین احمد النوری قال سمعت شیخی و مرشدی سیدنا ومولانا اٰل الرسول الاحمدی قال سمعت الشاہ عبدالعزیز الدهلوی یقول تفضیل الشیخین قطعی او کالقطعی۔	فضیلت خلافت میں ان کی ترتیب کے موافق ہے اس لیے کہ حقیقتِ فضل وہ ہے جو اللہ کے نزدیک فضل ہو اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ یا آدمی صحابہ رضوان اللہ علیہم کی فضیلت اور اس میں ترتیب کا اعتقاد کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ اور انہیں میں امام حفظ کے پہاڑ علامہ جہاں سیدنا امام حجر عسقلانی اور امام علام احمد بن محمد قسطلانی اور مولٰی فاضل عبدالباقی زرقانی اور قصیدہ بدء الامالی کے ناظم اور فاضل جلیل مولانا علی قاری وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ہیں۔ ہم سے حدیث بیان کی مولٰی ثقہ ثبت سلالۃ العارفین سید شریف فاطمی سیدنا ابوالحسین نوری نے انہوں نے فرمایا میں نے سنا اپنے شیخ اور مرشد آل رسول احمدی سے انہوں نے فرمایا میں نے سنا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے وہ فرماتے تھے شیخین کی فضیلت قطعی ہے یا قطعی جیسی ہے۔

[1] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث مطبعة المشهد الحسینی القاهرہ ۱/ ۱۱۵
[2] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الاول مطبعة المشهد الحسینی القاهرہ ۱/ ۹۳

اقول: ولك ان تحمل الترديد على التنويع دون التردد۔ فالمعنى قطعي بالمعنى الثاني وكالقطعي بالمعنى الاول۔ ومن ھٰھنا بان لك ان من قال رأينا المجمعين ايضًا ظانين غير قاطعين فقد صدق ان ارادالظن بالمعنى الاعم والقطع بالمعنى الاخص۔ ولا يضرنا ولا ينفعه وان عكس فقد غلط وهو محجوج بدلائل لاقبل له بها والله تعالٰى اعلم۔ هذا جملة القول فى هذاالمقام وقد اشرناك الى نكت تجلو بها الظلام اما التفصيل فقد فرغنا عنه فى كتاب التفضيل بتوفيق الملك الجليل۔ ولاحول ولا قوة الا بالله	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور تمہیں اختیار ہے کہ تردید کو تقسیم پر محمول کرو نہ کہ تردد پر۔ تو معنی یہ ہے کہ معنی ثانی پر فضیلت شیخین قطعی ہے اور معنی اول پر قطعی جیسی ہے اور یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ جس نے یہ کہا کہ ہم نے اس مسئلہ میں اجماع کرنے والوں کو دیکھا کہ وہ بھی ظن پر قائم ہیں قطعی فیصلہ نہیں کرتے تو وہ سچا ہے اگر اس نے ظن بالمعنی الاعم مراد لیا اور قطعی بالمعنی الاخص کا قصد کیا۔ اور یہ کہ ہم کو نقصان دہ نہیں اور اس کو سود مند نہیں اور اگر وہ اس کا عکس مراد لے تو اس نے غلط کہا اور اس پر ان دلائل سے حجت قائم ہے جن کے مقابل کی اس کو طاقت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم اس مقام میں یہ مختصر قول ہے اور ہم نے تمہیں اشارہ کیا اُن نکتوں کی طرف جن سے اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ رہی تفصیل تو ہم اس سے فارغ ہوچکے ہیں۔ کتاب تفصیل میں اللہ ملک جلیل کی توفیق سے۔ اور برائی سے پھرنے اور نیکی یک طاقت نہیں مگر اللہ سے۔
لطيفة: قال الامام الرازى فى مفاتيح الغيب سورة و الليل سورة ابى بكر۔ و سورة والضحٰى سورة محمد عليه الصلوة والسلام ثم ماجعل بينهما واسطة ليعلم انه لا واسطة بين محمد صلى الله تعالٰى عليه وسلم وابى بكر فان ذكرت الليل اولًا وهو ابو بكر	**لطیفہ:** فرمایا امام رازی نے مفاتیح الغیب میں کہ سورہ واللیل ابوبکر کی سورۃ ہے اور سورہ والضحٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت ہے۔ پھر اللہ تعالٰی نے ان سورتوں کے درمیان واسطہ نہ رکھا تاکہ معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر کے درمیان کوئی شخص واسطہ نہیں تو اگر تم پہلے واللیل کا ذکر کرو وہ ابوبکر ہیں پھر

ثم صعدت وجدت بعدہ النھار وھو محمد صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وان ذکرت والضحٰی اولا وھو محمد صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ثم نزلت وجدت بعدہ واللیل وھو ابوبکر لیعلم انه لاواسطة بینھما[1] انتھی

اقول: وکان تقدیم واللیل علٰی ھذا التقدیر لانھا جواب عن طعن الکفار فی جناب الصدیق والضحٰی جواب عن طعنھم فی سید المرسلین صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وتبرئة النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لا تستلزم تبرئة الصدیق لانه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اعلی وبراءة الاعلی لا توجب براءة الادنی و تبرئة الصدیق رضی اللّٰه تعالٰی عنه یحکم تبرئة النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم بالطریق الاولٰی اذ انما بری لانه عبد بذاك البریٔ النقی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فکان فی تقدیم واللیل استعجالًا الی الجواب عن الطعنین معًا ولو اخرلتأخر الجواب عن طعن الصدیق۔

اقول: تسمیة سورة الصدیق

چڑھو تو اس کے بعد دن کو پاؤ گے تو وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور اگر تم پہلے والضحٰی کا ذکر کرو اور وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ پھر اترو تو اس کے بعد واللیل کو پاؤ گے اور وہ ابوبکر ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

اقول: اور واللیل کو تقدیم اس تقدیر پر اس لیے ہے کہ وہ جناب صدیق کے بارے میں کفار کے طعنہ کا جواب ہے اور والضحٰی ان کے طعنہ کا جواب ہے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی براءت صدیق کی براءت کو مستلزم نہیں اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلٰی ہیں اور اعلٰی کی براءت ادنی کی براءت کو لازم نہیں کرتی اور صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی براءت بدرجہ اولے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی براءت کا حکم کرتی ہے اس لیے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اس لیے بری ہوئے کہ اس بری نقی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غلام ہیں تو واللیل کی تقدیم میں ایک ساتھ دونوں طعنوں کے جواب کی جلت ہوئی اور اگر واللیل کو مؤخر کیا جاتا تو صدیق کے طعنہ کا جواب مؤخر ہو جاتا،

اقول: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۳/ ۱تا۳ المطبعة البھیته المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۹

باللیل وسورۃ المصطفٰی بالضحٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنہ کانہ اشارۃ الٰی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور الصدیق وھداہ ووسیلۃ الی اللہ بہ یبتغٰی فضلہ ورضاہ والصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ راحۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووجہ انسہ وسکونہ واطمینان نفسہ و موضع سرہ ولباس خاصتہ فقد قال تبارو تعالٰی "وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ۝" [1] و قال تعالٰی "جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝" [2] وتلمیح الٰی ان نظام عالم الدین انما یقوم بھما کما ان نظام عالم الدنیا یقوم بالملوین فلولا النھار لما کان ابصارو لو لااللیل لما حصل قرار فالحمد للہ العزیز الغفار۔ **لطیفۃ:** استنباط القاضی الامام ابوبکر الباقلانی من الایات	تعالٰی عنہ کی سورت کو واللیل کا نام دینااور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت کا نام ضحٰی رکھنا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صدیق کا نور اور ان کی ہدایت اور اللہ کی طرف ان کا وسیلہ جن کے ذریعہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کی جاتی ہے اور صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راحت اور ان کے انس وسکون اور اطمینان نفس کی وجہ ہیں اور ان کے محرم راز اور ان کے خاص معاملات سے وابستہ رہنے والے اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالٰی فرماتا ہے "اور رات کو پردہ پوش کیا" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے "تمہارے لیے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لیے کہ تم حق مانو" اور یہ اس بات کی طرف تلمیح ہے کہ دین کا نظام ان دونوں سے قائم ہے جیسے کہ دنیا کا نظام دن رات سے قائم ہے تو اگر دن نہ ہو تو کچھ نظر نہ آئے اور رات نہ ہو تو سکون حاصل نہ ہو۔ تو اللہ عزیز غفار ہی کے لیے حمد ہے۔ **لطیفہ:** قاضی امام ابوبکر باقلانی نے اس آیۃ کریمہ سے حضرت سیدنا مرتضٰی پر فضیلت

---
[1] القرآن الکریم ۷۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۳

الکریمة وجها اٰخر لتفضیل سیدنا الصدیق علٰی سیدنا المرتضی لقاهما الله تعالٰی باحسن الرضا۔ انبانا السراج عن الجمال عن السندی عن الفلانی عن محمد سعید عن محمد طاهر عن ابیه ابراهیم الکردی عن القشاشی عن الرملی عن الزین زکریا عن ابن حجر عن مجد الدین الفیروز آبادی عن الحافظ سراج الدین القزوینی عن القاضی ابی بکر التفتازانی عن شرف الدین محمد بن محمد الهروی عن محمد بن عمر الرازی قال فی مفاتیح الغیب" ذکر القاضی ابوبکر الباقلانی فی کتاب الامامة فقال ایة الواردة فی حق علی کرم الله وجهه الکریم: " اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ۝۱۰ "والایة الواردة فی حق ابی بکر " اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ۝۲۰ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰی ۝۲۱ " فدلت الایتان

صدیق کی دوسری وجہ استنباط کی۔اللہ تبارک و تعالٰی دونوں کو اپنی بہترین رضا سے ہمکنار کرے۔ہمیں خبر دی سراج نے وہ روایت کرتے ہیں جمال سے۔وہ روایت کرتے ہیں سندی سے۔وہ روایت کرتے ہیں محمد سعید سے۔وہ روایت کرتے ہیں محمد طاہر سے۔وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ ابراہیم ردی سے۔وہ روایت کرتے ہیں قشاشی سے۔وہ روایت کرتے ہیں رملی سے۔وہ روایت کرتے ہیں زین زکریا سے۔وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر سے۔وہ روایت کرتے ہیں مجد الدین فیروز آبادی سے۔وہ روایت کرتے ہیں حافظ سراج الدین قزوینی سے۔وہ روایت کرتے ہیں قاضی ابوبکر تفتازانی سے۔وہ روایت کرتے ہیں شرف الدین محمد بن محمد الہروی سے۔وہ روایت کرتے ہیں محمد بن عمر رازی سے۔انہوں نے مفاتیح الغیب میں فرمایا قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الامامۃ میں ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ آیت جو علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں وارد ہے "ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن اڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے"اور وہ آیت جو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں وارد ہوئی"صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب

ان کل احد منهما انما فعل ما فعل لوجه الله الا ان اٰیة علی تدل علی انه فعل ما فعل لوجه الله وللخوف من یوم القیمة علٰی ما قال "انا نخاف من ربنا یومًا عبوسا قمطریرا" واما اٰیة ابی بکر فانها دلت علی انه فعل ما فعل لمحض وجه الله تعالٰی من غیر ان یشوبه طمع فیما یرجع الٰی رغبة فی ثواب او رهبة من عقاب فکان مقام ابی بکر اعلٰی واجل [1] انتھٰی	سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا" یہ دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے نیکی اللہ کی خوشنودی کے لیے کی مگر یہ کہ سیدنا علی کے حق میں جو آیت اُتری وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اللہ کی خوشنودی اور روزِ قیامت کے ڈر سے کیا اس بناء پر انہوں نے کہا "بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش اور نہایت سخت ہے" اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اترنے والی آیت وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا محض اللہ کے لیے کیا بغیر اس کے کہ اس میں کچھ طمع کا شائبہ ہو اس امر میں جو ثواب میں رغبت یا عذاب میں ہیبت کی طرف لوٹتا ہے۔ تو ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقام اعلٰی اور اجل ہوا انتہی،
اقول: والتحقیق ان جملة جلة الصحابة الکرام رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین ارقی فی مراقی الولایة والفناء عن الخلق والبقاء بالحق من کل من دونهم من اکابر الاولیاء العظام کائنین من کانوا۔ وشانهم رضی الله تعالٰی عنهم ارفع واعلٰی من ان یقصدوا	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلّہ صحابہ کرام مراتبِ ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقا کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاء عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں۔ اور ان کی شان ارفع و اعلٰی ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں۔ لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آلایة ۹۲/ ۲۰و۲۱ المطبعة البهتیه المصرتیه مصر ۳۱/ ۲۰۶و۲۰۷

باعمالهم غیر الله سبحٰنه وتعالٰی لکن المدارج متفاوتة والمراتب مترتبة وشئی دون شئی وفضل فوق فضل۔ و مقام الصدیق حیث انتهت النهایات وانقطعت الغایات ذاهورضی الله تعالٰی عنه کما صرح به امام القوم سیدی محی الملة والدین ابن عربی قدس الله تعالٰی سره الزکی امام الائمة ومالك الازمة ومقامه فوق الصدیقیة ودون النبوة التشریعیة ولیس احدبینه وبین مولاه الاکرم محمد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وعلی اسم خاتم الرسالة ختمنا الرسالة، والحمد لله مولی الجلالة۔ تم الکتاب علٰی ثناء الهاشمی ختم الاله لناعلی اسم الخاتم "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾ "[1]۔	ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہوگئیں اس لیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ امام القوم سیدّی محی الدین ابن عربی قدس سرہ الزکی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کی لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے۔ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرام محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درمیان کوئی نہیں۔اور خاتم رسالت کے نام ہم نے اپنا یہ رسالہ تمام کیا اور اللہ کے لیے حمد ہے جو مالک ہے جلالت کا۔ کتاب رسول ہاشمی کی ثناء پر تمام ہوئی اور اللہ تعالٰی ہمارا خاتمہ فرمائے۔ خاتم النبیین کے نام پر۔ "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾ "

رسالہ الزلال الانقٰی من بحر سبقة الاتقٰی ختم ہوا

نوٹ

جلد ۲۸ کتاب الشتی حصّہ سوم فضائل و مناقب کے عنوان پر اختتام پذیر ہوئی

جلد ۲۹ کتاب الشتی کے حصّہ چہارم سے شروع ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۷ / ۱۸۰ تا ۱۸۲